پیشکش حوزہ علمیہ جامعۃ المنتظر ماڈل ٹاؤن ۰ لاہور

کتاب لاجواب

عروج السعادۃ

ترجمہ

معراج السعادۃ

مصنف

علامہ احمد نراقی علیہ الرحمہ

مترجم

میر محمود علی لائق

یہ کتاب ان مرحومین کے روح کی ارواح کے ثواب کے لئے
وقف کی گئی ہے۔

۱۔ قاسم علی دیوجی لاکھانی
۲۔ سکینہ بائی سنگجی
۳۔ علی محمد قاسم علی لاکھانی
۴۔ حاجی عبداللہ سنگجی۔
۵۔ حاجی محمد علی بھائی الادین پٹیل
۶۔ حاجی کاظم علی کوثری
۷۔ کلثوم بائی عبداللہ سنگجی
۸۔ مریم بائی قاسم علی لاکھانی
۹۔ رضا حسین بھائی دیوراج
۱۰۔ نور زہرہ غلام حسین لاکھانی
۱۱۔ نور بانو بائی قاسم علی لاکھانی
۱۲۔ خیر النساء بائی قاسم علی لاکھانی
۱۳۔ شریف بھائی سنگجی
۱۴۔ سکینہ بائی الادین

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ

عروج السّعادة

ترجمہ

معراج السّعادة

دربیانِ حقیقت و شرافتِ انسانیت و راہِ معرفتِ حدانیّت و الوہیّت

مترجم

ناظم فائق و ناثر رائق دانندۂ دقائق و رسندۂ حقائق

مولوی میر محمود علی صاحب لائق

منصب دار و وکیل درجۂ اوّل

ناشر:

مکتبہ ولی العصرؑ

ایچ بلاک — ماڈل ٹاؤن — لاہور

سالِ طبع ———————— ۱۹۹۲ء
طابع ———————— مکتبہ دلی العصر
مطبع ————————
قیمت ————————
کتابت ———————— منیر احمد انیس
زیرِ نگرانی ———————— شاہ کارپوریشن، لاہور

ناشر
مکتبہ دلی العصر
ایچ بلاک - ماڈل ٹاؤن - لاہور

دیباچۂ مترجم

حمد وسپاس بیقیاس اُسی یگانہ و بے ہمتا کے لیے سزاوار ہے جس کے لمعاتِ انوارِ جلال وجمال قلوبِ اہلِ عرفان میں جلوہ گر ہیں۔ جس کے براہینِ ربُوبیّت عرش سے لے کر فرش تک ذرّے ذرّے میں اپنی تابش دکھا رہے ہیں۔ ہر وجُود جس کی ایجاد پر گواہی کے لیے تیار، اور ہر شے میں جس کا فیضِ ربوبیّت آشکار۔ عوالمِ ممکنات اُس کے عشق کی زنجیروں میں وابستہ۔ ہر ذرّے میں حرکت اور ہر حرکت اُسی کی تلاش میں سرگشتہ۔ ہر رنگ میں ظاہر بلکہ ظہُور اُسی کے لیے مخصُوص۔ ہر ظہور میں غائب حتّٰی کہ غیب اُسی کے لیے منصوص۔ دیدۂ ظاہر اُس کے ادراک سے عاجز اور چشمِ بصیرت درجۂ ملاقات پر فائز۔ عقُولِ اِدراک کُنہِ حقیقت میں حیران مگر ہر عقل میں رنگِ صفات درخشاں۔ ملائکہ کا خالق۔ رُوح کا محدِث۔ بس وُہی قدیم سب حادث۔ العجب ثُم العجب۔ حادثات سے قدیم کا تعلق۔ مخلوق سے خالق کا ربط۔ ممکن سے واجب کا رشتہ۔

پس ہزار ہزار درُود ہو اُس واسطۂ عُلیا اور برزخِ کبریٰ پر جس نے فیوضاتِ واجبی کو ممکنات پر تقسیم کیا۔ جو ممکنات کو ذاتِ واجب کی طرف سے جاننے کے لیے رہبر قرار پایا۔ جس نے ملائکہ کو تسبیح و تقدیس تعلیم کی اور جس نے گرفتارانِ طبیعتِ نفوس کو نجاساتِ مادیّہ سے پاک و طاہر کر کے منزلِ حقیقت تک پہنچا دینے کی منادی کی۔ نیز بے شمار صلوات اُس کی آلِ اطہار پر جو اُس کے کمالات کے مالک اور اُس کے خُلقِ عظیم کے مجسّمے قرار پائے جو نورانیت میں شریکِ طینت میں شریک روح میں شریک نفس میں شریک صلواۃ اللہ علیہم اجمعین اور سلام اُس کے اصحابِ کبار رفیع الدرجات پر جن کو حق تعالیٰ نے آیۂ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ سے خطاب کیا۔

حمد و صلوات کے بعد واضح ہو کہ فی زمانہ اگرچہ علوم کی ترقی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی ہر عاقل کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ انسانی اخلاق روز بروز پستی کی طرف کھنچتے چلے جا رہے ہیں۔ ہمائے بلند پرواز رُوحانی اسفل سافلین کی طرف مائل ہے۔ اور طبیعت مادّیات کے دام میں کچھ ایسی اُلجھی ہے کہ عارفانہ جذبات اگر اُبھرتے بھی ہیں تو نذرِ تصاویرِ گلی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ مادّے کی رنگینیوں میں اس بلا کی کشش پیدا ہو گئی کہ قلوبِ اربابِ مذاق کا جذب مجذوبِ مادّیات ہو کر رہ گیا۔ کمالِ انسانیت مفقود اور ہر ناقص میں دعوے انانیت موجود۔ خود پرستیوں کی آندھی میں استعدادِ عرفان اُڑی جا رہی ہے اور خود نمائی کے ابر میں آفتابِ قوّتِ حق شناسی پوشیدہ ہے۔ دُنیا میں اندھیرا ہے اور اس اندھیرے کو انسان روشنی سے تعبیر کر رہا ہے۔ نہ ہے حلاوتِ مذاق! العجب ثم العجب!

اس حقیقتِ واقعیہ پر جہاں تک غور کیا جاتا ہے تو اس کی علّت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اکثر انسان راہِ شریعت کی عدمِ واقفیت اور نیز علمِ اخلاق جو خود شناسی اور خدا شناسی کا معلّم ہے۔ اُس سے سبق حاصل نہ کرنے کے باعث میدانِ جہالت و نادانی میں سرگرداں ہیں۔

اس کے ساتھ ہی اس امر پر افسوس کرنا پڑتا ہے کہ علم الاخلاق کے ذخیرے عربی و فارسی میں موجود ہیں لیکن عوام کو ان زبانوں سے اُنس نہیں رہا۔

ان خیالات کو پیشِ نظر رکھ کر میں نے ارادہ کیا کہ اپنے ولی نعمی اعلیٰ حضرت حضور پُر نور بندگانِ عالی متعالی مدظلہ العالی، سلطان ابن السلطان، آصف جاہ، مظفر الممالک، نظام الدولہ، ناثر الدّر والدُّر نواب **میر عثمان علی خاں** بہادر فتح جنگ جی۔سی۔ایس۔آئی آصف جاہ ہفتم کے اس نورانی زمانے میں جس کی علمی قدر دانیوں کا شہرہ تمام ہندوستان میں زبان زد خاص و عام ہے اس خدمت کو ابنائے جنس کے لیے انجام دُوں۔

کتابِ مستطاب "معراج السّعادۃ" اس علم میں جو علّامۃ العلماء وقدوۃ الفقہاء اُسوۃ المتکلمین و نخبۃ المجتہدین مجمع الکمالات الصّوریہ وجامع الصّفات المعنویہ الکمل الافراد الحجازی والعراقی حاجی ملّا احمد نراقی اعلی اللہ مقامہ و احلہ فی دار الکرامہ کی تالیفات میں سے ایک جامع کتاب ہے اور یہ کسی زمانے میں متداول تھی۔ درساً پڑھائی جاتی تھی۔ مگر افسوس اب وہ زمانہ کہاں۔

اسی کتاب کا میں نے ترجمہ کیا اور اس کا نام "**عروج السّعادۃ**" رکھا اور اہلِ ایمان کے استفادہ کے لیے انتہائی محنت کے بعد طبع کروا کے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

میر محمود علی

رُوحانی سعادت

خداوندِ عالم نے اس عظیم منظومۂ شمسی میں انسان کو معزز اور مکرم قرار دیا ہے۔ ہر چیز انسان ہی کے لیے خلق کی گئی ہے۔ انسان جسم و رُوح سے مرکب ہے۔ انسان کا جسم مضبوط سہی لیکن اس کی عظمت اور انسانیت رُوح کی وجہ سے ہے۔ جس طرح ظاہری جسم کو امراض لاحق ہوجاتے ہیں اور معالجہ کے لیے معالج کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح رُوح کی بیماریوں کے علاج کے لیے رُوحانی اطباء کی ضرورت ہے ——— خداوندِ قدوس نے اس کا بندوبست کیا اور انبیاء و اولیاء کو مبعوث فرمایا۔ یہ نمائندگانِ الٰہی انسان کو سعادت کا درس دینے کے لیے تشریف لائے۔ چنانچہ سعادت، خوش بختی، نیکی اور صراطِ مستقیم کی ہدایت کی گئی اور انسانی معاشرہ کو نیکی و شرافت کا گہوارہ بنانے کی کوشش کی گئی۔

نیک معاشرہ آسمانی و زمینی برکات کا موجب ہوتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ
(سورۂ اعراف ۹۶)

ترجمہ: اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے اور پرہیزگار بنتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتوں (کے دروازے) کھول دیتے

بُرا معاشرہ انسان کی ہلاکت و تباہی اور قوم کی ذلت کا باعث ہوتا ہے۔

وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰىٓ اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ۔ (قصص آیت ۵۹)

ترجمہ: ہم تو بستیوں کو برباد کرتے ہی نہیں جب تک وہاں کے لوگ ظالم نہ ہوں۔

ضرورت ہے کہ انسان خود سازی کرے پھر گھر، خانوادہ، شہر و مملکت کی تربیت کرے اور انھیں صحیح سمت راہنمائی کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہے۔ نیز محاسبے کا عمل ہر وقت جاری رہنا چاہیے تاکہ معاشرہ جادۂ مستقیم سے منحرف نہ ہونے پائے۔

معراج السعادۃ انسان کو اسی سعادت و خوش بختی اور نیکی کی طرف متوجہ کرنے کے لیے عظیم کتاب ہے، جس کے مقدس و متقی مصنف نے رُوحانی امراض، ان کی تشخیص اور علاج بہترین انداز میں پیش کیا ہے۔

جو شخص خواہشمند ہو کہ وہ اور اُس کی اولاد و خاندان سعادت کا درس حاصل کریں اور سعید بنیں اور معاشرے کو سنوارنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ اُسے اِس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

خُدا خوش رکھے مکتبۃ ولی عصر کے کارپردازان کو جنھوں نے اس عظیم ضرورت کا احساس کیا اور حوزہ علمیہ جامعۃ المنتظر لاہور کی طرف سے شائع شدہ کتاب معراج السّعادۃ کو دوبارہ شائع کرنے کا بیڑا اُٹھایا تاکہ معاشرہ کی اصلاح میں یہ ادارہ بھی اپنا کردار ادا کرکے ثواب حاصل کرے۔

مومنینِ کرام اِس کتاب کو اپنے گھروں میں ضرور رکھیں، مطالعہ کریں نیز نوجوانوں اور مومنات کو بھی ترغیب دلائیں کہ وہ بھی اس سے استفادہ کریں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حافظ سیّد ریاض حسین نجفی

پرنسپل، حوزہ علمیہ جامعۃ المنتظر،

لاہور

فہرست

حِصّہ اوّل

نمبر شمار	مضمون	
	معالجہ زیادتی شہوت -	۴۵۶
۱۰۵	فصل ۲ : مذمتِ خمود و فوائد نکاح ، آفاتِ نکاح -	۴۵۸ ۴۶۰
۱۰۶	فصل ۳ : فوائد عفت اور طریقۂ اعتدال ، اکل و جماع	۴۶۱
۱۰۷	دُوسرا مطلب : اُن صفات کے بیان میں جو قوتِ شہویہ سے متعلق ہیں اور ہر دو جنس مذکورہ سے پیدا ہوتے ہیں اور جس میں نو صفات ہیں -	۴۶۴
۱۰۸	پہلی صفت : دنیا کی محبت ، جس میں گیارہ فصلیں ہیں -	۴۶۴
۱۰۹	فصل ۱ : دنیائے مذموم کی حقیقت -	۴۶۴
۱۱۰	فصل ۲ : دنیائے مذموم و غیر مذموم کا فرق -	۴۷۰
۱۱۱	فصل ۳ : دنیا کی مذمت اور اُس کی بے قدری و بے اعتباری و زوال و بے وفائی -	۴۷۲
۱۱۲	فصل ۴ : دنیا کی مثالیں اور تشبیہات -	۴۸۹
۱۱۳	فصل ۵ : وہ دُنیا جس سے آخرت کی اعانت ہوتی ہے -	۴۹۷
۱۱۴	فصل ۶ : مال دُنیا کی ایک شاخ ہے -	۵۰۱
۱۱۵	فصل ۷ : مذمت مال اور روزِ قیامت کا محاسبہ -	۵۰۲
۱۱۶	فصل ۸ : خرابی مال اور اس کا فائدہ -	۵۱۰
۱۱۷	فصل ۹ : مال کی خرابی سے نجات کا طریقہ -	۵۱۳
۱۱۸	فصل ۱۰ : فضیلتِ زہد اور بعض زاہدوں کی حکایتیں -	۵۱۵
۱۱۹	فصل ۱۱ : مدارج و اقسام و علاماتِ زہد -	۵۲۴
۱۲۰	دُوسری صفت : غنا و بے نیازی و اقسام غنا جس میں	۵۳۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پہلا باب

بعض مقدماتِ مفید

فصل ۱

فائدہ شناخت نفس

جاننا چاہیے کہ اپنے نفس کا پہچاننا دونوں جہان کی نیک بختی ہے۔ کیونکہ اپنے کو پہچاننا اپنے پیدا کرنے والے کی معرفت پر اعانت کرتا ہے۔

جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ۔

"یعنی، ہم عنقریب اُن کو اپنی نشانیاں آفاق عالم اور خود اُن کے نفس میں دکھلائیں گے یہاں تک کہ اُن پر یہ بات کھل جائے گی کہ

یہ حق ہے۔"

حضرت رسولؐ سے منقول ہے کہ :

(مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ)

"جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس نے بہ تحقیق اپنے پروردگار کو پہچان لیا۔"

یہ ظاہر ہے کہ جو کوئی اپنے کو نہ پہچان سکے تو دوسرے کو کیونکر پہچان سکتا ہے کیونکہ کوئی چیز انسان سے اُس کے نفس سے زیادہ نزدیک نہیں۔

تو کہ در علم خود زبوں باشی
عارفِ کردگار چوں باشی

جب آدمی نے اپنے کو پہچانا تو اس کو تحصیلِ کمالات کا شوق ہوتا ہے وہ اخلاق کی تہذیب اور بُرے کاموں سے پرہیز کرتا ہے۔ کیونکہ آدمی کی حقیقت ایک جوہرِ ملکوتی ہے جو اس عالم جسمانی میں آیا ہُوا ہے۔ ایسے جوہر شریف کو بے فائدہ اس عالم میں نہیں بھیجا گیا۔ اس گوہر قیمتی کو صندوقچۂ بدن میں کھیل کے لیے نہیں رکھا ہے۔ پس معرفت پسند انسان فوائدِ نفس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے کو بتدریج اُس منزل پر جہاں پہنچانا چاہیئے پہنچاتا ہے۔ اگر آپ کہیں کہ مَیں اپنی حقیقت کو پہچانتا ہُوں تو ہرگز ہرگز ایسا پہچاننا نیک بختی کی دلیل نہیں ہے۔ آپ کی یہ شناسائی منزل پر نہیں پہنچاتی۔ آپ کے ساتھ باقی حیوانات بھی اپنے کو اسی طرح پہچانتے ہیں۔ کیونکہ آپ اپنے ظاہر سے سوائے سر، منھ، آنکھ، کان، گوشت پوست کے کچھ نہیں پہچانتے، اور باطنی حالت کی معرفت صرف اس قدر ہے کہ جب آپ کو بھوک ہوتی ہے تو غذا طلب کرتے ہیں، کسی پر غضب ناک ہوتے ہیں تو اُس سے انتقام لیتے ہیں۔

کوئی خواہشِ نفسانی ہوتی ہے تو اس کے حصول میں کوشش کرتے ہیں۔ ان افعال میں تمام حیوانات آپ کے برابر ہیں۔ اگر آپ کی حقیقت یہی ہے تو کس وجہ سے درندوں اور چار پایوں پر آپ فخر کرتے ہیں اور کس سبب سے اُن سے اپنے کو بہتر سمجھتے ہیں۔ کس لیے خداوند عالم نے تمام مخلوقات پر آپ کو ترجیح دی ہے، اور فرمایا ہے:

وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا۔

یعنی "ہم نے فرزندانِ آدمؑ کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔"

اگر انھیں عوارض و صفات کی بدولت یہ فخر و مباہات ہے تو ان اوصاف میں تو بہت سے حیوانات آپ پر ترجیح رکھتے ہیں۔ لہٰذا لازم ہے، کہ آپ غور کریں کہ:

آپ کون ہیں؟

کہاں سے آئے ہیں؟

کہاں جائیں گے؟

اس چند روزہ مقام پر کس کام کو آئے ہیں؟

آپ کو کس واسطے پیدا کیا ہے؟

یہ اعضاء و جوارح کس وجہ سے عطا ہوئے ہیں؟

کس لیے قدرت اور اختیار کی لگام آپ کے ہاتھ میں دی گئی ہے؟

آپ کی سعادت کیا ہے؟

کس چیز سے ہے؟

آپ میں بعض صفات و ملکات بہائم کے۔ بعض درندوں کے۔ بعض شیاطین کے۔ بعض فرشتوں کے جمع ہیں۔ ان میں وہ کون سے صفاتِ نیک

آپ کے لائق ہیں جن کے حاصل کرنے سے آپ سعادتِ دارین کے مستحق ہو سکتے ہیں ؟

وہ کون سے صفاتِ خراب ہیں جن کے ترک کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے ؟

پس طالبِ سعادت کو لازم ہے کہ اپنے پہچاننے میں کوشش کرے ۔ بغیر اس کے منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ سکتا ۔

فصل ۲

کیفیت شناخت نفس

واضح ہو کہ ہر انسان دو چیزوں سے پیدا کیا گیا ہے :

پہلا بدنِ ظاہری جس کو "جسم" کہتے ہیں ۔ جو گوشت پوست ، استخوان ، رگ و پے سے بنایا گیا ہے ۔ جو حواسِ ظاہری سے اس عالم میں محسوس ہوتا ہے ۔ اس کی اصل عناصرِ اربعہ یعنی مٹی ، ہوا ، پانی ، آگ سے ہے جس کو ہم اپنی انہی ظاہری آنکھوں سے دیکھتے ہیں ۔

دوسرا "نفس" جس کو رُوح ، جان ، عقل ، دل بھی کہتے ہیں ۔ یہ جوہر عالمِ ملکوت سے ہے ۔ اس کا تعلق جنسِ ملائکہ سے ہے ۔ اس کی اصل پاک و پاکیزہ ہے ۔ اسے خداوندِ عالم نے چند مصلحتوں کے لیے جس کا بیان کسی قدر ہدیۂ ناظرین کیا جائے گا ۔ اپنی قدرتِ کاملہ سے پیدا کیا ۔ اس کا تعلق اس بدنِ ظاہری سے قرار دیا ۔ اُس کو اس قید خانۂ تن میں مقید و محبوس رکھا ۔ جب موت آئے گی تو نفس بدن سے نکل کر اپنے عالم کی طرف رجوع کرے گا ۔ اس نفس کو چشمِ ظاہری سے

بجز بصیرتِ باطنہ کے نہیں دیکھ سکتے۔ جب کہ نفس یا جان یا روح یا دل یا عقل بیان کیا جائے تو اُن سے یہی نفس مراد ہے۔ بلکہ بعض اوقات انسان سے بھی یہی مراد لیتے ہیں۔ کیونکہ آدمی کی یہی حقیقت ہے۔ پس جسم نفس کے لیے ایک مکان ہے، جہاں اُسے اپنے فرائضِ مخصوصہ بجالانے کے لیے ایک مدتِ معیّن تک قیام رکھنا چاہیئے۔

واضح ہو کہ حقیقتِ بدن کا پہچاننا سہل و آسان ہے اس لیے کہ وہ جنس مادّہ سے ہے اور حقیقتِ مادّہ کا پہچاننا کوئی مشکل نہیں ہے۔ لیکن نفس قسم مجردات سے ہے اُس کی حقیقت کو پہچاننا اس کے کُنہ کو پہنچنا اِس عالم میں میسّر نہیں۔

یہی وجہ تھی کہ:

حضرت رسُول صلعم سے جب اس کی حقیقت دریافت کی گئی تو حضرت نے بیان فرمانے میں تامّل فرمایا۔

پس خطاب ہُوا کہ:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ۔

"اور لوگ تم سے رُوح کی بابت سوال کرتے ہیں پس تم کہہ دو کہ "رُوح میرے پروردگار کا حکم ہے۔"

اس کی کنہ بیان کرنے کی اجازت نہیں ملی۔ بعد قطع تعلق بدن و حصُول تجرد کے اس کو پہچان سکتے ہیں بلکہ اس عالم میں بھی کوئی اپنے نفس کو حدِ کمال تک پہنچائے اور بدن سے علاقہ کم ہو تو تعجب نہیں ہے کہ پہچان سکے اور کسی قدر نفس کی معرفت حاصل ہو۔

فصل ۳

آدمی کا نفس عالمِ جسمانیت سے نہیں ہے

عبارت مندرجۂ بالا سے ظاہر ہُوا کہ حقیقتِ انسان وہ جوہرِ پاکیزہ ہے، جس کو نفس کہتے ہیں اگرچہ اس کا سمجھنا اور جاننا مشکل ہے۔

لیکن پہلا طریقہ معرفتِ نفس کا یہ ہے کہ اگر کوئی غور کرے تو یہ بھید کچھ نہ کچھ کھل سکتا ہے بشرطیکہ دل کو غبارِ جسمانیات سے پاک کرے۔ علائقِ شہواتِ حیوانیت کو کسی قدر دُور کر ڈالے۔ آئینۂ دل کو اس عالم کے زنگِ کدورت سے مصفّا کر دے۔ کبھی کبھی اغیار سے منھ پلٹا کر دوستِ حقیقی سے خلوت رکھے۔ حضورِ قلب سے عالمِ انوار کی طرف متوجہ ہو۔ عجائبِ ملک و ملکوت، بادشاہِ لایزال میں تفکّر کرے۔ غرائبِ جلال و جبروتِ قادر ذوالجلال میں تامّل سے کام لے تو البتہ اُس کو ایک حالتِ نورانی و بہجتِ عقلی حاصل ہو گی۔ وہ یقین کرے گا کہ اس کی ذات اس عالمِ جسمانی سے نہیں ہے بلکہ وہ ایک دُوسرے عالم سے ہے۔

دوسرا طریقہ جس کی وجہ سے معلوم کر سکتے ہیں کہ آدمی سوائے اس بدن کے دُوسرا جزوِ نورانی بھی رکھتا ہے۔ وہ خواب ہے چونکہ خواب میں حواس بند ہو جاتے ہیں، بدن حرکت نہیں کرتا، آنکھ دیکھنے سے، کان سننے سے عاجز ہوتے ہیں۔ جسم ایک جگہ بے حس پڑا رہتا ہے۔ باوجود اس کے آدمی اطرافِ عالم میں مشغولِ سیر ہوتا ہے بلکہ اگر نفس کو کسی قدر بھی صفائی حاصل ہو

تو اُس وقت آدمی عالمِ ملکوت میں جاتا ہے۔ اُس جگہ آئندہ کاموں کو دیکھتا ہے اور پہچانتا ہے۔ امورِ غیب سے مطلع ہوتا ہے۔ جنھیں بیداری و ہوشیاری میں کبھی نہیں پاسکتا۔

ایک اور طریقہ یہ ہے کہ آدمی کو تمام علوم اور صنعتوں کے پہچاننے کی قوت ہے۔ اُس کے ذریعہ سے کوشش کرتا ہے کہ حقیقتِ اشیاء کو سمجھے۔ اب وہ چند امور جو اس عالم سے نہیں ہیں وہ اس کے دل میں کیونکر آئے اور انھیں اُس نے کیونکر سمجھا۔

بیشک کہنا پڑے گا کہ اُسی جوہرِ باطنی کے ذریعہ سے سمجھا، جس کا نام نفس ہے۔

اس پر بھی غور کیجئے کہ قوتِ فکر یہ انسان کو ایک لحظہ میں مشرق سے مغرب اور زمین سے آسمان تک پہنچاتی ہے۔ حالانکہ اُس کا تن اِس عالمِ خاک میں محبوس و قائم ہے۔ اس سے صریحی طور پر معلوم ہُوا کہ وہ کوئی دُوسری طاقت ہے جو بجلی سے زیادہ سریع السیر ہے۔ یہی حقیقتِ انسان ہے، اور اسی کو نفس کہتے ہیں۔

حاصلِ کلام جب کوئی تھوڑا بھی غور کرے تو اس پر یہ امر پوشیدہ و مخفی نہیں رہ سکتا۔ کتابِ خدا اور اخبارِ معصومیہ میں اکثر مقامات پر اس کی نسبت اشارہ ہُوا ہے۔

حضرت سیدرسلؐ کو خطاب ہُوا :

قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ

یعنی اُن کے جواب میں کہو جو حقیقتِ رُوح سے سوال کرتے ہیں کہ "وُہ عالمِ امر سے ہے۔"

وَلِلّٰہِ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ

مالکِ عالمِ امر و عالمِ خلق خداوندِ عالم ہے۔

واضح ہو کہ جو کچھ پیمائش و مقدار میں آئے اُس کو عالمِ خلق کہتے ہیں۔ اور جس کا تعلق پیمائش و مقدار سے نہ ہو وُہ عالمِ امر کہلاتا ہے۔ پس روح کا تعلق عالمِ امر سے ہے کیونکہ اس کی مساحت نہیں ہو سکتی۔ اُسی کی طرف رسُول صلعم نے اشارہ فرمایا کہ:

"تم عالمِ خلق میں رہ کر عالمِ امر کی اشیاء کی ماہیّت نہیں سمجھ سکتے۔"

دُوسرے مقام پر فرماتا ہے:

یَا اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً۔

پھر فرماتا ہے:

وَنَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰاھَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا۔

حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے۔ کہ فرمایا:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ ذَا نَفْسٍ نَاطِقَۃٍ۔

یعنی:

"انسان صاحبِ نفس خلق کیا گیا ہے اور اس کے معقولات کو معلوم کرتا ہے۔"

❖ ❖ ❖

فصل ۴

آدمی اپنی حقیقتِ نفس کے باعث تمام حیوانات پر مُمتاز ہے

واضح ہو کہ آدمی کو اسی نفس کے سبب سے تمام حیوانات پر ترجیح دی گئی ہے۔ یہ نفس جنسِ ملائکۂ مقدّسہ سے ہے۔ بدن نفس کے لیے ایک مرکب ہے وہ اُس پر سوار ہو کر عالمِ اصلی و وطنِ حقیقی سے اس عالم دنیا میں آیا ہے کہ اپنے لیے کوئی تجارت کرے، فائدۂ آخرت اٹھائے۔ اپنے کو طرح طرح کے کمالات سے آراستہ کرے۔ صفاتِ حمیدہ و اخلاقِ پسندیدہ حاصل کرلے۔ پھر اپنے وطنِ اصلی یعنی عالمِ بقا کی طرف واپس جائے۔ یہ بدن حیوانات کو بھی دیا گیا ہے۔ جو ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، سر، سینہ، تمام اعضاء سے بنایا گیا ہے۔ اس کی وجہ سے انسان حیوان پر کوئی فضیلت نہیں رکھتا۔ باعثِ فضیلت وُہی نفسِ ناطقہ ہے جو حیوانات کو میسّر نہیں ہے۔

واضح ہو کہ بدن فانی و بے بقا ہے۔ بعد مرنے کے اُس کے اجزاء ایک دُوسرے سے متفرق و خراب ہو جاتے ہیں۔ دُوسرے وقت خداوندِ عالم کے حکم سے تمام اجزاء جمع ہو کر حساب و ثواب و عتاب کے واسطے زندہ ہوں گے لیکن نفس کو بقا ہے۔ اُس کو تن سے جُدا ہونے کے بعد بھی فنا نہیں ہے۔ بدن کی خرابی اُس کی خرابی و فنا کا باعث نہیں ہو سکتی۔

اسی وجہ سے خداوند عالم نے فرمایا ہے :

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔

" جو لوگ راہِ خدا میں مارے گئے ہیں اُن کو ہرگز مُردہ خیال نہ کرو بلکہ یہ لوگ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں۔"

دُوسرے مقام پر فرماتا ہے :

اِرْجِعِيْ اِلٰى رَبِّكِ۔

یعنی : " اے نفس اپنے رب کی طرف رجوع و بازگشت کر جیسا کہ سابق میں اُس کے پاس سے آیا ہے۔"

پیغمبرِ خدا جنگِ بدر میں ندا فرماتے تھے :

هَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَكُمْ رَبُّكُمْ حَقًّا۔

یعنی : " اے شہدائے بدر جو کچھ پروردگار نے وعدہ فرمایا، تم نے حق و درست پایا۔

پس بعض اصحاب نے اُس وقت عرض کیا کہ :

" یا رسُولَ اللہ ! یہ لوگ مر گئے ہیں۔ آپ اُن کو کیوں ندا فرماتے ہیں۔"

حضرتؐ نے فرمایا :

اِنَّهُمْ اَسْمَعُ مِنْكُمْ۔

" یہ لوگ تم سے زیادہ سُننے والے ہیں۔ ان کا فہم و ادراک تم سے زیادہ ہے۔"

ظاہر ہے کہ اُس وقت اُن کا سُننا اُس بدن سے نہ تھا جو صحرائے بدر میں

پڑا تھا۔ بلکہ وُہ نفسِ پاک کے باقی رہنے سے سماعت کرتے تھے۔

فصل ۵

آدمی بذریعۂ نفس فرشتوں سے مناسبت رکھتا ہے اور فیوضات و انوارِ الٰہیہ حاصل کر سکتا ہے

معلوم ہُوا کہ انسان کے دو حصّے ہیں :

پہلا حصّہ رُوحانی :-

جس کو عالم ارواح و ملائکہ مقدسہ سے مناسبت ہے۔

دُوسرا حصّہ جسمانی :-

جس کو حیوانات و بہائم سے مشابہت ہے۔ اُس کے ذریعہ سے یہ جزوِ جسمانی چند روز کے لیے اس عالمِ جس میں زندگی و مقام کرتا ہے اور جزوِ روحانی کے واسطہ سے عالم اعلیٰ کی طرف سفر کرکے وہاں کے باشندوں کے ساتھ مصاحبت کرتا ہے۔ بشرطیکہ دُنیا میں اس قدر ترقی کر چکا ہو کہ جزو روحانی ، جزوِ جسمانی پر غالب ہو۔ کدورتِ عالم سے اپنے کو دُور رکھا ہو۔ آثارِ رُوحانیت پیدا ہُوئے ہوں۔ ایسا انسان دُنیا میں ہی اپنے مقاماتِ آخرت دیکھ لیتا ہے۔ باوجُودیکہ وہ دنیا میں ہے۔ مگر ہر لحظہ فیضِ الٰہی حاصل کرتا ہے۔ نُورِ الٰہی سے اُس کا دل روشن رہتا ہے۔ اور جس قدر تعلق جسمانی کم ہوتا ہے ، اُسی قدر

دل کی روشنی وصفائی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ دنیا کی جدائی کا زمانہ پہنچتا ہے۔ تمام تاریک پردے آنکھوں کے آگے سے اُٹھائے جاتے ہیں۔ چہرۂ نفس سے مادّیات کا حجاب دُور ہوتا ہے۔ اُس وقت تمام رنج والم دل سے محو ہوتے ہیں۔ تمام محنت وحسرت سے فارغ ہوتا ہے۔ خوشی وراحت دائمی حاصل ہوتی ہے۔ بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ باوجود دُنیا میں رہنے کے علاقۂ دنیا سے دل اُٹھ جاتا ہے۔ عالمِ بقا کی طرف سفر کرنے سے پہلے ہی یہ حالت اس کو حاصل ہوتی ہے۔ مالِ دنیا و اہل وعیال اُس پر وبال ہوجاتے ہیں مگر بقدرِ ضرورت۔ بلکہ تن بدن سے دل گیر ہوتا ہے۔ آخرت کا طالب رہتا ہے گو اُس کا بدن اس عالم میں ہے لیکن اس کا دل ساکنانِ عالمِ عقبیٰ سے صحبت رکھتا ہے۔ سوائے خدا کے اس کو کسی کی تلاش نہیں رہتی۔ کوئی بات نہیں کہتا، سوائے راہِ خدا کوئی راستہ نہیں ڈھونڈتا۔ یہاں تک کہ وہ مصاحب عالمِ اعلیٰ و زیبندۂ محفل قربِ مولا ہوتا ہے اور اُن چیزوں کو دیکھتا ہے۔ جو کسی آنکھ نے نہ دیکھی ہوں جنھیں کسی کان نے نہ سُنا ہو جو کسی کے دِل میں نہ گزری ہوں۔

اسی حالت کی طرف کتابِ الٰہی میں اشارہ ہُوا ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ۔

یعنی: "کوئی نفس اُن چیزوں کا اندازہ نہیں کرسکتا جو اس کے لیے مُہیا کی گئیں اور جن میں سے ایک ایک کا نظارہ آنکھوں کو تازگی بخشتا ہے۔"

فصل ۶

نفس کو بھی لذّت والم

صحت و بیماری حاصل ہے

واضح ہو کہ آدمی کے دو جزو ہیں :-

ایک بدن -

دُوسرے رُوح -

ان میں سے ہر ایک جزو کے لیے غم، لذّت، محنت، راحت مرض وصحت ہے تکلیف ومحنت موجود ہے۔ جب بیماری بدن کو عارض ہوتی ہے تو اُسے لاغر کر دیتی ہے۔ اُس کو حصُولِ لذّتِ جسمانیہ سے باز رکھتی ہے۔ اگر اُس کے معالجہ میں سُستی کی جائے تو بدن ہلاکت کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ علمِ طب میں اُس کے امراض کا معالجہ درج ہے۔ اسی طرح سے روح کے لیے بھی آلام و اسقام مقرر ہیں اور رُوح کی بیماریاں وہ اخلاقِ ذمیمہ اور اوصافِ رذیلہ ہیں جن سے روح ہلاک ہوتی ہے اور لذّتِ روحانیہ وسعادتِ ابدیّہ سے محروم رہ جاتی ہے۔ اور روح کی صحت وراحت وہ اوصافِ نیک اور وہ خصائلِ ملکیّہ ہیں جن کے باعث قربِ حضرت باری ونجات ورستگاری حاصل ہوتی ہے۔ ان امراض اور معالجات کی تفصیل علم اخلاق میں ہے جو آئندہ بیان کی جائیں گی۔

۞ ۞ ۞

فصل ۷

بیماریٔ نفس کی خرابی

اور اُس کی صحّت کا فائدہ

واضح ہو کہ رُوح کی بیماری اور اخلاقِ ذمیمہ کے فساد نیز اُن کے معالجات کو ہرگز ہرگز سہل و آسان نہ سمجھنا چاہیئے۔ رُوح کی صحت کو بدن کی صحت پر قیاس نہ کیا جائے۔ ایسا قیاس عقلمند کے نزدیک کیونکر جائز ہوگا۔

غور کیجئے کہ بدن کی صحت سے صرف یہ مطلوب ہے کہ اس دارِ فانی میں چندروزہ زندگی بسر کی جائے۔ اوراس کے مرض سے کوئی خرابی سوائے قلت خواہشات کے پیدا نہیں ہوتی۔

برخلاف اس کے رُوح کی بیماری لذّت وسعادتِ ابدیہ وبادشاہی سرمدی سے محروم رکھتی ہے اور اخلاقِ ذمیمہ جو امراضِ رُوحانیہ ہیں ان میں سے ہر ایک پردۂ ظلمت ہے۔ مانعِ انوارِ الٰھیہ ہے۔ اِن کے معالجہ میں سستی کرنے سے آدمی ہلاکتِ دائمہ وشقاوتِ ابدیہ تک پہنچتا ہے اور روح کی صحت (اخلاقِ پسندیدہ) باعث زندگانی ابدی وحیاتِ حقیقی ہے۔ جب کہ آدمی اپنے نفس کو اخلاقِ ذمیمہ سے پاک اور صفاتِ نیک سے موصوف کرتا ہے تو اُس کو رحمتِ غیر متناہیہ خداوندِ عالم کے قبول کرنے کی قوّت حاصل ہو جاتی ہے بلکہ اس کی وجہ سے حجاب دُور ہو جاتے ہیں۔ موجودات کی تمام صورتیں اُس کے آئینۂ دل میں ظہور کرتی ہیں۔ اُس کا قامت خلعتِ الٰہیہ کا سزاوار اُس کا سرتاجِ سلطنتِ معنویہ

کا اہل ہوتا ہے۔ ایسی خوشی ولذت حاصل ہوتی ہے۔ جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا۔ اور نہ کسی کے دل میں اُس کا گزر ہُوا ہو۔

حضرتِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ :

لَوْلَا اَنَّ الشَّیَاطِیْنَ یَحُوْمُوْنَ عَلٰی قُلُوْبِ بَنِیْ آدَمَ لَنَظَرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ۔

" اگر لشکرِ شیطان نے فرزندانِ آدمؑ کے دل کے اطراف کو گھیرا نہ ہوتا تو بالضرور حقیقتِ عوالمِ علویّہ وسفلیّہ کو مشاہدہ کرتے۔ آثارِ قدرتِ کاملۂ حق سبحانہٗ تعالیٰ سے مطلع ہوتے۔"

غرض آئینۂ نفس جس قدر زنگِ کدُورتِ عالم سے پاک ہوتا ہے اُسی قدر موجوداتِ عالمِ اقدس کی صُورتیں اُس میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ اُتنا ہی وہ رحمتِ پروردگار کا سزاوار ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے رسُولِ خدا نے فرمایا کہ :

" مجھ کو خداوند عالم کے ساتھ چند حالتیں ہیں کہ کسی ملکِ مقرب اور کسی پیغمبرِ مرسل کو اُس کی طاقت وتوانائی نہیں ہے۔"

جو شخص مقامِ سلوک میں سعادت کا راستہ پاتا ہے۔ وُہ اپنے احوال کا نگران رہتا ہے۔ اپنی سعادت وقابلیّت کے موافق الطاف وفیوضاتِ الٰہی سے مستفید ہوتا ہے۔ اب وہ انسان جو اسرارِ ربوبیّت سے دُور ہے۔ انوارِ الٰہیّہ سے مہجور ہے۔ تو اُس میں مبدءِ فیاض کی طرف بخل کی نسبت نہیں دی جاسکتی بلکہ اس کا سبب وہی پردہ ہائے ظلماتی ہیں جو انسان کو گھیرے ہوئے ہیں اور انسان اُن کے دُور کرنے پر متوجہ نہیں ہوتا۔ یہ خود اس کی کوتاہی ہے۔

واضح ہو کہ علم معرفت واسرار آدمی کو صفائی نفس سے حاصل ہوتا ہے۔

یہ اُن علوم کے مانند نہیں ہے۔ جو مطالعہ کتب و دلیلِ عقلی سے سمجھ سکیں بلکہ یہ علمِ حقیقیہِ نورانیہ ہے اور اس کا مبدءِ الہایاتِ ربانیہ و انوارِ الٰہیہ ہیں۔ یہی وہ علم ہے جس کی نسبت حضرتؐ نے فرمایا :

إِنَّمَا هُوَ نُورٌ يَقْذِفُهُ اللّٰهُ فِيْ قَلْبِ مَنْ يُرِيْدُ۔

یعنی : " علم ایک نور ہے، جسے حق تعالیٰ طالبِ صادق کے دل میں ڈال دیتا ہے۔"

پس جب تک آپ اپنے صفحۂ دل کو اخلاقِ ذمیمہ کے نقوش سے پاک نہ کریں گے اُس وقت تک یہ علمِ معرفت حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ علوم و معارفِ باطنی ہیں۔ جس طرح نماز جو طاعتِ ظاہری ہے۔ تمام نجاساتِ ظاہریہ سے پاک ہوئے بغیر صحیح نہیں ہوتی۔ اُسی طرح جب تک باطن کے تمام نجاساتِ معنویہ جو اخلاقِ ذمیمہ ہیں دُور نہ کیے جائیں یہ نورِ علم آئینۂ دل میں ظاہر نہیں ہو سکتا۔ دلِ ناپاک علومِ حقہ کی منزل کیونکر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ علم بذریعہ ملائکہ مقدسہ لوحِ محفوظ سے دل پر نازل ہوتا ہے اور یہی فیضِ الٰہی کے ذرائع ہیں۔ لٰہذا جب تک قلب طاہر نہ ہو۔ ملائکہ مقدسہ اس سے متنفر رہتے ہیں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے :

لَا يَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ۔

یعنی : " جس مکان میں کتا رہتا ہو اُس مکان میں ملائکہ نہیں آتے۔"

پس جب خانۂ دل میں صفاتِ رذیلہ کتوں کے مانند بھرے ہوں۔ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ملائکہ جو حاملِ علومِ معرفت ہیں اُس دل میں داخل ہوں۔ اس سے

صاف ظاہر ہے کہ جنھوں نے بطریقِ مجادلہ و استدلال علم حاصل کرنے میں اپنی عمر صرف کی ہے اور پاکیزگیِ نفس و صفاتِ ذمیمہ سے غافل ہیں۔ اُن کا دل دنیا سے ہی متعلق ہے اور اُن کا نفس قوتِ غضبیہ و شہویہ کا مطیع ہے۔ وہ حقیقتِ علم سے بے خبر ہیں۔ اُن کی کوشش بے فائدہ ہے جو کچھ حاصل کیا ہے اس کو علم سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ علم نہیں ہے۔ کیونکہ علمِ حقیقی کے لیے ایک سرور و صفا و نور ہوتا ہے جس سے یہ اہلِ مجادلہ قطعاً محروم ہیں۔ حقیقتاً جس دل میں نورِ علم داخل ہو وہ غرق دریائے عظمت و محوِ مشاہدۂ پروردگار ہوتا ہے۔ سوائے اس کے کسی طرف التفات نہیں کرتا۔ برخلاف اس کے اکثر اہلِ جدل کی نیت حصولِ دنیا و منصب، جاہ و شہرت، تسخیرِ قلوب تک محدود رہتی ہے جب تک صفاتِ خبیثہ دُور نہ ہوں۔ عبادتِ ظاہری کا ان پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ وہ طاعتِ بدنیہ کا کوئی ثمرہ نہیں اٹھا سکتے۔ واقعاً وہ انسان کس قدر بدبخت ہے جس کا ظاہر آراستہ ہو اور باطن گندہ۔

خداوندِ عالم ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ۔

یعنی: "یقیناً نماز بے حیائی کی بات اور بدکاری سے نمازی کو دُور رکھتی ہے۔"

لیکن دیکھا جاتا ہے کہ اکثر آدمی نمازِ پنجگانہ ادا کرتے ہیں اور پھر ہر وقت قدرتِ خدا کے منکر ہوتے ہیں اور گناہ پر گناہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ خبثِ باطنی کے ساتھ عباداتِ ظاہری کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔

حضرتؐ نے ارشاد فرمایا:

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ۔۔

یعنی : " نماز مومن کی معراج ہے۔"
پس ہماری نماز اگر نماز ہوتی تو پھر ہماری حالت پستی میں کیوں رہتی۔

مثنوی مولانا رومؒ

گر نہ موشِ دزد در انبارِ ماست
گندمِ اعمالِ چل سالہ کجا ست
اول ای جان دفعِ شرِّ موش کن !
بعد ازان در جمعِ گندم جوش کن

جو لوگ عبادتِ جسمیہ کی عادت کرتے ہیں مگر صفائی دل و ظلمتِ نفس کی طرف التفات نہیں کرتے اُن کی مثال مانند اُس قبر کے ہے جس کا ظاہر تو آراستہ ہے مگر اُس میں بدبو پوشیدہ ہے۔ یا مثل اُس اندھیرے گھر کے ہے جس کے کوٹھے پر چراغ روشن ہو یا مانند اُس زراعت کرنے والے کے ہے۔ جس نے تخم کو بویا ہو اس امید پر کہ تخم ہرا ہو لیکن وہ گھاس جو زراعت کو تباہ کرتی ہے۔ اُس میں اُگتی ہو اور وُہ زراعت کرنے والا صرف گھاس کو کاٹے مگر اُس کی جڑ سے غافل یہاں تک کہ وہ جڑ قوت پکڑے اور زراعت کو خراب و خشک کر دے۔ جس نے عبادتِ ظاہری کی عادت کی مگر صفائی و ناپاکی دل پر ملتفت نہ ہُوا۔ تو وہ مثل اُس بیمار کے ہے جس کا بدن خارش میں مبتلا ہو حکیم اُس کو پینے کے لیے دوا دے کہ اُس کے بدن سے مادہ خارش کا نکل جائے۔ نیز دُوسری ایسی دوا بدن پر ملنے کے لیے دے کہ اُس کا ظاہری اثر بھی دفع ہو۔ وہ بیمار پینے کی دوا کو ترک کر دے جسم پر ملنے کی دوا پر اکتفا کرے کی دوا سے ظاہر میں نفع ہو مگر اُس کا دوچند باطن

بیماری کو بڑھائے یہاں تک کہ وہ ہلاک ہوجائے۔

پس معلوم ہُوا کہ بیماری وصحتِ نفس کو بدن کی بیماری وسلامتی پر قیاس کرنا محض نادانی وغلطی ہے۔ لیکن اُن پر تعجب ہوتا ہے جورات دن اپنی اوقاتِ عزیز کو بدنِ فانی کی صحت حاصل کرنے میں صرف کرتے ہیں۔ امراضِ جسمانیہ کے دفع کرنے کی پُوری کوشش کرتے ہیں۔

قولِ طبیبِ فاسق یعنی ڈاکٹر کو اطاعت جان کر دوائے ناگوار پیا کرتے ہیں۔ مگر اعمالِ بد کا برابر ارتکاب کرتے ہیں۔ اُس حکیمِ حقیقی کے حکم سے جو تحصیلِ سعادت و حیاتِ دائمی کا ذریعہ ہے انحراف کرتے ہیں۔ اپنے نفس کے معالجہ کو سہل اور آسان سمجھتے ہیں۔ جب غفلت کا پردہ اُٹھا دیا جائے گا تو آپ اپنے نفس کی بیماری کا معائنہ کریں گے، اسی وقت کسی دوا پر دسترس نہ ہوگا اور سوائے فریاد وحسرت کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

فصل ۸

اعمال وافعال کی تکرار سے ملکۂ نیک و بد حاصل ہوتا ہے

واضح ہو کہ ہر نفس شروعِ پیدائش وعالمِ طفلی میں جمیع صفات سے خالی ہوتا ہے۔ وہ اُس صفحہ کے مانند ہے، جس پر کوئی نقش ونگار نہ ہو۔ پھر اعمال و افعال کے ارتکاب سے اُس میں اچھی یا بُری صفت پیدا ہوتی ہے۔ جب کوئی

عمل پہلے پہل کیا جائے تو اُس کا تھوڑا سا اثر دل میں ہوتا ہے۔ دُوسرے وقت کے ارتکاب سے اُس کے اثر میں زیادتی ہوتی ہے اور تکرارِ عمل سے وہ اثر دل میں مستحکم وقائم ہوجاتا ہے۔ اُس کی قوت مضبوط ہوتی ہے۔

نفس کی مثال ایک کوئلے کی سی ہے۔ جب کوئلہ آگ کے نزدیک ہوتا ہے تو اُس میں حرارت تاثیر کرتی ہے اور گرمی ظاہر ہوتی ہے اور جب اُسے آگ سے دُور کردیا جائے تو سرد ہوجاتا ہے۔ اگر اُسے آگ میں پڑا رہنے دیں تو گرمی کی تاثیر زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اُس میں آگ کا رنگ پیدا ہوتا ہے۔ وہ روشن ہوتا ہے یہاں تک کہ خود آگ ہوجاتا ہے۔ اور جو چیز اُس کے نزدیک ہو اُس کو جلادیتا ہے اسی وجہ سے لڑکوں کو علم وادب سکھانے میں سہولت ہوتی ہے۔ مشائخ اور پیروں کے اخلاق کے بدلنے میں دشواری پیش آتی ہے۔ اگر کوئی اپنی حالت پر کبھی غور کرے اپنے اعمال وافعال پر نظر ڈالے اپنے صفحۂ دل کو کھول کر دیدۂ بصیرت سے تامل کرے۔ تو اُن صفات کو معلوم کرسکتا ہے جو دل میں گھر کرچکی ہیں۔ اکثر آدمی بسبب گرفتاریٔ علائقِ دنیویہ اُس کی طرف سے غافل ہیں۔ جب اِس سرا سے عالمِ بقا کی طرف رحلت کریں گے تو دل مشاغلِ دنیویہ سے فارغ ہوگا رشتۂ علائق منقطع ہوں گے۔ پردۂ طبیعت دیدۂ بصیرت سے اٹھایا جائے گا۔ اُس وقت اُن کی نظر لوحِ قلب اور صفحۂ نفس پر پڑے گی۔

چنانچہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۔

دُوسرے مقام پر فرماتا ہے:

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ۔

یعنی :

"جس روز تیرے آگے سے پردہ اٹھا دیا جائے گا۔ تو تُو زیادہ دیکھنے والا ہوگا۔ اپنے تمام اعمال کو دیکھے گا۔ نتیجۂ اعمال و افعال کو مشاہدہ کرے گا۔ جو کچھ قرآنِ مجید میں ہے اُس سے آگاہی ہوگی۔"

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا۔

یعنی : "ہر انسان کا عمل ہم نے اُس کے گلے کا ہار کر دیا ہے اور قیامت کے دن اُس کے لیے ہم ایک نوشتہ نکالیں گے جس کو وہ صاف طور پر پائے گا۔ ہم اس کو حکم دیں گے کہ اپنا نوشتہ پڑھ لے۔ آج تو خود اپنے محاسبہ کے لیے کافی ہے۔"

جو لوگ دنیا میں اپنے احوال سے غافل اور اپنی اوقات کو لہو ولعب و امورِ باطلہ میں صرف کر چکے ہیں۔ بے اختیار کہیں گے:

مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا۔

یعنی :

"یہ کیسا نوشتہ ہے کہ اُس نے کسی اعمالِ صغیرہ وکبیرہ کو فروگذاشت نہیں کیا۔ ہر چیز اس میں درج ہے۔"

✢ ✢ ✢

فصل ۹

بزرگیِ علمِ اخلاق و مراتبِ انسان

جب آپ نے معلوم کیا کہ حیاتِ ابدی و سعادتِ سرمدی انسان کو اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ اخلاقِ ذمیمہ و اوصافِ رذیلہ دُور اور صفاتِ نیک حاصل نہ ہوں اور یہ حالت اُس وقت تک میسر نہیں ہوتی، جب تک کہ صفاتِ رذیلہ و فضائلِ حسنہ کا علم نہ ہو۔ ان کی معرفت علمِ اخلاق سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ علم اخلاق کی بزرگی تمام علوم سے زیادہ ہے۔ اُس کے فوائد بے انتہا ہیں۔

ایک بدیہی مسئلہ ہے کہ ہر علم کی بزرگی اس کے موضوع کی بزرگی پر موقوف ہے اور علم اخلاق کا موضوع نفسِ ناطقۂ انسانیہ ہے جو اشرفِ انواعِ کائنات و افضلِ طوائفِ ممکنات ہے لہٰذا اس علم کی بزرگی کے تسلیم کرنے میں کسی عاقل نے کلام نہیں کیا۔ اسی علم کے واسطہ سے انسان رتبۂ حیوان سے ہم رتبۂ ملائکہ ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ انسان کے لیے عجیب و غریب عوارض و مراتب ہیں۔ اس کی پستی کے مرتبہ پر جب نظر کیجیے تو یہ نظر آئے گا کہ :

اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ

یعنی : "یہ لوگ چارپایوں کے مانند ہیں، بلکہ ان سے بھی گئے گزرے اور زیادہ گمراہ۔"

یہ مرتبہ کفار کا ہے۔ اسی پر نظر کرتے ہوئے انھیں کہنا پڑے گا:

یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرَابًا۔

"اے کاش! میں خاک ہو جاتا۔"

اور مرتبۂ آخری نوعِ انسان کا یہ ہے کہ وہ مقصودِ کائنات قرار پایا اور اسی مرتبہ والے انسان کی شان میں آیا ہے:

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ۔

یعنی: "اگر تُو مقصود نہ ہوتا تو میں کسی شے کو خلق نہ کرتا۔"

یہ مرتبہ ملائکہ کے مرتبہ سے بدرجہا افضل و اشرف ہے۔ ؎

اے نقدِ اصل و فرع ندانم چہ گوہری
کز آسمان تو برتر واز خاک کمتری

حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ:

اِنِّیْ وُزِنْتُ بِاُمَّتِیْ فَرَجَحْتُ بِهِمْ

یعنی: "میں اپنی تمام امت کے ساتھ موازنہ کیا گیا، اور میں سب پر سبقت لے گیا۔"

اس بیان سے ظاہر ہُوا کہ یہ تفاوت و اختلاف نوعِ انسان میں جسم کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ تمام مخلوقات کو جسم عطا ہُوا ہے بلکہ وجہ اختلاف اخلاق وصفاتِ پسندیدہ ہیں۔ اِنھیں اخلاق و صفات کا حامل سردارِ کائنات ہے۔ پس اس علم سے بڑھ کر کون سا علم اشرف ہو سکتا ہے جو پست ترین موجودات کو تمام کائنات سے رتبۂ بزرگی پر پہنچا دے۔ اسی وجہ سے سابق کے علماء اس علم کو علمِ اخلاقِ حقیقیہ کہتے ہیں۔ اس کا نام اکسیرِ اعظم رکھا ہے۔ اپنے شاگردوں کو اسی کی تعلیم دیتے ہیں اور جب تک شاگردوں کے قلوب میں

اخلاقِ حسنہ راسخ نہ ہو جائیں اس وقت تک دُوسرے علوم کی تعلیم اُن کے نزدیک عبث اور بیکار بلکہ موجبِ شر و فساد ہے۔ کیونکہ جس بدن میں مادۂ فاسد جمع ہو اُسے کثرتِ غذا سے سوائے فساد و اختلاط و زیادتی مرض کے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ ویسا ہی جس نفس میں اخلاقِ ذمیمہ جمع ہوں اُسے تحصیلِ علوم سے بجز شر و فساد کے کوئی نفع حاصل نہیں ہو سکتا۔

یہی سبب ہے کہ اکثر اشخاص علماء کے لباس میں ہیں اپنے کو زمرۂ اہلِ علم سے گنتے ہیں مگر ان کا حال عوام سے خراب ہے۔ اُن کا دل سیاہ ہے۔ رات دن مال خواہ حرام ہو یا حلال جمع کرتے ہیں۔ حصولِ جاہ و منصب میں کوشش کرتے ہیں۔ اُس کو رواجِ دین و مذہب جانتے ہیں۔ اپنے ہم رتبہ والوں سے جھگڑتے ہیں تاکہ عوام پر اپنی فضیلت ظاہر ہو۔ اُن کا اعتقاد سُست ہے۔ اُن کے اصُولِ عقائد نادرست ہیں۔ رسُومِ شرع و ملت کو دور کر کے چند بدعتوں کو اپنے واسطے مقرر کر لیا ہے۔ اُن کا نام مقتضائے حکمت رکھتے ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے ہیں کہ علم بدونِ عمل کے گمراہی و ذلالت پیدا کرتا ہے۔

کیا قولِ پیغمبرؐ نہیں سُنا :

اَلْبَلَاهَةُ اَدْنیٰ اِلَی الْخَلَاصِ مِنْ فَطَانَةٍ بَتْرَاءَ

یعنی : " بہ نسبت عقلِ ناقص کے نادانی و سفاہت نجات سے بہت نزدیک ہے۔"

نیز حضرت رسُول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے فرمایا کہ :

" دو شخصوں نے میری کمر توڑ دی۔ ایک وُہ عالم جو مطابق شرع کے عمل نہیں کرتا ہے۔ دُوسرا وُہ جاہل جو آدابِ عبادت کو نہ جان کر عبادت کرتا ہے۔"

فصل ۱۰

فائدۂ تہذیبِ اخلاق

واضح ہو کہ نفس کو صفات رذیلہ سے پاک کرنے اور صفاتِ نیک سے آراستہ کرنے کو تہذیبِ اخلاق کہتے ہیں۔ تہذیبِ اخلاق سے نیکی اور سعادتِ دارین حاصل ہوتی ہے۔ جاننا چاہیئے کہ یہ سعادت اُس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ اپنے صفحۂ دل کو اخلاقِ ذمیمہ سے پاک نہ کریں اور نیک صفتوں سے آراستہ نہ کریں۔ جیسے کہ صحت بدن کی تمام امراض کے دور کرنے سے میتسر ہوتی ہے۔

پس نیک بخت وہ ہے جو تمام صفات اور اپنے افعال کی بہتری کو لازم قرار دے۔ ہر وقت ثابت قدم رہے۔ کبھی انقلابِ زمانہ و تغیرِ حالت سے متردّد و پریشان نہ ہو۔ کہیں برقِ مصائب و بلا خرمنِ صبر کو نہ جلائے۔ سیلابِ محنت سے شکر گزاری میں کوئی رخنہ نہ واقع ہو۔ شُبہ کا ہاتھ دامنِ اعتقاد تک نہ پہنچے۔ کسی کا بدی کرنا اُس کے ساتھ نیکی کرنے سے مانع نہ ہو۔ کسی کا دشمنی کرنا نفس کو جادۂ دوستی سے الگ نہ کر دے۔ حاصلِ کلام ثابت قدمی و ثبوتِ اخلاق و قوتِ نفس و بزرگیِ ذات و حُسنِ صفات اُس مرتبے کو پہنچاتی ہے جو حضرت ایوبؑ پیغمبر کو حاصل ہُوا ایسے شخص کے احوال میں کوئی تغیّر نہیں ہوتا۔ اگر اُس پر بلائیں نازل ہوں تو اُس کے اعمال تبدیل نہیں ہوتے۔ اس میدان میں جو شخص گوئے سعادت لے گیا اس کو سعادتِ واقعی نصیب ہوئی حقیقتاً وہ گروہِ مجرّدات

میں داخل ہوتا ہے۔ عالمِ جسمانیات سے اس قدر بلندی پر پہنچتا ہے، کہ دستِ افلاک کا تصرف اُس کے دامن تک نہیں پہنچ سکتا۔ تاثیرِ ثوابت و سیار کی گرد اس کے چہرے پر نہیں جم سکتی۔ اُس پر ستاروں کی نحوست و سعادت کا اثر نہیں پڑ سکتا۔

صاحبانِ نفوس قویہ کو سعد و نحسِ فلک سے کیا ڈر ہے، بلکہ انسان قوتِ نفس و تجرد میں اُس مرتبہ پر پہنچتا ہے کہ افلاک میں بلکہ تمام کائنات میں تصرف کر سکے۔ چنانچہ واقعۂ شق القمر سیدِ انبیاءؐ کا اور قصۂ ردِّ شمس سرورِ اوصیاءؑ کا شہادت دے رہا ہے۔

دُوسرا باب

سببِ اخلاقِ بد و قوتِ نفس

فصل ۱

نفس مملکتِ بدن کا بادشاہ ہے اور یہ

چار قوتیں عقل، شہوت، غضب، وہم اس مملکت کے

عمال و حکام ہیں اور باقی اعضا و قویٰ لشکر و خادم۔

ان چاروں کو لذت و الم فطری حاصل ہے۔

واضح ہو کہ بدن انسان کا مثل ایک مملکت کے ہے جسے خداوند عالم نے رُوح کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ اس مملکت میں روح کے لیے اعضاو جوارح و حواس و تمام قوائے ظاہری و باطنی مانند فوج و لشکر کے ہیں کہ جس کا شمہ بیان کیا جائے گا۔

وَ مَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ

یعنی: "تمہارے پروردگار کے لشکروں کو سوائے اُس کے

کوئی نہیں جانتا۔"

ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک خدمت سپرد کی گئی ہے۔ ان میں حسب مندرجہ ذیل چار قویٰ سردارِ لشکر وعمالِ مملکت ہیں :

۱ : عقل

۲ : شہوت

۳ : غضب

۴ : وہم

باقی تمام قویٰ ان کے زیرِ دست و فرماں بردار ہیں اور عقل کا کام حقیقتِ امور کو معلوم کرنا۔ نیکی و بدی کی تمیز کرنا اور افعالِ نیک کا حکم اور بُرے صفات سے منع کرنا ہے۔ قوّتِ شہوت کا فائدہ یہ ہے کہ بدن کو قائم رکھتی ہے۔ یہ کمالِ نفس کے تحصیل کا ذریعہ ہے۔ اس سے انتظامِ بدن درست رہتا ہے، اور بقائے نسل اِسی پر موقوف ہے۔

قوّتِ غضب کا شُغل یہ ہے کہ نقصاناتِ خارجیہ بدن سے دُور کرتی ہے نیز اگر قوّتِ شہوت یا وہم سرکشی و خودسری کا ارادہ کر کے جادۂ اطاعتِ عقل سے قدم باہر رکھے تو یہی قوّتِ غضبیہ اُنھیں سیدھے راستہ پر لاتی اور ماتحتِ عقل کر دیتی ہے۔

قوّتِ وہم سے باریک اور مشکل کام سمجھ میں آتے ہیں۔ یہ قوّت مقصدِ صحیح پر پہنچاتی ہے، تحت اقتدار و تسلّطِ عقل رکھتی ہے۔

واضح ہو کہ اِن چاروں قوّتوں میں سے ہر ایک سرکشی بھی کر سکتی ہے۔ محکوم ہو کر حاکم بننے کی تمنا کرتی ہے۔ باقی قوّتوں کی یہ کیفیت نہیں۔ بلکہ ان چاروں میں سے جو قوّت بھی حاکم بن جائے وہ اُسی کی خادم بن جاتی ہے۔

اب ان چاروں قوتوں میں سے عقل مرتبۂ وزارت رکھتی ہے۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ سلطانِ رُوح راہِ صواب سے الگ نہ ہونے پائے۔ تدبیرِ نیک سے مملکتِ بدن کو قائم و مضبوط رکھے۔ تاکہ بادشاہ کو عالمِ قرب کی تیاری اور اسبابِ سفر میں سہل و آسانی ہو۔

دُوسری قوتِ شہوت۔ یہ مثل عامل خراج کے ہے۔ یہ عامل لالچی اور جھوٹا ہے، جو کچھ وزیرِ عقل حکم دیتا ہے اُس کے خلاف کرنا چاہتا ہے۔ ہمیشہ اس امر کا طالب رہتا ہے کہ سلطانِ رُوح اُس کے حکم کا محکوم رہے۔ چارپایوں کے مانند غرقِ دریائے شہوت ہو جائے۔ ہمیشہ ماکولات و مشروبات و منکوحات میں مبتلا رہے اور ایسا مبتلا ہو کہ وزیرِ باتدبیر سے مشورہ لینے کی مہلت ہی نہ ملے۔ بھلائی اور بُرائی کو سمجھنے کی طرف متوجہ ہی نہ ہو۔

تیسرا غضب۔ یہ کوتوالِ شہرِ بدن ہے جو تیز و تند و بے خوف و شریر ہے ہمیشہ ظلم و ایذا و عداوت و بغض کو پسند کرتا ہے۔ اس امر کی کوشش میں رہتا ہے کہ سلطانِ رُوح کو فریب دے اور ہمیشہ اُس کے اشاروں پر کاربند ہو۔ عقل کے ارشاد کی طرف اُس کا رُخ نہ ہو اور ہمیشہ درندوں کے مانند بنی نوع انسان کی ایذا دہی میں مصروف رہے۔

چوتھا وہم۔ کہ اُس کا شغل مکر، حیلہ و خیانت و فتنہ ہے وہ چاہتا ہے کہ سلطانِ رُوح کو ایسا مطیع و فرماں بردار کرے کہ کبھی راہِ فتنہ و فساد و مکر سے تجاوز نہ کر سکے۔ ان چاروں قوتوں میں ہمیشہ جھگڑا رہتا ہے۔ اس لیے انسان میں کبھی فرشتوں اور قدسیوں کے آثار پائے جاتے ہیں۔ کبھی بہائم کے، کبھی وہ درندگی کے لباس میں نظر آتا ہے، کبھی شیطان کے بھیس میں۔ یہ تنازعہ برپا رہتا ہے یہاں تک کہ کسی ایک قوت کو غلبہ حاصل ہو۔

پس جس قوت کا غلبہ ہوتا ہے۔ انسان اُسی کے زمرے میں داخل ہو جاتا ہے اور اُسی کے آثار بطورِ کمال اُس میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر بدن کی سلطنت وزیرِ عقل پر قائم رہی تو نفس کی مملکت میں آثارِ ملائکہ ظاہر ہوتے ہیں۔ انتظامِ مملکتِ بدن اچھی طرح رہتا ہے۔ انسان داخلِ گروہِ ملائکہ ہوتا ہے۔ اگر دوسرے قویٰ کا غلبہ ہو تو اُس کے آثار ویسے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ مملکتِ بدن خراب اور ویران ہوتی ہے انسان جانوروں یا درندوں یا شیاطین کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے۔ نعوذُ باللہِ من ذٰلک۔

واضح ہو کہ مملکتِ نفس میں یہ لڑائی عقل کے سبب سے ہوتی ہے کیونکہ عقل اِن قوائے سہ گانہ کو اعتدال کے دائرے میں قائم رکھنا چاہتی ہے۔ اِن کی سرکشی کو روکتی ہے اور نفس کو ان کا فرماں بردار بن جانے سے منع کرتی ہے، اور باقی تینوں قوتیں آپس میں جنگ و جدل نہیں کرتیں۔ یہ ممانعت صرف عقل کے اشارے پر منحصر ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اِن قوتوں میں سے کسی قوت کو بسبب عوارضِ خارجیہ کے دوسری پر غلبہ و قوت حاصل ہو۔ لیکن یہ غلبہ دشمنی اور عداوت کے سبب سے نہیں ہے۔

یہی سبب ہے کہ نفوسِ حیوانات میں جو قوتِ عاقلہ سے خالی ہیں یہ تنازعہ نہیں پایا جاتا۔ اگرچہ وہ سب اس قوتِ (شہویہ) میں مراتبِ مختلفہ رکھتے ہیں جو اِن پر مستلط ہے۔

اسی طرح گروہِ درندگان و فرقۂ شیطان کو سمجھیے۔ جن میں سے اوّل الذکر پر قوتِ غضبیہ کا تسلط ہے اور آخر الذکر پر قوتِ واہمہ کا۔ یہی حال نفوسِ ملائکہ کا ہے۔ اِن میں بھی تنازعہ نہیں۔ اس لیے کہ ان کی قوت صرف عقل پر منحصر ہے۔ باقی قوتیں اِن میں نہیں ہیں۔

یہاں سے معلوم ہُوا کہ جامع تمام عوالم و محلِ جمیع آثار انسان ہے۔ جو تمام مخلوقات میں قوائے متخالفہ اور صفاتِ متقابلہ کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے مظہریتِ اسماء الٰہیہ و مرتبۂ قابلیتِ خلافتِ ربانیہ اُس سے متعلق ہُوا۔ عالمِ ظاہری اور باطنی کی بزرگی کا تاج اُس کے سر پر رکھا اور سلطنتِ ملکِ ظاہری و باطنی کا خلعت اُس کے جسم پر آراستہ کیا گیا۔ گو ملائکہ لذاتِ عقلیہ و انوارِ علمیہ سے مخصوص ہیں۔ رتبۂ رُوحانیت پر سرفراز ہیں لیکن عالمِ جسمانیت پر جو ایک عالمِ پروردگار ہے۔ اُن کو تسلّط نہیں ہے۔ اجسامِ فلکیہ اگرچہ بنابرِ قواعدِ حکماء صاحبِ نفوسِ مجردہ ہیں۔ مگر اُن کو اوصافِ متضاد و طبائعِ مختلفہ کی کوئی خبر نہیں ہے۔ نہ اُنھوں نے ہولناک منزلیں طے کی ہیں۔ نہ انقلابِ صفات و احوال کا زہرِ جانگزا چکھا ہے۔ برخلاف انسان کہ تمام مراتب کو طے کر کے مختلف پہاڑوں کی سیر کرنے کے بعد عالمِ جماد و نبات و حیوان و ملائکہ کا احاطہ کیے ہُوئے مرتبۂ کمال پر فائز ہُوا ہے۔ پس انسان تمام حقائق ملک و ملکوت کا ایک نسخۂ جامعہ ہے۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حق سُبحانہٗ تعالیٰ نے عقل سے ملائکہ کو مخصوص کیا۔ اِن کو شہوت و غضب نہیں دیا۔ حیوانات کو شہوت و غضب عنایت کیے۔ مگر عقل سے بے نصیب رکھا۔ انسان کو ان تمام قوّتوں سے مشرّف کیا۔ اگر انسان شہوت و غضب کو عقل کا مطیع کرے تو ملائکہ سے بہتر ہے کیونکہ اپنے کو باوجود ان تمام قوّتوں کے اس مرتبہ پر پہنچانے والا یقیناً مستحقِ مدح ہے۔

یہاں سے معلوم ہُوا ہے کہ انسان اگر شہوت و غضب کا مطیع ہو تو حیوان سے رتبہ میں کم درجہ رکھتا ہے۔ اس لیے کہ باوجود اعانتِ عقل اُن کی اطاعت کی اور حیوانات کو عقل کی اعانت حاصل نہیں ہے۔

۞ ۞ ۞

فصل ۲

لذّتِ رُوحانی کا درجہ لذّتِ جسمانی سے بڑھا ہُوا ہے

قوّتِ عاقلہ سے لذّتِ رُوحانی اور باقی
تین قوّتوں سے لذّتِ جسمانی حاصل ہوتی ہے۔ اِن
چاروں میں سے جو قوّت غالب ہو جائے، آدمی
اُسی جنس میں محسُوب ہو جاتا ہے۔

آپ کو معلوم ہُوا کہ یہ چاروں قوّتیں سردار ہیں :

۱ : عقلیّہ
۲ : وہمیّہ
۳ : غضبیّہ
۴ : شہوتیّہ

واضح ہو کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے لذّت و تکلیف موجُود ہے یعنی جو چیز بلحاظِ فطرت و جبلّت اس قوّت کے لیے موزوں ہے۔ اُس کا حصُول لذّت ہے اور اُس کا عدم تکلیف و الم۔

اب سمجھنا چاہیئے کہ عقل کی خواہشِ فطری یہ ہے کہ حقیقتِ اشیاء کو پہچانے۔ لہٰذا معرفتِ حقائق، لذّتِ عقلی ہے۔ اور جہل و حیرانی اذیّت و تکلیفِ عقلی۔ اِسی طرح مقتضائے غضب قہر و انتقام ہے۔ اسی کی لذّت غلبہ و تسلّط سے حاصل

ہوتی ہے اور عجز اُس کے لیے تکلیف و زحمت - علیٰ ہذا قوّتِ شہویہ کی خواہشاتِ فطریہ ماکولات و ملبوسات و منکوحات میں منحصر ہیں - ان کا حصُول اس کے لیے لذّت ہے اور عدمِ حصُول موجبِ زحمت و الم - اسی پر قوّتِ وہمیہ کا قیاس کرنا چاہیے - اس مقام سے معلوم ہوا کہ اِن چاروں قوّتوں پر نظر کرتے ہوئے لذّت و الم کی بھی چار قسمیں قرار پائیں گی :

۱ : لذّتِ عقلیہ

۲ : لذّتِ وہمیہ

۳ : لذّتِ غضبیّہ

۴ : لذّتِ شہویّہ

ان سب لذّتوں میں لذّتِ عقلیّہ کا درجہ نہایت بلند ہے - جیسا کہ خود عقل کے لیے رفعت موجود ہے - تغیّر و تبدّلِ حالات سے اس لذّت میں کوئی فرق نہیں آسکتا ہے - برخلاف دُوسری لذّتوں کے - ان میں سے کسی کے لیے بھی رنگِ بقا نہیں ہے - اسی لیے یہ لذّتیں لذّتِ عقلیّہ کے مقابل میں نہایت حقیر و بے قدر ہیں - ابتداء میں انسان کا میلِ طبعی تمام لذّتوں کی جانب ہوتا ہے - لیکن جس قدر غلبۂ حیوانیّت بڑھتا ہے اُسی قدر لذّتِ عقلیّہ ضعیف ہوتی جاتی ہے - یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ ابتداء میں انسان کو لذّتِ عقلیہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی - کیونکہ اس کی طرف اُسی وقت توجہِ کامل ہوسکتی ہے جب نفس پاک و پاکیزہ ہو - اور انسان فضائلِ حسنہ کے زیوروں سے آراستہ ہو جائے - لیکن جب آدمی اُس لذّت کا ادراک کر لیتا ہے تو پھر اُس میں ترقی ہی ترقی نظر آتی ہے اور جس قدر قوّتِ عقلیہ ترقی کرتی ہے - اُسی قدر اُس کا تسلّط دوسری قوّتوں پر ہوتا جاتا ہے - یہ تسلّط جس قدر بڑھتا ہے - اُسی قدر لذّتِ عقلیہ ترقی کرتی چلی جاتی ہے اور اسے

نقص و زوال لاحق نہیں ہوتا۔ اُن لوگوں سے تعجب ہے جو کھانے پینے۔ نکاح جماع اور مثل ان کے اور لذتوں کو کمالِ انسانی سمجھتے ہیں۔ اُن کے حصول میں بہتری کا گمان کرتے ہیں۔ لذتِ آخرت و انتہائی مرتبۂ انسانیت اُن کے نزدیک وصالِ حور و غلماں و سیرِ بہشت۔ کباب و شراب کے سوا اور کچھ نہیں۔ آگ میں جلنا، بچھوؤں کی اذیت رسانی۔ گرزِ آتشیں کی چوٹیں، آتشیں لباس، انھیں چیزوں میں اُن کے نزدیک آخرت کی تکلیف منحصر ہے۔ اُن کی عبادات و ریاضات کا مقصد یہی ہے کہ وصالِ حور یہ سے کامیاب ہوں اور گرزِ آتشیں سے نجات حاصل کریں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ ایسی عبادت مزدوروں اور غلاموں کی عبادت ہے۔

افسوس یہ لوگ اُن کی لذت سے بے خبر ہیں۔ جن سے سُرورِ حقیقی اور قربِ پروردگار حاصل ہوتا ہے۔ اگر آتشِ دوزخ کے خوف سے گریہ و بکا ہے۔ اگر شوقِ وصالِ حُور میں شب بیداریاں ہو رہی ہیں۔ اگر فواکہاتِ خوش مزہ کی اُمید میں روزہ رکھا جاتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ ایسا شخص اہل اللہ میں سے نہیں ہو سکتا۔ ایک پردۂ غفلت ہے جو آنکھوں پر پڑا ہوا ہے۔

سیدِ اولیاء علیہ التحیۃ والثناء فرماتے ہیں:-

اِلٰهِی مَا عَبَدْ تُكَ خَوْفاً مِنْ نَارِكَ
وَلَا طَمَعاً فِی جَنَّتِكَ وَلٰكِنْ وَجَدْ تُكَ اَهْلاً
لِلْعِبَادَةِ فَعَبَدْ تُكَ۔

یعنی: "اے خدا میں آتشِ دوزخ کے خوف سے یا بہشت کی طمع و شوق میں تیری عبادت نہیں کرتا ہوں مگر تجھ کو سزاوارِ پرستش جان کر تیری بندگی کرتا ہوں۔"

ایسا ہی اہلِ بصیرت کی نظر میں لذّتِ جسمانیہ کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے۔
کیونکہ ان لذّتوں میں آدمی بہائم و حیوانات کے ساتھ شریک ہے۔ اہلِ عقل کے نزدیک وہ لذّت کس کام کی ہو سکتی ہے جس کا حصُول جس قدر ترقی کرتا جائے اُسی قدر نفسِ ناطقہ قوّتِ بہیمیہ کا خادم ہوتا چلا جائے۔

افسوس ہے اُن پر جو کھانے پینے، نکاح، حصُولِ جاہ و منصب کو لطفِ زندگانی سمجھتے ہیں اور جو لوگ اِن سے محرُوم ہیں اُن پر فخر کرتے ہیں۔ اُن کی بزرگی کو گھٹاتے ہیں اور جو لوگ ترکِ شہوات کر کے لذّتِ دنیویہ پر لات مار چکے ہیں ان کی تواضع و عاجزی سے فائدہ اٹھا کر اُن کو اپنے مقابلہ میں بدنصیب جانتے ہیں۔

واضح ہو کہ لذّاتِ جسمانیہ کا حصُول ہرگز داخلِ کمالات نہیں۔ اس کی روشن دلیل یہ ہے کہ ان چیزوں سے ذاتِ باری کی تنزیہ اہلِ عقل کے نزدیک مسلّم ہے اگر یہ چیزیں کمالات میں داخل ہوتیں تو ضرور خالقِ عالم کے لیے ثابت رہتیں۔ اس لیے کہ ذاتِ کامل و اکمل کا کسی کمال سے خالی رہنا محال ہے۔ لہٰذا معلوم ہُوا کہ یہ چیزیں فی الحقیقت نقص میں داخل ہیں نہ کمالات میں۔

فطری دلیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو پُر خور کہا جائے یا مطیعِ غضب سمجھا جائے یا مکّار کا خطاب دیا جائے تو وہ یقیناً ناخوش ہوگا۔

یہیں سے معلوم ہُوا کہ یہ صفتیں نقائص میں سے ہیں۔ اگر ان کا شمار کمالات میں سے ہوتا تو کسی انسان کو ان کی طرف منسوب ہونے سے ناخوشی لاحق نہ ہوتی۔ اس لیے کہ نفسِ انسان فطرتاً طالبِ کمال ہے۔ ہاں ان قوتوں کا کام صرف اتنا ہے کہ بدن پر جو تکالیف وارد ہوتی ہیں، وہ اُن کے ذریعہ سے دفع ہو جاتی ہیں اور بس۔

لذّت وہی لذّت ہے جس کا عقل سے تعلق ہے اور جس کے حصُول سے

انسان گروہِ ملائکہ میں داخل ہوتا ہے اور باقی قوتیں انسان کو حیوانوں، درندوں اور شیاطین کے گروہ کی طرف کھینچنے والی ہیں۔ لہٰذا چشمِ بصیرت کھولیے ہوشیار ہو جائیے اور غور کیجیے کہ آپ کہاں سے کہاں پہنچے۔ اگر قوتِ شہویہ دوسری قوتوں پر مسلط ہو یہاں تک کہ آپ اشتیاق ماکول و مشروب میں ہی غرق ہوں۔ مہ وشوں کے جمگھٹے میں ہی آپ کی زندگی گزر رہی ہو تو آپ انسان نہیں رہے۔ بہائم سے جا ملے۔ اگر آپ پر قوتِ غضبیہ کا تسلط ہو اور ہمیشہ آپ اپنے کو حصولِ منصب و جاہ و برتری کی طرف مائل یا کسی کی تکلیف و فحش و دشنام دہی میں مصروف پائیں تو اپنے کو سگِ گزندہ یا گرگِ درندہ سمجھیے۔ اور انسان خیال نہ کیجیے۔ اگر ہمیشہ مکر و حیلہ کی فکر اور ان طریقوں کی تلاش ہو جو مقتضائے غضب و شہوت ہیں تو اپنے کو شیطان خیال کیجیے۔ جس نے جسمِ انسانی میں حلول کیا ہے۔ اگر آپ پر عقل کا تسلط ہو اور ہمیشہ تحصیلِ معرفتِ الٰہیہ و عبادتِ پروردگار و طاعتِ رسولِ مختار و طلبِ کارِ نیکی ہوں تو اپنے کو انسانِ حقیقی و ملائکۂ مقدسہ سے بلند رُتبہ والا جانیے۔

پس جس کو تھوڑا بھی ہوش ہو اور اپنے نفس کا دشمن نہ ہو، اس پر سعادتِ ابدیہ و صفاتِ جمیلہ کے حصول میں اور اخلاقِ رذیلہ کے دفع میں کوشش کرنا لازم ہے۔ ہمیشہ خواہشِ نفسانیہ و لذتِ جسمانیہ میں مصروف نہ ہونا چاہیئے۔ مگر اُسی قدر جو صحتِ بدن و بقائے حیات کے لیے ضروری ہے۔ انسان اپنی زندگی کو اچھے اچھے کھانوں کے حاصل کرنے میں ضائع و تلف نہ کرے۔ مگر مطابقِ ضرورت۔ جس سے اہل و عیال کے سامنے ذلیل نہ ہو۔ اس سے زیادہ وبال اور اُس کا نتیجہ خرابی ہے۔ جامہ و لباس اس قدر کافی ہے کہ بدن کو پوشیدہ کر سکے اور گرمی و سردی دفع ہو۔ نہ اس قدر تلاشی رہیئے کہ ہر ایک کی نظر میں

ذلیل و خوار و بے اعتبار ہو جائے۔ مجامعت اس قدر کافی ہے جو بقائے نسل کے لیے ضروری ہو نہ اس درجہ کہ غرقِ دریائے شہوتِ نفسانیہ و گرفتارِ علائقِ دنیویہ ہو جائے۔ اسی سبب سے شقاوتِ ابدیہ و ہلاکت میسر ہوتی ہے۔ خدا کے لیے اپنے نفس پر رحم کیجیے اور ہوشیار رہیے کہ کہیں آپ پر راستے مسدود نہ ہوں۔ آپ عاجز نہ ہو جائیں۔ آپ غافل نہ ہوں۔ کیونکہ عمر تھوڑی اور مختصر ہے اپنا علاج کیجیے کہ کہیں اخلاقِ رذیلہ مستحکم نہ ہوں اور لشکرِ شیطان مملکتِ دل تسخیر نہ کر لے۔ دل پر شیطان کا قابو نہ ہو۔ جب کہ جوانی میں شیطان نے آپ کے دل پر قابو کیا تھا۔ آپ کو قوت و توانائی حاصل تھی، اُس وقت شیطان سے آپ مقابلہ نہ کر سکے تو پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ بڑھاپے میں مقابلہ کریں لیکن کسی حال میں رحمتِ خدا سے نا اُمید ہونا جائز نہیں ہے۔ ہر وقت قوت کے مطابق کوشش اور شیطان سے مقابلہ کرنا چاہیے۔

شیخ فاضل احمد ابن محمد ابن یعقوب جو علمِ اخلاق کا اُستاد ہے اور پہلے پہل جس نے اس فن میں تصنیف و تالیف کے لیے قلم اُٹھایا ہے اُس سے منقول ہے کہ :

"مَیں اُس وقت مستیٔ طبیعت اور خوابِ غفلت سے ہوشیار ہُوا جب عہدِ جوانی برباد ہو چکا تھا۔ عادات و رسُوم مجھ میں مستحکم ہو رہے تھے۔ اوصافِ رذیلہ میرے نفس میں رسُوخ کر چکے تھے۔ اُس وقت مَیں نے کمرِ اجتہاد باندھی اور مجاہدۂ عظیمہ و ریاضتِ شاقہ سے اپنے نفس کو خواہشات سے باز رکھا۔ یہاں تک کہ خداوندِ عالم نے مجھ کو توفیقِ کرامت فرمائی اور مہلکات سے خلاصی حاصل ہُوئی۔ لہٰذا مایوس نہ ہوں، دروازۂ فیضِ الٰہی کشادہ ہے۔ ہر شخص کو اُمیدِ نجات

رکھنی چاہیئے۔ لیکن یہ خیال نہ کر لینا کہ وُہ صفائی و نورانیتِ قلب جو گناہوں کی تیرگی سے زائل ہو چکی ہے اُس کا تدارک ممکن ہو گا اور نفس میں وہی جِلا پیدا ہو جائے گی جو گناہ نہ کرنے کی حالت میں ہوتی ہے۔

یہ خیال باطل ہے۔ ہاں اِس مقام میں منتہائے امر یہ ہے کہ آثارِ گناہ کو اعمالِ حسنہ کے ارتکاب سے محو کر دیا جائے۔ تو اِس وقت البتہ نفس اُس حالتِ اوّلی کے مشابہ ہو سکے گا اور اعمالِ حسنہ کے سبب سے ایک نورانیت حاصل ہو گی۔

آہ ! اگر یہ شخص اِن اعمالِ حسنہ کو اُسی وقت سے بجا لاتا جب کہ گناہ کی طرف قدم نہ بڑھایا تھا تو اُسے دُنیا میں ہر وُہ سرُور حاصل ہوتا جس کا اندازہ ممکن نہیں، اور آخرت میں وُہ درجات حاصل ہوتے جو تصوّر سے باہر ہیں۔

اور اب موجُودہ حالت میں اعمالِ حسنہ کا صرف اتنا فائدہ ہے کہ آثارِ ظلمت و معصیت محو ہو جائیں، اور بس۔

یہ بھی سعادتِ عظمیٰ ہے !

کاش !

ہم اُسی کی طرف قدم بڑھائیں۔

فصل ۳

تمام نیکیوں اور بُرائیوں کا مصدر یہی چار قوتیں ہیں جو مذکور ہوئیں۔ باقی قوتیں ان کی فرماں بردار ہیں۔

بیانِ مذکورالصدر سے معلوم ہُوا کہ آدمی کے لیے اگرچہ قویٰ و جوارح بہت سے ہیں لیکن اُن میں سوائے چار حکّام کے باقی سب مطیع و فرمانبردار ہیں اور وُہ مملکتِ نفس کی حالت میں تغیّر و تبدّل نہیں کر سکتے۔

یہی چار قوتیں باعثِ نیک و بد و خیر و شر ہیں۔ انہی چاروں سے تمام اخلاقِ نیک و بد ظاہر ہوتے ہیں۔

منشاءِ صفاتِ خیر و شر یہی ہیں لیکن قوّتِ عاقلہ کے تسلّط و غلبہ سے نیکیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ اُس کی خرابی و عجز میں بدی و شر ظاہر ہوتا ہے۔ باقی تینوں قوتیں اُس کے برعکس ہیں۔

یعنی :

اُن کے تسلّط و غلبہ کی حالت میں شرارتیں ظاہر ہوتی ہیں اور عجز اور انکساری کی صُورت میں نیکیوں کا ظہُور ہوتا ہے۔

فصل ۴

ہر ایک چاروں قوّتوں کی شان و تہذیب سے یہ چار فضیلتیں حکمت، عدالت، شجاعت و عِفّت حاصل ہوتی ہیں جو تمام فضائل کی مبدأ ہیں۔

واضح ہو کہ قوّتِ عقلیہ اور وہمیہ تمام امُور کو معلوم کرتی ہے لیکن قوّتِ عقل کلیات کو معلوم کرتی ہے اور قوّتِ وہمیہ سے جزئیات کا تصور متعلق ہوتا ہے جو فعل بدن سے صادر ہوتا ہے وہ فعل جزئی کہلاتا ہے۔

پس افعالِ جزئی کے وقت قوّتِ وہمیہ غور و فکر کے ساتھ مبدأ تحریکِ بدن ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اُس کو قوّتِ عاملہ و عقلِ عملی کہتے ہیں اور قوّتِ عقلیہ کو عقلِ نظری و قوّتِ عاقلہ، قوّتِ غضبیہ و شہویّہ بدن کو متحرّک کرتی ہیں۔ یہی دو قوّتیں ابتدأً تحریک کنندہ ہیں، لیکن قوّتِ غضبیہ امورِ غیر ملائمہ کو بدن سے دفع کرنے کے لیے اور قوّتِ شہویّہ امُورِ ملائمہ کے حصوّل میں ابتدأً تحریک کرتی ہے۔ اگر قوّتِ عاقلہ دُوسری قوّتوں پر غالب ہو جائے تو تمام قوّتوں کو اپنا مقہور و مطیع کرتی ہے۔ اُس وقت تمام قوّتوں کے تصرّفات و افعال حسبِ صلاح و صواب واقع ہوتے ہیں۔ انتظامِ مملکت ٹھیک رہتا ہے۔

آثارِ انسانیت ظاہر ہوتے ہیں۔ ہر ایک قوّت کی تہذیب ہوتی ہے اور اسے وہ فضیلت حاصل ہوجاتی ہے جو اُس کے لیے مخصوص ہے۔ قوّتِ عاقلہ کی تہذیب سے صفتِ حکمت پیدا ہوتی ہے۔

قوّتِ غضبیّہ کی تہذیب سے شجاعت حاصل ہوتی ہے اور قوّتِ شہویّہ کی تہذیب سے صفتِ خُلق و عِفّت کا ظہُور ہوتا ہے۔ قوّتِ عاملہ کی تہذیب سے ملکۂ عدالت ظاہر ہوتا ہے۔ تمام اخلاق میں یہ چاروں صفات افضل ہیں اور باقی صفاتِ نیک انہی چاروں کے ماتحت ہیں۔ یعنی انہی صفتوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ چاروں تمام صفات کے مصدر ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ صفتِ حکمت، مصدرِ فطنت، فراستِ حسنِ تدبیر، توحید وغیرہ ہے، اور شجاعت منشاءِ صبر۔ علو ہمّت، حلم و وقار، عفّت سببِ سخاوت و حیا۔ امانت وکشادہ روی وغیرہ ہے۔ تمام اخلاقِ حسنہ کے اصُولِ اوّلیہ یہی فضائل اربعہ ہیں۔

اوّل : حکمت

حکمت کی تعریف یہ ہے کہ اُس طریقہ پر حقیقتِ موجُودات کا پہچاننا جیسا کہ حقیقتاً موجُود ہیں یعنی ماہیتِ اشیاء تک بقدرِ امکان رسائی حاصل کرنا۔

اس کی دو قسمیں ہیں :-

۱ : حکمتِ نظری : یعنی اُن موجُودات کی حقیقت کا جاننا جن کا وجُود ہمارے قدرت و اختیار میں نہیں ہے۔

مثلاً : افعالِ الٰہیّہ۔

۲ : حکمتِ عملی : یعنی اُن موجُودات کی حقیقت کا جاننا جن کا وجُود ہمارے اختیار میں ہے۔ مثلاً : ہمارے افعال۔

دوم : شجاعت

اس کی اصلیت یہ ہے کہ قوّتِ عاقلہ قوّتِ غضبیّہ کو اپنا فرماں بردار بنالے تاکہ آدمی ہلاکت میں نہ پڑے اور کسی وقت بھی اطاعتِ عقل سے باہر نہ ہو۔

سوم : عِفّت

اس کی تعریف یہ ہے کہ قوّتِ عاقلہ قوّتِ شہویّہ کو اس طرح مطیع کرلے کہ وُہ کسی امرونہی میں سرکشی نہ کرسکے اور انسان ہوا وٗ ہوس میں گرفتار نہ ہو۔

چہارم : عدالت

عدالت کی تعریف یہ ہے کہ قوّتِ عاملہ قوّتِ عاقلہ کے ماتحت رہ کر مملکتِ بدن میں تصرّف کرتی رہے۔

بعض کے نزدیک عدالت اُس ملکہ کا نام ہے جو تمام قوّتوں کو عقل و شرع کے ماتحت کردینے سے انسان کو حاصل ہوتا ہے اور بعض اہلِ علم کا بیان ہے کہ عدالت وُہ ملکہ ہے جو تمام قوّتوں کو قوّتِ عاقلہ کے ماتحت کردینے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس حیثیت سے کہ کوئی قوّتِ امرونہی قوّتِ عاقلہ سے مخالفت نہ کرسکے۔ ان تمام اقوال کا مقصد ایک ہی ہے۔

فصل ۵

قوّتِ عاملہ کی کارفرمائی کے باعث ہر ایک قوّت سے ایک صفت حاصل ہوتی ہے۔

جب یہ معلوم ہو چکا کہ قوائے اربعہ (عاقلہ و غضبیہ و شہویّہ و عاملہ) کی تہذیب اور درستی سے چار فضیلتیں (حکمت و شجاعت و عفّت و عدالت) حاصل ہوتی ہیں اور باقی فضائل و اخلاق انہی کے ماتحت ہیں تو اب جاننا چاہیئے کہ اکثر علمائے اخلاق نے انہی چار فضیلتوں کو بجائے جنس قرار دے کر ان میں سے ہر ایک کے ماتحت انواعِ متعدّدہ کا ذکر کیا ہے۔

لیکن صاحبِ جامع السّعادت کا بیان ہے کہ اس تقسیم اور تشریح کی صحت میں کلام ہے۔ اس لیے کہ جب معلوم ہو چکا کہ عدالت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب قوّتِ عاملہ قوّتِ عاقلہ کی مطیع و منقاد ہو جائے، اور پھر خود قوّتِ عاقلہ نیز قوّتِ غضبیہ و قوّتِ شہویّہ کے افعال بھی اس کی وساطت سے ظاہر ہوں۔

پس یہاں سے معلوم ہُوا کہ ان تینوں قوّتوں کے فضائل و اخلاق قوّتِ عاملہ کے ذریعہ ظاہر ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہر ایک صفتِ حُسن انہی تینوں قوّتوں میں سے کسی ایک کی طرف منسوب ہو سکے گی۔ ہاں اس کا حصُول، اس

میں شک نہیں کہ بواسطۂ قوّتِ عاملہ ہوگا ۔ لیکن محض واسطہ قرار پانے سے کوئی صفت اُس کی طرف منسُوب نہیں کی جا سکتی ۔ اس کا مصدرِ حقیقی وُہی قوّت ہے جس سے کہ وہ صادر ہوئی ہے ۔ اسی واسطے جب قوّتِ عاملہ قوّت عاقلہ کی مطیع نہ ہو تو باقی قوائے ثلاثہ (عاقلہ وغضبیّہ وشہویہ) کے رذائل اس سے منسُوب نہیں کیے جاتے ۔

پس اب سوائے اطاعتِ قوّتِ عاقلہ قوّتِ عاملہ کے لیے کوئی بات باقی نہیں رہتی ۔ اس میں شک نہیں کہ قوّتِ عاملہ فی نفسہ ایک فضیلتِ کامل ہے اور اس کا عدم سردفترِ رذائل ۔ لیکن یہ خود کسی ایسی فضیلت کا سبب نہیں ہے جو باقی قوائے ثلاثہ سے تعلق نہ رکھتی ہو ۔ اسی طرح اس کا عدم بھی کوئی ایسی خرابی پیدا نہیں کر سکتا جسے ان قویٰ سے الگ کر سکیں ۔

پس ہر ایک صفت خواہ وہ فضائل میں سے ہو یا رذائل میں سے بوساطت قوّتِ عاملہ قوّت عاقلہ وغضبیّہ وشہوتیہ سے متعلق ہوتی ہے ۔ اب اگر اس وساطت کے سبب سے کسی صفت کو اس سے منسُوب کیا جا سکتا ہے تو پھر لازم ہے کہ تمام صفات کو اسی سے نسبت دی جائے اور تمام فضائل صفتِ عدالت کے ماتحت رکھے جائیں اور اندریں صورت یہ کہنا کبھی صحیح نہیں ہو سکتا کہ بعض فضائل عدالت سے متعلق ہیں اور بعض نہیں ہیں ۔ لہٰذا مقتضائے نظر صحیح یہی ہے کہ تمام فضائل ورذائل حکمت وشجاعت وعفّت کے ماتحت ہیں (عدالت خود ایک فضیلت ضرور ہے لیکن اس کے ماتحت کوئی اور فضیلت نہیں ہے) ۔

علیٰ ہٰذا ان کے اضداد کا تعلق بھی قوّتِ عاقلہ وغضبیّہ وشہوتیہ سے ہی ہے قوّتِ عاملہ سے کوئی تعلق نہیں ۔ ہاں اس کے توسّط سے تمام صفات کا ظہور ضرور ہوتا ہے ۔ اب اس تعلق کی شان یہ ہے کہ بعض صفت کا ایک ہی قوّت

سے تعلق ہے۔ بعض کا دو سے اور بعض کا تینوں قوتوں سے۔

مثال نمبر ۱ :

علم و جہل، ان کا تعلق فقط قوّتِ عاقلہ سے ہے۔
غضب و حلم، یہ صرف قوّتِ غضبیّہ سے متعلق ہیں۔
حرص و قناعت، یہ محض قوّتِ شہوتیہ سے منسوب ہیں۔

مثال نمبر ۲ :

حُبِّ جاہ ! اگر اس سے مقصود یہ ہو کہ دوسروں پر اپنا تفوّق و تسلّط قائم کیا جائے تو اس حالت میں اس کا تعلق قوّتِ غضبیہ سے ہو گا، اور اگر اکل و شرب وغیرہ کی محبت نے حُبِّ جاہ پر آمادہ کیا ہے تو اُسے قوّتِ شہوتیہ سے نسبت دی جائے گی۔ اسی طرح حسد اگر بہ سببِ عداوت پیدا ہُوا ہے تو ذمائم قوّتِ غضبیہ کے ماتحت رہے گا اور اگر نعمتِ محسود کے حصُول کی خواہش سے اس کا ظہور ہُوا ہے تو قوّتِ شہویہ کے حوالے کر دیا جائے گا۔

مدخلیت بالاشتراک یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ ایک صفت میں قوائے مختلفہ کی جھلک ہوتی ہے۔ مثلاً اس حسد کو دیکھیے جس کی پیدائش کی علّت عداوت بھی ہو اور حصُولِ نعمت بعدِ زوالِ نعمت محسود بھی۔ اندریں صورت اس کا تعلق قوّتِ غضبیہ سے بھی ہے اور شہویّہ سے بھی۔ اسی طرح مثلاً غرور۔ چنانچہ جب آدمی کسی ایسی چیز کا خواہش مند ہو جس میں اُس کی بہتری نہ ہو اور وہ اپنی جہالت کے سبب سے اُس چیز کو بہتر سمجھے تو اب اگر یہ شے مقتضیات قوّتِ شہوتیہ میں سے ہو گی تو اُس صفتِ رذیلہ (غرور) کا تعلق قوّتِ عاقلہ و قوّتِ غضبیّہ سے ہو گا اور اگر اُس شے کا تعلق مقتضیاتِ

غضبیہ و شہویہ (ہر دو) سے ہوگا تو اُس سے حاصل شدہ صفت (غرور) کا تعلق قوتِ عاقلہ و غضبیہ و شہویہ (ہر سہ) سے ہو جائے گا۔

توضیح جب کوئی صفت قوائے متعددہ سے متعلق ہو تو اُس تعلق کے معنی یہ ہیں کہ اس صفت کے ظہور میں ہر ایک قوت کا اثر موجود ہے اور یہ اثر ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ علتِ فاعلی کا اثر۔ گویا صفتِ حاصل شدہ معلول ہے اور قوت اُس کی علتِ فاعلی۔ علتِ فاعلی کی قید اس لیے لگائی جاتی ہے کہ اگر کوئی قوت کسی صفت کے لیے محض "باعث" اور "سبب" ہو جائے۔ حالانکہ ظہور اس کا دُوسری قوت سے ہو تو اُس باعثیت اور سببیت کا کوئی لحاظ نہ ہوگا۔ بلکہ وہ صفت اسی دوسری قوت کے ماتحت رہے گی۔

مثلاً :

کوئی ایسی شے تلف اور ضائع ہو گئی جو قوتِ شہویہ کی محبوب تھی اور اُس تلف ہونے سے غضب کا ظہور ہوا تو اندریں صورت غضب کا تعلق قوتِ غضبیہ سے ہی رہے گا۔ اگرچہ باعث اس کا قوتِ شہویہ ہے۔ پس جب یہ معلوم ہو چکا کہ تمام فضائل و رذائل انہی قوائے ثلاثہ (عقلیہ و غضبیہ و شہویہ) سے متعلق ہیں، خواہ یہ تعلق فرداً فرداً ہو یا بالاشتراک۔

تو اب ہم حسبِ تحریر جامع السعادت اوّل اوصافِ حسنہ و رذائل قوتِ عاقلہ کو بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد فضائل و رذائلِ قوتِ غضبیہ کا بیان ہوگا اور بعد ازاں اسی طرح قوتِ شہویہ کے افعالِ نیک و بد کی تشریح کی جائے گی۔

فصل ۶

چار صفاتِ مذکورہ کے تحت میں تمام فضائل ہیں جو وسط کا حکم رکھتے ہیں اور تمام اخلاقِ رذیلہ افراط یا تفریط کی طرف واقع ہیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ نیکی کی ضد بدی ہے تو اب جس قدر نیکیاں ہوں گی اُسی قدر بُرائیوں کی بھی تعداد ہو گی۔

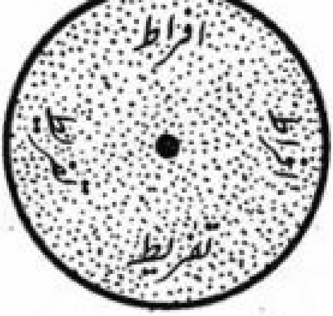
مثلاً : آپ معلوم کر چکے ہیں کہ ارکانِ فضائل چار ہیں تو اب اُن کے مقابلہ میں اجناسِ رذائل بھی چار قرار پائیں گے ۔

دیکھیے نقشہ مندرجۂ ذیل :

ارکانِ فضائل	اصُولِ رذائل جو ضدّ ارکانِ فضائلہ ہیں
حکمت	جہل
شجاعت	جبن (بزدلی)
عفّت	شرہ
عدالت	جور

بیانِ مندرجہ بالا ضرور صحیح ہے لیکن نظرِ ظاہری پر مبنی ہے۔ لہذا

تحقیقِ مطلب کے لیے مندرجہ ذیل بیان کو غور سے پڑھیے :



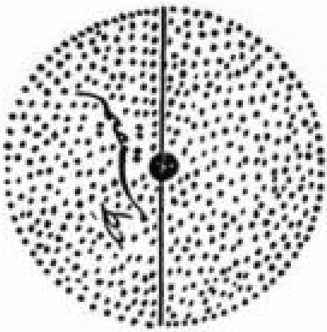
اوّل ایک دائرہ فرض کیجیے۔ اُس دائرے میں ایک نقطہ مرکز نظر آرہا ہے۔ اس نقطہ کا فاصلہ چاروں طرف سے برابر ہے اور یہ نقطہ عین وسطِ دائرہ میں واقع ہے۔ یہ حدِ متوسطہ یا نقطہ مرکز مقامِ فضیلت ہے۔ جو اپنی جگہ پر مضبوط اور معیّن ہے۔ اب اس نقطہ کے علاوہ باقی جس قدر بے شمار نقطے دائرے میں پھیلے ہوئے ہیں خواہ وہ طرفِ افراط (زیادتی) میں ہیں یا جانبِ تفریط (کمی)، وہ سب کے سب نقطہ ہائے رذائل ہیں۔

اس سے معلوم ہُوا کہ فضیلت کے مقابلہ میں بے شمار رذیل خصلتیں موجود ہیں اور نقطۂ مرکزی سے انحراف کرنا خواہ کسی طرف ہو رذائل میں داخل ہے۔ اور اس نقطہ پر باقی رہنا حقیقتِ فضیلت۔

نیز بالفاظِ دیگر یُوں سمجھنا چاہیئے کہ انسان اوصافِ حمیدہ حاصل کرنے کے لیے جب قدم بڑھاتا ہے تو لازمی ہے کہ خطِ مستقیم اختیار کرے۔ اسی خطِ مستقیم کا نام فضیلت ہے اور اس خط سے انحراف کرنا ارتکابِ رذائل میں داخل ہے۔

واضح ہو کہ خطِ مُستقیم جو دو نقطوں کے درمیان ہوتا ہے وہ ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے۔

نیز اُس کی مسافت بھی سب خطوں سے کم ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے خطوطِ منحنی بے شمار ہُوا کرتے ہیں جیسا کہ نقشۂ ذیل سے واضح ہوگا:



یہاں سے معلوم ہوا کہ طریقۂ مستقیم صرف ایک ہے اور اُسی کو اختیار کرنے سے اوصافِ حمیدہ مل سکتے ہیں۔ برخلاف اس کے طریقہ ہائے انحراف بے شمار ہیں۔

یہی سبب ہے کہ اسبابِ خیر کی نسبت شر و بدی کے اسباب بہت زیادہ بلکہ بے شمار ہیں۔ اب فرض انسان یہ ہے کہ اِن بے شمار نقطوں میں سے نقطۂ عدل کی تلاش کرے یا ان لا تعداد خطوطِ منحنی میں سے خطِ مستقیم کا متلاشی ہو۔ یہ امر آسان نہیں ہے مشکل ہے اور مشکل تر۔ پھر اُس پر استقامت کرنا اور زیادہ دُشوار بلکہ دُشوار تر۔

اسی واسطے جب سورۂ ہود کا یہ حکم نازل ہُوا:

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ

"استقامت اختیار کرو مستقیم رہو جیسا کہ حکم جاری ہو چکا ہے۔"

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

شَيَّبَتْنِي سُورَةُ هُودٍ

یعنی : " مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا۔"

لیکن ان تمام دشواریوں کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان مایوس ہو کر بیٹھ جائے۔ تحصیلِ سعادت کا شائق کبھی تھک نہیں سکتا۔ وہ ہمیشہ نقطۂ عدل کا متلاشی ہو گا۔ لیکن اس تلاش سے پیشتر عدل کے اقسام سمجھنے ضروری ہیں اور اس سے ارشادِ پیغمبر کی بھی تشریح ہو جائے گی۔ طالبِ سعادت کو سمجھنا چاہیئے کہ عدل کی دو قسمیں ہیں :

اوّل : عدلِ حقیقی ۔

دوم : عدلِ اضافی ۔

عدلِ حقیقی کی تعریف یہ ہے کہ :

طرفین سے اس کی نسبت برابر ہو۔

مثلاً :

دائرے کا نقطۂ مرکزی سب طرف سے برابر نسبت رکھتا ہے یا تعداد میں چار، دو اور چھ سے یکساں مناسبت ہے۔

یعنی :

یہ عدد دو اور چھ کے وسطِ حقیقی میں واقع ہے۔

یہ ہے عدلِ حقیقی اور یہاں تک رسائی ممکن نہیں[1]۔ اس لیے عدلِ اضافی معتبر سمجھا جاتا ہے۔

اور اُس کے معنی یہ ہیں کہ :

عدلِ حقیقی سے عرفاً نزدیک ہو۔

---

[1] : یہ مقام الوہیت ہے اور باعتبارِ مظہریت مقامِ نبیؐ و امامؑ ۔۱۲

یا یوں کہیئے کہ :

" عدلِ اضافی وہ نقطہ ہے جو عدلِ حقیقی سے نزدیک تر ہو اور نوعِ انسان یا کسی انسان کے لیے اس کا حصول ممکن ہو۔"

غرض علمِ اخلاق میں عدلِ اضافی کا ہی اعتبار کیا جاتا ہے ۔ اور چونکہ طبیعتوں اور حیثیتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اس میں اختلاف ممکن ہے۔

اس لیے :

اشخاص و اوقات و حالات کے لحاظ سے اخلاق حمیدہ بھی مختلف ہوتے ہیں اور مراتب عدل اضافی میں سے ایک ہی مرتبہ ایک شخص کے لیے صفتِ حمیدہ کہلاتا ہے ۔

اور

دُوسرے کے لیے وُہی مرتبہ صفتِ رذیلہ بن جاتا ہے۔[۱]

---

[۱] : حسنات الابرار سئیات المقربین ۔۱۲

فصل ۷

ہر صفتِ حسنہ کے مقابل میں

صفاتِ رذیلہ کے دو جنس ہوا کرتے ہیں

ایک طرف افراط دوسری طرف تفریط

بیانِ صدر سے آپ کو معلوم ہوا کہ ہر صفت کے مقابلہ میں افراط و تفریط سے اخلاقِ رذیلہ بیحد ہیں۔ لیکن ہر ایک کا نام معیّن و علیحدہ نہیں ہے بلکہ تمام کا سمجھنا ممکن نہیں۔ اُن کی گنتی علمِ اخلاق کا فرض نہیں۔ ہاں ایک قاعدۂ کلیہ مقرر ہے۔ جو تمام پر حاوی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اوصافِ حمیدہ وسط کا حکم رکھتے ہیں ان میں سے ہر ایک کا افراط و تفریط کی طرف مائل ہو جانا اخلاقِ رذیلہ میں داخل ہے پس اس بناء پر ایک فضیلت کے مقابلہ میں دو رذیلہ پائے جائیں گے اور اصولِ فضائل چار ہیں۔ تو ان کے مقابلہ میں رذائل کی حسبِ ذیل آٹھ قسمیں ہوں گی :

	ارکانِ فضائل و اوصافِ حمیدہ	اجناسِ رذائل و اخلاقِ ذمیمہ	
		افراط	تفریط
۱ :	حکمت	جربزہ[1]	بلاہت[2]
۲ :	شجاعت	تہوّر[2]	جبن[3]
۳ :	عفّت	شرہ[1]	خمود[2]
۴ :	عدالت	ظلم[1]	تمکین[2]

ضدِ حکمت میں سے ایک جربزہ ہے یعنی فضول و بیکار ضرورت سے زیادہ فکر کرنا اور فکر کا جائے معیّن میں نہ ہونا یہ حدِ افراط ہے۔ دُوسرا بلاہت وہ یہ کہ قوّتِ فکر کا ضرورت کے وقت بالکل عاجز رہنا یہ حدِ تفریط ہے۔ اس کو کبھی نقطۂ اوّل سے اور کبھی جہلِ بسیط سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

ضدِ شجاعت میں سے ایک تہوّر ہے۔ یعنی ایسے امُور کی طرف متوجہ ہونا جن سے عقل پرہیز کرنے کا حکم کرے۔ یہ حدِ افراط ہے۔ دُوسرا جُبن وہ یہ ہے کہ اُن چیزوں سے مُنھ پھیر لینا۔ جن سے مُنھ پھیرنا نہ چاہیئے۔ یہ حدِ تفریط ہے۔

ضدِ عفّت میں سے ایک شرہ ہے۔ یعنی حصُولِ لذّاتِ جسمانیہ میں بلا لحاظِ شریعت یا خلاف حکمِ عقل مشغول رہنا، یہ حدِ افراط ہے۔ دُوسرا خمود یعنی قوّتِ شہویہ کا اس قدر ترک کرنا جو حفاظتِ بدن یا بقائے نسل کے لیے ضرور ہے، یہ تفریط ہے۔

اسی طرح مقابلہ میں عدالت کے دو اضداد ہیں :

ایک ظلم : یعنی بغیر حق کے حقوق و اموالِ مردم میں تصرّف کرنا۔ یہ افراط ہے۔

دُوسرا انظلام : وُہ یہ کہ ظالم کے ظلم کو اپنے پر بطورِ ذلّت و خواری کے سہنا اور با وجُود قدرت کے دفع نہ کرنا۔ عدالت کے متعلق یہ جو کچھ بیان ہُوا، اس کی بناء اُس اصطلاح کی بناء پر ہے جو اکثر لوگوں نے اختیار کی ہے لیکن اس سے پہلے جو عدالت کی تفسیر بیان کی گئی ہے یعنی قوّتِ عملیہ کا قوّتِ عاقلہ کے ماتحت رہ کر باقی تمام قوّتوں کو اپنا مطیع رکھنا تو اس تفسیر کی بناء پر عدالت کی ضد صرف ایک ہی ہو گی جس کا نام ظلم و جور ہے اور تمام صفاتِ رذیلہ اسی

ظلم کے ماتحت قرار پائیں گے۔

یعنی :

جس طرح کہ عدالت جمیع صفاتِ کمال کی جامع ہے۔اسی طرح اُس کی ضد جو ظلم ہے تمام اوصافِ رذیلہ پر حاوی ہوگی۔

واضح ہو کہ :

اخلاقِ ذمیمہ جن کا اُوپر ذکر کیا گیا اُس کی دو قسمیں ہیں :-

۱ : افراط

۲ : تفریط

اسی طرح فضائل کی بھی چار قسمیں ہیں۔

پس جس طرح کہ فضائل کی ہر قسم کے ماتحت بہت سی قسمیں ہیں اُسی طرح رذائل کے متعلق بھی بہت سی شاخیں ہیں۔

جیسا کہ مندرجۂ ذیل بیان سے واضح ہوگا :

اقسامِ رذائل	اجناسِ رذائل
سے نکرا[لہ]۔ مکر۔ حیلہ۔	جربزہ (فضول اشیاء میں فکر کرنا)
سے حمق۔ جہلِ مرکب۔	بلاہت (امُوراتِ دنیوی میں کم عقل ہونا)
سے تکبّر۔ زیادہ گوئی۔ گردن کشی۔ غرور۔	تہوّر (افراطِ غضبیہ)
سے سوءِ ظن یعنی بدگمانی۔ بے صبری۔ پست ہمتی یا کمینگی۔	جُبن (بزدلی)
سے حرص۔ بے شرمی۔ بخل۔ اسراف۔ ریا۔ حسد۔	شرہ (حریص ہونا)

لہ : ناشناسی۔ ضد معرفت ۱۲

خمود (سرد ہونا) سے قطعِ نسل اور اس کے مانند۔
ظلم وجور سے بغیر حق کے کسی کے حق اور مال میں تصرف کرنا۔
تمکین سے ذلت وخواری سہنا۔ باوجود قدرت کے ظالم کے ظلم کو دفع نہ کرنا۔

اِن چیزوں کے متعلق علماءِ اخلاق نے بہت کچھ بیان کیا ہے اور ہم بھی اس کتاب میں ہدیۂ ناظرین کریں گے۔

واضح ہو کہ :

یہ رذائل جو بیان ہوئے قوّتِ عاقلہ سے متعلق ہیں۔
بعض قوّتِ غضبیہ سے۔
بعض کا تعلق قوّتِ شہویّہ سے ہے۔
اور بعض دو قوّتوں یا تین قوّتوں سے مرکب ہیں۔
ان تمام کا بیان چار مقام پر کیا جائے گا۔

فصل ۸

صفاتِ رذیلہ وصفاتِ حسنہ کا

رفع اشتباہ اور اُن کا فرق

واضح ہو کہ اکثر اوقات انسان سے ایسے افعال ظہور میں آتے ہیں جو ظاہر میں نیک ہوتے ہیں اور وہ صاحبِ اخلاق سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ اُس کو اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

پس فضائل اور مشابہ بہ فضائل میں جو فرق ہے اُس کا جاننا واجب اور لازم ہے تاکہ عاقل پر کوئی امر مشتبہ نہ رہے اور وہ گمراہی میں نہ پڑے کیونکہ جو اپنے نفس کے عیوب کو پہچانے گا تو وہ فریب نہ کھائے گا۔ اپنے کو صاحبِ اخلاق نہ سمجھے گا اور معانی اخلاق کے حاصل کرنے سے باز نہ رہے گا۔ مثلاً حکمت کی تعریف یہ ہے کہ :

حقائقِ موجودات کا کما حقہٗ علم حاصل ہو۔

پس جو صاحبِ حکمت ہوگا ضروری ہے کہ اُسے اطمینانِ نفس حاصل ہو اور وہ صاحبِ علم الیقین ہو۔ کیونکہ یقین اور اطمینانِ نفس لازمۂ حکمت ہے۔ اب اگر کسی شخص کو یہ بات حاصل نہ ہو نہ اُس کے پاس علم الیقین ہو، اور نہ اعتقادِ جازم۔ تو اُس شخص کو حکیم نہیں کہہ سکتے بلکہ ایسا شخص ایک طفل کے مانند ہے جو اپنے کو مردوں کا شبیہہ بنائے اور اُن کی سی باتیں کرے یا اُس

حیوان کے مثل ہے جس نے انسان کی بعض باتیں سیکھ لی ہوں یا بعض افعالِ انسانی سیکھ لیے ہوں اور اُنھیں بجا لائے۔

علیٰ ہذا آپ معلوم کر چکے کہ قوّتِ شہویّہ کی عقل محکوم رہنے کو عفّت کہتے ہیں۔ یعنی اُس کے تمام تصرّفات موافقِ امر و نہی قوّتِ عاقلہ ہوں جو امُور مصالحِ دنیا و عقبیٰ پر شامل ہوں اُن کی طرف قدم بڑھائے جو باعثِ فساد ہوں اُن سے دُوری اور کنارہ کرے۔ ہرگز صوابدیدِ عقل کی مخالفت پر آمادہ نہ ہو اور اُس فرماں برداری و اطاعت کا سبب کمالِ نفس و تحصیلِ سعادتِ دُنیا و آخرت ہو۔

نہ یہ کہ لوگوں کو فریب دینے کے لیے یہ رنگ اختیار کرے۔

اور نہ یہ کہ حفاظتِ آبرو یا کسی کے خوف نے اُسے اِن امُور پر مجبور کیا ہو۔

کیونکہ بہت سے اشخاص ایسے ہیں جو دنیا کے لیے ترکِ دُنیا کرتے ہیں اور دُنیا کی بعض لذّتوں کے ترک کر دینے سے اُن کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اُس سے اعلیٰ درجہ کی نعمتیں حاصل ہوں۔ ایسے اشخاص صاحبِ فضیلت و عفّت نہیں ہیں۔

ایسا ہی وہ شخص جس نے بے اختیاری و بے چارگی سے یا بسببِ دسترسی نہ ہونے کے یا دُوسروں کی نفرت کے خوف سے یا اشتیاقِ شہرت اور خوفِ ملامت سے ترکِ دُنیا پر کمر باندھی ہے تو ایسے شخص کو پرہیزگار نہیں کہہ سکتے۔ اور بُہت سے ایسے اشخاص ہیں کہ بعض لذّات کو اس لیے ترک کرتے ہیں کہ اُن سے واقف ہی نہیں۔

ایسا ہی بہت سے جنگل اور پہاڑ کے بیٹھنے والے ہیں۔ یہ بھی پرہیزگاری کی صفت نہیں ہے بلکہ صاحبِ عقل وہ ہے جو باوجودِ صحتِ قویٰ و قدرت

اور علمِ کیفیتِ لذّات و تہیۂ اسبابِ لذّات و عدمِ مرض و آفت و پریشانی و بغیر امرِ مانع حصُولِ لذّاتِ دنیویّہ اطاعتِ عقل و شرع سے قدم باہر نہ رکھے۔

اسی طرح صفتِ شجاعت یہ ہے کہ قوّتِ غضبیّہ فرماں بردار و مطیع عقل ہو۔ جس امر کے کرنے کا عقل حکم کرے اُسے بجالائے اور جس کو منع کرے اُس سے پرہیز کرے اور اُس کی غرض بغیر حصُولِ کمال و سعادت اور کچھ نہ ہو۔ کیونکہ اگر کوئی بہ سببِ تحصیلِ مال وجاہ یا بشوقِ جمالِ معشوقہ یا بخوفِ امیر و سردار اور بادشاہ یا بخیالِ فخر و شہرت اپنے کو ہولناک کاموں میں ڈالے۔ لشکر سے تنہا بے خوف مقابلہ کرے۔ مارنے اور مار کھانے اور مارے جانے، اور بے دست و پا ہونے کی پرواہ نہ کرے تو ایسے شخص کو شجاع نہیں کہہ سکتے۔ وہ شجاعت سے بے نصیب ہے بلکہ اِن امُور کے صادر ہونے کا منشا شہوت کی زیادتی یا جُبن ہے۔

پس جو کوئی اِن امُور سے کسی ایک امرِ مہلک میں اپنے کو ڈالے تو وہ زیادہ تر حریص و خائف ہے۔ وہ فضیلتِ شجاعت سے بہُت دُور ہے۔ ایسا ہی وہ لوگ جو تعصب (حمایت) جماعت و اہلِ قرابت و قبیلہ کے سبب سے امُورِ مہلکہ میں داخل ہوتے ہیں۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص امُورِ مہلکہ میں داخل ہُوا، اُسے غلبہ بھی حاصل ہُوا اور کسی قسم کا خوف باقی نہ رہا۔ لیکن اب بھی وہ قتل و غارت سے باز نہیں رہتا۔ ایسا شخص ہرگز شجاع نہیں۔ بلکہ اُس کی طبیعت کو غالب رہنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ ایسا شخص اُن حیواناتِ درندہ کے مانند ہے جو بغیر عجز و خوف آدمی سے یا اپنے ہی جنس سے مقابلہ کرتے ہی رہتے ہیں۔ اس لیے کہ وُہ قوّتِ عاقلہ سے بے نصیب ہیں۔ صرف قوّتِ

غضبیہ اُن پر مسلط ہوتی ہے - اُن کا حملہ ملکۂ شجاعت کے سبب سے نہیں ہوتا۔

حاصلِ کلام واقعی شجاع وُہ شخص ہے کہ جس کے افعال اشارۂ عقل پر صادر ہوں اور اُس میں کوئی سبب دنیوی نہ ہو۔ بعض مقامات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ عقل اُن سے پرہیز کرنے کا حکم دیتی ہے۔

پس ایسے مقامات سے فرار کرجانا منافیٔ شجاعت نہیں۔ بلکہ ایسی جگہ کھڑے رہنا حماقت ہے۔

مثلاً کوئی شخص صاعقہ و زلزلۂ شدید سے خوف نہیں کرتا تو یہ شجاعت نہیں، جنون کی علامت ہے۔ وہ جانوروں کے زمرہ میں شریک ہے اور عقل سے بے نصیب۔

جاننا چاہیئے کہ شجاعِ حقیقی کے نزدیک حفاظتِ ننگ و نام زندگی چند روزہ سے زیادہ محبُوب ہے۔ وہ رُسوائی و عیب کو ہرگز روا نہیں رکھتا، بلکہ موت اور ہلاکت کو پسند کرتا ہے۔ ہاں مردانِ شجاعت بلا و مصیبت کے ساغر بے پروائی سے پیتے ہیں۔ عیب و بدنامی کا جامہ نہیں پہنتے اور نیک نامی کے ساتھ مرنا زندگی جانتے ہیں اور ذکرِ نیک کو حیاتِ ابدی مانتے ہیں۔ یہی سبب تھا کہ مردانِ میدانِ دین نے حفاظتِ شریعت میں خنجر و تیر و شمشیرِ خونریز سے مُنھ نہیں پلٹایا۔ یہی وجہ تھی کہ سوارانِ معرکۂ مذہب و آئینِ حمایتِ مذہب میں گرزِ گران و تیغِ برّاں کو اپنے سر پر پسند کر چکے ہیں۔

جس شخص نے صفحۂ روزگار میں نام نیک باقی رکھنے کو اور عوضِ اعمال آخرت میں ملنے کو اور حقیقتِ عمرِ ناپائدار کو معلوم کیا تو وہ باقی کو فانی پر اختیار کرتا ہے۔ حمایتِ دین و شریعت میں اپنے سینہ کو سپر کرتا ہے۔

تیغِ ملامتِ ابنائے روزگار سے نہیں ڈرتا۔ وہ طریقۂ مردانِ شیر دل جانتا ہے کہ دین کے لیے خون میں تڑپنا سعادتِ ابدیہ کو پہنچاتا ہے۔ وہ دنیائے دوروزہ میں ذلیل و خوار رہنا (زندگی بسر کرنا) اور مرتبۂ شہادت سے دُور رہنا پسند نہیں کرتا۔

اسی وجہ سے شیر بیشۂ شجاعت، بادشاہِ تختِ ولایت اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے:

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ إِنْ لَمْ تُقْتَلُوا تَمُوتُوا وَالَّذِي نَفْسُ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ بِيَدِهِ لَأَلْفُ ضَرْبَةٍ بِالسَّيْفِ عَلَى الرَّأْسِ أَهْوَنُ مِنْ مِيتَةٍ عَلَى الْفِرَاشِ فِي غَيْرِ طَاعَةِ اللّٰهِ۔

یعنی:

"اگر تم نہ مارے جاؤ گے تو ایک دن ضرور مرو گے۔ قسم ہے اُس خدا کی جس کے ہاتھ میں پسرِ ابوطالب کی جان ہے کہ ہزار ضربِ شمشیر اُس کے سر پر زیادہ آسان اور گوارا ہے۔ اُس موت سے جو بستر پر واقع ہو۔"

صاحبِ شجاعت سے جس وقت جو عمل ظاہر ہوتا ہے موافق طریقۂ عقل و مناسب وقت ہوتا ہے۔ نہ اس کو مصیبت و عذاب کا کھینچنا اور نہ زہرِ رنج و الم کا چکھنا ناگوار ہوتا ہے۔ نہ وہ حادثاتِ زمانہ سے بیقرار ہوتا ہے۔ جو امر دوسروں پر گراں ہے اُس کے آگے سہل و آسان ہے۔ جو اوروں پر سخت و دُشوار ہے۔ اُس کے نزدیک نرم و ہموار ہے۔ اگر غصّہ ہو تو عقل کے حکم سے باہر نہیں ہوتا۔ اگر رنجیدہ ہو تو شرع کے راستہ کو

نہیں کھوتا۔ یہی حال عدالت کا ہے۔ یعنی قوتِ عاملہ قوتِ عاقلہ کی اِس طرح فرماں بردار ہو کہ انسان سے کوئی عمل مقتضائے عقل کے خلاف واقع نہ ہو۔ یہ ملکہ نفسِ انسان میں اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب اُس کے تمام افعال طریقۂ اعتدال پر ہوں اور کوئی غرض دنیوی مدِّ نظر نہ ہو۔ اگر کوئی شخص ریاکاری کے ساتھ اپنے آپ کو اہلِ عدل کے مشابہ بنائے اور اُس کی غرض یہ ہو کہ لوگوں کے قلوب مسخر ہوں۔ اُن سے مال و متاع حاصل ہو یا کوئی منصب و جاگیر ملے۔ اور بادشاہ یا وزیر کا تقرب حاصل ہو تو ایسا شخص ہرگز عادل نہیں خیال کیا جاتا۔ اُسے مرتبۂ عدالت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہی کیفیت اُن تمام صفاتِ فاضلہ کی ہے جو اِن فضائل کے ماتحت ہیں۔ جن کی تفصیل بیان کی جائے گی۔ مثلاً: سخاوت اُس کو کہتے ہیں کہ بغیر کسی غرض کے مستحقین کو مال عطا کرے۔ اگر بخشش و عطا کی غرض یہ ہو کہ اس ذریعہ سے اور زیادہ مال حاصل ہو یا مضرتوں کا دفعیہ مدِّ نظر ہو یا مناصبِ دنیویہ کا حصول غرض اصلی ہو یا لذاتِ حیوانیہ حاصل کرنا چاہتا ہو یا شہرتِ نیک نامی منظور ہو یا فخر و افتخار کا خواہاں ہو تو اُس کا نام سخاوت نہیں ہے۔ بخششِ غیر مستحق و زیادتی خرچ کی کوئی فضیلت نہیں۔ جو شخص بے اندازہ و بیجا خرچ کرے۔ وہ قدرِ مال سے جاہل ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ مال سے حفاظتِ اہل و عیال بمرتبۂ کمال ہوتی ہے اور مال و ثروت کو اجرائے احکام و شریعت میں اور اعلانِ فضائل و حکمت میں بہت زیادہ دخل ہے۔ اسی وجہ سے صحیفۂ سلمانیہ میں وارد ہوا ہے:

إِنَّ الْحِكْمَةَ مَعَ الثَّرْوَةِ يَقْظَانٌ وَمَعَ الْفَقْرِ نَائِمٌ

یعنی: "علم و حکمت مال و ثروت کے ساتھ بیدار ہے اور فقر و تہی دستی کے ساتھ حکمت سو جاتی ہے۔"

اور اکثر وہی لوگ اسراف سے کام لیتے ہیں جو نہیں جانتے کہ مالِ حلال کس مشکل سے حاصل ہوتا ہے یا وہ لوگ جنھیں بغیر زحمت کے مال ملا ہے۔ کسی کی میراث پائی ہے یا کسی اور طریقہ سے مفت آگیا ہے وہ بے اندازہ و بے جا خرچ کرتے ہیں۔ کیونکہ مالِ حلال کے حاصل کرنے میں زحمت نہیں اٹھائی۔ کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ وہ نہیں جانتے کہ حصولِ مالِ حلال مشکل ہے اور اکتساب مالِ حلال کے طریقے نہایت کم ہیں اور بزرگوں کے لیے ہر ایک پیشہ جائز و ناجائز میں مشغول ہونا مشکل ہے۔ اسی لیے صاحبانِ دل کا حصّہ دُنیا میں بہت کم ہے اور وہ ہمیشہ فقر و فاقہ میں بسر کرتے ہیں۔ بخلاف دوسروں کے جو تحصیلِ مال میں بے پرواہ ہیں نہ فکر حلال ہے، نہ ذکرِ حرام، نہ خوفِ عذاب۔ مال جہاں سے بھی ملے، لے لیتے ہیں۔ ہر ایک مقام پر صرف کرتے ہیں۔

بعض حکماء نے کہا ہے کہ:

"مال کا حاصل کرنا اس طرح ہے کہ پتھر کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جائیں اور اُس کا خرچ مثل اس کے ہے کہ پہاڑ کی بلندی سے اُس پتھر کو چھوڑ دیں۔"

تیسرا باب

اخلاقِ حسنہ کی محافظت اور اخلاقِ رذیلہ کے معالجات کا کلیّہ

فصل ۱

اخلاقِ حسنہ کے حصول کی ترتیب اور ابتداء میں کونسی صفت حاصل کی جائے اور بعد میں کون سی۔

واضح ہو کہ خصائل وصفاتِ حسنہ حاصل کرنے کے لیے ایک ترتیب مقرر ہے جس سے تجاوز کرنا سزاوار نہیں۔

توضیح اس کی یہ ہے کہ :

جو شے ایک درجہ سے دوسرے درجہ میں منتقل ہوتی ہے وہ لامحالہ درجۂ اُولیٰ سے درجۂ ثانیہ تک بذریعۂ حرکات وافعال ترقی کرتی ہے اور یہی حرکات وافعال نقص سے کمال تک پہنچاتے ہیں۔ اب یہ حرکت یا تو ہمارے

اختیار سے باہر ہے۔ اور یا ہمارے اختیار میں ہے۔

پس وہ حرکت جو ہمارے اختیار سے باہر ہے اُسے حرکتِ طبعیہ کہتے ہیں۔ مثلاً نطفہ رحم میں جس وقت قرار پکڑتا ہے تو مختلف صورتوں میں حرکت کرتا ہے یہاں تک کہ مرتبۂ حیوانیت پر فائز ہوتا ہے۔ اب رہی وہ حرکت جو ہمارے اختیار میں ہے مثلاً ایک سوکھی لکڑی کو تراش کر اُس سے مختلف چیزیں بنا لینا۔ اس حرکت کا نام حرکتِ صناعیہ ہے۔

اب یہ بھی معلوم کیجئے کہ حرکتِ طبعیہ کا عالمِ اعلیٰ سے تعلق ہوتا ہے۔ لہٰذا اُس کی ہر ایک شان حکمت و مصلحت کی تصویر ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ کہ قانونِ فطرت جس انتظام اور تدریج کے ساتھ اپنا عمل کر رہا ہے۔ اُس میں حُسن ہی حُسن ہے۔

پس اب ہمارا فرض ہے کہ اکتسابِ فضائل اور تہذیبِ اخلاق کی کوشش کے وقت ہم اُسی قانون کو مدِّ نظر رکھیں۔

دیکھئے پہلی شے جس کی ضرورت بچّہ کو پڑتی ہے وہ غذا ہے اور پہلی خواہش بچّہ کی طبیعت میں یہی پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ رحمِ مادر میں بذریعۂ ناف غذا حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ پیدا ہوتا ہے اور یہ قوت بھی طاقت پکڑتی جاتی ہے۔

پس پہلی شے جس کا ظہور بچّہ کے لیے ہوتا ہے وہ قوتِ شہویّہ ہے۔ جب یہ قوت اُس میں کامل ہو چکتی ہے تو قوتِ غضبیّہ کا ظہور ہوتا ہے اور اُس میں خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اپنے سے تکلیفات کو دُور کرے اگرچہ ماں باپ یا دُوسروں کی مدد سے ہو۔ اس کے بعد قوتِ ادراک و تمیز ظاہر ہوتی ہے۔ نمو کرتی ہے یہاں تک کہ وہ تعلیم و تعلّم کے قابل ہوتا ہے۔

اُس وقت قوّتِ صناعی کی ابتداء ہوتی ہے۔ اب اگر اس قوّت کو آدمی درجۂ کمال تک نہ پہنچائے تو انسان کمالِ حقیقی کو حاصل نہیں کرسکتا۔ کیونکہ تمام انسان صاحبِ نفسِ مقدسہ نہیں پیدا کیے گئے ہیں۔ ہاں استعداد ہر انسان کی مختلف ہوتی ہے۔ اب تہذیبِ اخلاق کے لیے ضروری ہے کہ اسی ترتیب کے موافق اُس میں کوشش کی جائے یعنی اوّل قوّتِ شہوتیہ کی تہذیب میں کوشش کرے اور صفتِ عفّت کو حاصل کرے جو قوّتِ شہوتیہ کے فضائل میں سے ہے بعد قوّتِ غضبیہ کو درست کرے اور ملکۂ شجاعت کو جو اس قوّت کا کمال ہے حاصل کرے۔ پھر قوّتِ عاقلہ کی تکمیل میں اجتہاد کرے۔ فضیلتِ حکمت کو اختیار میں لے۔ اس ترتیب سے آدمی اگر اخلاقِ نیک کے حصول میں کوشش کرے گا تو سہولت و آسانی سے مُراد پر پہنچے گا۔

کوئی شک نہیں کہ ابتداء میں قوّتِ شہوتیہ پر قابو پانا سہل ہے، اور اس سے قوّتِ عاقلہ کو بھی مدد مل جاتی ہے اور قوّتِ غضبیہ کا سبب بھی کسی قدر کم ہوجاتا ہے اور اِن دونوں قوّتوں پر قابو پانے کے بعد حکمت کا ملکہ حاصل کرنا جو ان دونوں سے زیادہ مشکل ہے۔ آسانی سے ممکن ہوتا ہے۔ جو شخص اس ترتیب کو ہاتھ سے کھوتا ہے تو اسے اپنی تکمیل اور تہذیبِ اخلاق میں نہایت مشکل پیش آتی ہے۔

پس طالبِ سعادت کو چاہیئے کہ کسی حالت میں طلب سے ہاتھ نہ اُٹھائے رحمتِ خداوندِ متعال سے مایوس نہ ہو۔ دامنِ ہمّت نہ چھوڑے۔ توفیق و تائیدِ پروردگار کا اُمیدوار ہو۔

واضح ہو کہ جو کوئی صفاتِ کمال نہیں رکھتا تو اُسے لازم ہے کہ اُس کے

حاصل کرنے اور اُس کے اضداد کو دفع کرنے میں کوشش کرے۔ اگر کوئی صفاتِ کمالیہ رکھتا ہے تو اُن کے بقا و ثبات میں کوشش سے کام لے۔ مثلاً اگر کسی کو کوئی مرض ہو تو اُس کے دفع کرنے میں اور صحت کے حاصل کرنے میں کوشش کرنا چاہیئے۔ اگر صحیح و تندرست ہو تو حفاظتِ صحت و تندرستی کی رعایت ضرور ہے۔ اسی وجہ سے فنِ طب کو دو قسموں ایک حفاظتِ صحت دُوسرے مرض کے دُور کرنے پر تقسیم کیا گیا ہے۔

چونکہ علمِ اخلاق بھی مانند علمِ طب کے ہے بلکہ طبِ حقیقی یہی ہے۔ اس لیے علمِ اخلاق کی بھی دو قسم پر تقسیم ہوتی ہے۔

ایک فضائل میں۔

دُوسرا دفعِ رذائل میں۔

بوجہ مشابہت اس علم کو طبِ روحانی کہتے ہیں اور طبِ معرُوف کو طبِ جسمانی۔

یہی وجہ تھی کہ جالینوس طبیب نے جو نامہ خدمتِ حضرتِ مسیح علی نبیّنا و علیہ السلام میں بھیجا اُس میں لکھا تھا کہ :

مِنْ طَبِيْبِ الْاَبْدَانِ اِلٰى طَبِيْبِ النُّفُوْسِ

یعنی :

" یہ نامہ طبیبِ بدن کی جانب سے طبیبِ ارواح کی طرف ہے۔"

فصل ۲

وہ امورکہ تہذیبِ اخلاق

کے طالب کو جن کی رعایت لازم ہے

واضح ہو کہ اوصافِ رذیلہ سے نفس پاک کرنے والے کو اور صفاتِ جمیلہ سے آرائش کرنے والے کو چند امور لازم ہیں :

پہلا یہ کہ :-

بُری صحبت سے اجتناب کرے ۔ بُروں سے دُور رہنا واجب جانے اُن کے قصّہ و حکایت سُننے سے پرہیز کرے ۔ نیکوں کی صحبت میں بیٹھے ۔ اُن کی معاشرت اختیار کرے ۔ دل کو بزرگانِ دین و مذہب کی راہِ نیک سے آیا کرے ۔ ہمیشہ اُن کی کیفیت کو سُنا کرے ۔ کیونکہ ہر کسی کی صحبت بڑی دخل رکھتی ہے ۔

مثنوی مولانا رُومؒ

صحبتِ صالح ترا صالح کند

صحبتِ طالح ترا طالح کند

انسان کی طبیعت چور ہے جو کچھ دُوسرے کی طبیعت سے مکرر دیکھتا ہے اخذ کرتا ہے کیونکہ انسان کے نفس میں چند قوتیں ہیں کہ بعض خیر و فضائل

پر مائل، بعض شر و فساد کی مقتضی ہیں۔ ہمیشہ یہ قویٰ ایک دوسرے سے مخالفت کرتے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک کو تھوڑی سی قوت حاصل ہوئی اور کچھ اعانت پہنچی تو وہ دوسرے پر اُسی قدر غلبہ حاصل کرتا ہے۔ نفس کو اپنی طرف مائل کرتا ہے۔

کوئی شک نہیں کہ کسی صاحبِ صفت کی صحبت رکھنا، اس کی حکایت کا سُننا، اس کے افعال کا دیکھنا اُس میں اثر کرتا ہے۔ جو لوگ ہمیشہ ایک جگہ ایک صحبت رکھتے ہیں۔ اُن کے اخلاق و اوصاف قریب ایک درجہ کے ہوتے ہیں۔ اور جب کبھی انسانی قویٰ اخلاقِ رذیلہ کے طالب ہوتے ہیں تو آدمی بہت جلد شر کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اُس کی خواہش صفاتِ بد کی طرف بہ نسبت صفاتِ نیک کے زیادہ آسان ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے، کہ حصُولِ صفاتِ نیک بمنزلہ اس کے ہے کہ پستی سے بلندی پر جائیں۔ خواہش صفاتِ بد کی ایسی ہے کہ بلندی سے نیچے آئیں۔

جیسا کہ حضرتِ رسُول صلعم نے فرمایا ہے کہ:

حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ۔

یعنی: "جنت مکروہات سے گھری ہوئی ہے اور دوزخ شہوات و خواہشات سے۔"

دُوسرا یہ کہ:

ہمیشہ ایک ہی عملِ نیک جاری رکھنے سے اُس صفتِ حسنہ کا پیدا ہوتا ہے۔ نفس کو ایک ہی فعل کی عادت ہوتی ہے۔ اس کے طلب کرنے والے یا اُس کے بقا و حفاظت کے درپے ہونے والے کا مقتضی

یہی ہے۔

مثلاً : کوئی شخص سخاوتِ وجُود کی محافظت کا ملکہ یا اُن کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ ہمیشہ اپنے مال کو موافق طریقۂ عقل و شرع مستحقین کو بخشش کرے۔ جس وقت اپنی خواہش بخل کی طرف مائل دیکھے تو اپنے نفس پر عتاب کرے۔ جو شخص صفتِ شجاعت کی حفاظت یا شجاع ہونے کا عادی ہونا چاہتا ہے۔ تو چاہیئے کہ ہمیشہ اُن امُورِ ہولناک اور خطرناک میں جن کو عقل و شرع نے منع نہ کیا ہو قدم رکھے۔ جب اپنے میں آثارِ جبن پائے تو قعرِ جنگ میں ڈالے۔ یہ بمقابلۂ ریاضتِ بدن ہے جو دفعِ مرضِ بدن یا حفاظت کے لیے کام میں لاتے ہیں۔

تیسرا یہ کہ :

ہمیشہ اپنی حالت پر غور کرے۔ اپنے اعمال و افعال پر متوجہ رہے جو عمل کرنا چاہتا ہے، اُس کے شروع کرنے سے قبل تامّل اور فکر کرے کہ خلافِ مقتضائے خُلقِ حسن اُس سے ظاہر نہ ہو۔ اگر احیاناً اُس سے کوئی امر ظہور میں آیا جو موافقِ صفاتِ پسندیدہ نہیں ہے تو اپنے نفس کو تادیب کرے اپنے کو سرزنش و ملامت کرے پھر اُن امُور کو برداشت کرنے کی کوشش کرے جو اُس پر شاق گزرتے ہیں۔

مثلاً بھوک برداشت نہیں کر سکتا تو اس کا علاج یہ ہے کہ روزہ رکھنے کی عادت ڈالے۔ اسی طرح اگر اُس سے کوئی بے جا غضب سرزد ہو تو پھر دُوسرا انتقام جو اُس سے بھی زیادہ سخت ہے اختیار کر کے صبر سے کام لے اور اس طرح نفس کو تعذیر کرے، یا نفس کو ایسے مقاماتِ اہانت میں قائم کرے جنھیں وہ مکروہ سمجھتا ہو یا تصدق و نذورات سے اِس

غضبِ بے جا کی تلافی کرے۔ غرض کسی حال میں ہرگز غافل نہ ہو حصولِ صفاتِ نیک یا حفاظتِ صفاتِ حسنہ میں برابر کوشش کرتا رہے۔ اگرچہ مرتبۂ اعلےٰ کو پہنچ چکا ہو۔ کیونکہ غفلت کے سبب سُستی پیدا ہوتی ہے اور سُستی کی وجہ سے فیوضِ عالمِ قدس قطع ہوتے ہیں۔ فیض کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور کوشش سے روز بروز نفس میں صفائی پیدا ہوتی ہے اور لحظہ بہ لحظہ کمالات میں ترقی ہوتی ہے۔ جب اس مرتبہ پر پہنچتا ہے تو دیدۂ بصیرت سے حجاب اُٹھ جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ جائے اسرارِ ملک و ملکوت بلکہ خلوتِ جبروت کا محرم ہوتا ہے۔ ایسا شخص دُنیا کے اُمور و تعلقات میں ضرورت سے زیادہ سعی نہیں کرتا۔ حدِ لازم سے زیادہ ملتفت نہیں ہوتا۔ علائقِ دنیویہ سے الگ ہوتا ہے اور اپنے کو ہمیشہ کی خرابی میں گرفتار نہیں کرتا۔ کس قدر بدبخت ہے وہ شخص جو ٹھیکریوں کے بدلے عالمِ قدس کے جواہرِ بے بہا کو اس ظلمت کدۂ دُنیا میں برباد کر ڈالے۔

چوتھا یہ کہ:

جن اسباب سے قوتِ شہویّہ یا غضبیّہ کی تحریک ہوتی ہے، اُن سے پرہیز کرے۔ جن اُمور سے غفلت یا شہوت کی زیادتی ہوتی ہے، اُن کو نہ دیکھے نہ سُنے۔ اور اُن کا تصوّر و خیال دل میں نہ لائے۔ کیونکہ تصوّر و خیال سے آتشِ شوق و شعلۂ غضب تیز ہوتا ہے۔ ہاں صرف دیکھنا اور سُننا بغیر رغبتِ دل کے زیادہ اثر نہیں کرتا۔ جو شخص کہ ان دو قوّتوں کی حفاظت نہ کرے مثل اس کے ہے کہ:

شیرِ درندہ یا دیوانے کُتّے یا سرکش گھوڑے کو چھوڑ دے اُس کے بعد اپنے کو اُس سے بچانا چاہے۔

پانچواں یہ کہ:

اپنے نفس کا فریب نہ کھائے۔ اپنے اعمال و افعال کو صحیح نہ سمجھے۔

پس طالب سعادت و سالکِ راہِ نجات کو لازم ہے کہ اپنے دوستوں کو اپنے عیوب کے ڈھونڈنے کے واسطے مقرر کرے اور اُن پر لازم ہے۔ کہ عیوب سے مطلع کریں۔ بہتر یہ ہے کہ :

عیب کا اظہار کرنے والا دوست کم ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس کی نظر دوستی کی نظر ہے۔ اُسے کبھی عیوب نظر نہیں آتے۔

پس عقلمند وُہ ہے کہ :

جب دُشمن کوئی عیب ظاہر کرے تو اُس کی شکر گزاری کرے اور اس کے علاج کی طرف متوجہ ہو۔ اور بہتر یہ ہے کہ دُوسروں کے افعال پر نظر کرے۔ اور جو فعل اُن کا بُرا معلوم ہو اُسے اپنے نفس سے دُور کرنے میں سعی و کوشش کرتا رہے اور جو بات اچھی نظر آئے اُس کے حصُول میں کوشاں ہو۔ پھر رات دن اپنے افعال پر غور و فکر کرے۔ اگر کوئی بدی اُس سے ظاہر نہ ہو تو خداوند عالم کا شکر بجالائے۔ اگر مرتکب بُرے کام کا ہو تو اپنے نفس پر عتاب و ملامت کرے۔ توبہ اور انابت سے کام لے۔

فصل ۳

اخلاقِ رذیلہ کے مُعالجہ کا قاعدۂ کلیہ

علمِ اخلاق ایک طبِ روحانی ہے اور امراض خواہ جسمانی ہوں یا روحانی ،

ان کے علاج کا قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ ابتداء میں مرض تشخیص کیا جاتا ہے۔ پھر مرض کے پیدا ہونے کا سبب تلاش کرتے ہیں اور اس مرضِ معین کے علاج کے درپے ہوتے ہیں اور معالجۂ کلیہ اُس کو کہتے ہیں جو کسی خاص مرض سے مخصوص نہیں ہوتا۔ بلکہ تمام امراض پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور معالجۂ جزئیہ وہ ہے جو کسی خاص مرض سے متعلق ہو لہٰذا حکیمِ ارواح اور معالجِ نفس کو لازم ہے کہ قانونِ کلّی پہ اس کی نظر قائم ہو، اور تشخیصِ امراضِ نفسانیہ کے وقت اُسے ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ اخلاق کا حدِ اعتدال سے منحرف ہو جانا ہی مرض کہلاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو کہ قوائے انسانیہ جن سے اخلاق و صفات متعلق ہیں۔ تین قسم پر ہیں :-

۱ : قوتِ تمیز و ادراک۔
۲ : قوتِ غضب کہ اس کو قوتِ دفع بھی کہتے ہیں۔
۳ : قوتِ شہوتیہ کہ اس کو قوتِ جذب بھی کہتے ہیں۔

ان میں سے ہر ایک کے مرض کی حالت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک یا تو اپنی اصلی مقدار سے تجاوز کر جائے یا یہ کہ اصل کیفیت ہی جاتی رہے، اور نابود ہو جائے۔

مقدار سے تجاوز کر جانے کی دو حالتیں ہیں :-

۱ : یا تو حد سے بڑھ جائے۔
۲ : یا نقطۂ اعتدال سے تفریط یعنی کمی کی طرف مائل ہو۔

ان کی مثالیں امراضِ جسمانیہ میں موجود ہیں جیسا کہ آدمی کا مزاج حالتِ صحت میں غذا کی خواہش رکھتا ہے۔ مگر بعض وقت زیادتی میں حد سے تجاوز کرتا ہے۔ یہ بھوک کی بیماری ہے یعنی اعتدال سے زیادہ غذا کی خواہش کرے۔ بلکہ وہ جس قدر کھائے سیر نہ ہو اور کبھی کمی کی طرف تجاوز کرتا ہے یعنی اس کی بھوک بند ہو جاتی ہے۔ طبیعت غذا کی طرف مائل نہیں ہوتی۔ یہ دو مثالیں مقدار

کی ہیں۔

اب دُوسری حالت دیکھو کہ اُس کی بھوک تو حدِ اعتدال پر ہے۔ لیکن طبیعت اُن چیزوں کی طرف میل رکھتی ہے جن کو صحیح مزاج والے پسند نہیں کرتے، مثلاً کوئلہ، مٹی، خاک، جلا ہُوا گوشت وغیرہ۔ یہاں سے معلوم ہُوا کہ قوائے نفسانیہ مذکورہ کے امراض تین قسم کے ہوتے ہیں :-

۱ : افراط یعنی زیادتی

۲ : تفریط یعنی کمی

۳ : اصل کیفیت کا ردّی ہو جانا۔

اب قوتِ ادراک کی حدِ افراط ملاحظہ ہو :-

۱ : حدِ اعتدال سے زائد فکر و نظر کرنا۔ ہر مسئلہ میں بسبب شبہاتِ واہیہ توقف کرنا۔ ان امور میں فکر کرنا جس کے سمجھنے کی اُس میں طاقت نہیں۔ صرف وہم و تصوّر سے مجرّدات (یعنی ارواح و ملائک) پر حکم لگانا۔

۲ : کمیٔ کیفیتِ ادراک یعنی : امورِ دنیوی میں اور امورِ ضروری کے سمجھنے میں کم عقل و نادان رہنا۔ احکام کا مجرّدات پر جاری کرنا۔

۳ : خرابیٔ کیفیت ادراک یعنی ان علوم کو جس سے نفس کو کوئی کمال حاصل نہیں ہوتا۔ ان کا جاننا۔ مثلاً علم خبرِ غیب و فال و شعبدہ وغیرہ یا اسی طرح طریقۂ لڑائی اور مناظرہ کا ضرورت سے زیادہ حاصل کرنا۔

اب قوتِ غضبیہ کی زیادتی ملاحظہ ہو :-

۱ : اس قدر غصّہ کرنا کہ درندوں کی شباہت پیدا ہو جائے اور بدلہ لینے میں حد سے تجاوز کرنا۔

۲ : کمی قوتِ غضبیہ کی، مثلاً ہرگز غیرت و حمیّت نہ ہو ہر شخص سے ذلّت و حقارت کو برداشت کرے اور اپنے کو اعمال و افعال میں

لڑکوں اور عورتوں کا شبیہہ بنائے۔

: خرابی قوتِ غضبیہ کی۔ مثلاً جمادات اور حیوانات پر غصّہ کرنا یا اپنے برتن اور اشیاء کو توڑ ڈالنا یا اپنے کو مار لینا یا اپنے کپڑے پھاڑ لینا۔

اسی طرح قوتِ شہوتیہ کی زیادتی۔ مثلاً :

۱ : ضرورت سے زیادہ مباشرت کرنا باوجود گمانِ مرضِ جماع سے پرہیز نہ کرنا۔ بغیر رغبت کے طعام کھانا۔

۲ : کمی قوتِ شہوتیہ کی۔ مثلاً قوتِ ضروری کے حاصل کرنے میں کوتاہی کرنا اور اہل و عیال کو خراب چھوڑ دینا یا ازدواج کو ترک کرکے اپنی نسل کو منقطع کرنا۔

۳ : خرابی قوتِ شہوتیہ کی۔ مثلاً لڑکوں سے مقاربت کی خواہش رکھنا روزیٔ حرام و مشتبہ سے پرہیز نہ کرنا۔

واضح ہو کہ امراضِ نفسانیہ کے اسباب اور اُن کا حدِّ اعتدال سے انحراف کرنا تین قسم پر ہے :-

۱ : نفسانی

۲ : خارجی

۳ : جسمانی

اسبابِ نفسانیہ وہ ہیں جو آدمی کو شروعِ پیدائش میں حاصل ہوتے ہیں مثلاً اُس کی قوتِ ادراک ضعیف ہو یا اُس میں قوتِ شہویہ کچھ بھی نہ ہو۔

اسبابِ خارجیہ وہ ہیں کہ بسببِ عارضۂ خارجیہ کے حاصل ہوتے ہیں مثلاً صحبتِ بد میں بیٹھا ہو یا اُن کی حکایتیں سُنی ہوں اور اُن کی خواہش شوق کی پیروی و متابعت کرکے اعمالِ ناشائستہ کا مرتکب ہوا ہو۔ یہاں تک

کہ اُس کا ملکہ حاصل ہو جائے۔

اسبابِ جسمانیہ وہ ہیں کہ بسببِ ناخوشی و مرضِ جسم کے صفتِ بد حاصل ہوئی ہو۔ جیسا کہ بعض امراض کے سبب سے آدمی کج خلق ہو جاتا ہے یا قوتِ شہویّہ میں ضعف و فتور پیدا ہوتا ہے۔

پس معالجۂ امراضِ نفسانیہ کا طریقۂ کلّیہ یہ ہے کہ جب اُس کا سببِ مرض جسمانی ہو تو معالجۂ بدن میں کوشش کی جائے۔ اُس مرض کو بدن سے دفع کریں۔ اور جب سببِ نفسی یا خارجی ہو تو طریقۂ معالجۂ کلّیہ مثل امراضِ جسمانیہ کے علاج کرنا چاہیئے۔

طریقۂ کلّیۂ علاج امراضِ جسمانیہ کا یہ ہے کہ ابتداً خلافِ طبعِ مرض غذاؤں سے علاج کرتے ہیں۔ یعنی امراضِ گرم میں غذائے سرد دی جاتی ہے اور مرض سردی سے ہو تو غذائے گرم استعمال کراتے ہیں۔ اب اگر مرض خفیف ہو تو اُس سے دفع ہو جاتا ہے اور اگر مرض سخت ہو تو غذا سے دفع نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں دوا اور شربتِ ناگوار پلاتے ہیں۔ اگر دوا بھی فائدہ نہ دے تو زہر سے علاج کرتے ہیں۔ بعض مرض ایسا ہوتا ہے کہ زہر سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اُس کا علاج یہ ہے کہ داغ دیتے ہیں، جلاتے ہیں اور کبھی کسی عضو کو کاٹنا بھی پڑتا ہے۔

پس معالجۂ مرضِ نفسانیہ اور دفع صفاتِ رذیلہ میں بھی یہی قاعدۂ کلّیہ مقرر ہے۔ یعنی جب آدمی حدِ اعتدال سے انحراف کرے اور صفاتِ بد اُس میں پائی جائیں تو چاہیئے کہ اُن صفاتِ نیک کو بجالائے جو اُن صفاتِ بد کے مخالف ہیں۔ یہ طریقہ بطور غذائے خلافِ مرض ہے۔ یعنی جیسا کہ غذائے سرد سے حرارتِ مزاج دفع ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر صفتِ نیک صفتِ بد کو زائل کرتی ہے جو اس کے مخالف ہے۔ اگر اس عمل نے فائدہ نہ دیا تو اپنے نفس پر

دل و زبان سے سرزنش و ملامت کرے۔ اُس صفت کی خرابی کا دل میں تصوّر کرے، اپنے پر عتاب اور اس طرح خطاب کرے کہ :

"اے نفسِ امّارہ ! تُو نے مجھ کو اور اپنے کو ہلاک کیا۔ غضبِ پروردگار میں ڈالا، اور پادشاہی لازوال سے اپنے کو محروم رکھا۔ ایک چشمِ زدن میں جب وقت مرنے کا آئے گا تو مجھ کو جہنّم کی آگ میں ڈالیں گے۔ انواع و اقسام کے عذاب تجھ پر ہوں گے۔"

یہ سرزنش بجائے دوا و معجون و شربت کے ہے۔ جب یہ بھی فائدہ نہ کرے اور پھر اُس صفتِ رذیلہ کا مرتکب ہو جو ضد اُس رذیلہ کی ہے مثلاً اپنے میں صفت بخل کی پائے اور کسی طرح اُس کا علاج نہ ہو تو اپنے مال کو خواہ مخواہ اندازہ سے زیادہ صرف کرے اور مسرف بننے کی کوشش کرے اگر صفتِ جُبن (بزدلی) کو مشاہدہ کرے تو اپنے کو جائے ہولناک میں ڈالے۔ مقامِ خوف و خطر سے پرہیز نہ کرے۔ اُس کے ساتھ ہی جب صفتِ بخل و جُبن نزدیک بہ زوال ہو تو فوراً اپنے آپ کو روک لے۔ تاکہ اسراف یا تہوّر کی صفت کہیں پیدا نہ ہو جائے۔ یہ علاج بہ منزلۂ زہر ہے جو بیمار کو دیتے ہیں۔ کبھی اُن اعمالِ نیک کا مرتکب ہونا پڑتا ہے جن کو صاحبانِ اخلاق پسند نہیں کرتے۔ لیکن جب کہ علاجِ بدن میں زہر مباح ہوتا ہے تو یہ عمل بھی معالجۂ نفس میں جائز ہو جاتا ہے۔

مثلاً : دفعِ تکبّر کے لیے ایسے امُور بجالانا جو اُس کی شان کے لائق نہ ہوں، مثلاً پانی باؤلی سے کھینچنا اور طعام بازار سے خرید کر کے گھر میں لانا یا اپنے کو نادان بنانا اور رفعِ رذیلہ عجب و غرور کے لیے جہل پر اقرار کرنا وغیرہ۔ اگر اس معالجہ سے بھی کوئی نفع حاصل نہیں ہوا تو اُس وقت اپنے

نفس کو تکلیفِ ناگوار و ریاضتِ سخت و مشکل سے عذاب دے۔

پس قوتِ شہویّہ کے اصلاح کے لیے آب و غذا اور آرام و خواب ترک کرے۔ الّا یہ کہ جس قدر بقائے حیات کے لیے ضروری ہو۔ اسی طرح غضبیّہ میں عمل کرے۔ یہ بطور قطع و داغ کے ہے۔

واضح ہو کہ جب صفاتِ رذیلہ مستحکم ہو جائیں اور ان کا دفعیہ انہیں اعمال پر موقوف ہو تو پھر ایسے شخص کو یہ اعمال بجا لائے بغیر چارہ نہیں ہوتا ہے۔ اسے بلا خوف لومۃ لائم ان اعمال کو بجا لانا چاہیئے۔ بشرطیکہ دائرۂ شریعت کے باہر نہ ہو جو عمل کہ شرع میں صراحتاً منع کیا گیا ہے اُس کا مرتکب نہ ہو اور وہ کام نہ کرے جس کا فساد اُس صفتِ رذیلہ سے بھی بڑھ کر ہے۔ اسی لیے سالکِ راہِ سعادت کے لیے ایک ایسے اُستادِ حاذق کی ضرورت ہے جو ہر مرض کے علاج سے واقف اور اُس کے اندازے سے باخبر ہو اُن لوگوں پر افسوس ہے، جن کے نفس کو جانوروں اور درندوں کے اوصاف اور شیاطین کی خصلتیں گھیرے ہوئے ہیں۔ وہ رات دن مثل عورتوں کے بدن کی آراستگی میں، اور مثل چارپایوں کے کھانے اور پینے کی فکر میں ہیں۔ مسلمان اُن کی ایذا و اذیّت سے نالاں اور بندگانِ خدا اُن کے ظلم سے پریشان ہیں۔ نہ حرام جانتے ہیں نہ حلال۔ نہ اُن کے پاداش و نتیجہ سے ڈرتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کو جو اپنے نفس کے معالجہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اُن پر زبانِ ملامت دراز کرتے ہیں۔ انہیں بیوقوف سمجھتے ہیں۔ حالانکہ خود بیوقوف ہیں۔

یہ معالجۂ کلیّہ کا بیان تھا۔ اب ہر مرض کا تفصیلی علاج بابِ آئندہ میں حوالۂ قلم کیا جاتا ہے۔

چوتھا باب

اقسام اخلاق کی تفصیل

ہر ایک کے حصول کی کیفیت

رذائلِ فاسدہ کی شرح اور ہر ایک کا علاجِ مخصوص

قبل اس کے معلوم ہو چکا ہے کہ قوائے انسانیہ صفات و اخلاق میں

جو داخل ہیں وہ چار ہیں :-

۱ : عاقلہ

۲ : عاملہ

۳ : غضبیہ

۴ : شہویہ

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قوتِ عاملہ اعمالِ حسنہ بجا لانے کے لیے تمام قوتوں پر حکمرانی کرے اور پھر قوتِ عاقلہ کی مطیع ہو جائے ، تو اس کو

عدالت کہتے ہیں۔

پس تمام قوتیں جب کامل ہوں گی تو عدالت حاصل ہوگی اور جس قدر اُن میں نقص ہوگا اُسی قدر عدالت ناقص رہے گی۔ اسی لیے عدالت ایک ایسی صفت ہے جو تمام صفاتِ کمالیہ کی جامع ہے اور اسی واسطے اکتسابِ عدالت کے لیے مخصوص کیفیت نہیں اور نہ اس کی ضد (جور) کے لیے کوئی علاج مخصوص ہے لیکن اس پر بھی عدالت چونکہ ایک ایسی صفت ہے جو جامعِ جمیعِ کمال ہے۔ اس لیے اس کا ذکر علیحدہ مقام پر اور باقی امور کا بیان چار مقامات میں ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

پہلا مقام

قوّتِ عاملہ کے متعلّقات جنھیں عدالت کہتے ہیں!

فصل ۱

شرافتِ عدالت جس کے عام معنی تمام امُور میں میانہ روی کے ہیں!

واضح ہو کہ عدالت جامعِ کمالات بلکہ عینِ کمالات ہے۔ اسی طرح اس کی ضد (جور) جامعِ رذائل بلکہ عینِ رذائل۔ یہی ایک ایسی کیفیت ہے جس سے انسان تمام افعال و صفات کی درستی پر قادر ہوتا ہے اور مخالفت و نزاعِ قوائے مختلفۂ انسانیہ کو دور کرکے وسط میں قائم رہتا ہے اور اخلاقِ فاضلہ و صفاتِ کاملہ عدالت ہی پر مرتب ہوتے ہیں۔

اسی سبب سے افلاطونِ الٰہی نے کہا ہے کہ صفتِ عدالت کے سبب سے تمام اجزائے نفس روشن و نورانی ہوتے ہیں۔ ایک جز و دُوسرے جزو

سے اکتسابِ ضیاء کرتا ہے۔ دیدۂ نفس کھل جاتا ہے۔ افعالِ نیک کے بجا لانے پر متوجہ ہوتا ہے۔ پروردگارِ عالم کے قرب کا لائق ہوتا ہے۔

عدالت کی صفتِ خاص یہ ہے کہ اس کے سبب سے امورِ مختلفہ میں نزاع نہیں ہونے پاتا۔ تمام چیزیں افراط و تفریط سے الگ رہ کر حدِ وسط پر قائم رہتی ہیں اور یہ حدِ وسط ایک ہی ہے۔ گویا وحدت کا پرتو لیے ہوئے ہے، برخلاف اس کے نقطہ ہائے مخالف بکثرت اور بے انتہا ہیں۔ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ وحدت کا مرتبہ کثرت سے بہت بلند ہے۔ مختلف آوازیں متناسب ہو کر جب تک ایک خاص اتحاد پیدا نہ کر لیں۔ کوئی نغمہ موزوں اور دلربا نہیں ہو سکتا۔ اعضائے مختلفہ میں تناسب کے ساتھ جب تک جوہرِ اتحادی پیدا نہ ہو اُس وقت تک دل کشا صورت کا ظہور نہیں ہوتا۔

پس یہ وحدت جس قدر مرتبۂ کمال میں ہوگی اُسی قدر شرافت کا پایہ بلند ہوگا۔

یہیں سے معلوم ہوا کہ اشرفِ موجودات واحدِ حقیقی ہے جس کا دامنِ جلال گردِ کثرت اور غبارِ ترکیب سے پاک ہے۔ اُسی نے موجودات کو نورِ وحدت بقدرِ قابلیت عطا فرمایا ہے۔ ہر صاحبِ وجود پر اُسی وحدت کا پرتو ہے، عالمِ امکان کی ہر ذات اُس کی وحدانیت کا سایہ ہے اور امورِ مختلفہ میں ہر اتحاد اُس کی یکتائی کے باعث حاصل ہے۔

اے ہر دو جہان محو خود آرائیِ تو
کس رانبود ملک بہ زیبائیِ تو
یکتائیِ تو باعثِ جمعیتِ ما
جمعیتِ ما شاہدِ یکتائیِ تو

ہمارے اعتدال پر پَرتَوِ حق تعالیٰ کا نہ ہوتا تو ہم وجُود میں نہ آتے۔ اگر طریقۂ اتحادِ عناصرِ اربعہ میں نہ ہوتا تو موالیدِ ثلاثہ (یعنی نباتات، جمادات، حیوانات) ان سے پیدا نہ ہوتے۔ اگر اعتدالِ مزاجی آدمی کے جسم کو حاصل نہ ہوتا تو رُوحِ ربّانی و نفسِ پاک اُس کے ساتھ تعلق نہ رکھتا۔ اسی وجہ سے جس کا مزاج اعتدال سے باہر ہو تو اس کا نفس قطعِ تعلق کرتا ہے اور نظرِ تحقیق دیکھ رہی ہے کہ ہر ایک حُسن اعتدال اور وحدت کے ہی ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے اور بلحاظِ اختلافِ مقام اس کے نام مختلف ہوتے ہیں۔ عناصر میں اس کو اعتدالِ مزاجی کہتے ہیں۔ اعضائے انسانیہ میں حُسن و جمال، حرکات میں ناز و غمزہ، نگاہ میں عشوۂ رُوح افزا، آواز میں نغمۂ دلربا، گفتار میں فصاحت اور ملکاتِ نفسانیہ میں عدالت۔ غرض ہر جا اُس کا جلوہ اور ہر جگہ اُس کا ایک علیحدہ نام۔ جس مظہر میں ظاہر ہو مطلوب ہے اور جس صورت میں جلوہ گر ہو محبوب۔ جس لباس میں اپنے کو آراستہ کرے نفس اُس کا عاشقِ زار ہے اور جس جگہ سے برآمد ہو رُوح اس کی گرفتار۔ یہ وحدت اگرچہ بالعرض ہو (جیسی کہ ممکنات میں) لیکن پھر بھی یہ ایک ہوا ہے کہ دوست کے پیراہن کی بُو لاتی ہے۔ یہ ایک خاک ہے جس میں محبُوب کے قدم کا نشان موجُود ہے۔ ؎

مجملش گفتم نہ کردم زان بیان
ورنہ ہم این با بسوزد ہم زبان

الغرض امورِ مختلفہ میں مساوات پیدا کرنا اور افراط و تفریط سے بچ کر حدِّ وسط اور میانہ روی پر باقی رہنا عدالت ہے۔

اس سے واجب ہُوا کہ اخلاق و افعال و تقسیم اموال و عطا و بخشش و حکمرانی و سیاست میں عدالت کا لحاظ رکھا جائے، اور عادل وہ ہے، جو

افراط یا تفریط کی طرف میل جائز نہ رکھے ۔ افراط و تفریط نہ کرے بلکہ مساوات میں سعی کرے ۔ ہر ایک کام کو حدِ وسط میں قرار دے ۔ کوئی شک نہیں کہ تمام امور میں حدِ وسط اور افراط و تفریط کا جاننا لازم ہے مگر نہایت مشکل ۔ یہ کام ہر کسی کا نہیں ہے بلکہ ایک ترازوئے عدل کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ سے زیادتی و نقصان معلوم کیا جائے ۔

پس ہر امر کے حدِ وسط کو جاننے کے لیے ترازوئے عدلِ شریعتِ حقہء الٰہیہ وطریقہء سنّتِ نبویّہ ہے ۔ وہ ایک میزانِ عدل ہے جو تمام مراتب حکمتِ عملیہ کی متکفل ہے ۔ لہٰذا عادلِ واقعی کو واجب ہے کہ حکیم ہو اور قواعدِ شریعتِ الٰہیہ کا عالم ہو ۔ واضح ہو کہ علمائے اخلاق نے عادل کی تین قسمیں بیان کی ہیں :۔

۱ ۔ عادلِ اکبر :

وہ شریعتِ الٰہیہ ہے جو حق سبحانہٗ تعالیٰ نے صادر فرمائی ہے جو بندوں کے درمیان مساوات کی محافظت کرتی ہے ۔

۲ ۔ عادلِ اوسط :

وہ بادشاہِ عادل ہے جو شریعتِ مصطفویؐ کا تابع ہو وہ خلیفہء مذہب و جانشینِ شریعت ہے ۔

۳ ۔ عادلِ اصغر :

وہ سونا اور چاندی ہے کہ معاملات میں مساوات کی حفاظت کرتی ہے ۔

کتابِ الٰہی میں ان تینوں عادل کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

اور فرماتا ہے :

وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔

یعنی : "ہم نے اُن کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ عدالت پر قائم ہو جائیں اور ہم نے لوہا نازل کیا۔ جس میں سخت خوف بھی ہے اور لوگوں کے لیے نفع بھی۔"

پس قرآن سے شریعتِ پروردگار مراد ہے۔ میزان سے درہم و دینار کی طرف اشارہ ہے اور لوہے سے شمشیرِ سلطانِ عادل مراد ہے جو آدمیوں کو سیدھے راستے پر رکھتی ہے۔ تہدید و سختی سے تمام امُور میں حفاظت کرتی ہے

عادل کی ضد جابر ہے۔ اس کی بھی تین قسمیں ہیں :

۱ : جابرِ اعظم وہ ہے جو شریعت کے حکم سے باہر ہو۔ شرع کی متابعت نہ کرے۔ اُس کو کافر کہتے ہیں۔

۲ : جابرِ اوسط وہ ہے کہ اطاعتِ احکامِ بادشاہِ عادل کا منحرف ہو اُس کو باغی و طاغی کہتے ہیں۔

۳ : جابرِ اصغر وہ ہے جو دینار و درہم کے معاملہ میں مساوات کی رعایت نہ کرے۔ اپنے حق سے زیادہ لینے کی کوشش کرے اور دوسروں کو اُس کے حق سے کم دے اُس کو دزد و خائن کہتے ہیں۔

فصل ۲

اقسامِ عدالت وحقوقِ برادرانِ دینی

واضح ہو کہ عدالت تین قسم پر ہے :-

پہلی عدالت وہ ہے :

جو خالق اور بندوں کے درمیان ہوتی ہے - اس کا بیان یہ ہے ، کہ بقدرِ امکان عملِ مساوات کا نام عدالت ہے - اب دیکھو کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے مخلوق کو حیات بخشی اور وہ تمام کمالات عطا کیے جن کی ہر ایک جاندار کو ضرورت ہے - اپنے خوانِ نعمت سے ہر ایک کی روزی مقرر کی ہے جو کچھ نعمتیں ہر ایک ساعت میں پہنچ رہی ہیں - اُن کی تعداد سے زبان عاجز ہے - ہر لحظہ جو کچھ عطا ہو رہا ہے اُس کا حصر نہیں ہو سکتا - وہ درجاتِ اعلیٰ و سرور و بہجت وعیش وراحت جو عالمِ آخرت میں مہیا کیے گئے ہیں - ایسے ہیں کہ ان کا مثل ونظیر نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سُنا اور کسی کے دل میں گزرا -

پس البتہ ایک حق خداوندِ عالم کا بندوں پر واجب وثابت ہے ، اور ضرور ہے کہ انسان اس معاملے میں عدالت سے کام لے - کیونکہ اگر کسی سے کوئی فیض یا نعمت دُوسرے کو حاصل ہو اور وہ اُس کے عوض میں کوئی عمل بجا لائے تو البتہ ظالم وجابر ٹھہرے گا - یہ عوض بھی مختلف ہُوا کرتے ہیں -

چنانچہ احسانِ پادشاہی کا عوض دعائے بقائے دولت وشکرِ نعمت وکمر بستگیٔ اطاعت وخدمت ہے۔ لیکن درگاہِ کبریائی حضرتِ آفریدگار کو ہماری اعانت و سعی کی احتیاج نہیں ہے۔ اُس کا عرصۂ جلال ہمارے اعمال وافعال کی ضرورت سے پاک ہے۔

پس بندوں پر اُس کی معرفت کی تحصیل اُس کے پیغمبروں کی اطاعت میں کوشش کرنا اور احکامِ شریعت وآدابِ دین ومذہب کی فرماں برداری کرنا واجب ہے۔ ہر چند کہ یہ توفیق بھی اُسی کی نعمت ہے۔ لیکن چونکہ بندہ کو گناہ سے باز رہنے اور اطاعت پر عمل پیرا ہونے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اس لیے جب وہ اختیار کو مناسب موقع پر خرچ کرتا ہے تو جورِ مطلق سے خارج ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اصل قدرت واختیار اُسی کا عطیہ ہے، بلکہ وجود وحیات اُسی کا فیض ہے۔

دُوسری وہ عدالت کہ:

انسانوں کو آپس میں ایک دُوسرے کے مقابل میں بجا لانا واجب ہے، مثلاً:

- حقوق کا ادا کرنا۔
- امانت کا واپس کرنا۔
- معاملات وتعظیم واحترامِ بزرگان۔
- فریاد رسی ودستگیری کرنا۔

اس عدالت کا مقتضا یہ ہے کہ آدمی اپنے حق پر راضی ہو اور اپنے پر ایک حد تک ظلم روا نہ رکھے۔ جس قدر استطاعت وامکان ہو، اپنے برادرِ دینی کے حقوق بجا لائے۔ ہر ایک کو اپنا بھائی جانے اور جو مرتبہ کہ

اُس کے لائق ہے اُسے بلا تکلف دے دے اور خدا کی طرف سے جو حق ہر ایک کو عطا ہُوا ہے اُس کو ادا کرے۔

حدیثِ نبویؐ میں وارد ہے کہ برادرانِ مومن کے حقُوق جو ایک دوسرے پر ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں:-

۱ : اگر کسی کے حق میں کسی برادر مومن سے کوئی گناہ سرزد ہو یا کوئی تقصیر صادر ہو تو معاف کرے۔

۲ : اگر غریب ہو تو اُس کی دلداری اور اُس کے ساتھ مہربانی کرے۔

۳ : جب دوسرے کے عیب پر واقف ہو تو اُس کو پوشیدہ کرے۔

۴ : اگر کوئی لغزش ظاہر ہو تو اُس سے چشم پوشی کرے۔

۵ : اگر کوئی عذر کرے تو اُس کا عذر قبول کرے۔

۶ : اگر برادر مومن کی کوئی غیبت کرے تو اُس کو منع کرے۔

۷ : جو بات اُس کے حق میں بہتر سمجھے اُسے ظاہر کر دے اور پند و نصیحت سے اغماض نہ کرے۔

۸ : اُس کی دوستی قائم رکھے اور دوستی کے شرائط بجا لائے۔

۹ : اُس کے حقوق کو منظور کرے۔

۱۰ : اگر مریض ہو تو اُس کی عیادت کرے۔

۱۱ : اُس کے جنازہ میں حاضر ہو۔

۱۲ : جس وقت وہ بُلائے اُس کے یہاں جائے۔

۱۳ : اگر ہدیہ بھیجے تو قبول کرے۔

۱۴ : اگر وہ کوئی نیکی کرے تو نیکی سے اُس کا عوض کرے۔

۱۵ : اگر اُس کے ذریعہ سے کوئی نعمت حاصل ہو تو اُس کا شکریہ بجا لائے۔

۱۶ : اُس کی مدد گاری کرے۔

۱۷ : اس کے اہل و عیال کی حفاظت کرے۔

۱۸ : اُس کی حاجت کو پُورا کرے۔

۱۹ : وہ جو سوال کرے اُس کو رد نہ کرے۔

۲۰ : وہ عطسہ کرے تو تسمیہ کرے۔

۲۱ : بھُولے ہُوئے کو راستہ بتائے۔

۲۲ : اُس کے سلام کا جواب دے۔

۲۳ : اُس کے ساتھ گفتگوئے نیک سے تکلم کرے۔

۲۴ : جو نعمت اُس سے ملے اُس کو نیک سمجھے۔

۲۵ : اس کے بخششوں کی تصدیق کرے۔

۲۶ : اس کے ساتھ دوستی کرے اور اُس کے دشمنوں سے پرہیز کرے۔

۲۷ : جب وہ مظلوم ہو تو اُس کی مدد گاری کرے اور ظالم ہو تو ظلم سے باز رکھے۔

۲۸ : جو چیز اپنے لیے پسند نہ کرتا ہو وہ دُوسروں کے لیے پسند نہ کرے۔

تیسری وہ عدالت ہے :

جو زندوں اور مُردوں کے درمیان ہوتی ہے، مثلاً :

❖ مرے ہُوؤں کا قرض ادا کرے۔

❖ اُن کی وصیتوں کو بجا لائے۔

❖ اُن کو نیکی و دعا سے یاد کرے۔

فصل ۳

ہر شخص کو عدالت اور میانہ روی سے متصف ہونا چاہیئے

بیان مذکورالصدر سے معلوم ہُوا کہ ہر شخص کو عدالت و میانہ روی کی صفت سے آراستہ ہونا لازم ہے۔ یہی کمال و سعادت ہے اور دنیا و آخرت میں سوائے وسط پر قائم رہنے کے نجات حاصل نہیں ہوتی۔ لہٰذا سعادت کی طلب میں کوشش کیجیے کہ آپ کو تمام کمالات حاصل ہوں اور تمام امُورِ مختلفہ میں وسط اور میانہ روی کو اپنا شعار قرار دیجیے، اور پہلے علم و عمل میں متوسط رہنے کی کوشش کیجیے۔ بقدرِ استطاعت و امکان اِن ہر دو کو جمع کیجیے۔ کسی ایک پر اکتفا نہ کیجیے۔ جو شخص ایک پر اکتفا کرتا ہے وہ پیغمبروں کی پشت توڑنے والا ہے۔ جیسا کہ سابق کی حدیث میں گزرا۔

واضح ہو کہ علم بغیر عمل کے بے فائدہ اور خرابی کا سبب ہے۔ جاہل کی ستّر لغزشوں سے چشم پوشی کی جائے گی قبل اس کے کہ عالم کی ایک لغزش سے درگزر کریں۔ اسی طرح بے علم کا عمل بھی تکلیفِ بے فائدہ ہے کیونکہ عمل وہ ہے کہ علم و معرفت سے صادر ہو اور ظاہر و باطن میں عمل کے متوسط رہنا چاہیے نہ یہ کہ اپنے کو ظاہرا پاکیزہ بنائے۔ عبادت و طاعت سے آراستہ کرے اور طرح طرح کی خباثت سے باطن بھرا ہُوا ہو۔ اس بوڑھی عورت کے مانند نہ بنے

جو باوجود بدصورتی و بدنمائی کے اپنے کو خواہ مخواہ لباسِ عروسانِ حور وش سے زینت دیتی ہے اور طرح طرح کے لباس سے آراستہ ہوتی ہے، اور نہ یہی رنگ ہو کہ باطن کو نیک کرنے میں کوشش کرے اور ایک دم ظاہر سے غافل ہو جائے۔ ذرا بھی کثافاتِ ظاہریہ سے اپنے کو نہ بچائے اور اس دُرِ شہوار کے مانند ہو جائے جو طرح طرح کی نجاستوں میں آلودہ ہو۔ بلکہ ظاہر باطن کا آئینہ ہونا چاہیئے اور باطن تمام خباثت و کثافت سے پاک۔

غرض تمام صفاتِ باطنیہ و افعالِ ظاہریہ متوسط درجہ پر یعنی افراط و تفریط کے درمیان ہونی چاہئیں۔ علوم باطنیۂ عقلیہ اور علومِ ظاہریۂ شرعیہ میں حدِ وسط کا لحاظ رکھے۔ اُن لوگوں میں سے نہ ہو جو ظاہرِ آیات و اخبار پر اقتصار کرتے ہیں۔ ترجمۂ احادیث و آثار پر قائم رہتے ہیں۔ اور حقیقتِ قرآن و سنّت سے بے خبر ہیں۔ وہ محض تقلید کے بندے ہیں۔ مذمتِ علماء میں اُن کی زبان دراز ہے اور ایک دُوسرے کے ساتھ لعن و طعن میں ہم آواز۔ کبھی اُن کو الحاد و کفر سے نامزد کرتے ہیں۔ کبھی اُن کو زندیق و تارکِ شریعت کہتے ہیں۔ بغیر اس کے کہ اُن کے کلام پر غور کریں، اُن کے مطلب کو سمجھیں۔ اُن کے طریقوں سے آگاہ ہوں۔ اور اُن کے عقائد کی تفتیش کریں۔

ہاں اُن لوگوں میں سے بھی نہ بن جائے جو اپنی عمر علوم عقلیہ میں فضول صرف کر کے یونانیوں کو راضی رکھتے ہیں۔ اپنی عقلِ کوتاہ کو ہر چیز میں دلیل و رہبر جانتے ہیں جو کچھ اُن کی عقلِ ناقص میں نہ آئے، اُسے پسِ پُشت پھینکتے ہیں۔ تاویلاتِ بے جا سے کام لیتے ہیں۔ آیات و

اخبار کو اپنی عقل کے سانچے میں ڈھالتے ہیں۔ احکامِ شریعتِ نبویّہ کو چھوڑتے ہیں۔ آیات و اخبار کی پیروی سے دُور ہیں۔ علمائے شریعت کی مذمّت و بدگوئی کرتے ہیں۔ اُن کو بے فہمی و نادانی سے نسبت دیتے ہیں۔ انبیا کے ورثا کو جاہل و نادان گنتے ہیں اور بایں نادانی اپنے کو عقلمند شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ اس امر سے غافل ہیں کہ عقل بغیر رہنمائی شرع کے کوئی قدم نہیں اٹھا سکتی۔

پس اگر آپ جامعِ عقلیات و نقلیات ہونا چاہتے ہیں، تو ہر دو کے وسط اور میانہ روی کو اختیار کیجیے۔ عقلیات میں صرف تعصب و تقلید سے کسی ایک طریقہ کی پیروی نہ کی جائے۔

نہ متکلّمِ محض بننا چاہیئے کہ وہ بغیر بحث و جدال کے اور کسی چیز کو نہیں پہچانتا۔ نہ مشائی محض ہونا چاہیئے کہ دین اور شریعت اس کے نزدیک بے کار ہے۔ نہ صُوفی بننا زیبا ہے کشف و مشاہدہ کے دعوئے بے ثبوت کی بناء پر تمام علوم سے ہاتھ اُٹھا لیا جائے۔

بلکہ چاہیئے کہ تمام مراتب کو جمع کرکے سب کی حدِ وسط کو اختیار کرے لہٰذا طالب علم پر لازم ہے کہ ابتداء میں صاحب شرع و دین کو اپنا رہبر بنائے اور اپنی عقل کو اُس کے نقشِ قدم پر لگائے۔ استدلال کے عصا کو ہاتھ میں لے۔ نفس کو عبادت و طاعت و مجاہدہ و ریاضت سے تصفیہ کرکے قابلِ قبولِ صورِ علمیّہ بنائے۔

اب یہ استدلالِ واقعیّہ جس طرف لے جائیں وہی طریقہ اختیار کرے خواہ موافقِ طریقۂ حکماء و متکلّمین کے ہو خواہ مطابقِ قاعدۂ مشائین یا اشتراقین۔ خواہ اقوالِ عرفا کے موافق ہو خواہ متصوّفین کے مطابق۔

اسی طرح علومِ شریعت میں محض تقلید کی بنا پر کوئی طریقہ اختیار نہ کیا جائے ، نہ اُن اخباریین میں سے ہو جو قواعدِ اصُولیہ عقلیہ و نقلیہ و جماعِ قطعیہ کی طرف التفات نہیں کرتے۔ اور نہ اُن اصُولیین میں سے ہو کہ احکامِ شریعت کے اخذ کرنے میں قواعدِ اہلِ خلاف کو کام میں لاتے ہیں۔ پنی رائے و گمان کو حجتِ قاطع سمجھتے ہیں۔ ترجیح احکام میں گمان پر اعتبار کرتے ہیں۔ قیاساتِ عامہ سے متمسک ہوتے ہیں۔ بلکہ تمام طریقوں کو جمع کرے درعقلِ صریح و نقلِ صحیح جس طرف کھینچے وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیئے تاکہ دُنیا اور خرت کا کام پورا ہو اور سعادتِ ابدیّہ حاصل ہو۔

فصل ۴

جو شخص عادل و میانہ رو نہ ہو وُہ دُوسروں کی اصلاح کی قابلیّت نہیں رکھتا

جاننا چاہیئے کہ حقیقتِ عدالت اور اُس کا لازمہ یہی ہے کہ عقل جو خلیفۂ خدا ہے تمام قوّتوں پر غالب ہو تاکہ ہر قوت کا فعل حالتِ اعتدال میں رہے اور مملکتِ انسانی کا انتظام خراب نہ ہو۔

پس ہر انسان پر واجب ہے کہ کوشش اور مجاہدہ کرے کہ عقل جو خدا کی طرف سے حاکمِ عادل و خلیفہ ہے تمام قوتوں پر حاوی ہو۔ اُن کے اختلاف کو دُور کرے۔ خواہشِ نفسانی کو چھوڑ دے اور سب کو راہِ راست پر قائم رکھے۔

جب کسی نے اپنی قوٰی و صفات کو درست نہ کیا اور اپنی مملکتِ بدن میں عدالت کو قائم نہ کیا تو دُوسروں کی اصلاح کی اور دُوسروں پر اجرائے حکمِ عدالت کی، نیز اپنی منزل کی درستی کی قابلیت نہیں رکھتا۔ نہ وُہ لائقِ سیاست و شہریاری ہے نہ سروریٔ مملکت آرائی کا سزاوار ہے۔ جو شخص اپنے نفس کی اصلاح سے عاجز ہو۔ کیونکر دُوسروں کی اصلاح کر سکتا ہے۔ جو چراغ اپنے قریب کو روشن نہ کرے اُس کی روشنی دور تک کیوں کر جا سکتی ہے۔ اسی سبب سے عُمدہ ترین اقسامِ عدالت و افضل ترین انواعِ سیاست

بادشاہ کی عدالت ہے۔ بلکہ ہر عدالت اُسی کی عدالت سے نسبت رکھتی ہے۔ خیر و نیکی اسی کی خیریت سے وابستہ ہے۔ اگر بادشاہ کی عدالت نہ ہو تو کوئی شخص بھی احکامِ عدالت کا اجراء نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ تحصیلِ معارف اور کسبِ علوم و تہذیبِ اخلاق و تدبیرِ خانہ داری و تربیتِ عیال و فراغتِ اولاد و اطمینانِ خاطر و انتظامِ احوال اسی پر موقوف ہے۔

بادشاہ کے ظلم و جور سے رعیت پریشان اور غمگین و نالاں رہتی ہے۔ ہر طرف فتنہ برپا رہتا ہے۔ ہر جگہ تکلیف کا سامنا ہوتا ہے۔ دل مُردہ اور افسردہ ہوتے ہیں۔ ہر گوشہ سے موانع پیدا ہوتے ہیں۔ طالبِ کمال اور سعادت صحرا و بیابان میں حیران و سرگرداں اور صاحبانِ علوم و دانش گمنام و پنہاں رہتے ہیں۔

تحصیلِ سعادت میں خاطر جمعی اور انتظامِ معاش جو انسان کی زندگی کے لیے ضروری ہے بہم نہیں ہو سکتا۔ تمام مقاصدِ تحصیلِ کمالات و حصولِ مراتب سعادات و کسبِ معارف و علوم و کلمۂ دین کا اجراء، احکامِ شریعتِ سیدالمرسلینؐ کی ترویج یہ تمام امور بادشاہ کی عدالت سے وابستہ ہیں۔

اسی وجہ سے اخبار میں وارد ہے کہ ہر ایک عبادت کے ثواب میں جو رعیت سے صادر ہو بادشاہِ عادل شریک ہے اور اسی طرح ہر ایک گناہ میں جو رعایا سے سرزد ہو بادشاہِ ظالم حصّہ دار ہے۔

سیدِ انبیاؐ سے مروی ہے کہ :

"قیامت میں خدا کے نزدیک مقرب ترین مردم بادشاہِ عادل ہے اور خدا کی رحمت سے بادشاہِ ظالم بہت دُور ہے۔"

پھر اُسی بزرگوار سے مروی ہے کہ :

عَدْلُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سَبْعِيْنَ سَنَةٍ۔

یعنی : " ستّر سال کی عبادت سے ایک ساعت کی عدالت بہتر ہے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ساعت کے عدل کا اثر تمام مملکت پر ہوتا ہے۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ اگر میری دعا مستجاب ہوتی تو پادشاہ کے نیک ہونے کی دعا کرتا تاکہ دعا کا نفع عام ہو۔ اس کا فائدہ تمام اشخاص کو ملے۔ یہ بھی آیا ہے کہ پادشاہ عادل کا بدن قبر میں خراب نہیں ہوتا۔

یہ بیان عدالت کے عام معنی کا لحاظ کرتے ہوئے کیا گیا۔ لیکن عدالت بمعنی خاص جو ظلم کی ضد ہے اور سلاطین وحکّام کے ذکر میں وہی عدالت ملحوظ ہوتی ہے اُس کا بیان مقامِ چہارم میں ہدیۂ ناظرین کیا جائے گا۔

دُوسرا مقام

اُن اخلاقِ ذمیمہ کے مُعالجہ میں جو قُوّتِ عاقلہ سے متعلق ہیں!

آپ معلوم کر چکے ہیں کہ جتنے رذائل ہیں وہ افراط و تفریط سے تعلق رکھتے ہیں اور اِن دونوں پہلوؤں کے ماتحت بہت سی قسمیں ہیں۔ لیکن ہم اوّلاً انھیں دونوں پہلوؤں کو مع اُن کی ضد (حدِّ وسط) کے بیان کریں گے۔ پھر اُن کے اقسام کا ذکر ہوگا۔ اس مقام پر دو مطلب ہیں:

پہلا مطلب

جربزہ و جہلِ بسیط کا مُعالجہ اور اُن کے ضد کی تحصیل

رذائل قوّۃ عاقلہ میں سے وہ جنس جس کا تعلق حدِّ افراط سے ہے۔

اس کا پہلا نام جربزہ ہے۔ یعنی حدِ اعتدال سے زیادہ فکر کرنا۔ یہ صفتِ بد ذہن کو ایک حالت پر قائم رہنے نہیں دیتی۔ بلکہ ذہن ہمیشہ شبہات میں گرفتار رہتا ہے۔ امُورِ دقیقہ کے استخراج میں غیرِ مطابقِ واقعہ عمل کرتا ہے۔ حد سے زیادہ متجاوز ہوتا ہے۔ حق پر برقرار نہیں رہتا اور بسا اوقات مسائلِ عقلیہ و علومِ الٰہیہ میں دینِ حق سے برگشتہ ہوکر کفر و فسادِ عقیدہ کی طرف مائل ہوتا ہے بلکہ سوفسطائیوں کی طرح تمام اشیاء کے انکار کی جرأت کرتا ہے اور علومِ شرعیہ اور مسائلِ عملیہ میں وسواس کا نشانہ بنتا ہے۔

اس کا علاج یہ ہے کہ اوّلاً انسان معلوم کرے کہ یہ صفتِ بد انسان کو مراتبِ علم و عمل اور بعض معارف سے محروم رکھتی ہے۔ اور انسان کو ہلاک کر دیتی ہے۔ اس کے بعد اُن علماء کے استدلالات کی طرف متوجہ ہو جو استقامت سلیقہ اور رسائی ذہن میں مشہور و معروف تھے۔ انھیں کے دلائل کی پابندی لازم کرلے اور سمجھ لے کہ اِن عقلائے زمانہ کے خلاف شکوک پیدا کرنا اپنے ہی ذہن کی کجی ہے۔ پس اپنے نفس کو جبراً اُن کے طریقہ پر رکھے یہاں تک کہ قیام و اطمینان کی عادت ہو۔

دُوسرا مطلب

جہلِ بسیط۔ یہ صفت قوّتِ عاقلہ کی تفریط (کمی) سے تعلق رکھتی ہے

جہلِ بسیط کے معنی یہ ہیں، کہ نفسِ انسان علم سے خالی اور جہل سے

متصف ہو۔ مگر شرط یہ ہے کہ باوجود نادانی و جہالت علم کا مدعی نہ ہو، ورنہ جہلِ مرکب ہو جائے گا۔ یعنی اپنی نادانی پر مطلع ہو۔ شروع میں یہ صفت مذموم نہیں ہے بلکہ بہتر ہے۔ کیونکہ آدمی جب تک اپنے جہل کو معلوم نہ کرے۔ تحصیلِ علم نہیں کر سکتا۔ لیکن اُس مقام پر باقی اور جہل پر قائم و ثابت رہنا رذائلِ عظیمہ سے ہے جس کا رفع کرنا لازم اور باقی رکھنا ہلاکت ہے۔

اُس صفت کے زائل کرنے میں کوشش اور خرابیِ جہل پر بحکمِ عقل غور کرنا چاہیئے کہ فی الحقیقت جاہل انسان انسان ہی نہیں۔ وہ صرف انسانوں سے مشابہتِ ظاہری رکھتا ہے۔ کیونکہ انسان جسم، غضب، شہوت، بصر، سمع و صورت میں حیوانات کے ساتھ شریک ہے۔ صرف علم و دانش سے اسے حیوانات پر فضیلت حاصل ہے۔ اب اگر یہی چیز اُس کے پاس نہ ہو تو اُسے سیدھے قامت کا حیوان کہیں گے اور بس۔ جہل و نادانی کی مذمت میں بکثرت احادیث وارد ہیں۔

چنانچہ بعض احادیث میں فرمایا ہے کہ :

جاہل و نادان جہنم میں داخل ہو گا۔

حضرت رسول صلعم سے مروی ہے کہ :

چھ گروہ بسبب چھ چیز کے بے حساب داخلِ جہنم ہوں گے۔ منجملہ اُن کے وہ لوگ جو جنگل میں بیٹھتے ہیں اور اُن قریوں میں رہتے ہیں، جہاں اہلِ علم نہیں ہیں۔ بہ سبب جہل و نادانی کے دوزخ میں جائیں گے۔

فصل ۱

شرافتِ علم و علماء

ہر دو جنس مذکورالصدر یعنی جربزہ اور جہلِ بسیط کی ضد یعنی حدِ اعتدال قوّتِ عاقلہ کا نام حکمت ہے اور علمِ حقائقِ اشیاء کو حکمت کہتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ صفتِ علم افضلِ اوصافِ کمال و اشرفِ نعمتِ جمالِ نفسِ انسانی ہے بلکہ صفاتِ ربوبیّت سے بالاتر ہے۔ علم کے ذریعہ سے انسان کو قربِ خداوندِ عالم حاصل ہوتا ہے۔ اسی کی وجہ سے ملائکہ مقرّبین میں داخل ہوتا ہے۔ اس سے انسان کی حیاتِ ابدی و سعادتِ سرمدی وابستہ ہے بغیر معرفت و علم کے محرمِ حرمِ اُنسِ پروردگارِ عالم نہیں ہو سکتا۔ بساطِ قربِ حضرتِ آفریدگار پر قدم نہیں رکھ سکتا۔ حکمتِ حقّہ میں ظاہر کر دیا گیا ہے کہ علم و تجرّد ایک دوسرے کی گردن میں ہاتھ ڈالے ہوئے ہیں۔ نفس میں صفتِ علم جس قدر زیادہ ہوتی ہے اُسی قدر تجرّد بھی بڑھتا ہے۔ مرتبۂ تجرّد بہت بلند مرتبہ ہے۔ جو انسان کے لیے تصوّر کیا گیا ہے کیونکہ تجرّد کے ذریعہ سے انسان اہلِ عالمِ ملکوت و سکّانِ قدسِ جبروت سے موافقت کرتا ہے۔ منجملہ علوم۔ معرفتِ خداوند عالم ہے اور یہی معرفت سببِ ایجادِ عالمِ علوی و سفلی ہے۔ جیسا کہ حدیثِ قدسی میں وارد ہے:

كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ

فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِکَیْ اُعْرَفَ۔

یعنی: "میں ایک خزانہ پوشیدہ تھا۔ میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں۔ پس مخلوقات کو خلق کیا تاکہ مجھ کو پہچانیں۔"

علاوہ اس کے خود علم فی نفسہٖ لذیذ و محبوب ہے۔ جو لذّت اہلِ علم کو حاصل ہے ہرگز جاہل کو میسّر نہیں۔ مسائلِ علمیہ میں سے کسی مسئلہ کے سمجھنے میں جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ ہرگز لذّتِ جسمانیہ سے حاصل نہیں ہوتی۔ دنیا میں علم کے فائدے ظاہر ہیں۔ اہلِ علم اخیار و اشرار کے نزدیک قابلِ عزت و اعتبار ہیں۔ سلاطین کی گردنیں علماء کے سامنے خم ہیں۔ حکیم مطلق جلّ شانہٗ نے اپنی حکمتِ کاملہ سے خاص و عام کی طبیعت کو اہلِ علم کی تعظیم و اطاعت اور فرماں برداری پر پیدا کیا ہے بلکہ تمام حیوانات اور درندے اِن انسانوں کے مطیع و مسخر ہیں۔ جو قوائے ادراک و تمیز سے مخصوص کیے گئے ہیں۔ اگر بنظرِ تحقیق غور کرے تو معلوم ہوگا جو شخص دُوسرے پر بزرگی و زیادتی جاہ و منصب و مال اور دولت میں تفوّق رکھتا ہے وہ زیادتیِ ادراک و تمیز کی ہی وجہ سے ہے۔ اگرچہ مکر و حیلہ و شیطنیت سے ہو۔ علم کی شرافت و فضیلت میں آیات و احادیث بکثرت ہیں۔ بمناسبتِ مقام اُن میں سے کسی قدر ذکر کیے جاتے ہیں۔

پروردگار جلّ شانہٗ فرماتا ہے:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا۔

یعنی: "تمام بندگانِ خدا میں سے علماء ہی خدا سے ڈرتے ہیں۔"

پھر دوسری جگہ فرماتا ہے:

ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

یعنی : " جو کوئی عالم ہے اور جو عالم نہیں ہے ۔ یہ دونوں مرتبہ میں مساوی نہیں ہو سکتے ۔ "

پھر فرماتا ہے :

وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَ مَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ ۔

یعنی : " یہ مثالیں ہم تو کُل آدمیوں کے لیے بیان کرتے ہیں اُن کو سوائے عالم کے اور کوئی نہیں سمجھتا ۔ "

پھر ارشاد ہُوا :

وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۔

یعنی " جس کو حکمت دی گئی اسے بہت کچھ خیر و برکت عطا کی گئی ۔ "

حضرت رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ :

" علماء ورثۂ انبیاء ہیں ۔ "

دوسری حدیث میں ہے کہ :

" خداوندا ! میرے خلفاء پر رحمت کر ۔ "

بعض نے عرض کیا کہ :

" یارسُول اللہ ! آپ کے خلفاء کون ہیں ؟ "

فرمایا :

" وہ لوگ ہیں جو بعد میرے آئیں ، میری حدیث و آداب کو روایت کریں اور دُوسروں کو پہنچائیں ۔ "

نیز انھیں حضرت رسُول صلعم سے مروی ہے کہ فرمایا :

" اباذر ایک ساعت اُس مجلس میں بیٹھنا جس میں گفتگوئے علم ہوتی ہو۔ خدا کے نزدیک بیداریٔ ہزار شب سے جس میں ہر رات ہزار رکعت نماز پڑھی گئی ہو۔ نیز راہ خدا سے ہزار وقت جہاد کرنے سے اور بارہ ہزار ختمِ قرآن سے ، اور اس عبادتِ یکسالہ سے کہ جس میں ہر روز روزہ رکھا گیا ہو اور ہر رات کو شب بیداری کی گئی ہو بہتر و محبوب تر ہے۔"

جو کوئی کسی مسئلہ کے دریافت میں گھر سے باہر نکلے تو ہر قدم پر خداوند عالم ثوابِ پیغمبرؐ اور ثواب ہزار شہید کا شہدائے جنگ میں سے لکھتا ہے۔ جو ایک حرف عالم سے سُنے یا لکھے ایک شہر بہشت میں اس کو عطا فرماتا ہے۔ طالب علم کو خدا دوست رکھتا ہے۔ اُس کو ملائکہ و پیغمبراں دوست رکھتے ہیں۔ علم اہلِ سعادت کا محبوب ہے۔ طالبانِ علم کس قدر خوش نصیب ہیں۔ عالم کے چہرے پر نظر کرنا ہزار غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔ جو کوئی عالم کو دوست رکھتا ہے بہشت اس پر واجب ہے۔ اُس کی زندگی خوشنودیٔ خدا میں گزرتی ہے۔ وہ دنیا سے نہیں جاتا جب تک کہ شرابِ کوثر کو نہ چکھے۔ اس کے بدن کو قبر میں کیڑے نہیں کھاتے۔ وہ بہشت میں خضر کا رفیق ہوتا ہے۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ فرمایا :

" اگر مومن مرجائے اور اُس سے کوئی ورق جس میں مسئلۂ علمیہ لکھا ہو باقی رہے تو وہ ورق اُس کے اور آتشِ جہنم کے درمیان حجاب ہوگا۔ ہر حرف کے عوض میں جو اُس پر

لکھا ہو، خداوند عالم ایک شہر عطا کرے گا کہ وہ دُنیا سے سات حصّہ بڑا ہوگا۔"

حضرت سیّد السّاجدین علیہ السلام نے فرمایا کہ :

" اگر تمام آدمی طلبِ علم کے فوائد سے واقف ہوتے تو ہر آئینہ طلبِ علم کرتے اگرچہ اُن کے خون اور بدن ضائع ہوتے۔"

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ فرمایا :

" اگر آدمی فضیلتِ معرفتِ خدا کو جانتا تو متاعِ و نعمتِ دنیا پر ہرگز نظر نہ کرتا۔ تمام دنیا اس کے آگے حقیر ہوتی۔ وہ معرفتِ الٰہی میں وہی لُطف حاصل کرتا گویا کہ وہ اولیاء اللہ کے ساتھ بہشت میں جاگزیں ہے۔"

حقیقتاً معرفتِ خدا ہر وحشت میں انیس ہے۔ ہر تنہائی کی رفیق ہے۔ ہر اندھیرے کا نور ہے۔ ہر ضعیف کی قوّت اور ہر دوا کی شفا ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے۔ وہ حضرت اپنے پدرِ بزرگوار سے روایت فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان پر علم کا طلب کرنا واجب ہے۔ پس علم کو طلب کرو اُس جگہ سے جہاں شبہ حاصل کرنے کا ہو حقیقتاً عند اللہ علم کا حاصل کرنا نیک ہے۔ اُس کا طلب کرنا عبادت ہے۔ مذاکرہ علمیہ تسبیح پروردگار ہے۔ اُس پر عمل کرنا راہِ خدا میں جہاد کرنا ہے۔ جو کوئی نہ جانتا ہو اُس کو یاد دلانا تصدیق ہے۔ علم کا اہلِ علم تک پہنچانا تقرّبِ خدا ہے۔ کیونکہ علم سے ہی مسائلِ حلال و حرام پہچانے جاتے ہیں۔ اُس سے بہشت کا راستہ ظاہر اور روشن ہوتا ہے۔ علم ہر حالت میں رہنما ہے۔ ہر دشمن کے مقابلہ میں سلاح ہے۔ دوستوں کے نزدیک زینت ہے۔ بوجۂ علم

کے خدا مرتبۂ قوم کو بلند کرتا ہے۔ اُن کو نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے تاکہ تمام آدمی اُن کی متابعت کریں۔ ان کے افعال و اعمال کی پیروی کریں۔ ملائکہ ان کی دوستی و محبت میں رغبت کرتے ہیں۔ اُن پر اپنے پروں کا سایہ کرتے ہیں، حقیقتاً علم سے دل زندہ ہوتا ہے۔ دیدۂ بصیرت روشن اور بدنِ ضعیف قوی ہوتا ہے۔ علم منزلِ اخیار و مجالس ابرار میں درجاتِ بلند پر پہنچاتا ہے۔ دنیا و آخرت میں ذکرِ علم کا ثواب روزہ کے برابر ہے اور سبق پڑھانا رات کی عبادت کے برابر ہے۔ علم سے اطاعت و عبادتِ پروردگار حاصل ہوتی ہے۔ انسان علم سے ہی صلۂ رحم بجالا سکتا ہے۔ علم سے ہی حلال و حرام پہچانے جاتے ہیں۔ علم پیشرو امام ہے۔ عمل، علم کا تابع ہے۔ خداوندِ عالم اہلِ سعادت کو علم کا الہام کرتا ہے۔ اہلِ شقاوت کو اُس سے محروم رکھتا ہے۔ خوشحال اُس کا جس کو خدا نے حظِّ علم سے محروم نہیں کیا۔

واضح ہو کہ اس مقام پر دو فائدے ہیں جن کا بیان کرنا ضروری ہے۔

پہلا فائدہ

تعلّم و تعلیم کے آداب و شرائط

جاننا چاہیئے کہ تعلیم و تعلّم کے لیے کئی شرائط و آداب ہیں، اور آدابِ تعلّم میں چند چیزیں بھی ضروری ہیں :-

پہلا یہ کہ :

طالب علم پیرویٔ شہواتِ نفسانیہ و خواہشِ جسمانیہ و موافقتِ اہلِ دنیا اور مصاحبتِ صاحبانِ ہوا و ہوس سے پرہیز کرے۔ جیسا کہ چشمِ ظاہر جس وقت نابینا ہو روشنی خورشید سے محروم رہتی ہے۔ ویسا ہی دیدۂ باطن جب کہ متابعتِ ہوس و ہوا و مصاحبتِ اہلِ دُنیا میں مُبتلا ہو انوارِ قدسیہ سے بے نصیب رہتا ہے۔

دُوسرا یہ کہ :

تعلّم کی غرض صرف یہ ہو کہ انسان تقرّبِ خداوندی حاصل کرے، اور مرتبۂ بہائم سے ترقی کرکے عالمِ انسانیت میں داخل ہو جائے۔ اُس کا مقصُود خود نمائی و جدال یا حصُولِ منصب و مال و افتخار نہ ہو۔

حضرتِ امام جعفرِ صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ طالبِ علموں کی تین قسمیں ہیں :-

۱ : پہلی قسم کے لوگ دوسروں کو خفیف و استہزا و جدال کے واسطے طلبِ علم کرتے ہیں۔ یہ طریقۂ جہالت ہے۔

۲ : دُوسری قسم یہ ہے کہ فخر و مکر کرنے کے لیے علم طلب کرتے ہیں۔

۳ : تیسری قسم وہ ہے کہ دین میں بصیرت حاصل کرنے اور تکمیلِ عقل اور تحصیلِ یقین کے واسطے علم کے طالب ہوتے ہیں۔

پہلی قسم والوں کی علامت یہ ہے کہ وُہ اپنے برابر والوں سے جھگڑتے ہیں۔ ان کی ایذا و غلبہ کے درپے ہوتے ہیں۔ سرِ مجلس تعرّض کرتے ہیں۔ تاکہ اپنی بزرگی ظاہر ہو اور مجلسوں میں ذکرِ علم و صفتِ حلم اور خضوع و خشوع کا اظہار کرتے ہیں۔ کبھی سر جھکائے ہُوئے آہِ سرد کھینچی جا رہی ہے۔ سر اور

ہاتھ سے عجیب عجیب حرکتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ چلتے وقت کمر جھکائی جاتی ہے۔ ان کا دل پرہیزگاری سے اور ان کا باطن تقوٰے سے خالی ہے۔ خداوند عالم ان کو ذلیل و خوار کرتا ہے۔ خاک پر اُن کی ناک رگڑواتا ہے۔ اُن کو ضائع و ہلاک کرتا ہے۔

دوسری قسم والوں کی علامت یہ ہے کہ وہ صاحب مکر و حیلہ ہوتے ہیں۔ اپنے برابر والوں سے تکبّر کرتے ہیں۔ تو انگر اِن پست مرتبہ سے تواضع و فروتنی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ ان کے لقمۂ تر کھا کھا کر اُن کے اور اپنے دین کو ضائع کرتے ہیں۔ خدا اُن کے نام کو دفترِ علماء سے مٹاتا ہے۔

تیسری قسم والوں کی علامت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ محزون و غمگین رہتے ہیں اور شب بیداری کو اپنا شعار بنا کر جامۂ عبادت پہن کر اندھیری راتوں میں عند اللہ پروردگار کی پوشیدہ عبادت کرتے ہیں۔ اپنی تقصیر سے خائف اور ترساں اور ہمیشہ اپنے اعمال سے مضطرب و لرزاں رہتے ہیں۔ وہ خدا کو پکارتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ اُن کی شنوائی ہوتی ہے یا نہیں اور ہمیشہ اپنے نفس کی اصلاح میں متوجہ رہتے ہیں۔ خداوند عالم ان کے اعضاء و جوارح کو عمل کے لیے مضبوط کرتا ہے۔ ان کو امان و آسائش روزِ قیامت عطا کرتا ہے۔

تیسرا یہ کہ :

جو کچھ سمجھا اور معلوم کیا اُس پر عمل کرے۔ جو شخص اپنے علم پر عمل نہ کرے تو وہ جو کچھ جانتا ہے بھول جاتا ہے۔ اور جس نے اپنے علم پر عمل کیا تو اُس علم سے جس کو وہ نہیں جانتا ہے خدا اُس کو کرامت فرماتا ہے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ :

"جس علم کے ساتھ عمل نہ ہو اس سے سوائے کفر و دُوری خدا

و پیغمبر کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ "

حضرتِ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ :

" جس عالم نے اپنے علم پر عمل نہ کیا ہو۔ اُس کی بُو سے اہلِ دوزخ ایذا پاتے ہیں۔ "

نیز فرمایا ہے کہ :

" سب سے زیادہ حسرت و پشیمانی اُس شخص کی بڑھی ہوئی ہے۔ جس نے دوسرے کو خدا کی طرف دعوت دی اُس نے اُس دعوت کو قبول کیا اور داخلِ بہشت ہو گیا۔ مگر خود اسی داعی نے اپنے علم پر عمل نہ کیا اور مستوجب دوزخ ہُوا۔ "

چوتھا یہ کہ :

اپنے اُستاد کے حقوق کو پہچانے۔ اُس کا ادب کرے۔ فروتنی و تواضع سے پیش آئے۔ اُس کی کوئی بات رد نہ کرے۔ اُس کو دل سے دوست رکھے۔ اگر اس کی بدی مذکور ہو تو رد کرے۔ اگر رد نہیں کر سکتا تو وہاں سے اُٹھ جائے۔ اس کے حقوق کو فراموش نہ کرے، کیونکہ وہ اُس کا پدرِ معنوی و رُوحانی ہے۔ اُس کے حقوق اصل باپ سے زیادہ ہیں۔ ایسا ہی دوسرے علماء کا ادب اور احترام کرے۔ خصوصاً جن سے فائدہ اٹھایا ہے یا ان کا علم جس ذریعے سے پہنچا ہے۔ وہ بھی پدرِ بالواسطہ ہیں۔ جب کوئی مطلب فوراً فہم ناقص میں نہ آئے تو اُن پر زبانِ اعتراض وطعن نہ کھولے۔ ان کو غلطی سے نسبت نہ دے اگر بعد کوشش کے بھی اُس کا کوئی مطلب اس کی نظر میں صحیح نہ معلوم ہو اور اعتراض کرنا چاہتا ہو تو طریقہ نیک، اور نرمی سے دریافت کرے۔

پانچواں یہ کہ :

اپنے نفس کو اخلاقِ رذیلہ و اوصافِ ذمیمہ سے پاک کرے۔ کیونکہ جب تک کہ لوحِ نفس نقوشِ باطلہ سے پاک نہ ہو نُورِ علوم اُس پر نہیں چمکتا۔ جب تک کہ آئینۂ دل صفاتِ رذیلہ کے زنگ سے صاف نہ ہو صورتِ علم اُس میں ظاہر نہیں ہوتی۔

اسی طرح آدابِ تعلیم میں بھی چند اُمور ہیں :۔

پہلا یہ ہے کہ :

استاد تعلیم میں خوشنودیٔ خدا کا قصد رکھتا ہو۔ اس کی غرض درس دینے میں حصُولِ مرتبۂ بزرگی و شہرت و خود نمائی نہ ہو۔ یا وظیفۂ سُلطان یا دُوسروں کے مال کی طمع نہ رکھتا ہو بلکہ سوائے نظرِ ثواب کے کوئی دوسری چیز اُس کو منظور نہ ہو۔ کوئی شک نہیں کہ جو کوئی کسی کو تعلیم دے وہ ثواب میں اس کے شریک ہو گا جس کو اُس نے تعلیم دی ہے۔ ایسا ہی بوجہ ایک تعلیم کے ثواب بے انتہا حاصل ہوتا ہے۔

دوسرا یہ کہ :

شاگرد پر استاد مہربان ہو۔ اس کو نصیحت مثل دوستوں کے کرے سبق دینے میں بقدر اُس کی سمجھ کے اکتفا کرے۔ نرمی و کشادہ روی سے بات کرے، سختی سے پیش نہ آئے۔

تیسرا یہ کہ :

جب کسی کو علم کے لائق جانے تو اُس سے مضائقہ نہ کرے۔ سبق دینے میں بدگمانی و بخل سے کام نہ لے اور جب کسی کو کسی مطلب کا قابل نہ جانے تو اُس سے وہ مطلب بیان نہ کرے۔

چوتھا یہ کہ :

خلافِ واقعہ مطلب طالب علم سے بیان نہ کرے، بلکہ جس مطلب کو نہیں جانتا یا خود کسی مسئلہ میں شبہ رکھتا ہے تو ایسے مقام پر سکوت کرے اور ٹھہر جائے۔ یہاں تک کہ جواب صحیح حاصل ہو۔ یہ جواب صحیح طالب علم کے سامنے بیان کرے۔ تعلیم میں یہی شرط اہم ہے۔ کیونکہ اگر شاگرد کے ذہن میں خلافِ واقعہ امور نقش کر دیے جائیں تو پھر اُسے عادت پڑ جاتی ہے۔ اُس کی طبیعت کجی اختیار کرتی ہے۔ وُہ ترقیاتِ علمیہ سے محروم رہ جاتا ہے۔

یہ چند شرائطِ تعلیم و تعلّم بطورِ کُلیہ بیان ہُوئے۔ باقی دُوسرے آداب جزئی احادیث و علمِ اخلاق میں تلاش کرنے سے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن افسوس اس زمانہ میں آدابِ تعلیم و تعلّم دوسرے اوصافِ کمالیہ کے مانند نابُود ہیں۔ اُستاد اور شاگرد دونوں شرائط سے واقف نہیں ہیں۔ اسی نااہلی سے زمانہ خراب ہو رہا ہے۔ ہدایت کی کسادبازاری ہے۔ نہ اُستاد کی نیّت خالص ہے، نہ شاگرد کی۔ یہی وجہ ہے کہ ہزار میں سے ایک کو بھی مرتبۂ کمال حاصل نہیں ہوتا۔ باوجُودیکہ عُمر کا زیادہ حصّہ درس و تدریس میں بسر ہوتا ہے۔ اُس پر بھی جہالت سے ایک قدم آگے نہیں بڑھتا۔

دُوسرا فائدہ

علوم کے اقسام جو ممدوح و مذموم ہیں اور جن کا بقدرِ عقائد و ضرورت حاصل کرنا لازم ہے

واضح ہو کہ تمام علوم سے اگرچہ رُوح کو کمال اور نفس کو جمال حاصل ہوتا ہے۔ لیکن بلحاظِ شرافت و وجوبِ تحصیل اُن میں فرقِ مراتب موجود ہے کیونکہ علوم دو طرح کے ہیں :-

پہلا - علمِ دُنیا

یعنی وُہ علوم جن میں دنیا کا فائدہ ہے۔ مثلاً علمِ طب و ہندسہ و نجوم و عروض و موسیقی و ہیئت و حساب۔ اِن علوم سے کوئی خوشی و سعادتِ عقبیٰ حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے ان کا حاصل کرنا واجب نہیں ہے۔ ہاں بعض مسائل کی تحصیل میں بعض علوم واجب کفائی ہیں۔

دُوسرا - علمِ آخرت

کہ اس کا نتیجۂ اصلی حصولِ سعادتِ اُخرویہ ہے۔ یہ تین علم ہیں۔

جن کو علمِ دین کہتے ہیں :

۱ : علمِ الٰہی جس سے اصُولِ دین یعنی معرفت مبدء و معاد کا تعلق ہے۔ یہ تمام علوم سے اشرف و افضل ہے۔

۲ : علمِ اخلاق جس سے تحصیلِ راہِ سعادت ہوتی ہے اور مہلکاتِ نفسیّہ پہچانے جاتے ہیں۔ علمِ الٰہی کے بعد اس علم سے کوئی علم افضل و اشرف نہیں ہے۔

۳ : علمِ فقہ جس سے عبادت و معاملہ و حلال و حرام و آداب و کیفیتِ احکام سمجھ میں آتی ہے۔

ان تینوں علموں کا حاصل کرنا واجب و لازم ہے۔ ایسا ہی وہ علوم جن سے تحصیلِ علومِ مذکورہ کی استعداد ہوتی ہے۔ مثلاً علمِ لغتِ عرب و تفسیر وغیرہ۔ لیکن اِن علوم (لغت وغیرہ) کا وجوب من بابِ المقدمہ ہے۔

اب رہا علمِ الٰہی یعنی علمِ اصولِ عقائد اس کا جاننا ہر شخص پر واجب ہے۔ اور عذرِ جہالت اس مقام پر مسموع نہیں۔ لیکن اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ اس علم کے تمام مسائلِ حکمیّہ کا سیکھنا ہر شخص پر واجب ہے۔ بلکہ اس کی مقدارِ واجب جس پر کہ امّتِ مرحومہ کا اجماع ہے یہ ہے کہ انسان اس امر کا یقین کر لے کہ عالم کا پیدا کرنے والا موجود واجب الوجود ہے۔ الوہیت میں اِس کا کوئی شریک نہیں وہ اجزاء و ترکیب و جسمیّت و عوارض سے پاک ہے اُس کا وجود عینِ ذات اور اُس کی ذات عینِ صفات ہے۔ زمان و زمانیات، مکان و مکانیات پر مقدم اور اُن سے بالاتر ہے۔ نہ کسی زمانہ نے اُس پر احاطہ کیا ہے۔ نہ کوئی مکان اُس کے لیے ہے۔ دستِ تصرّف زمان و زمانیات اس کے دامنِ کبریائی سے کوتاہ ہے۔ وہ زندہ و قدیم و ازلی ہے۔ اُس کے وجود

کی کوئی ابتدا نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے جس کی انتہا نہیں ہے۔ ہر چیز پر وہ قادر اور ہر امر پر توانا ہے۔ جو کچھ کرتا ہے اختیار اور ارادے سے کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جو کام چاہتا ہے کرتا ہے۔ ہر کام اُس کے ارادے و مشیّت سے عدم سے وجود میں آتا ہے۔ قبل اس کے کہ ایجاد کرے تمام اشیاء پر اُس کے علم نے احاطہ کیا ہے۔ اُس کا حکم عدل اور اس کا وعدہ سچّا ہے۔ اُس کا مثل و مانند کوئی نہیں ہے۔ وہ تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اُس کے رسول ہیں۔ قرآن اُس کا کلام ہے۔ جو کچھ پیغمبرؐ لائے ہیں۔ مثلاً تعینِ ائمہ معصومین و احکامِ شریعت و دین و کیفیت نشانی آخرت مثلاً بہشت و دوزخ و ثواب و عقاب و حساب و صراط و میزان و نامۂ اعمال و شفاعت تمام حق و ثابت ہیں۔ حصولِ نجات و سعادت کے لیے اسی قدر جاننا کافی ہے۔

اب رہی اس کے صفات کی کیفیّت کہ قدیم ہے یا حادث یا دیگر کیفیاتِ آخرت اُن سے بحث کرنا لازم نہیں بلکہ بعض حدیث میں اُن کی بحث سے منع کیا گیا ہے بلکہ اسی قدر اعتقاد رکھنا کافی ہے کہ واجب تعالیٰ شانہٗ تمام صفاتِ کمالیہ سے متصّف اور تمام صفاتِ نقائص سے پاک ہے گو اُس کی وجہ کو نہ سمجھیں، اس کی حقیقت کو نہ جانیں، نیز اعتقاد رکھے کہ جو پیغمبرؐ نے فرمایا ہے صحیح اور مطابقِ واقعہ ہے گو اُس ارشاد کی تفصیل و حقیقت سمجھ میں نہ آتی ہو۔ ہر مکلّف پر واجب ہے کہ وہ امورِ مذکور الصّدر پر اعتقادِ مضبوط اور اطمینانِ کامل رکھتا ہو۔ صرف زبانی تصدیق بغیر اطمینانِ قلب کے آخرت میں نجات اور وصولِ مراتب سعادتِ حقیقیہ کے لیے کفایت نہیں کرتی۔ ہاں حفاظت قتل و مال و حکمِ طہارت میں اور اُن کے مثل احکامِ دنیویہ میں کافی ہے،

اور نجاتِ آخروی اطمینانِ قلب پر منحصر ہے۔ اگرچہ اس کا اعتقاد و اطمینان دلائلِ حکمیہ و براہینِ کلامیہ سے نہ ہو۔ کیونکہ اعتقاداتِ مذکورہ کی تصدیق سے زیادہ تکلیف شرعاً ثابت نہیں ہے۔

پس اگر کسی شخص کو صرف اس بات سے اطمینان حاصل ہو جائے کہ تمام انبیاء و حکماء و علماء امرِ خلافِ واقعہ پر جمع نہیں ہو سکتے تو اُس کے لیے کافی ہے اسی طرح یہ اطمینان بعض شخصوں کو ایسے امُور کی وجہ سے ہوتا ہے جو اُس پر وارد ہوتے ہیں مثلاً قبولیّت دعا و نجات از خطرات وغیرہ اور بعض اشخاص ایسے بھی ہیں کہ اُن کو امُورِ مذکورۂ بالا میں اطمینان حاصل ہوتا ہے لیکن وُہ اُس کے دلائل سے آگاہ نہیں۔ یہ اُن کی فطرت ہے جو خدا نے عطا کی ہے، اور وہ اسی پر قائم ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

بلکہ ظاہر ہے کہ انسان کو جہالت کی طرفداری اور ماں باپ کی پیروی فطرت سے علیحدہ نہیں کرتی۔ اُس کی فطرت وجودِ صانع پر حاکم ہے۔ اگرچہ اس کو کوئی دلیل منظور نہ ہو۔ کیونکہ ہر مخلوق کے لیے خالق کی اور ہر حادث کے لیے موجد کی احتیاج ایک فطری امر ہے۔ ہر شخص اُس سے واقف ہے۔ اگرچہ وُہ ابھی صاحبِ تمیز و ادراک نہ ہو۔

مثلاً : اگر سیب طفلِ خورد سال کے پاس رکھا ہو اور اس کو کوئی اٹھا لے تو وُہ سوال کرتا ہے کہ سیب کس نے اٹھایا۔ گویا اُس کی فطرت نے حکم لگا دیا کہ سیب خود بخود غائب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کے لیے ایک اٹھانے والے کی ضرورت ہے۔

انسان تو انسان، حیوانات کی جبلّت اسی مطلب پر حاکم ہے۔ مثلاً گر مکان میں جہاں حیوان ہو کوئی آواز کرے یا کوئی پتھر پھینکے، تو وُہ حیوان

التفات کرتا ہے۔ ہر طرف نگاہ دوڑاتا ہے کہ آواز کرنے والے اور پتھر پھینکنے والے کو دیکھے کیونکہ اُس کی جبلّت حکم کرتی ہے کہ ہر آواز کے لیے ایک آواز کرنے والا اور پتھر کے لیے ایک پتھر پھینکنے والا ضروری ہے۔

پس صانع کے اثبات میں ہر شخص کی فطرت کفایت کرتی ہے اور جس وقت انسان ہر فطرت کے ساتھ بعض مقدماتِ عقلیہ بدیہیّہ کو ملا کر گناہوں سے پرہیز کرتا ہے اور طاعات و عبادات کی حتی الامکان رعایت کرتا ہے، تو لشکرِ شیاطین کا ہجوم قلب پر سے ہٹ جاتا ہے اور تمام امورِ شرعیّہ میں اُسے اطمینانی حالت میسر آجاتی ہے۔ طاعت و عبادات کے قبل اگر اُس کو صرف مظنّہ حاصل تھا تو یہ مظنّہ اب یقین سے بدل جاتا ہے۔ اگرچہ وہ اُس یقین کے متعلق طریقۂ استدلال سے واقف نہ ہو۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت رسول اللہ صلعم صرف اظہارِ اسلام کو کافی سمجھتے تھے۔ اگرچہ جانتے تھے کہ خوف و بیم یا طمع و امید سے اسلام قبول کیا گیا ہے۔ کیونکہ حضرتؐ کو علم تھا کہ گناہوں کے پرہیز سے طاعت کی عادت سے رفتہ رفتہ اُن کی فطرت جو ظلمتِ کفر سے سیاہ ہو چکی ہے، حالتِ اصلی پر عود کرے گی۔ اُن میں نورِ اطاعت کا تاثیر کرے گا۔ اُن کو مرتبۂ تصدیقِ قلبی اور اعتقادِ قطعی پر پہنچائے گا۔

لیکن برخلاف اس کے اگر نفس پاک نہ ہو اور عبادات اور طاعات کی عادت نہ ہو تو صرف دلائل و براہان سے ہرگز اطمینانِ قلب و سکونِ نفس حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ اکثر اوقات یہ دلائل و براہان زیادتی شبہہ و شک کا سبب ہو جاتے ہیں۔ محققِ طوسی خواجہ نصیر الدّین رحؒ نے اپنے بعض فوائد میں بیان فرمایا ہے کہ :

"ہر مکلف پر اس قدر واجب ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی تصدیق کرے۔"

جب تصدیقِ رسُول کو ادا کیا تو اُس کے بعد صفاتِ خدا و احوالِ روزِ جزا و تعینِ ائمہ ہدیٰ سے جو کچھ خبر دی گئی ہے اُن کی اسی طرح تصدیق کرے جیسا کہ قرآنِ مجید میں ہے۔ اس کی ضرورت نہیں ہے کہ اُس میں کچھ زیادتی کرے یا کسی دُوسری دلیل کا محتاج ہو۔ خداوند عالم کے صفات میں اعتقاد رکھے کہ خدا ہی قادر، عالم، مرید، متکلم ہے۔ کوئی چیز اُس کے مثل نہیں ہے۔ وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

اسی طرح احوالِ آخرت مثلاً بہشت و دوزخ اور صراط و میزان اور حساب و شفاعت پر ایمان لائے۔ حقیقتِ صفاتِ خدا پر بحث کرنا واجب نہیں، بلکہ اُس کا تصوّر بھی نہ کرے اور دل میں بھی نہ لائے اور اسی حال میں مرجائے تو با ایمان مرا ہے۔ اگر کسی وقت کوئی شبہ و شک اُس کو عارض ہو تو ایسے کلام سے اسے دفع کرے جو اس کی فہم سے قریب ہو۔ اگرچہ کلام صاحبانِ جدل و مناظرہ و متکلمین کے نزدیک ناکافی ہو۔

واضح ہو کہ دلائلِ اجمالیہ یا برہانیہ یا شواہدِ عقلیہ و قرائنِ خارجیہ سے اگرچہ یقین کے بعض مراتب حاصل ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص نورانیتِ یقین و معلوماتِ عقائد کا طالب ہو کر نورِ معارفِ ربانیہ و روشنی علومِ حقیقیہ سے اپنا دل روشن کرنا اور یقینِ کامل کے مرتبہ کو پہنچنا چاہتا ہے۔ تو یہ مرتبہ ہرگز دلیل و برہان و جدال و کلام سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ مرتبہ اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ انسان پرہیزگار بنے۔ نفس کو ہوا و ہوس سے باز رکھے۔ صفاتِ ذمیمہ سے بچائے۔ درگاہِ الٰہی میں تضرع و

زاری کرے۔ اسی سے امداد کا طالب ہو تاکہ نورِ الٰہی دل میں روشن ہو۔ آنکھوں کے آگے سے حجاب اٹھا دیا جائے۔

وَالَّذِیۡنَ جَاھَدُوۡا فِیۡنَا لَنَھۡدِیَنَّھُمۡ سُبُلَنَا۔

"جو لوگ ہمارے دین کے بارے میں کوشش کریں گے ہم ضرور بالضرور اُن کو اپنا راستہ دکھلائیں گے۔"

لَیۡسَ الۡعِلۡمُ بِکَثۡرَۃِ التَّعَلُّمِ اِنَّمَا ھُوَ نُوۡرٌ یَّقۡذِفُہُ اللّٰہُ فِیۡ قَلۡبِ مَنۡ یَّشَآءُ۔

"زیادہ سبق پڑھنے سے علم حاصل نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ وہ ایک نور ہے کہ خداوندِ عالم جس کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔"

واضح ہو کہ بعض مراتبِ یقین کا حاصل کرنا جیسا کہ گزرا دلیل و برہان سے ممکن ہے اور وصولِ مرتبۂ انکشاف و ظہور، تمام مجاہدہ و ریاضت و تصفیۂ نفس پر موقوف ہے۔ لیکن یقین کے کچھ اور بھی مراتب ہیں جو مرتبۂ اوّل سے بالاتر ہیں۔ اُن سے بھی دل کو اطمینان و سکون حاصل ہوتا ہے اور اضطرابِ قلبی و تزلزل سے شبہات پیدا نہیں ہوتے۔ یہ مرتبہ بھی دلائلِ کلامیہ و عقلیہ سے میسر نہیں ہوتا۔ اگرچہ ریاضت و مجاہدۂ کثیرہ کی بھی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس بات کی ضرورت ہے کہ تعلیم یا دلائل سے عقائد معلوم کرنے کے بعد انسان طاعت و عبادت میں مشغول ہو۔ گناہوں سے پرہیز کرے۔ ذکرِ حدیث و آیات کا عادی صاحبانِ مذاہبِ فاسدہ و اربابِ ہوا و ہوس کی صحبت سے دُور رہے۔

بیانِ مذکورالصدر سے معلوم ہوا کہ کیفیتِ تصدیق و ایمان میں آدمی مختلف

ہیں۔ بعض کمالِ یقین و ظہورِ عقائد میں روشنیٔ خورشید کے مانند ہیں کہ اگر پردہ اٹھا دیا جائے تو اُن کے یقین میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ بعض ان سے کم درجہ پر ہیں لیکن ان کو اطمینان و سکون حاصل ہے۔ ان کو کوئی اضطراب اور ان کے دل میں کوئی شبہہ نہیں ہوتا۔ بعض دوسرے اس گروہ سے بھی پست ہیں۔ لیکن اگر اُن کے دل میں کوئی شبہ و سببِ اضطراب پیدا ہوتا ہے تو اُس کو دلیل و برہان سے دفع کر دیتے ہیں یا اُس پر کچھ التفات نہیں کرتے۔ بعض صرف تصدیقِ ظنّی یا تقلیدی پر اکتفا کرتے ہیں اور ہر ایک شُبہہ سے متزلزل ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس اختلاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ایمان کے چند حالات و درجات و طبقات و منازل ہیں۔ بعض اُن میں کامل جو انتہائے کمال کو پہنچے ہیں۔ بعض ناقص ہیں کہ اُن کا نقصان واضح ہے۔ بعض راجح ہیں کہ ان کا رجحان ظاہر ہے۔ کوئی شک نہیں کہ یقین کا حاصل کرنا واجب ہے۔ صرف تصدیقِ ظنّی کہ مرتبۂ آخر ہے کافی نہیں ہے۔

معلوم ہُوا کہ ابتدائے تمیز و ادراک میں طفل کو عقائدِ مذکورہ کی تعلیم دینا ضروری ہے کہ اُن کو حفظ کرے اور صفحۂ دل پر نقش کر لے۔ تھوڑا تھوڑا اُن کے معنی کی تعلیم دے اور سمجھائے۔ نشو و نما کے سبب سے اس کے دل میں اثر پیدا ہو کر اعتقاد حاصل ہو جاتا ہے۔ اگرچہ کوئی دلیل و برہان اُس کے پاس نہ ہو۔ یہ خداوندِ عالم کی مہربانی ہے کہ آدمی کے دل کو ابتدائے ترقی میں بغیر دلیل و برہان کے ایمان کی منزل بنا دیتا ہے۔ لیکن یہ اعتقاد ابتداء میں ضعف و سستی سے خالی نہیں۔ ممکن ہے کہ شبہات سے زائل

ہو جائے۔

پس بچوں اور عوام کے دل میں اس طرح ان عقائد کو مضبوط کرنا چاہیئے کہ پھر اُن میں کوئی خلل واقع نہ ہو اور اس کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ جدل و مناظرہ سے اُس کو تعلیم دی جائے یا تعلیم و مطالعۂ کتبِ کلامیہ و حکمیہ میں مشغول کریں۔ بلکہ تاویلاتِ قرآن و تفسیر و احادیث کے پڑھنے اور اُس کے معانی کے سمجھنے میں توجہ دلائیں۔ عبادتِ پنجگانہ و اطاعت کی عادت کرائیں۔ اُس کی وجہ سے روز بروز اُس کا اعتقاد زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ دلائلِ قرآنیہ اور حجتہائے معصومیہ کو سنتا ہے تو اُس کے ذریعہ سے نیز عبادت سے اُس کے دل پر رفتہ رفتہ ایک نور چمکتا ہے۔ صاحبانِ مذہبِ فاسد و صاحبِ رائے باطلہ و مناظرہ و جدال و صاحبانِ شک و شُبہ اور ہوا و ہوس، واہلِ دُنیا کی صحبت سے پرہیز لازم ہے۔ صالحین و صاحبِ تقوٰی و یقین کی صحبت میں بٹھائیں تاکہ طفل اُن کے طریقہ و رفتار کو دیکھے۔

واضح ہو کہ ابتداء میں عقائد کی تعلیم دینا زمینِ سینہ میں مثل تخم بونے کے ہے اور باقی امور مثل پانی دینے اور پرورش کرنے کے ہیں تاکہ اُسے نشو و نما ہو اور قوت پکڑے اور ایسا درخت بن جائے جس کا میوہ قربِ پروردگارِ احد و سعادتِ ابد ہے۔ جدل و کلام و شبہاتِ باطلۂ متکلمین کے سننے سے حفاظت کرنا چاہیئے، کیونکہ مجادلہ و مناظرہ کا فساد اصلاح سے بہت زیادہ ہے۔

چنانچہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ عوام الناس میں سے جو صاحبانِ تقوٰی اور اصلاح ہیں۔ اُن کے اعتقاد پہاڑ کے مانند ہیں۔ جنھیں ہرگز جنبش نہیں ہوتی۔ وہ اہلِ جدل کے شُبہ و شک کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے، نہ اُن کے

سننے سے کوئی اضطراب انھیں لاحق ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے اُن کا اعتقاد جو اپنی عمر کو علمِ کلام و حکمت میں صرف کر کے رات دن مجادلہ و مباحثۂ کلامیہ میں بسر کرتے ہیں۔ اُس رسّی کے مانند ہے جو ہوا میں لٹکی ہوئی ہو اور شب و روز متحرک رہے۔ وہ معمولی امور میں متامّل اور مشتبہ ہو جاتے ہیں اور اگر اُن کا اعتقاد قوی بھی ہے تو اُسی تعلیم کی وجہ سے ہے جو عالمِ طفولیت میں حاصل کر چکے ہیں۔ جب اِن عقائد پر طفل کی نشوونما ہو اور وہ جوان ہو کر دنیا میں منہمک اور تحصیلِ کمال و سعادت سے باز رہ جائے۔ تو اُس نے اگرچہ کوئی ترقی حاصل نہیں کی۔ لیکن اگر وہ اُن اعتقادات پر مرجائے تو مومن مرا ہے۔ گر توفیقِ خداوندِ عالم شاملِ حال ہو۔ عبادت و تقویٰ میں مشغول رہے۔ نفس کی ہوا و ہوس سے حفاظت کرے۔ مجاہدہ و ریاضت کا متحمّل ہو اور قلب کو کدورت سے پاک کرے تو اُس پر ہدایت کا دروازہ کھولا جاتا ہے۔ ن عقائد کی حقیقت اس کو معلوم ہوتی ہے۔

ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

" یہ فضلِ خدا ہے جس کو چاہے عطا فرمائے۔"

واضح ہو کہ علمِ اخلاق جس سے کمالات و آفاتِ نفس معلوم ہوتے ہیں۔ س کی تحصیل بھی ہر شخص پر بقدرِ استعداد واجبِ عینی ہے۔ کیونکہ اُس کے میں انسان کی ہلاکت ہے اور اُس کی تہذیب میں نجاتِ آخرت۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔

" بلکہ غرضِ کُلّی بعثتِ نبیؐ کی اس علم کے سیکھنے پر مبنی ہے۔"

چنانچہ فرمایا ہے :

إِنِّي بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ -

یعنی : "میں اس لیے مبعوث ہُوا ہوں کہ اخلاقِ حسنہ کو انجام تک پہنچاؤں۔"

پس ہر کسی پر لازم ہے کہ تھوڑا یا بہت وقت عیوب و کمالاتِ نفس کے پہچاننے اور اُن کے طریقۂ مُعالجہ میں صرف کرے۔ کُتبِ اخلاق و حدیث کو دیکھے یا اس کے صاحبِ فن سے سُننے اور طریقۂ معالجہ جو کچھ اخبار و آثار طریقۂ علماء سے معلوم ہُوا ہو اس کا پابند ہو۔ اُن طریقوں سے دُور رہے جنھیں صاحبانِ بدعت و ہوا و ہوس نے مقرر کیا ہے۔

اسی طرح علم فقہ بھی ہر شخص کو عبادات و معاملات کے لیے بقدرِ حاجت اور ضرورت حاصل کرنا واجبِ عینی ہے اور اس سے زیادہ حاصل کرنا واجبِ کفائی ہے۔ تاکہ دوسروں کی احتیاج رفع ہو سکے۔ یہ علمِ فقہ یا تو ماخذ شرعیہ سے استنباط و اجتہاد کی بنا پر حاصل ہوتا ہے یا مجتہدِ حق کی تقلید سے اور اگرچہ ان دونوں طریقوں سے مسائل کا علم حاصل ہوتا ہے اور اُس پر عمل کرنے والا مطیع و ممتثل شمار ہوتا ہے۔ لیکن جو نورانیت و تاثیر طریقۂ اجتہاد میں ہے وہ تقلید میں ہرگز نہیں پائی جا سکتی۔ عملِ مجتہد سے جو تکمیل حاصل ہوتی ہے، وہ کسی طرح مقلّد کو حاصل نہیں ہوتی۔

اب جو کوئی چاہتا ہے کہ اپنے اجتہاد سے مسائل کو سمجھے تو اُس کو اوّلاً اپنی صحتِ نفس کا علم حاصل کرنا چاہیے۔ شیطان کا فریب کھائے۔ صرف چند مسائل کے معلوم ہونے پر اپنے کو مجتہد نہ سمجھے اور جو کوئی تقلید سے معلوم کرنا چاہتا ہے تو اُسے مجتہد کو سمجھنا چاہیئے اُس کی صفت و عدالت کو

جو علمِ اصُول میں ہے معلوم کرے۔ ؎

اے بسا ابلیسِ آدم روی ہست

پس بہر دستے نشاید داد دست

جاننا چاہیئے کہ علمِ فقہ اور اُس کے مقدمات مثل لغت و صرف و نحو وغیرہ مقصود بالذات نہیں ہیں۔ بلکہ اِن سے غرض عبادت و بندگی ہے۔

پس اُن میں مشغول و منہمک ہوکر اصل مقصد کو فوت کرنا زیبا نہیں۔ بلکہ بقدرِ ضرورت اکتفا کرنا چاہیئے۔

بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ مسائل صرف و نحو و معانی و بیان میں اپنی عمر صرف کر دیتے ہیں اور مسائلِ شرعیہ سے بے خبر رہتے ہیں۔ حالانکہ کسی قوم کے طرزِ کلام۔ ترکیب الفاظ اور محسناتِ عبارات کو سمجھنے سے نہ دُنیا کا فائدہ ہے نہ دین کا۔

اسی طرح وہ لوگ ہیں کہ اپنی اوقات احتمالاتِ عبارت کے سمجھنے میں صرف کرتے ہیں۔ عمل و عبادت بلکہ استنباطِ مسائل سے باز رہتے ہیں، اور انھیں وجوہات و احتمالات کے متعلق صفحے کے صفحے سیاہ کرتے ہیں۔ حالانکہ اُس عبارت کا صحتِ مسئلہ سے بھی کوئی تعلق نہیں ہوتا اور بسا اوقات قواعدِ فاسدۂ علمائے عامّہ مثل قیاس و استحسان کے متعلق عبارات کی توجیہات میں وقت برباد ہوتا ہے۔

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مسئلہ کا ماخذ واضح ہے۔ دلیل اس کی روشن ہے۔ ترجیح اس کی ظاہر ہے۔ لیکن ایک دلیلِ ضعیف یا کوئی حدیثِ عامی سامنے آگئی۔ بس اُس کے پیچھے ہو لیے اور عمر کا ایک حصّہ اُسی کی توجیہات میں برباد ہوگیا۔ یا ایسے مسائل کے استخراج میں عمر صرف کر دی جن کی عدمِ احتیاج کا

یقین یا ظن قوی ہے۔

پس طالبِ کمال وسعادت کو چاہیئے کہ وہ اِن مہملات سے دُور رہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ بالکل اُس طرف متوجہ نہ ہو۔ کیونکہ حصُولِ ملکۂ اجتہاد اور فہمِ آیات و احادیث وکلماتِ علمائے ابرار جدّتِ ذہن پر موقوف ہے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ اُن امور میں بقدرِ ضرورت متوجہ ہو۔ اور بعدِ حصُولِ ملکۂ اجتہاد و وصُولِ مرتبۂ فہمِ ادلہ و استنباط اُن امور میں چنداں منہمک نہ ہو اور فہمِ احکامِ واجبہ وادائے عبادات سے باز نہ رہے۔ اس لیے کہ اگر صرف تشحیذِ ذہن اور تقویتِ قوّتِ نظر ہی مقصود ہے تو اُس کی تو کوئی حد نہیں۔ پھر کیا آدمی تمام عمر اُسی میں صرف کرتا رہے گا۔

دُوسرا مطلب

اُن تمام رذائل کا معالجہ جو قوّتِ عاقلہ کی دونوں جنسوں یعنی جربزہ اور جہلِ بسیط سے متعلق ہے۔

اور اُن میں پانچ صفتیں ہیں :-

پہلی صفت

جہلِ مرکّب اور اُس کا مُعالجہ

تعریف جہلِ مرکّب

واضح ہو کہ جہلِ مرکّب کی تعریف یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کو نہ جانے یا خلافِ واقعہ جانے مگر اُس پر دعویٰ کرے کہ مَیں جانتا ہُوں۔ یہ بدترین رذائل ہے۔ اس کا دُور کرنا نہایت مشکل ہے۔ جیسا کہ طالبِ علموں کا حال دیکھا جاتا ہے۔ جس طرح طبیبِ بدن معالجۂ امراضِ مزمنہ سے عاجز ہے۔ اسی طرح اطبّائے روحانی اس مرضِ رُوحی کے دور کرنے سے عاجز ہیں۔

اسی لیے حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ السّلام نے فرمایا کہ مَیں معالجۂ کو مادر زاد و برص سے عاجز نہیں ہوں مگر معالجۂ احمق سے عاجز ہُوں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی اپنے کو جاہل و ناقص نہیں سمجھتا۔ اس لیے تحصیلِ علم کے درپے ہی نہیں ہوتا اور ضلالت و گمراہی میں رہتا ہے۔

اس ہلاک کرنے والی صفت کی علامت اور اُس کی شناخت یہ ہے کہ آد اپنے مطالب اور اپنی دلیلوں کو ایسے لوگوں کے سامنے بیان کرے، جو مستقیم الذہن اور تعصّب و تقلید سے بَری ہوں۔ اگر یہ لوگ اُس مطلب کو

صائب سمجھیں اور غلطی نہ بتلائیں تو یہ آدمی جہلِ مرکب سے بری اور دُور ہے۔
اور اگر وُہ غلطی بتلائیں اور یہ خود اُس غلطی کا یقین نہ کرلے تو جان لیجیے کہ
مرض میں مبتلا ہے۔

ہاں یہ بھی معلوم رہے کہ صرف ایک آدھ استدلال سے یہ مرض
شناخت نہیں ہو سکتا۔

واضح ہو کہ اس مرض کا سبب طبیعت اور ذہن کی کجی ہُوا کرتی ہے
اور اس کا معالجہ بہترین یہ ہے کہ وہ علومِ ریاضی ہندسہ و حساب پڑھے۔
کیونکہ اُن سے ذہن قائم ہوتا ہے یا اگر وہ استدلال میں خطا کرتا ہو، تو
اُس وقت اُسے آمادہ کریں کہ استدلالِ اہلِ تحقیق علماء و معروفین پر
اپنے استدلال کو موازنہ کرے اور قواعدِ منطقیہ سے اپنے استدلال کو
جانچے اور اگر محض تعصب و تقلید سے وہ مطلبِ حق کو سمجھنے کی کوشش
نہیں کرتا تو اس کا علاج یہ ہے کہ اُس سبب کا ازالہ کیا جائے۔ جس کا
ذکر ہدیۂ ناظرین کیا جائے گا۔

دُوسری صِفت

شک و حیرت اور اُس کا مُعالجہ

تعریفِ شک و حیرت

واضح ہو کہ تحقیقِ حق و ردِّ مطالبِ باطل میں عاجز رہنے کو شک و حیرت کہتے ہیں۔ اس کی علامت ظاہر ہے اور غالباً منشاء اس کا تعارضِ ادلّہ ہوا کرتا ہے کوئی شک نہیں کہ مطالبِ ایمان میں شک و حیرت کرنا نفس کی ہلاکت و فساد کا باعث ہے۔ بلکہ اخبار سے پایا جاتا ہے کہ دنیا سے بحالتِ شک سفر کرنا کفر ہے۔ اس کے زائل کرنے کی کوشش کرنا واجب ہے۔

اس کا علاج یہ ہے کہ اوّل غور کرے کہ ان دونوں مطلبوں میں سے لامحالہ ایک صحیح ہے، ایک باطل۔ یہ ناممکن ہے کہ دونوں صحیح یا دونوں باطل ہوں۔ اُس کے بعد دلائلِ مناسب کے ساتھ سعی و اجتہاد میں مشغول ہو۔ حتیٰ کہ ایک طرف کی حقیقت کا یقین حاصل ہو جائے اور اگر کسی دلیل کے سمجھنے یا اُن کے حاصل کرنے پر قادر نہ ہو تو طاعت و عبادت و قرأتِ قرآن کی ہمیشہ عادت کرے، تتبعِ حدیث اور اُس کی سماعت میں اوقات صرف کرے۔ صاحبِ تقویٰ و یقین کا ہم نشین ہو۔ درگاہِ باری میں گریہ وزاری کرے۔

جس کی وجہ سے ظلمتِ شک برطرف و مرتبۂ یقین حاصل ہو۔ اگر شک اُن مطالب میں ہو جو ایمان سے متعلق نہیں ہیں تو اگرچہ یہ شک سببِ کفر اور اس کا دُور کرنا واجب نہیں۔ لیکن ہر ایک چیز میں کمالِ نفس یقین کے متعلق ہے لہٰذا اُس کے زائل کرنے میں بھی حتی الامکان اگر کوئی مشکل درپیش نہ ہو کوشش کرنا بہتر ہے۔

فصل ۱

تعریفِ یقین اور اُس کی شرافت

اور علامات و مدارج

ان دو صفات رذائل جہلِ مرکب و حیرت کے مقابلہ میں یقین ہے۔ اور اقلِ مراتبِ یقین وہ اعتقادِ جازم ہے جو مطابق واقع ہو۔ اگر کوئی اعتقاد مطابق واقع نہ ہو تو وہ یقین نہیں کہلاتا۔ اگرچہ وہ خود اُس اعتقاد کو مطابقِ واقع سمجھے بلکہ جہلِ مرکب کہلائے گا۔

معلوم ہُوا کہ یقین حیرت و شک کی ضد ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس میں جزم و اعتقاد شرط ہے اور حیرت و شک میں یہی اعتقاد مفقود ہوتا ہے۔ اور اس جزم و اعتقاد کے ساتھ جب مطابق واقعہ کی شرط بڑھا دی جائے تو یقین جہلِ مرکب کی ضد ہو جاتا ہے۔

اب اس یقین کی دو حالتیں ہیں :

۱ : یعنی یا تو اُس کا تعلق اجزائے ایمانیہ سے ہوگا مانند وجودِ واجب و مباحثِ نبوّت و امامت و معاد وغیرہ۔

۲ : یا اُس کا تعلق اُن امور سے ہو گا۔ جن کو ایمان وعدمِ ایمان سے کوئی تعلق نہیں، مثلاً حقائقِ امور۔

اِن دونوں حالتوں میں علم ویقین نفسِ انسانی کا زیور ہے۔ ہاں مباحثِ الٰہیہ اور مطالبِ دینیہ میں یقین رکھنا تکمیلِ نفوسِ انسانیہ اور تحصیلِ سعادتِ اُخرویہ کے لیے نہایت ضروری اور واجب و لازم ہے۔ اس کے بغیر نجات ممکن نہیں اور جو شخص اِن امور میں یقین نہیں رکھتا اسے ایمان سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ زمرۂ کفّار میں داخل ہے۔ الغرض یقین اشرفِ فضائل اور افضلِ کمالات میں سے ہے۔ یہ کیمیائے سعادت ہے۔ معراجِ کرامت ہے یہ ایک خلعت ہے کہ جس کے جسم پر آراستہ ہو وُہ محرمِ خلوتِ اُنس ہوتا ہے۔ ایک تاج ہے کہ جس بندے کے سر پر رکھا گیا وہ حرمِ قدس میں قدم رکھتا ہے۔

اسی وجہ سے سیّدرسلؐ فرماتے ہیں کہ :

"جس کے نصیب میں یقین وصبر عطا کیا گیا ہے اُس کو دن کے روزوں اور رات کی عبادت کے فوت ہونے کا غم نہیں۔"

پھر فرمایا ہے :

اَلْیَقِیْنُ الْاِیْمَانُ کُلُّهٗ ۔

یعنی : "یقین تمامی ایمان ہے۔"

نیز انھیں حضرتؐ سے مروی ہے کہ :

"کوئی آدمی نہیں جس سے بے حد گناہ سرزد نہ ہوں۔ لیکن جس کی عقل کامل ہے اور یقین محکم و استوار تو اُسے گناہوں کی کثرت نقصان نہیں پہنچاتی، کیونکہ جس وقت وہ گناہ کرتا ہے تو پشیمان ہوتا ہے اور استغفار کرتا ہے۔ پس اُس کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ اُس کی فضیلت باقی رہتی ہے۔ اور وہ داخلِ بہشت ہوتا ہے۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"تھوڑا سا عمل جس میں دوام و یقین ہو وہ خدا کے نزدیک اُس عملِ کثیر سے بہتر ہے جس میں یقین نہ ہو۔"

واضح ہو کہ اکثر اوقات شیطان انسان کو فریب دیتا ہے اور اسے باور کراتا ہے کہ وہ صاحبِ یقین ہے اور یہ مرتبۂ عظیم اُسے حاصل ہے۔ حالانکہ وہ ایسا نہیں ہوتا۔ پس صاحبِ یقین کی چند علامتیں ہیں۔ جس سے مرتبہ یقین کی شناخت ہوتی ہے:

پہلی علامت یہ ہے کہ:

اپنے امور میں بغیر پروردگار کے کسی دوسرے کی طرف ملتفت نہ ہو۔ دُوسرے سے مطلب و مقصد نہ رکھے۔ بجز حول و قوت خداوندِ عالم کے ہر حول و قوت سے بیزار رہے۔ بجز قدرتِ آفریدگار کے صاحبِ یقین کی نظر میں ہر قدرت بے اعتبار و خوار ہے۔ وہ نہ کوئی کام اپنے سے دیکھتا ہے نہ اپنے یا دوسرے کو کسی امر کا منشا جانتا ہے۔ بلکہ اپنے تمام اُمور اُسی ذاتِ مقدس سے مستند اور اپنا احوال اُسی کے وجودِ اقدس سے منسوب سمجھتا ہے۔

نیز وہ جانتا ہے کہ جو کچھ اس کے لیے مقدر کیا گیا ہے اس کو ضرور ملے گا۔ فقر۔ ثروت۔ مرض۔ صحت۔ عزت۔ ذلت۔ مدح۔ ذم۔ برتری۔ پستی۔ دولت۔ تہی دستی۔ اِن چیزوں میں اُس کی نظر کوئی تفاوت نہیں دیکھتی۔ ع

ہر چہ از دوست می رسد نیکوست

وہ تمام ذرائع سے آنکھ پوشیدہ کر کے اپنے تمام احوال کو اُسی سرچشمۂ فیض و حکیمِ مطلق کے سپرد کر دیتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ :

"جس کا یقین سست اور اعتقاد ضعیف ہو وہی دوسرے اسباب اور وسیلوں سے متوسل ہوتا ہے۔ رسوم و عادات کی پیروی کرتا ہے۔ اس عاریت سرا میں آرائش و زر کے جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ گو زبان سے اقرار کرتا ہے کہ ہر عطا خدا کی ہی طرف سے بندے کو پہنچتی ہے۔ وہی دینے والا ہے اور وہی روکنے والا۔ لیکن اس کا فعل اس کے قول کے خلاف ہے زبان سے اقرار کرتا ہے اور دل سے انکار۔"

نیز انھیں حضرت سے مروی ہے کہ :

"کوئی چیز نہیں جس کے لیے کوئی حد نہ ہو۔"

بعض نے عرض کیا کہ :

"توکل کی حد کیا ہے ؟"

فرمایا کہ :

"یقین ۔"

پھر عرض کیا گیا کہ :

"حدِ یقین کیا ہے ؟"

تو ارشاد ہُوا کہ :

"سوائے خدا کے کسی چیز سے نہ ڈرے۔"

دُوسری علامت یہ ہے کہ :

نہایت ذلت وانکساری سے رات دن اُس کی اطاعت میں مشغول رہے ظاہرو پوشیدہ از روئے شریعت اُس کی بندگی و اطاعت کرے۔ اُس کے تمام نواہی سے پرہیز کرے۔ دل میں غیر کی یاد نہ آنے دے۔ دل کو اس کی محبت کا خزانہ بنائے۔ کیونکہ صاحبِ یقین اپنے کو حضرتِ حق کے سامنے ہمیشہ حاضر اور اُس کو تمام افعال و اعمال پر مطلع اور ناظر جانتا ہے۔ ہمیشہ عرقِ خجالت و شرمندگی میں غرق رہتا ہے۔ سوائے اس کے جس میں رضائے خدا ہو اور کوئی کام نہیں کرتا۔ ما پنے تمام اعمال و افعال پر خداوند عالم کا آگاہ ہونا یقین کرتا ہے۔ اپنے کو ہمیشہ مقامِ اطاعت و فرماں برداری میں رکھتا ہے حق سُبحانہٗ تعالیٰ نے جو نعمتیں ظاہریّہ و باطنیّہ عطا فرمائی ہیں اُن کا یقین کرتا ہے۔ ہمیشہ اس سے شرمسار اور شکر گزار رہتا ہے۔ جو نعمتیں آئندہ مرنے کے بعد عطا فرمائے گا اُن پر یقین رکھ کر ہمیشہ مقامِ طمع و امیدواری میں رہتا ہے اور یقین کرتا ہے کہ ہر امر کا اختیار اُس کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اُس سے جو کچھ صادر ہوتا ہے۔ موافقِ عنایت و مطابقِ حکمت کے ہوتا ہے۔ حیاتِ دنیوی میں حوادثِ زمانہ اُس کے حالات کو متغیر نہیں کر سکتے اور مرنے کے بعد جز رحمت و عذاب ہے اس کے خیال سے ہمیشہ ملول و غمگین رہے گا۔

دنیائے فانی و متاعِ دنیوی اُس کی نظر میں خوار و بے اعتبار ہو گی۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ :

"حضرتِ خضرؑ نے حضرتِ موسیٰؑ کو جس خزانہ کی خبر دی وہ ایک تختی تھی۔ اس میں لکھا ہُوا تھا کہ میں تعجب کرتا ہوں اس شخص سے جو موت کا یقین رکھتا ہے اور فرحناک ہوتا ہے؟ مَیں تعجب کرتا ہوں اس شخص سے جو قضا و قدر الٰہی پر یقین رکھتا ہے اور پھر غمناک ہوتا ہے۔ مَیں تعجب کرتا ہوں اس شخص سے جو بے وفائی دنیا کا یقین رکھتا ہے اور پھر اس کو محبوب بناتا ہے اور اس کی طرف سے مطمئن ہوتا ہے۔"

صاحبِ یقین عظمت و قدرتِ خداوندی سے ہمیشہ دہشت اور اضطراب کنندہ و خائف ہو گا۔ اسی لیے سیدِ کائنات علیہ افضل التحیات کا خشوع و خوف اس درجہ تھا کہ جو کوئی حضرت کو رستہ چلتے دیکھتا تو یہ گمان کرتا کہ منھ کے بل گرتے ہیں۔

صاحبانِ یقین اور انبیائے مرسلین و اولیائے کاملین کی حکایاتِ خوف و شوق اور جو تغیّر و تزلزل و اضطراب و پریشانی و خوشی حالتِ نماز میں یا سری حالتوں میں اُن پر طاری ہوتی تھی۔ کتب تواریخ میں درج ہیں۔ ... اولیاء کا وقتِ مناجات بے ہوش ہونا اور نماز کے وقت بے خود جانا تمام اہلِ اسلام پر ظاہر ہے۔

واقعی جو شخص خداوندِ متعال اور اس کی عظمت و جلال پر یقین رکھتا ہے اس کو اپنے احوال و اعمال پوشیدہ سے مطلع اور آگاہ جانتا ہے وہ کیوں کر اس کا گناہ کر سکتا ہے۔ اور کیوں کر اُس کو عبادت کے وقت

اس کے سامنے کھڑے رہنے میں دہشت وخوف وشرمندگی نہیں ہوتی۔ حالانکہ دیکھا جاتا ہے کہ جب کوئی کسی ایسے صاحب دولت کے سامنے جو تھوڑی سی شوکتِ دنیوی رکھتا ہو کھڑا رہے تو اس طرح کی دہشت ہوتی ہے کہ اپنے سے غافل ہو جاتا ہے اور تمام حواس اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔

تیسری علامت یہ ہے کہ :

وہ مستجاب الدّعوات بلکہ صاحب کرامات ہوگا۔ کیوں کہ جس کا یقین جس قدر زیادہ ہو اُسی قدر اس کا حصّۂ تجرّد غالب ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اُسے تمام کائنات میں قوّتِ تصرّف جو شانِ مجرّدات ہے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ بندے کو یقین مرتبۂ بلند و مقامِ ارجمند پر پہنچاتا ہے جیسا کہ رسُولِ خدا نے شانِ یقین سے خبر دی ہے کہ جس وقت حضرت کی خدمت میں ذکر کیا گیا کہ عیسیٰؑ بن مریم پانی پر چلتے تھے۔

آپ نے فرمایا کہ :

" اُن کا یقین اگر اس سے زیادہ ہوتا تو ہوا پر بھی چل سکتے۔ "

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کا یقین زیادہ ہو، اس کی قدرت کرامات پر زیادہ ہوگی۔

اس سے ظاہر ہوا کہ یقین جامعِ تمام فضائل اور حاوی تمام خصائلِ نیک کا ہے۔

معلوم ہو کہ اس کے تین درجے ہیں :۔

پہلا درجہ علم الیقین

یہ پہلا درجہ یقین کا ہے۔ اور اس سے یہ مراد ہے کہ مطابق قعہ یقین حاصل ہو۔ یہ یقین ترتیب مقدمات و استدلال سے حاصل ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

کسی جگہ پر دھواں دیکھ کر آگ کے وجود کا یقین کریں۔

دُوسرا درجہ عین الیقین

وہ یہ کہ چشمِ بصیرت و دیدۂ باطن سے مطلوب کا نظارہ کیا جائے۔ یہ مدۂ باطن چشمِ ظاہر سے بہت زیادہ روشن ہے۔ جو کچھ اس سے مشاہدہ جائے تو پوری طرح دکھائی دیتا ہے۔

سیدِ اولیا سے دعلبِ یمانی نے پوچھا کہ:

هَلْ رَاَيْتَ رَبَّكَ۔

"کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا؟

فرمایا کہ:

لَمْ اَعْبُدْ رَبًّا لَمْ اَرَهُ

یعنی: "مَیں اس خدا کی عبادت نہیں کرتا، جسے مَیں نے نہیں دیکھا۔"

اس ارشاد سے حضرتؑ کی مراد رؤیتِ قلبی ہے۔ تصفیۂ نفس کی ست سے یہ درجہ حاصل ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ پورا تجرّد حاصل ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ:

انسان آگ کو دیکھ کر آگ کے وجُود کا یقین کرے۔

تیسرا درجہ حق الیقین

اس سے مراد یہ لی گئی ہے کہ درمیان عاقل و معقول وحدتِ معنویہ اور ربطِ حقیقی حاصل ہو۔ اس طرح کہ عاقل اپنی ذات کو سحابِ فیضِ معقول کا ایک رشحہ سمجھتا ہو۔ ہر گھڑی اُس کی روشنیٔ انوار کو اپنے میں مشاہدہ کرے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص آگ میں داخل ہو کر وجودِ آتش کا یقین کرے۔

اس درجہ کا حاصل ہونا، مجاہدات، ریاضاتِ سخت، ترکِ رسوم و عادت، قطعِ شہوت، اوہامِ نفسانیہ و افکارِ ردّیہ، شیطانیہ کو دل سے اور کثافتِ عالم کو اپنی طبیعت سے پاک کرنے اور علائق و آرائشِ دنیائے غدّار کی دوری پر موقوف ہے۔ سے

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطر ہاست بسی
شرطِ اوّل قدم آنست کہ مجنون باشی

بلکہ یقینِ حقیقی نورانی جو ظلمتِ وہم و آمیزشِ شک سے پاک ہو۔ اگرچہ وہ مرتبۂ اوّل میں ہو۔ صرف فکر و استدلال۔ سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ کدورتِ اخلاقِ ذمیمہ و ریاضت و مجاہدہ سے تصفیۂ نفس کرنا ضروری ہے جب تک آئینۂ دل کو زنگِ عالم و عادت و غبارِ طبیعت سے صیقل نہ کیا جائے۔ حقائقِ اشیاء کی صورتوں کو قبول نہیں کر سکتا اور قلب جب تک عقلِ فعال کے مقابل نہ آجائے۔ اور حجاب و موانع درمیان سے نہ اُٹھ جائیں تو ان صُورتوں کا عکس چمک نہیں سکتا جو عقلِ فعال میں موجُود ہیں۔

اگر زنگِ کدورتِ گناہ اور اخلاقِ ذمیمہ سے آئینہ نفس سیاہ نہ ہوتا۔ موانع و علائق و عادات اُس کے اور عالمِ انوار کے بیچ میں حائل نہ ہوتے تو ہر ایک نفس موافقِ فطرت قابلِ معرفتِ حقائقِ ملک و ملکوت ہوتا۔ اسی وجہ سے خداوندِ عالم نے اس کو تمام مخلوقات سے پسند کیا ہے۔ اسی کو ایسی امانت کا محل قرار دیا ہے جس کے برداشت کرنے سے زمین و آسمان نے انکار کیا۔ ؎

آسمان بارِ امانت نتوانست کشید

قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

چنانچہ سیّدِ رسلؐ نے اخلاقِ ذمیمہ کی طرف اس طرح اشارہ فرمایا ہے:

لَوْلَا اَنَّ الشَّیَاطِیْنَ یَحُوْمُوْنَ عَلٰی قُلُوْبِ بَنِیْ آدَمَ لَنَظَرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

"اگر بنی آدم کے قلوب کو لشکرِ شیطان احاطہ نہ کرتا تو وہ ضرور حقائقِ ملکوتِ آسمان و زمین کو مشاہدہ کرتے۔"

اور موانع و علائق و عادات کی طرف یوں اشارہ فرماتے ہیں:

کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ وَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ وَیُمَجِّسَانِہٖ وَیُنَصِّرَانِہٖ۔

یعنی: "ہر شخص فطرتِ سلیم پر پیدا ہوتا ہے لیکن ماں باپ اس کی فطرت کو متغیر کرتے ہیں اور وہ اُن کی پیروی سے غیرِ مستقیم طریقوں پر چل دیتا ہے۔"

واضح ہو کہ :

جس قدر نفس کو تزکیہ وصفا ہو اسی قدر علمِ حقائق و اسرار و درکِ عظمتِ حضرتِ آفریدگار و معرفتِ صفاتِ جلال و جمالِ پروردگار حاصل ہوتی ہے اور اسی قدر اس کو آخرت میں سعادت ، بہجت ، لذّت اور نعمت ملتی ہے۔ جس قدر اس کی معرفت ہوگی ، اسی قدر وسعت کا اس کو بہشت عطا کیا جائے گا۔

تیسری صفت

شرک اور اُس کے اقسام

جن میں
تین فصلیں ہیں

تعریفِ شرک اور اُس کے اقسام

شرک وہ یہ کہ سوائے خدا کے دوسرے کو بھی مصدرِ امر و منشاءِ اثر جانے۔ یعنی علاوہ پروردگار کے اور بھی کوئی کام نکالتا ہے۔ اسی کو شرک کہتے ہیں اور اس عقیدے کے ساتھ اگر غیر کی بندگی اور عبادت کرے تو اس کو شرکِ عبادت کہتے ہیں اور اگر اس کی عبادت نہ کرے لیکن اُس کی اطاعت اُس چیز میں کرے جس میں خدا کی خوشنودی نہ ہو تو اس کو شرکِ اطاعت کہتے ہیں۔

پہلی صورت کا نام شرکِ جلی ہے۔

اور دوسری حالت کا نام شرکِ خفی۔
اسی شرکِ خفی کی طرف خدائے تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ۔

یعنی : " ان میں سے بیشتر حصہ ایسا ہوتا ہے جن کا ایمان شرک آلود ہے۔"
کوئی شک نہیں کہ یہ صفت شرک اعظمِ اسباب ہلاک اور دخولِ عذاب دردناک وزمرۂ کفار ہے۔

فصل ۱

اقسامِ توحید اور اُن کے فوائد

صفت شرک کی ضد توحید ہے۔ اُس کے کئی اقسام ہیں :-

اوّل : توحیدِ ذاتی

یعنی ذاتِ خدا کو ترکیبِ خارجی وعقلی سے پاک اور اس کی صفات کو عینِ ذات جاننا۔

دوم: توحیدِ وجُودی

یعنی خدا کو واجب الوجود جاننا۔ اور صفتِ وجوب وجود میں کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ کرنا۔ واضح ہو کہ علمِ اخلاق میں توحید کی اِن دو قسموں سے بحث نہیں ہوتی۔

سوم: توحیدِ تاثیر و ایجاد

یعنی سوائے پروردگار کے اور کوئی مُؤثر فی الوجود اور فاعل نہیں ہے توحید کی اسی قسم سے اس مقام پر بحث کی جاتی ہے۔

اس توحید کے چار درجے ہیں:

پہلا درجہ: قشرِ قشر

وہ یہ کہ آدمی کلمۂ توحید کو زبان پر جاری کرتا ہے لیکن اس کے معنی کو نہیں جانتا بلکہ اس کے معنی کا منکر ہے۔ مثلاً: توحیدِ منافقین اس سے کوئی فائدہ مرتّب نہیں ہوتا۔ مگر یہ کہ دنیا میں ایسا شخص شمشیرِ شریعت سے محفوظ رہتا ہے۔

دوسرا درجہ: قشر

وہ یہ کہ آدمی کلمۂ توحید کے معنی پر بھی اعتقادِ قلبی رکھتا ہو۔ اور اُس کلمہ کی تکذیب نہ کرے جیسا کہ اکثر عام مسلمانوں کی زبان پر ہے۔ ایسی توحید اگرچہ صفائیِ قلب و کشادگی سینہ کا باعث نہیں ہوتی۔ لیکن وہ

آخرت کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔ ضعفِ اعتقاد کے سبب گناہ گار نہیں ہوتا۔

تیسرا درجہ : لُبّ

وہ یہ ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف سے جو نُور اس پر متجلّی ہوتا ہے۔ اُس نور کے ذریعہ سے معنیٔ توحید اُس پر منکشف ہوجاتے ہیں۔ ایسا شخص اگرچہ عالم میں بہت سے اشیاء کا مشاہدہ کرتا ہے۔لیکن سب کو ایک ہی مصدر سے صادر اور ذات حق سے مستند پاتا ہے۔ یہ مرتبہ و مقامِ مقربین ہے۔

چوتھا درجہ : لُبِّ لُبّ

وہ یہ ہے کہ بغیر ایک کے اور کسی کو موجُود نہ دیکھے اور وجود میں کسی کو اُس کا شریک قرار نہ دے۔ حتیٰ کہ اپنے وجود کی قطعاً نفی کر جائے۔ اس درجہ کو اہلِ معرفت فنا فی اللہ اور فنا فی التوحید کہتے ہیں۔ کیونکہ ایسا شخص اپنے کو فانی جانتا ہے۔ یہ درجہ انتہائے مراتبِ توحید ہے۔

یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ اس درجہ کا حاصل ہونا ممکن نہیں ، اور باوجُود ملاحظۂ آسمان و زمین و تمام مخلوقاتِ منتشرہ صرف ایک ہی کو دیکھنا عقل میں نہیں آتا۔ اس لیے کہ جب دل دریائے عظمت و جلالِ واحدِ حق میں مستغرق ہو - انوارِ جمال و کمالِ وجودِ مطلق غالب ہوں۔ شعاعِ روشنیٔ نورِ واجب الوجُود اسے احاطہ کرے۔ محبّت و اُنس

کی آگ دل میں روشن ہو تو اس کی نظر سے تمام موجودات غائب ہوتے ہیں۔ سوائے اس کے دوسرے کے وجود سے غافل ہوجاتا ہے۔

اشعار

نگویم درآن کس بجز یار نے
ولی غیر او کس پدیدار نے
درآن پرتو افگن یکی نور بود
کہ از غیرِ آن دیدہ ہا کور بود

چنانچہ جب کوئی کسی بادشاہ سے کلام کرتا ہے تو اس کی سطوت کو دیکھ کر محو اور اکثر غیر کے مشاہدے سے غافل ہوجاتا ہے۔ اور عاشق جو محوِ جمالِ معشوق ہو وہ سوائے اُس کے کسی کو نہیں دیکھتا۔ ایسا ہی ستارے دن میں موجود ہیں۔ ان کا نور نورِ خورشید کے مقابل کم اور مدھم ہے اس لیے نظر نہیں آتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو شخص سوائے ایک وجود کے کثرت کا مشاہدہ کرے تو وہ درجۂ توحید میں ناقص ہے، اور نورِ وجودِ صرف اس کے قلب پر تابندہ نہیں ہوا۔

فصل ۲

علاماتِ ترقی مراتبِ توحید

واضح ہو کہ پہلے اور دوسرے مرتبۂ توحید سے تیسرے مرتبہ پر پہنچنے کی علامات یہ ہیں کہ آدمی اپنے تمام امور میں خدا پر توکل کرے۔ اپنے کاموں کو اُس پر چھوڑ دے۔ تمام وسیلوں سے آنکھ بند کر لے۔ کیونکہ جب اس پر روشن ہو گیا کہ بغیر خدا کے اور کوئی منشاءِ امور نہیں۔ وہی ہر وجود کا مبدأ ہے۔ خلق، رزق، عطا، نفع، غنا، فقر، مرض، صحت، ذلت، عزت، حیات، موت سب اُسی کی طرف سے ہیں۔ ان تمام امور میں وہی جلوہ گر ہے اور اُس کا کوئی شریک کسی چیز میں نہیں ہے۔ اس کے بغیر کوئی امر ظاہر نہیں ہو سکتا۔

اب ایسے شخص کو خوف اگر ہو گا تو صرف خدا کا ہو گا اور اس کا وثوق اور اعتماد اُسی سے وابستہ رہے گا۔ جس کو یہ مرتبہ میسر نہیں ہوا اس کا دل شرک سے خالی نہیں ہے۔ بوجہ وسوسۂ شیطانیہ کے وسیلۂ ظاہریہ پر ملتفت ہوتا ہے۔ چنانچہ بارش کے ہونے کی اعتماد پر زراعت کرتا ہے۔ ہوائے موافق پر سلامتیِ کشتی کا دارومدار رکھتا ہے۔ کواکب کی نحوست وسعادت سے اس کے دل میں امید و بیم پیدا ہوتی ہے۔ بعض مخلوقات کے قہر ولطف کو دیکھ کر ان کے قہر سے خوف کرتا ہے، اور

ان کے لطف سے امید رکھی جاتی ہے۔ لیکن جس پر معرفت کا دروازہ کھل گیا۔ عالم کے تمام کام اس پر کما حقہٗ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ آسمان، خورشید، ستارے، ابر، باد و باراں، حیوان، انسان تمام مخلوقات اسی بادشاہِ لاشریک کی اطاعت میں ہیں۔ اسی کے قبضۂ قدرت میں مسخر و اسیر ہیں۔

اگر زراعت خراب ہو جانے والی ہے تو بارش کیا نفع پہنچائے گی؟ اگر کشتی کا دریا میں غرق ہونا اسے پسند ہے تو ہوائے موافق کیا کرے گی؟ وہ جس سر کو خاک پر گرائے کون اس کو اٹھا سکتا ہے؟ اگر وہ تجھ کو سلامتی سے کنارہ پر پہنچانا چاہتا ہے تو ہوائے مخالف بھی مخالفت نہ کرے گی۔ اگر وہ تیرا خرمن آباد کرنا چاہتا ہے تو بغیر بارش کے بھی غلّہ پیدا ہو گا۔ ؎

آن کہ او از آسمان باراں دہد
ہم تو اند کز رحمت نان دہد

آدمی کا بعض وسیلوں سے اپنی نجات و عزت و غنا کے لیے ملتفت و متوسل ہونا اس کے مانند ہے جیسے کوئی بادشاہ پہلے مار ڈالنے کا حکم صادر کرے من بعد اس کے قصور کو معاف کر کے برأت نامہ لکھ بھیجے تو وہ مجرم رہا ہونے کے بعد مدح و ثنا میں کاغذ یا قلم یا منشی کے زبان کھولے اور کہے کہ:

"اگر یہ نہ ہوتے تو مجھ کو نجات میسر نہ ہوتی۔"

اور جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ کاغذ پر جو کچھ لکھا گیا قلم سے تھا۔ قلم ہاتھ میں منشی کے تھا اور منشی کو بغیر بادشاہ کے حکم کے برأت نامہ لکھ بھیجنے کا

اختیار نہیں ہے۔ تو وہ سوائے بادشاہ کے کسی کا شکر نہ کرے گا بغیر اس کی ثناء کے دوسرے کی ثناء نہ کرے گا۔ دوسرے کا احسان مند نہ ہوگا۔

اسی طرح تمام مخلوقات، ماہ و خورشید، آسمان، ستارے باد و باراں نبات، حیوان یہ سب مثل قلم کے ہیں جو لکھنے والے کے ہاتھ میں ہے۔ اور لکھنے والا بادشاہ کا مسخر و مطیع۔

یہ ایک مثال ہے جو بیان کی گئی لیکن اگر غور سے دیکھیے تو کہاں کا قلم کیسا کاتب ہے؟

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ

چشم حق بیں اور قلب حق شناس کہاں؟ اگر کوئی چیونٹی اس کاغذ پر گزرے جو لکھنے والے کے ہاتھ میں ہے اور وہ لکھ رہا ہے، تو یہ غریب اپنی ضعفِ بصارت کے سبب سے اُن حروف کو جو نوکِ قلم سے نکل کر کاغذ پر جلوہ گر ہو رہے ہیں، یہی خیال کرے گی کہ:

"یہ تمام نقوش قلم کی ہی صنعت ہیں۔"

اس کی نگاہِ ضعیف کاتب کے ہاتھ تک نہ پہنچے گی۔ لیکن اس کا یہ خیال کاتب کو معطل نہیں کر سکتا۔ بلکہ اُسی کی کوتاہ نظری پر دلالت کرتا ہے۔

واضح ہو کہ جس نے مرتبۂ توحید سے ترقی کی ہے، وہ جانتا ہے کہ تمام آثار و افعال خداوندِ متعال کی طرف سے ہیں۔ کوئی دوسرا ان افعال و آثار کا مبدأ نہیں ہو سکتا۔

یہ امور جن کی طرف ہم اشارہ کر رہے ہیں۔ حرکات و افعالِ انسانی سے قطعاً الگ ہیں۔

جبر و اختیار

واضح ہو کہ خداوندِ عالم نے انسان کو بھی فی الجملہ اختیار عطا فرمایا ہے جو ایک بدیہی امر ہے اور آیات و اخبار و اجماع اس پر شاہد ہیں اور اس اختیار کا تعلق امورِ تکلیفیہ و اعمالِ خیر و شر سے ہے۔ اس عطائے اختیار میں بہت سے مصالح ہیں اور عطا کرنے والا اُن مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور انہی اختیارات کے ساتھ خداوندِ عالم نے انسان کو اس عالمِ ابتلا میں بھیجا ہے۔

واضح ہو کہ انسان کے اختیارات کامل نہیں ہیں، بلکہ اس کے ساتھ مجبوریاں بھی ملی ہوئی ہیں۔ امورِ تکلیفیہ میں اور اکتسابِ خیر و شر میں اُس کو اختیار حاصل ہے۔ لیکن موت، حیات، ذلت، عزت، بیماری، صحت، فقر، غنا، یہ ایسے امور ہیں جن میں انسان مجبور ہے۔ ممکن ہے اس حدیثِ مشہور:

لَا جَبْرَ وَ لَا تَفْوِيضَ بَلِ الْأَمْرُ بَيْنَ الْأَمْرَيْنِ -

کے یہی معنی ہوں۔ یعنی:

"نہ جبر محض ہے نہ تفویضِ مطلق۔ بلکہ ایک ایسی حالت ہے جو دونوں حالتوں کے درمیان ہے۔"

دوسرے معنی اس حدیث کے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ:

"انسان کا وجود حالتِ امکانی سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی نہ وجودِ محض ہے نہ عدمِ محض۔"

پس اب وہ حالتیں جو ماتحتِ وجود ہیں اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہوں گی۔ انسان کو اختیارات ضرور دیے گئے نہ کہ وہ اختیارات جو واجب الوجود کی کی عینِ ذات ہیں اور اُسی ذاتِ مقدس سے مختص ہیں۔ جب یہ اختیارات انسان کے لیے پائے گئے تو بے اختیاریٔ محض تو قطعاً اُٹھ گئی۔ لہٰذا اب انسان کی یہ حالت ہوئی کہ نہ مختارِ مطلق ہے اور نہ مجبورِ مطلق۔

تیسرے معنی، یا یوں کہیے کہ اختیاراتِ انسان ایک دوسری قدرت سے وابستہ ہیں یعنی انسان اگرچہ مختار ہے لیکن یہ اختیار دوسرے کا عطیہ ہے اور وہ جس وقت چاہے سلب کر سکتا ہے۔ یہ حالت اگرچہ اختیارِ مطلق سے پست ہے لیکن بے اختیاریٔ محض سے بالاتر ہے۔ غرض ہر طرح سے انسان کے لیے حالتِ متوسط ثابت ہو گی۔

واضح ہو کہ انسان کے لیے اِن اختیارات کے ثابت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خدائی اختیارات کی گرفت سے نکل گیا۔ نہیں، اختیاراتِ خداوندی ہر حالت میں باقی و ثابت ہیں۔

يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ وَيُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ

یہاں سے معلوم ہُوا کہ اگر انسان تمام افعال و احوال میں اسباب و وسائل سے چشم پوشی کر کے صاحبِ اختیارِ مطلق کی طرف رجوع کر جائے تو مضائقہ نہیں۔ اور اس کے یہ معنی نہیں کہ انسان قطعاً مجبور ہے۔ لیکن چونکہ اختیارِ خداوندی بیشتر اور اُس کی قدرت کامل تر ہے۔ اس لیے اس کی طرف رجوع کر رہا ہے۔

پس ہر شخص پر لازم ہے کہ:

ان امور میں جن کا اختیار اُسے دیا گیا ہے بحکم شریعتِ مقدسہ فی الجملہ اپنے اختیار سے کام لے کر ان کے اتمام کی توفیق کا خدا سے طالب ہو اور جو امور اس کے قبضۂ قدرت سے باہر ہیں۔ ان میں لطف و کرم پر وردگار پر بھروسہ رکھے۔

فصل ۳

ذرّاتِ عالم کا ہر ذرّہ خدا کی تسبیح میں مشغول ہے

بعض عرفاء کا قول ہے کہ:

"خداوندِ عالم نے ہر ایک ذرّہ کو خواہ وہ آسمان میں ہو یا زمین میں، اربابِ قلوب و اصحابِ مشاہدہ کے حق میں گویا کر رکھا ہے۔"

یہ لوگ ذرّاتِ عالم کی تسبیح و تقدیس سُنتے ہیں۔ جو زبانِ واقعی وملکوتی سے بلند ہوتی ہے۔ یہ زبان نہ عربی ہے نہ فارسی۔ نہ

آواز ہے نہ الفاظ و حروف سے اسے تعلق ہے۔ اس تسبیح کو صرف گوشِ ہوش اور سمعِ ملکوتی سے سُن سکتے ہیں۔

اس مکالمہ کا نام مناجاتِ سِتر ہے:

اور اس کی کوئی انتہا نہیں۔

کیونکہ اس کا منبع دریائے محیطِ کلامِ حق ہے۔ جس کی تھاہ نہیں ہے اور چونکہ اُن کی گفتگو اسرارِ ملک و ملکوت سے ہے۔ لہٰذا ہر شخص اُس کی محرمیّت کا قابل نہیں۔ بلکہ اہلِ قلب کے سینے ہی قبورِ اسرار ہوا کرتے ہیں۔

یہ ذرّات ہر شخص سے بات نہیں کرتے۔ بلکہ خاصانِ درگاہ اور محرمانِ بارگاہ سے اُن کی گفتگو رہتی ہے۔ اور یہ خاصانِ بارگاہ جو کچھ سماعت کرتے ہیں، دُوسروں سے بیان نہیں کرتے۔

اس لیے کہ :

- جو کوئی کسی بادشاہ کا محرمِ اسرار ہو، وہ کوچہ و بازار میں ان اسرار کو بیان نہیں کرتا۔

اگر اس کا ظاہر کرنا جائز ہوتا تو محرمِ اسرارِ آفریدگار یعنی رسُولِ مختار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قضا و قدر کے بھید کو ظاہر کرنے سے منع نہ فرماتے۔ حیدرِ کرّارؓ کو بعض اسرار سے مخصُوص نہ فرماتے اور نہ کہتے :

لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا وَّلَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا۔

یعنی :

"جو کچھ مَیں جانتا ہوں اگر تم اُسے جان لو تو بہت کم ہنسو گے اور بہت زیادہ روؤ گے۔"

اس کے علاوہ اِن اسرار کے کئی معنی ہیں۔

الفاظِ ناسوتیہ و حروفِ صوتیہ اُس کے برداشت کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔

نہ وہ اِن حروف کے قالب میں سما سکتے ہیں۔ یہ اسرار اسی شخص سے بیان ہو سکتے ہیں۔ جو زبانِ ملکوتی سے آشنا ہو۔

چوتھی صفت

اوہامِ نفسانیہ و وسوسۂ شیطانیہ

کی

تفصیل اور اُس کا عِلاج اور اُس کی ضِد

جس مَیں پانچ فصلیں ہَیں!

فصل ۱

آدمی کا دل ہر وقت کسی نہ کسی

فکر و خیال میں رہتا ہے!

واضح ہو کہ آدمی کا دل خیال و فکر سے ہرگز خالی نہیں ہوتا۔ بلکہ

اُس پر اندیشہ و خیالات و افکار ہمیشہ وارد ہوتے رہتے ہیں اور جو کچھ دل میں گزرتا ہے۔ بعض اوقات انسان اس کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوتا۔ اس بارے میں دل اُس نشانہ کے مانند ہے جس پر اطراف و جوانب سے تیر برستے ہوں۔ یا ایک حوض ہے کہ بہت سی نہروں سے اُس میں پانی جاری ہو۔ یا ایک گھر ہے جو بہت سے دروازے رکھتا ہو اور اس میں مختلف اشخاص داخل ہوں۔ یا ایک آئینہ ہے جو کسی مکان میں نصب ہو اور بہت سی صورتیں اس کے سامنے سے گزریں۔

پس دل لطائفِ الٰہیہ میں سے ایک لطیفہ ہے۔ اس میں خیالات و افکار ہمیشہ نمودار ہوتے ہیں۔ اُس وقت تک کہ بدن سے نفس کا تعلق قطع ہو۔ اور ہر فکر و خیال کا ایک سبب و منشاء ضرور ہے۔ خیال و فکرِ باطل کا منشاء شیطان اور خاطر و فکرِ نیک کا باعث فرشتہ ہوتا ہے۔

اس لیے سیّدِ رسلؐ نے اشارہ فرمایا ہے:

فِی الْقَلْبِ لُمَّتَانِ لُمَّۃٌ مِنَ الْمَلَکِ اِیْعَادٌ بِالْخَیْرِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْحَقِّ وَلُمَّۃٌ مِنَ الشَّیْطَانِ اِیْعَادٌ بِالشَّرِّ وَتَکْذِیْبٌ بِالْحَقِّ۔

یعنی: "آدمی کے دل میں افکار و خواطر دو قسم کے وارد ہوتے ہیں۔ ایک قسم ملک کی طرف

سے ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان امورِ خیر کا ارادہ رکھتا ہو۔
امورِ حق کی تصدیق کرتا ہو۔ دُوسری قسم شیطان کی طرف
سے ہے۔ وہ یہ ہے کہ دل میں وہ ارادے پیدا ہوں،
جن سے امورِ شر ظاہر ہوں، اور امورِ حقہ کی تکذیب
پر کمر باندھی جائے۔"

افکار و خیالات کی اقسام

واضح ہو کہ آدمی کے دل میں جو کچھ گزرتا ہے اور جو فکر اُس کے
دل کو مشغول کرتی ہے اُس کی دو قسمیں ہیں :

۱ : وہ افکار ہیں جو آدمی کو عمل کی تحریک کرتے ہیں، اور انسان
اُن کے سبب سے کسی عمل پر راغب ہوتا ہے۔ اس کی دو
حالتیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ فعل جس کے لیے فکرِ انسان متحرک
ہوتی ہے۔ وہ فعل نیک ہوگا یا بد۔

۲ : وہ فکر ہے جو کسی فعل کی محرک اور کسی عمل کا مبدأ نہیں ہوتی۔
بلکہ صرف خیال اور تصوّر ہی دل میں گزرتا ہے۔ اگرچہ ان کے
ذریعہ سے بھی نفس کو صفائی یا کدورت حاصل ہوتی ہے اور
اُس کے سبب سے بھی بعض افعالِ نیک یا بد واقع ہو جاتے ہیں۔
اس کی بھی دو حالتیں ہیں :-

پہلی حالت :

خیالاتِ نیک و افکارِ نافعہ سے متعلق ہے۔ جن کی تفصیل
بیان کی جائے گی۔

دُوسری حالت :
فکرِ فاسد و امیدِ کاذب ہے اور اس کے کئی اقسام ہیں۔
مثلاً : اُن چیزوں کی آرزو کرنا جن کا وجُود نہیں ہے، اور انھیں تصوّر میں لانا مثلاً خیال کرنا کہ افسوس وہ کام نہ کیا ہوتا یا وہ کام کیا ہوتا؛ کاش میرا بچّہ وہ زندہ ہوتا جو اس وقت بڑا ہو کر میرا معین و یاور ہوتا۔ کاش اس غلام کو خریدیا یا فروخت کرتا۔ نیز اُن حالتوں کا ذکر کرنا جو اُس کو حاصل ہیں اور اُن پر خوش یا غمگین ہونا۔ مثلاً اُس لذّت کا خیال جو اس کو حاصل ہوئی، یا فی الحال جو عزت اُس کو حاصل ہے یا کوئی غم جو اُس کو کسی روز پہنچا تھا۔ یا بیماری جو موجود ہے۔ یا جو خرابی اُس کی معاش میں ہے۔ اسی صورت سے اموالِ نفیسہ کا تصوّر کرنا جو موجود ہیں مثلاً : مکانات و سواری و جواہر وغیرہ اور اُن کے تصوّر سے لذّت اٹھانا، یا ذکر کرنا اُن چیزوں کا جو حاصل نہیں ہیں اور اس پر غمگین ہونا۔ یا مثلاً حساب و کتاب اور خرید و فروخت کا تصوّر، یا دشمنوں کے جواب دینے اور انھیں بہ عذاب ہائے گوناگوں برطرف کر دینے کے خیالات۔ حالانکہ ان خیالات پر کوئی فائدہ یا نتیجہ مترتّب نہیں ہوتا۔ کبھی انسان ایسے امُور کا تصوّر کرتا ہے جن کا متحقق ہونا ہرگز اس کی نگاہ میں نہیں ہوتا۔ اور خوب جانتا ہے کہ یہ امور ہرگز واقع نہیں ہو سکتے لیکن محض عالمِ خیالات میں محو ہو کر اس سے لذّت اٹھاتا ہے۔ مثلاً نبوت اور پیغمبری کا خیال کرتا ہے۔ ذہن میں قواعد و احکام اختراع کرتا ہے۔ وصی و خلیفہ کا تعیّن کرتا ہے یا مثلاً ایک گدائے ہشتاد سالہ پادشاہی کا تصوّر کرتا ہے۔ عالمِ خیال میں ربعِ مسکون کو اپنا مسخر قرار دیتا ہے

امراد وحکام مقرر کرتا ہے وغیرہ۔

انھیں خیالات کی قسم فالِ بد ہے جسے تطیّر بھی کہتے ہیں یعنی امورِ اتفاقیہ سے خوفزدہ ہوکر انھیں نئے نئے رنج و آلام کی علامت سمجھنا۔ بعض اوقات یہ حالت اس حد تک پہنچتی ہے کہ آدمی اپنے لیے بعض امور کو دلیلِ وقوعِ مکروہات قرار دیتا ہے اور اُن کے صادر ہونے کے خیال سے نہایت درجہ مضطر و پریشان ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ امور آدمیوں کی زبان پر کچھ بھی مشہور نہ ہوں اور بسا اوقات کہ قوۂ واہمہ میں خباثت ورداثت حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے اکثر اوقات اپنے پر مکروہات اور نئے نئے رنج و الم کا واقع ہونا تصوّر کرتا ہے۔

مثلاً : اولاد و عیال کا مرنا، مال کا تلف ہونا، ہر قسم کی بیماری میں مبتلا ہونا۔ ذلّت و خواری میں گرفتار ہونا۔ دشمنوں کا غالب ہونا۔ دُوسروں سے اس کو تکلیف پہنچنا۔ ایسے شخص کا ذہن کبھی فرح و مسرّت کی طرف ملتفت نہیں ہوتا۔ کبھی ہوتا ہے کہ بغیر سبب اُن امور کے واقع ہونے کا اعتقاد کرتا ہے اور غم و اندوہ بھی اس کو پہنچتا ہے۔ یہ سب خللِ دماغ کے نتائج ہیں۔

اسی سبب سے عقائد میں بھی وسوسہ ہوتا ہے اور یہ وسوسہ اگر شک و شبہ تک پہنچ جائے تو انسان کو ایمان سے خارج کر دے گا۔

فصل ۲

تعریفِ الہام و وسوسہ اور اُس کے علامات و اسباب

بیانِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ خواطرِ نفسانیہ و خیالاتِ قلبیہ کی چار قسمیں ہیں۔ ان میں دو قسمیں جو افکارِ محرّک عملِ خیر و خیالاتِ نیک ہیں۔ ان کو الہام کہتے ہیں اور دوسری دو قسمیں جو افکارِ محرّکِ عملِ شر و فکرِ ردّیہ ہیں ان کو وسوسہ کہتے ہیں اور بعض الہام و وسوسہ کو افکارِ محرّکہ کے ساتھ تخصیص دیتے ہیں۔ بہرطور وساوس کی دونوں قسمیں اثرِ شیطانی ہیں اور الہام کی دونوں قسمیں فیضِ ملائکۂ کرام۔

واضح ہو کہ آدمی کا نفس ابتداء میں ہر دو اثر کی برابر قابلیت رکھتا ہے کسی ایک طرف ذرا بھی مائل نہیں ہوتا۔ بلکہ امورِ خارجیہ اور ہوا و ہوس کی متابعت سے یا زہد و تقویٰ کی ہمیشگی سے کسی ایک طرف کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔

پس جبکہ آدمی خواہشِ شہوت یا غضب میں مبتلا ہو تو شیطان کے لشکر خانۂ دل میں داخل ہوتے ہیں اور وساوس و افکارِ ردّیہ قلب میں

پیدا ہو جاتے ہیں اور جب کہ دل ذکرِ خدا کی طرف متوجہ اور نفس زہد و تقویٰ پر مائل ہو تو شیطان مملکتِ بدن سے باہر نکل جاتا ہے۔ لشکرِ ملائکہ اس میں آتے ہیں۔ اُن کے فیوضاتِ الہامات و خیالاتِ نیک اس میں پیدا ہوتے ہیں۔ ہمیشہ یہ دونوں لشکر آمد و شد و گیر و دار میں مصروف ہیں۔ کبھی میدانِ دل جائے اثرِ فرشتگان اور کبھی محلِ جولان گاہِ شیطان رہتا ہے۔ یہاں تک کہ امورِ خارجیہ کی امداد سے کسی ایک کو غلبہ و قوت حاصل ہو جائے۔ وہ مملکتِ نفس کو تسخیر کرے اور اُس کو اپنا وطن بنا کر مقیم ہو۔ اُس وقت دُوسرے کی آمد و شد نہیں رہتی اور اگر کبھی گزر بھی ہُوا تو یوں ہی رواروی، قیام میسّر نہیں ہوتا۔

اب اگر ہوا و ہوس اور شہوت و غضب کی امداد پہنچ گئی تو لشکرِ شیطان غالب ہوتا ہے اور قلب کی ایک ایک رگ اس کی جولان گاہ بن جاتی ہے اور ساتھ ہی خیالات و خواہشاتِ بد کی پیدائش شروع ہو جاتی ہے اور اگر قوۂ عاملہ امداد کرے۔ زہد و تقویٰ کی اعانت میسّر آجائے تو سپاہِ ملائکہ غالب ہو جاتی ہے۔ شہرِ دل کو گھیر لیتی ہے۔ اپنا مسکن بناتی ہے۔ ہر لحظہ نورِ تازہ اور ہر گھڑی فیضِ بے اندازہ پہنچتا ہے۔ لیکن جس دل کو لشکرِ شیطان نے مسخر کر لیا اور مالک ہو گیا تو پھر جس طرح چاہتا ہے اس میں تصرّف کرتا ہے اس کو وسوسہ میں ڈالتا ہے۔

وجہ یہ ہے کہ قوۂ واہمہ و غضبیہ و شہویہ کی خلقت کا غالب مادہ آگ ہے اور یہی قوتیں مملکتِ بدن کے سردار و حکّام ہیں اور چونکہ شیطان کی خلقت بھی آگ سے ہے اس لیے اِن تینوں سرکشانِ مملکت اور شیطانِ لعین میں مناسبت مستحکم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ یہ قربت شیطان کی خواہش مند ہیں۔ اس کی متابعت کے لیے بالکل راغب ہیں۔ بلحاظِ قرابت ونسبت لشکرِ شیطان کو ہر طرف سے راستہ دیتی ہیں اور اس کی رہنمائی کرتی ہیں۔

اس لیے حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ:

"شیطان آدمی کے بدن میں مثل خون کے جاری ہے تمام راستوں سے داخل ہوتا ہے۔"

چونکہ شیطان آگ سے ہے اور جس جگہ آگ لگ جائے تو اپنی جگہ جلد پیدا کرتی ہے۔ تھوڑی دیر میں فوراً زیادہ ہو جاتی ہے۔ ہر طرف وہی آگ ہی آگ نظر آتی ہے۔ ایسا ہی جب لشکرِ شیطان کسی کے دل میں تھوڑا سا راستہ پا جائے تو اپنا مقام وسیع کرتا ہے اور متواتر و پے در پے زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اس کی نسل بے انتہا ترقی کرتی ہے جیسا کہ ثابت ہے کہ جب آدمی ایک گناہ کا تصور کرے تو اسی ایک گناہ سے سینکڑوں گناہ کی شاخیں نکل آتی ہیں۔

واضح ہو کہ اخلاقِ فاضلہ و ملکاتِ حسنہ ملائکہ کے داخل ہونے کے دروازے ہیں اور اوصافِ رذیلہ ابواب الشیاطین۔

نیز یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ اوصافِ حسنہ حکمِ وسط رکھتے ہیں۔ اور وسط یعنی وہ نقطہ جو دو یا کئی چیزوں کے درمیان ہوتا ہے۔ ایک ہی ہُوا کرتا ہے۔ برخلاف اس کے اطراف و جوانب کے خطوط بیشمار ہوتے ہیں۔

اسی لیے شیطان کے آنے کی راہیں بے شمار ہیں اور جس کے لیے اتنے راستے کھلے ہوئے ہوں۔ اسی کا غلبہ نہایت آسان ہے۔ برخلاف

اس کے ملائکہ کے داخل ہونے کا صرف ایک راستہ ہے۔ قرآن مجید میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ۔

یعنی: "یہی میرا سیدھا راستہ ہے۔ اسی کی متابعت کرو اور بہت سے راستوں کی پیروی نہ کرو۔ کیوں کہ وہ تمھیں راہِ حق سے جدا کر دیں گے۔"

یہی وجہ ہے کہ خداوندِ سبحانہٗ شیطانِ لعین کے قول کو بیان کرتا ہے کہ:

لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ۔

یعنی: "البتہ میں ان کو تیری راہِ راست سے باز رکھوں گا۔ اُن کے آگے پیچھے دائیں بائیں سے حملہ کروں گا۔"

اسی لیے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز اصحاب کے لیے ایک خط کھینچ کر فرمایا کہ:

"یہ راستہ خدا کا ہے۔"

اس کے بعد بہت سے خطوط دائیں بائیں جانب کھینچے اور فرمایا کہ: "ان راستوں پر شیطان بیٹھا ہے اور اپنی طرف بلاتا ہے۔"

پس اُس سیدھے راستہ کا سمجھنا مشکل اور محتاجِ رہنمائی ہے۔ بخلافِ راہِ باطل کے جو سب پر واضح اور روشن ہے۔ نفس کی خواہش باطل کی طرف سہل و آسان ہے اور حق کی فرماں برداری مشکل۔ جو دروازہ فرشتوں کے داخل ہونے کا ہے وہ مسدود اور بند ہے۔ راستے شیطان کے کھلے ہوئے ہیں۔

پس غریب فرزندِ آدم کو چاہیئے کہ جو راستے کھلے ہوئے ہیں۔ ان کو بند کرے۔ ایک دروازہ پوشیدہ جو بند ہے اس کو کھولے۔ اسی بھروسہ پر شیطان نے کہا:

فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ۔

یعنی: "تیری عزت کی قسم ہے کہ تمام فرزندانِ آدم کو سوائے بندگانِ خالص کے گمراہ کروں گا۔"

اور لبا اوقات یہ ملعون بذریعۂ مکر حق کو باطل سے مشتبہ کرتا ہے اور اپنے لشکر کو فرشتہ کا لباس پہنا کر آدمی کو ہلاکت میں ڈالتا ہے، تاکہ ان سے کوئی خبردار نہ ہو۔

فصل ۳

مذمّت وساوسِ شیطانیہ

افکارِ باطلہ

واضح ہو کہ وسوسۂ شیطانیہ اور افکارِ باطلہ کا ضرر نہایت ہی عظیم اور یہ حالت تمام مہلکاتِ عظیمہ وحالاتِ رذیلہ کے برابر ہے۔ اس سے دل تیرہ ہوتا ہے۔ نفس کو ظلمت لاحق ہوتی ہے۔ یہ چیزیں مانعِ حصولِ سعادت ہیں اور عمرِ عزیز کی برباد کر دینے والی۔

حقیقت یہ ہے کہ بندوں کا دل سرمایۂ تحصیلِ نجاتِ عمر و سامانِ تجارت ہے۔ انسان جو وقت یادِ خدا سے غفلت میں گزارتا ہے۔ گویا وہ اپنے سرمایہ کو ضائع کرتا ہے۔ اور یہ افسوس تو اُس صورت میں ہے، جب کہ امور جائز ومباح میں یہ وساوس پیدا ہوں۔ لیکن حالت تو یہ پہنچی ہے کہ مکر، حیلہ، فریب، شیطنت کے میدان میں فکریں جولانیاں کرتی ہیں جن سے دل سیاہ ہو جاتے ہیں اور دین و دنیا تباہ۔

واضح ہو کہ افکارِ ردّیہ امورِ مباح میں یکساں طور پر دل کو تاریک کرنے والی ہیں۔ البتہ بلحاظِ گناہ اُن میں فرق ہے۔

پس امورِ مباح میں جو تفکّر اور وسوسہ پیدا ہوتا ہے اُس پر

کوئی گناہ مترتب نہیں ہوتا اور امورِ غیر مشروعہ میں اگر بے اختیاری کے ساتھ کوئی خیال دل میں گزر جائے تو وہ بھی قابلِ مواخذہ نہیں۔ اس لیے کہ وہ امر جو حیطۂ اقتدار سے خارج ہو اس کی تکلیف دینا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر بالقصد ایسا کرے، اور دل میں اس کے بجالانے کا مصمم ارادہ کرلے، یا یہ کہ تاسف کرے کہ فلاں معصیت جس پر مجھے قدرت حاصل تھی کیوں نہ بجالایا؟ تو ایسا شخص عاصی اور گناہ گار اور مستحقِ عذاب ہے۔

اگرچہ اس فعل کو کسی اتفاقی ممانعت کے سبب سے بجا نہ لایا ہو۔ ہاں اگر خوفِ خدا سے ترک کردے تو اُس سے مواخذہ نہ ہوگا۔ بلکہ مستحقِ ثواب ہو جائے گا اور اس کے لیے نیکی لکھی جائے گی، اور اگر کسی ایسے فعلِ غیر مشروع کا تصور کرے جس کے کرلے کا قطعاً ارادہ نہیں رکھتا۔ بلکہ بعض اوقات یہ بھی جانتا ہے کہ وہ اس کام کا مستحق نہ ہوگا۔ مثلاً :

خیالِ سلطنت و نہب و غارت وغیرہ۔

تو ظاہر یہ ہے کہ اس میں بھی معصیت نہیں۔

یہ تفصیل ان آیات و اخبارِ مختلفہ کو جمع کرنے سے حاصل ہوئی ہے جو خصوصاً قصدِ معصیت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔

فصل ۴

معالجۂ وساوس و امراضِ نفسانیہ

جب اس صفتِ مہلکہ کی مضرت معلوم ہو چکی اور جان لیا کہ یہ اعظم مہلکات و سببِ بدبختی و وبال و نکال ہے تو اب اس کا معالجہ کرنا اور اس کے پنجہ سے رہا ہونا لازم ہے۔ اگر کسی گناہ کا وسوسہ اور اس کا قصد ہو تو خاتمۂ امور و عاقبتِ عصیاں دنیا و آخرت میں غور کیجیے۔ حقوقِ پروردگار کو یاد کیجیے نتیجۂ اعمال کے ثواب و عقائد کو دیکھیے اور غور کیجیے کہ وسوسۂ ابلیس سے اپنی رہائی اور صبر کرنا زیادہ آسان ہے۔ بہ نسبت عذابِ الٰہی اور اس کی آگ میں جلنے کے کہ اگر اس کی چنگاری زمین پر گرے تو تمام دنیا کو ایسی جلائے گی کہ نباتات و جمادات کا کوئی نشان باقی نہیں رہے گا۔ جب ان امور کو پیشِ نظر رکھے اور نورِ معرفت و ایمان سے اس کی حقیقت پر یقین کرے تو ممکن ہے کہ شیطان ہاتھ اٹھالے اور پھر وسوسہ نہ ہو۔ مگر صرف اسی طرح معالجہ نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ ذکر و فکر و مجاہدۂ ترکِ شہوات و ہوائے نفسانیہ سے اس کا معالجہ کرنا چاہیے اور اگر وہ خیالات باعثِ گناہ اور قصدِ گناہ نہ ہوں بلکہ فکرِ ردیہ و آمانی کاذبہ یعنی بغیر قصد فعل ہوں اور بے اختیاری سے دل میں گزرے ہوں تو اس سے پوری طرح خلاصی نہایت مشکل ہے۔ بلکہ اطبائے نفوس نے اقرار کیا ہے کہ یہ بیماری سخت ہے،

اور اس کا دفعیہ بالکلیہ دشوار ہے۔ بلکہ بعض نے اس کو متعذر قرار دیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس کا بالکلیہ دفعیہ مشکل ہے لیکن ممکن ضرور ہے۔ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے :

" جو شخص دو رکعت نماز پڑھے تو خواطر نفسانیہ اُس کے دل میں نہیں گزریں گے۔ اس کے گناہانِ گزشتہ وآئندہ بخشے جائیں گے۔"

اس معالجہ کی صعوبت کا سبب یہ ہے کہ حسبِ ارشاداتِ نبویہ :

" ہر شخص کے لیے ایک شیطان ہے۔"

چونکہ شیطان صرف آگ سے خلق کیا گیا ہے۔ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی ساکن نہیں ہوتا۔ بلکہ ہمیشہ اس کا شعلہ تیز اور متحرک رہتا ہے اور یہ بھی آپ معلوم کر چکے ہیں کہ قوۂ واہمہ وغضبیہ وشہویّہ کا بھی غالب مادہ آگ ہے اس لیے اُن میں اور شیطان میں قرابت پائی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے شیطان کو اُن پر تسلّط حاصل ہے۔

یہ تینوں قویٰ اس کی متابعت و پیروی پر مائل ہیں اور بوجہ آتش مزاجی کے یہ تینوں قوتیں بھی ہمیشہ ہیجان و حرکت میں رہتی ہیں۔ اگرچہ ان کی حرکت اس سبب سے کہ بغیر آگ کے بھی خلق ہوئی ہیں۔ شیطان سے کمتر ہے۔ جیساکہ حرکتِ شہویّہ غضبیّہ سے اور غضبیّہ واہمہ سے کمتر ہے۔

پس شیطان بنی آدم کی رگوں میں ہمیشہ متحرک رہتا ہے اور اُن قوتوں کو وسوسہ سے حرکت میں لاتا ہے اور وہ ان شرارتوں سے باز نہیں رہ سکتا جب تک کہ آدمی کا مطیع و فرماں بردار نہ ہو اور انسان کی اطاعت یہ ملعون کیوں کرے گا۔ درآں حالیکہ ابوالبشر کے سامنے سجدہ کرنے سے اس نے انکار کیا۔ خدا کے سامنے کلماتِ تکبّر و غرور زبان سے نکالے اور

قسم کھا کر کہا کہ :

"مَیں ضرور بنی آدم کو گمراہ کروں گا۔"

ایسی حالت میں یہ اغوا سے کیونکر دست بردار ہو سکتا ہے۔ مگر ہاں وُہ لوگ جو علائقِ دنیا کو قطع کر چکے ہیں۔ ان کا دل نورِ الٰہی کا مسکن ہے۔ اُن پر اس کا دستِ تصرف دراز نہیں ہو سکتا۔ جس کا خود اس ملعون نے اقرار کیا ہے :

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ

"میں تیرے خالص بندوں کے سوا سب کو بہکاؤں گا۔"

پس ایسے دشمن کی طرف سے مطمئن نہ رہنا چاہیئے۔ بلکہ یہ مانندِ خون انسان کے بدن میں جاری و ساری ہے۔ وہ اس طرح حاوی ہے جیسے پیالے پر ہوا۔ اگر ہم پیالے کو ہوا سے خالی کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ اس کو دوسری چیز سے نہ بھر دیا جائے۔ بلکہ جس قدر پانی سے بھرا جائے اسی قدر ہوا سے خالی ہوتا ہے۔

پس دل کا بھی پیالہ ایسا ہی ہے۔ اگر اس کو خدا کی یاد میں مشغول کر دیں اور امورِ دین کی کوئی فکر کریں تو ممکن ہے کہ شیطان کی آمد و شد کم ہو ورنہ جس وقت یادِ خدا سے دل غافل ہوتا ہے۔ اسی وقت شیطان اپنے وسوسہ کے ساتھ اُس میں داخل ہوتا ہے۔ چنانچہ خداوندِ متعال نے کتابِ کرم میں اس کی تصریح فرمائی ہے کہ :

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ

شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۔

یعنی : " جو کوئی خداوندِ رحمان کی یاد سے باز رہتا ہے تو ہم شیطان کو متوجہ کرتے ہیں کہ اس کا ہمنشین ہو۔"

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا :

اِنَّ اللّٰہَ یَبْغُضُ الشَّابَّ الْفَارِغَ ۔

یعنی : " خدا دشمن رکھتا ہے اُس جوان کو جو بیکار رہے۔"

کیونکہ جو کوئی کسی عملِ مباح میں مشغول نہ ہو تو لامحالہ شیطان فرصت پاکر اس کے خانۂ دل میں داخل ہوتا ہے۔ اس میں مسکن بناتا ہے۔ ینی پیدائش وافزائش کرتا ہے۔ ایک نسل سے اتنی نسلیں پیدا ہوتی ہیں جن کی انتہا نہیں ہے۔

پس دفعِ وسوسۂ شیطانیہ وخواطرِ نفسانیہ کا کوئی علاج نہیں ہے۔ مگر یہ کہ تمام علائقِ ظاہریہ وباطنیہ سے قطع تعلق کریں۔ جاہ ومال اور ل وعیال کو ترک کریں یار ورفیق و دوست سے بھاگیں۔ گوشۂ تنہائی میں بیٹھیں۔ آشنا وبیگانہ سے دوری اختیار کریں اور صرف یہی نہیں، بلکہ تاوقتیکہ آدمی کو بصیرت حاصل نہ ہو۔ آثارِ عجائبِ رب العالمین میں تفکر کرے۔ ملکوتِ آسمان وزمین کی سیرِ باطنی نہیں کرسکتا اور جس کو یہ بصیرت وقوت حاصل نہ ہو تو اس کو چاہیئے کہ بعد قطعِ علائق ، اور گوشہ نشینی کے ذکر ومناجاتِ پروردگار اور نماز و دعا اور عبادت و تلاوتِ قرآن میں حضورِ قلب سے اپنے کو مشغول رکھے۔ کیوں کہ ذکرِ ظاہری بغیر حضورِ قلب کے دل میں اثر نہیں کرتا۔

اس بیان سے ظاہر ہوا کہ علاج وسوسہ اور خواطر کا گو ممکن ہے

مگر ایک دم اُن تین امور کو جو ذیل میں درج ہیں جب تک بجا نہ لائیں۔ اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا۔

پہلا امر یہ کہ :

شیطان کے بڑے راستے جو صفاتِ ذمیمہ و ملکاتِ رذیلہ ہیں بند کر دے۔ مثلاً شہوت، غضب، حرص، حسد، عداوت، عجب، کبر، طمع، بخل، بُزدلی، محبت دنیائے دنی، بیمِ فقر و فاقہ۔ ان میں سے ہر ایک شیطان کا راستہ ہے۔ جب اس کو کھلا ہوا دیکھتا ہے تو دل میں داخل ہوتا ہے۔ اُسے وسوسہ میں مشغول کرتا ہے اور جب اُن کو بند کیا جائے تو اُسے کوئی راستہ نہ ملے گا۔ مگر کبھی کبھی بطورِ سیر و تفریح کے پوشیدہ راستوں سے داخل ہوگا۔

دُوسرا امر یہ کہ :

اخلاقِ فاضلہ اور اوصافِ شریفہ و زہد و تقویٰ اور عبادت کی عادت کرنے سے فرشتوں کے آنے کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ جو صفاتِ مذکورۂ بالا کی ضد ہے۔

تیسرا امر یہ کہ :

دل و زبان سے خداوندِ منّان کے ذکر میں شیطان کے دروازے بند کر کے مشغول رہنا۔ اگرچہ تصرّفِ ظاہر یہ سے مملکتِ دل کی حفاظت ہوتی ہے۔ مگر یہ ملعون پوشیدہ راستوں سے کبھی کبھی بطورِ سیر و تفریح گزر کرتا ہے۔ جب تک یادِ خدا سے اس کو دفع نہ کریں تو ممکن ہے کہ آہستہ آہستہ اپنے لیے کوئی راستہ وسیع پیدا کر لے۔ اور گوشۂ دل کو اپنا مسکن قرار دے۔ اور اگرچہ دل کو ذکرِ خدا میں قائم رکھنا دفعِ خواطر اور وسوسہ

کے لیے مجرّب ہے۔ لیکن جب تک شیطان کا راستہ بند نہ ہُوا ہو۔ اخلاقِ ذمیمہ اور علائقِ دنیویّہ کو دفع نہ کیا ہو تو اُس قدر فائدہ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ یادِ خدا سے جتنا کچھ زائل ہوتا ہے، اُس سے زیادہ داخل ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال اُس حوض کی سی ہے جس میں ایک بڑی نہر سے بدبودار پانی آتا ہو اور ایک پیالے سے اس کا پانی باہر نکالیں۔ اب جس قدر پانی نکلے گا اس سے زیادہ پانی نہر سے آئے گا۔ یہاں تک کہ وہ بدبودار پانی حوض کو پُر کر دے گا۔

شیطان کی مثال سگِ گرسنہ کی سی ہے۔ صفاتِ ذمیمہ غذا کے مانند ہیں اور ذکرِ خدا سے اس کتّے کو دُور کیا جاتا ہے لیکن جب تک غذا باقی ہے یہ ملعون برابر تاک میں رہے گا۔ ہاتھ سے یا زبان سے ہانک دو گے تو دو قدم پیچھے ہٹے گا، پھر واپس چلا آئے گا۔ اسی طرح شیطان کی مثال مرض کی سی ہے۔ صفاتِ ذمیمہ اخلاطِ فاسدہ کے مانند ہیں۔ اور ذکرِ خدا غذائے مقوی کا حکم رکھتا ہے۔ لیکن یہ غذائے مقوی اُسی حالت میں نفع بخش ہوگی جب کہ بدن اخلاطِ فاسدہ سے پاک ہو۔

اگر دل ہوا و ہوس سے پاک اور انوارِ زہد و تقویٰ سے نورانی نہ ہو تو ذکرِ خدا ہنگامی ہے۔

جیسا کہ خدا فرماتا ہے :

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طَآئِفٌ مِّنَ الشَّیْطَانِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا ھُمْ مُّبْصِرُوْنَ۔

یعنی : " جو لوگ متقی و پرہیز گار ہیں۔ ان کو جس وقت شیطان کا وسوسہ ہوتا ہے تو خدا کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اُس کے ذریعہ سے دیدۂ بصیرت بینا ہوتا ہے۔ وسوسہ سے نجات حاصل ہوتی ہے۔"

واضح ہو کہ دفعِ وسوسۂ شیطانیہ و مانعِ خواطرِ نفسانیہ وُہ ذکر ہے۔ جو دل سے کیا جائے۔ دل کو یادِ خدا و تذکرۂ قدرت و عظمت و تقدیس و جلال و جمال میں مشغول کریں۔ اس کے صنع و عجائب مخلوقاتِ آسمان و زمین اور باقی امورِ متعلقۂ دین میں تفکّر کریں۔ اور جب کہ اس کے ساتھ ذکرِ زبانی بھی شامل ہو تو دفعِ شیطان کے لیے اُس کا پُورا فائدہ ہے اور محض ذکرِ زبانی اگرچہ ثواب سے خالی نہیں۔ لیکن لشکرِ شیطان کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور اس کے وساوس دفع نہیں ہوسکتے۔ اگر وسوسۂ شیطان ذکرِ زبانی سے دفع ہوجاتا تو ہر شخص کی نماز حضورِ قلب سے ادا ہوتی۔ اور خیالاتِ فاسدہ و وسوسۂ باطلہ اس کے دل میں نہ آتے۔ کیوں کہ ہر ذکر اور عبادت کی انتہا نماز ہے۔ مگر ہر شخص کو افکارِ ردیہ حالتِ نماز میں ہی زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ بلکہ فضولیات کا خیال نماز میں ہی آتا ہے۔ اکثر جو چیز بھول گئی ہے نماز میں یاد آتی ہے۔

اس کا راز یہ ہے کہ نماز وہ عبادت ہے جو سب عبادتوں سے بالاتر ہے اور سجدہ پر مشتمل ہے۔ اسی سجدہ کے ترک کرنے سے شیطان مردُود ہُوا ہے۔

پس اُسے دیکھ کر شیطان کی عداوت جوش میں آتی ہے۔ اس کا لشکر دل کے اطراف کو گھیر لیتا ہے۔ طرح طرح کے خیالات کا القا کرتا ہے

کہ مبادا اس کا سجدہ قبول نہ ہو جائے، جو میرے لیے موجبِ لعن ہوا ہے۔

اقسامِ ذکرِ خدا

واضح ہو کہ ذکرِ زبانی بے نتیجہ نہیں ہے کہ ذکر کرنے والے کے لیے کوئی اثر نہ رکھتا ہو۔ بلکہ اس سے بھی ثواب حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ اہلِ ذکر نے کہا ہے کہ :

"ذکر کے حسبِ مندرجہ ذیل چار مرتبے ہیں۔ وہ سب نفع دینے والے ہیں۔ گو مقدار نفع کی مختلف ہے۔"

۱ : ذکرِ محض زبانی۔

۲ : ذکرِ زبانی و قلبی۔ جو دل میں پوری طرح قرار نہ پکڑا ہو۔ بلکہ التفاتِ ذاکر پر اس کا قرار موقوف ہو۔ جب دل کو اس کے حال پر چھوڑ دیں تو ذکرِ خدا سے غافل اور وسوسہ پر مائل ہوتا ہو۔

۳ : ذکرِ قلبی۔ جو دل میں قرار پکڑا ہوا ور اُس پر غالب ہوا ہو۔ مثلاً : دل صرف ذاکر کے التفات کا محتاج نہ ہو۔ بلکہ جب اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو بھی خدا کے ذکر میں مشغول ہو۔

۴ : ذکرِ قلبی :

کہ سوائے خدا کے اور کچھ دل میں نہ ہو۔ بلکہ اُس ذکر سے بھی جو کر رہا ہے غافل ہو۔

اس مرتبہ والا ذکر کو حجابِ مطلوبِ مقصود جانتا ہے۔ یہ مرتبہ مقصود و مطلوبِ حقیقی ہے اور باقی مراتب بالعرض مطلوب ہیں۔

فائدہ دفع وساوس

اگرچہ ابوابِ خواطر کا بند کرنا اور وسوسہ کا دفع کرنا نہایت مشکل ہے۔ لیکن اس کا مرتبہ بہت بڑا ہے۔ یہی مفتاحِ خزانۂ سعادت و بابِ مرادات ہے۔ کیونکہ دل ایک ظرف کے مانند ہے۔ اس کا خالی رہنا مشکل ہے۔ لامحالہ جب وہ فکرِ فاسد سے خالی ہوگا تو محلِ ذکرِ خدا و لشکرِ ملک ہو جائے گا۔ اس کو یادِ خدا کی ہمیشہ محبت ہوگی۔ اس کے ذریعہ سے مرتبۂ شوقِ لقا و محبت پیدا ہوگا۔ دروازے معرفت کے کھولے جائیں گے۔ فیوضات اس عالم کے نازل ہوں گے۔ ظلماتِ شکوک و وہم سے انسان باہر آئے گا۔ اس وقت نفس کو مرتبۂ اطمینان عقائد و معرفت میں حاصل ہوتا ہے۔

جیسا کہ خداوندِ عالم نے فرمایا ہے :

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔

"یادِ خدا سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔"

لیکن ایسا اطمینان نفس کی خواطر و وسوسہ سے خلاصی پر۔ صفاتِ رذائل کے تخلیہ پر۔ شرائفِ ملکات سے متصف ہونے پر اور ذکرِ خدا کی عادت کرنے پر موقوف ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اوصافِ مذکور کے حاصل ہونے پر ہمیشگی ذکر سے نفس کو ایک طرح کی صفائی و خوشی حاصل ہوتی ہے۔ قوۂ عاقلہ کو ایک قسم کی تقویت پہنچتی ہے جس سے وہ تمام قوتوں پر مستولی و غالب ہو جاتی ہے۔ ان کی کشمکش اس پر اثر نہیں کرتی۔ قوۂ واہمہ و متخیلہ کی باگ اس طرح ہاتھ

میں لیتی ہے کہ بغیر امر ونہی قوۃ عاقلہ کے اُن کے لیے کوئی تصرّف ممکن نہ ہو جب یہ حالت ثابت ہوگئی اور ملکہ حاصل ہُوا تو ان دو قوتوں کو عاقلہ کی اطاعت اور فرماں برداری کا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے۔ ہرزہ گردی و پریشانی سے باز رہتی ہیں سوائے خواطرِ نیک کے خزانۂ غیب سے اور کچھ اُس کے دل میں نہیں گزرتا۔ نفس قوتِ عاقلہ کا مطیع ہوتا ہے۔ نزاعِ شیاطین برطرف ہوتی ہے بلکہ شیطان کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور لشکرِ ملک بغیر نزاع کے اُس میں قائم ہوتا ہے۔ نفس مقامِ اطمینان میں قرار لیتا ہے یا یُوں سمجھیے کہ یادِ خدا سے جب نفس کو اطمینان ہو گیا تو وسوسوں کا سدِ باب ہو جاتا ہے۔

اُس وقت یہ لازم ہے کہ روشنی عالمِ قدس کی دل میں پرتو ڈالے۔ روشنیاں انوارِ الٰہیہ کی طاقِ ربوبیت سے اُس پر چمکیں۔ علمِ معرفت میں بھی اطمینان حاصل ہو۔ خطاب :

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۔

کا مستحق ہو۔ یعنی :

"اے نفسِ مطمئنہ جیسا کہ عالمِ قدس سے اس عالم میں ابتداءً آیا ہے ویسا ہی پروردگار کی طرف راضی و خوشنود واپس جا۔"

برخلاف اس کے وہ نفس جو صفاتِ خبیثہ سے مملو و اخلاقِ رذیلہ سے ملوّث ہے۔ اُس میں ملائکہ کے راستے مسدُود اور شیاطین کے دروازے کھُلے ہُوئے ہوتے ہیں۔ لشکرِ شیطان اُس جگہ مسکن بناتا ہے۔ وہاں

سے سیاہ دُھواں اُٹھتا ہے جو دل کو اطراف و جوانب سے گھیر لیتا ہے۔ اُس سے نُورِ یقین نابُود اور چراغِ ایمان خاموش ہوتا ہے۔ نیکی کا اُسے خیال بھی نہیں آتا بلکہ ہمیشہ وسوسۂ شیاطین میں گرفتار رہتا ہے۔ اگر وہ کبھی نیکی کی فکر بھی کرے تو غور سے دیکھنے پر معلوم ہوگا کہ اُس میں بھی شیطنت بھری ہوئی ہے ایسے قلب سے نیکی کی اُمید نہیں۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اس پر وعظ و نصیحت کا اثر نہیں ہوتا۔ نیک بات اُس کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کا دیدۂ بصیرت اندھا اُس کا گوشِ ہوش بہرا ہوتا ہے بلکہ اکثر ایسے لوگ پند و نصیحت و وعظ کو فضول سمجھتے ہیں۔ آیاتِ متعددہ میں خدائے تعالیٰ نے اس نفس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہوا ہے:

اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوَاهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا۔

خلاصہ معنی یہ کہ:

"حضرتِ رسُولؐ سے خطاب فرماتا ہے کہ جس نے اپنے ہوا و ہوس کو خدا قرار دیا یعنی اس کی اطاعت کی آیا تم اس کو اصلاح پر لا سکتے ہو۔ اس کے فساد کو دفع کر سکتے ہو؟

پھر فرماتا ہے:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ۔

یعنی : "خدائے تعالیٰ نے پردۂ غفلت کو اُن کے دل اور گوش و چشم پر مضبوط کیا ہے۔ پس وہ حق کو نہیں سمجھتے۔ نہیں سُنتے، نہیں دیکھتے۔"

دُوسری جگہ فرماتا ہے :

اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا۔

یعنی : "ایسے لوگ چارپایوں کے مانند ہیں بلکہ بہت زیادہ گمراہ ہیں۔"

دوسرے مقام پر فرماتا ہے :

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔

خلاصۂ معنی یہ ہے کہ :

"تیری نصیحت و تہدید اُن کو فائدہ نہیں دیتی خواہ تُو اُن کو ڈرائے یا نہ ڈرائے۔ دونوں حالتیں مساوی ہیں۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔"

ان دو نفسوں کے علاوہ ایک اور نفس ہے جو نہ سعادت میں اوّل کے مانند ہے اور نہ شقاوت میں دوسرے کے مثل بلکہ ان دونوں کے درمیان متوسط ہے۔ وہ مراتب مختلف رکھتا ہے۔ اُس کا بیان طویل ہے اکثر عام مسلمانوں کے نفوس اسی قسم کے ہیں۔

فصل ۵

شرافتِ افکارِ حسنہ و خواطرِ محمودہ اور اُن کے اقسام

واضح ہو کہ وسوسہ و خواطرِ ردّیہ کے مقابل وہ خواطرِ نیک و افکارِ حسنہ ہیں جو شرعاً یا عقلاً نیک ہوں۔ وہ چھ قسم پر ہیں۔ اس لیے کہ خیالاتِ حسنہ یا تو کسی فعلِ حَسَن کا مبدأ ہوں گے اور انسان کو کسی نیک کام پر آمادہ کریں گے اور یا اُن کا تعلق افعال سے نہ ہوگا۔ یہ آخری صُورت پانچ قسموں پر منقسم ہوتی ہے:-

١ - ذکرِ قلبی و یادِ خدا۔

٢ - مسائلِ علمیّہ و معارفِ حقّانیہ مثل مبدٔ و معاد و احکام و اوامر و نواہی و اعمالِ عباد و صفات و اخلاق و کیفیتِ حشر و نشر وغیرہ میں تفکّر کرنا۔

٣ - دنیا کی بے وفائی کو پیشِ نظر رکھنا اور حالاتِ گزشتگان سے عبرت حاصل کرنا۔

۴ - عجائبِ صنعِ پروردگار و آثارِ قدرتِ کاملہ میں غور و فکر کرنا۔

۵ - جو اعمال و افعال اُس سے سرزد ہُوئے ہوں اور جن کے سبب سے رحمتِ خدا سے نزدیک یا دُور ہُوا ہو اُن میں تدبّر کرنا اور شُکر یا توبہ سے کام لینا۔

افکارِ حسنہ کے یہ اقسام جو بیان ہوئے ان کے سوائے اور کوئی فکر فکرِ محمود نہیں کہلا سکتی۔ کیونکہ ان کے علاوہ جتنے افکار ہوں گے سب دُنیا کے متعلق ہوں گے اور افکارِ متعلق دُنیا سے سوائے اس کے کہ قلب مُردہ ہو اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

واضح ہو کہ شرافت قسمِ اول یعنی قصدِ افعالِ حسنہ کی تفصیل بابِ نیت میں کی جائے گی۔ قسمِ دوم یعنی ذکرِ قلبی کی فضیلت کا بیان اُسی کے باب میں کیا جائے گا۔ قسمِ سوم یعنی تدبر مسائل و معارف کا ذکر بیان علم میں ہو چکا۔ قسم چہارم کا بیان طولِ امل اور مذمتِ دنیا و بیانِ موت کے باب میں کیا جائے گا اس مقام پر صنائعِ الٰہی میں تفکر اور خود اپنے اعمال پر غور کرنے کے متعلق تحریر کیا جاتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ صنائعِ الٰہی میں غور کرنا ایک ایسا امر ہے کہ جس کی شرافت ہر شخص پر ظاہر ہے۔ اس لیے کہ تفکر اُسے کہتے ہیں کہ انسان حالاتِ آفاقیہ و انفسیہ کی سیر کرے۔ اُنھیں دیکھ کر خالقِ کائنات کو پہچانے۔ اس کی عظمتِ کاملہ کو معلوم کرے۔ خلقتِ انسان سے یہی مقصود ہے اور اسی سے انسان کو کمالِ ترقی میسر آ سکتا ہے۔ یہ خزائنِ اسرارِ الٰہیہ کی کلید ہے۔ مشکوٰۃِ انوارِ قدسیہ ہے۔ اسی کے سبب سے گوشِ ہوش شنوا اور دیدۂ عبرت بینا ہوتے ہیں۔ یہ ایک دام ہے کہ معارفِ حقہ کو بجز اُس کے ذریعہ کے صید نہیں کر سکتے۔ یہ ایک کمند ہے کہ حقیقتِ یقین کو بغیر اُس کی مدد کے قید نہیں کر سکتے۔ مرغِ دل کا آشیانۂ قدس کی طرف پرواز کرنا سوائے اس بال و پر کے میسر نہیں اور روح کا وطنِ حقیقی کی طرف بغیر اُس مرکب کے گزر نہیں۔ ظلمتِ نادانی زائل اور نورِ علم اُسی سے حاصل۔ اسی وجہ سے

آیات و اخبار اُس کی بزرگی میں وارد ہوئے ہیں۔

چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے :

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِم مَّا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ ۔

یعنی : کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ خدا نے زمین و آسمان کو اور جو کچھ ان میں ہے اس کو سراسر حق پیدا کیا ہے۔ بیکار اور فضول نہیں پیدا کیا۔"

پھر فرماتا ہے :

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ ۔

یعنی : " اے دیکھنے والو عبرت حاصل کرو۔"

پھر فرماتا ہے :

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۔

یعنی : " بہ تحقیق کہ آسمان اور زمینوں کے خلق کرنے میں جو علامات قدرتِ کاملہ خالق کے ہیں اُن کو صاحبانِ ہوش و عقل جانتے ہیں۔"

دوسری جگہ فرماتا ہے :

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي

خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

یعنی : "جو لوگ کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے، لیٹے ہوئے، خدا کا ذکر کرتے ہیں۔ آسمانوں اور زمینوں کی خلقت میں فکر کرتے ہیں۔"

حضرت رسول صلعم سے مروی ہے کہ صاحب بصیرت قلب کی زندگی تفکر سے وابستہ ہے۔

نیز انھیں حضرت سے روایت ہے کہ :

"ایک ساعت فکر کرنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔"

اور اس مرتبۂ تفکر پر وہی فائز ہوتا ہے جو توحید و معرفتِ الٰہی سے مخصوص ہو چکا ہو۔ پھر اُس جناب سے مروی ہے کہ :

"خدا اور اس کی قدرت میں فکر کرنا بہترین عبادت ہے۔"

خدا میں فکر کرنے سے اُس کی عجائب صنائع میں فکر کرنا مراد ہے۔ نہ اس کی ذاتِ مقدس میں۔ کیونکہ ذات میں فکر کرنا ممنوع ہے۔ چنانچہ ذکر کیا جائے گا۔

سید اولیاءؑ سے مروی ہے کہ :

"آدمی کو اس فکر سے نیکی کی اور اُس پر عمل کرنے کی خواہش ہوتی ہے۔"

دوسری حدیث میں فرماتے ہیں کہ :

"فکر سے اپنے دل کو آگاہ کرو۔"

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ :

"جولانی فکر سے نفع بخش رائے حاصل ہوتی ہے۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلامؑ سے روایت ہے کہ :

"فکر نیکیوں کا آئینہ، گناہوں کا کفارہ۔ دلوں کی روشنی اور دین کی وسعت ہے۔ اس سے امورِ عقبیٰ بطرزِ احسن انجام پاتے ہیں۔ انجام امور پر اطلاع اور علم میں زیادتی ہوتی ہے۔ یہ ایک خصلت ہے کہ اس کے مثل کوئی عبادت نہیں۔"

حضرت امام رضا علیہ السّلام سے مروی ہے کہ:

"نماز اور روزہ کی زیادتی عبادت نہیں، بلکہ امرِ پروردگار میں تفکر کرنا عبادت ہے۔"

عجائبِ صنعِ پروردگار میں فکر کرنے کی فضیلت

واضح ہو کہ موجودات میں سے ہر وجود میں عجائبِ صنعِ پروردگار اور مخلوقات میں سے ہر مخلوق میں فکر و اندیشہ کے ساتھ غرائبِ قدرتِ آفریدگار کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اقلیمِ وجود میں سوائے ذاتِ پاکِ آفریدگار کے جو کچھ پایا جاتا ہے، اُسی کے رشحاتِ وجود میں سے ایک رشحہ ہے اور اُسی دریائے فیضِ وجودِ بے پایاں کا ایک قطرہ۔ اگر بلندئ عالمِ ملائکہ سے منزلِ مادیات کی پستی تک سیر کریں تو بجز اُس کی صنعت کے کچھ نظر نہیں آتا۔ اگر آسمان سے زمین تک نظر اٹھائیں تو بغیر آثارِ قدرتِ کاملہ کے کچھ پایا نہیں جاتا۔ مجردات و مادیات اُسی کی صنعت عجیبہ ہیں۔ زمین، فلک، عنصر، مرکبات اُسی کے کمالات غریبہ ہیں۔ ذراتِ عالم

میں سے کوئی ذرہ نہیں ہے۔ جس میں عجائبِ حکمت و غرائبِ عظمتِ پروردگار نہ ہو۔ اگر تمام علما و حکماء عالم پیدائش سے قیامت تک ان کو معلوم کرنے کی کوشش کریں تو دس حصّہ میں سے کم از کم ایک حصّہ بھی نہیں پا سکتے۔ پھر کیونکر تمام موجُودات کے آثارِ قدرتِ کاملہ کو دل میں لا سکتے ہیں۔ جو موجُوداتِ عدم سے وجُود میں آئے ہیں۔ اُن میں بہت سے ایسے ہیں جن کو ہم نہیں پہچان سکتے، نہ اُن کو اجمالاً یا تفصیلاً جان سکتے ہیں، نہ اُن کا نام سُنا ہے، نہ اُن کی علامت معلوم ہے۔ ہمارا دستِ تصرّفِ وہم اُن سے کوتاہ ہے، نہ قدمِ اندیشہ کو وہاں تک راہ ہے۔ پس اُن میں فکر کرنا اور اُن کے عجائب و غرائب کا پانا ممکن نہیں ہے۔ بلکہ ہماری فکر اُنھیں پر منحصر ہے جن کے وجُود کو مجملاً ہم جانتے ہیں۔ اُن کی اصل کو پہچانتے ہیں۔ اُن کی دو قسمیں ہیں :

پہلی قسم وہ ہے جو دکھیی نہیں جاتی اور چھُونے میں نہیں آتی۔ اُن کو عالمِ ملکوت کہتے ہیں۔ مثلاً عالمِ عقول و نفوس و ملائکہ و جن و شیاطین۔ ان کی بے شمار قسمیں ہیں۔ سوائے خالق کے کوئی اُن کو نہ جان سکتا ہے، نہ پہچان سکتا ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جو مشاہدہ و محسوس ہوتی ہے۔ اس کے تین طبقے ہیں :۔

پہلا وہ جو عالمِ افلاک پر نظر آتے ہیں وہ ثوابت و سیار ہیں، جن کی گردشیں لیل و نہار ہیں۔

دوسرا زمین پر مثلاً کوہ، بیاباں، دریا، صحرا، نہر، اشجار، نباتات، حیوانات، جمادات۔

تیسرا عالمِ ہوا میں۔ مثلاً رعد، برق، برف، باران، باد، ابر، صاعقہ وغیرہ۔

ان میں سے ہر ایک کے بے شمار انواع و اصناف ہیں اور ہر ایک کے لیے ایک صفت و اثر و ہیئتِ خاص ہے۔ اُس کی خاصیتِ ظاہری و باطنی اور حرکت و سکون بر بنائے حکمت و مصلحت ہے اور سوائے خداوندِ دانا کے اور کوئی اُس کی حقیقت تک رسائی نہیں پا سکتا۔ ان میں سے ہر شئے محلِ تفکر ہے اور دیدۂ بصیرت و معرفت کے لیے روشنی بخش۔ کیونکہ یہ سب کے سب وحدانیتِ حکمت و کمالِ قدرت و عظمتِ خالق پر متفق اور گواہانِ عادل و صادق ہیں۔ ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقی دفتریست معرفتِ کردگار

جب کوئی دیدۂ بصیرت رکھتا ہو۔ قدمِ حقیقت سے عالمِ وجود میں متلاشی ہو تو اُس پر خداوندِ عالم کی قدرت ظاہر ہوتی ہے۔ ہر ذرہ مخلوقات میں عجائبِ حکمت و آثارِ قدرت اس قدر نظر آتے ہیں کہ اُس کی سمجھ حیران اور عقل دیوانی و سرگردان رہتی ہے اور کوئی شبہ نہیں ہے کہ طبقاتِ عوالم پروردگار شرافت و وسعت میں باہم متفاوت ہیں جو طبقہ کہ حالتِ پستی میں ہے۔ اُسے مافوق سے کوئی نسبت نہیں۔ پس عالمِ خاک کہ پست ترین عوالم خداوندِ پاک ہے۔ اُس کے لیے بمقابلۂ عالمِ ہوا کچھ قدر نہیں ہے۔ اور عالمِ ہوا کی بلحاظِ قیاسِ عالمِ سمٰوات کوئی حقیقت نہیں۔ اسی طرح عالمِ سمٰوات کو عالمِ مثال سے اور عالمِ مثال کو عالمِ ملکوت سے اور عالمِ ملکوت کو عالمِ جبروت سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ اسی طرح موجوداتِ ارضیہ اہلِ زمین کے سامنے ہیچ ہیں۔ الغرض اُن میں سے ہر ایک عالم کے متعلق افراد و انواع بے شمار ہیں اور ان کے عجائب کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔

علماء و حکماء نے عجائبِ صنائع و غرائبِ بدائع کے بیان میں دفتر کے دفتر لکھے ہیں۔ لیکن حقائق کا ایک شمّہ بھی ادا نہ ہو سکا۔ ہم اس جگہ حیوانات ضعیف میں سے پشّہ (مچھر) و زنبور کے عجائبات کا ذکر کرتے ہیں اور اشرفِ حیوانات میں عجائباتِ انسانیہ کی طرف کسی قدر اشارہ کیا جاتا ہے۔ اہلِ صاحب فہم انھیں پر قیاس اور دیگر عوالم کی نسبت اپنی رائے قائم کر سکتا ہے۔

عجائبِ خلقت پشّہ

مچھر میں غور کیجیے کہ وہ باوجود چھوٹا سا جسم رکھنے کے ہاتھی کی صورت پر خلق ہوا ہے جو تمام حیوانات سے بڑا ہے۔ اس کو ایک سونڈ ہاتھی کی سونڈ کے مثل عطا ہوئی ہے وہ تمام اعضاء جو ہاتھی کو ملے ہیں وہی اس کو بھی۔ اور اس کے دو پر اور دو شاخ ہاتھی سے زیادہ ہیں۔ اس جثّہ ضعیف پر تمام اعضائے ظاہری و باطنی اس کے لیے موجود ہیں۔ دو ہاتھ، دو پاؤں، دو آنکھیں، دو کان، سر، شکم، معدہ وغیرہ۔ نیز وہ تمام قوتیں جو بدن کی محافظ ہیں یعنی غاذیہ و جاذبہ و دافعہ و ماسکہ و ہاضمہ و نامیہ اس کو عطا ہوئی ہیں۔ پھر خونِ حیوانات کو اس کی غذا مقرر فرمایا۔ اس کو دو پر دیے کہ غذا کے لیے پرواز کرے۔ ایک سونڈ بھی عطا کی جس سے خون کھینچے۔ اس کی سونڈ کو باوجود نہایت باریک ہونے کے کھوکھلی بنایا کہ اس کے ذریعہ سے خونِ صاف دریں کھینچے۔ اپنی سونڈ کو حیوان کے جسم میں لے جائے اور خون چوسنے کا طریقہ سکھایا۔ انسان کی دشمنی سے مطلع کیا کہ جب انسان اپنے ہاتھ کو حرکت دے اور اس کا قصد کرے تو بھاگ جائے۔ اسے ایسی سماعت عطا کی کہ ہاتھ کی آواز کو دور سے سنتا ہے اور بھاگ جاتا ہے۔ پھر جب ہاتھ ٹھہرا دیا جائے تو

واپس آجاتا ہے۔ اُس کو دو آنکھیں کرامت فرمائیں۔ جن سے اپنی غذا کا مقام دیکھتا ہے۔ اس طرف پرواز کرتا ہے چونکہ اُس کو چھوٹی آنکھیں دی گئی ہیں۔ جن میں پلک کا مقام نہیں ہے کہ گرد و غبار سے آنکھوں کی حفاظت کر سکے۔ اس لیے تعلیم کی کہ اپنے دونوں ہاتھوں سے گرد و غبار کو آنکھوں سے دُور اور صاف کرے۔ یہی وجہ ہے کہ چھوٹے حیوانات مثلاً مکھی، مچھر اپنے ہاتھوں کو آنکھوں پر دم بہ دم مارتے ہیں کہ آنکھوں سے گرد و غبار کو صاف کریں۔ اس قدر قلیل صنعتِ خدا میں اگر تمام اوّلین و آخرین جمع ہو کر اس کے عجائباتِ ظاہریہ و باطنیہ کو معلوم کرنا چاہیں تو ممکن نہیں ہے۔

عجائب خلقتِ زنبور

زنبور میں غور کیجیے۔ خداوندِ حکیم نے اس کے آب دہن سے کیوں کر شہد و موم پیدا کیا۔

ایک نور و ضیا ہے۔

دوسرا مرہم و شفا ہے۔

اس کو اپنی غذا پھول اور شگوفوں سے حاصل کرنے کی تعلیم کی۔ نجاست و کثافت سے پرہیز کرنے کی تفہیم دی۔ ان میں ایک کو بادشاہ مقرر کیا۔ اُس کی ہیئت کو دوسروں سے ممتاز و بہتر کیا۔ اس کو عدل و سیاست سکھایا۔ تمام کا خیر خواہ بنایا۔ سب کو اس کے امر و نہی کا مطیع و فرماں بردار کیا۔ اُس نے گھر کے دروازے پر نگہبان مقرر کیے کہ جو نجاست لے کر گھر میں داخل ہو اُس کو منع کرے، اور مار ڈالے۔ ان کو یہ ہوشیاری عطا کی کہ پہاڑ اور درختوں اور مکانوں کی بلندی پر موم کا گھر بنائیں کہ آفتوں سے محفوظ اور زندگی سے

محفوظ رہیں۔ ان کے گھروں کو دیکھیے جو مسدس کی شکل پر بنائے جاتے ہیں۔ اگر مستدیر بنتے تو باہر کا حصہ خراب اور پھیلا ہوا مہمل رہتا۔ اگر مربع بناتے تو اس کے اندر کے کونے خالی رہتے لہٰذا انھوں نے مسدس شکل کو اختیار کیا کہ باہر اور اندر کا کوئی مقام ضائع نہ ہو۔

عجائباتِ خلقتِ انسان

ظاہر ہے کہ آدمی اول آبِ نجس کا ایک قطرہ ہے جو تمام اجزائے بدن میں متفرق تھا۔ خداوندِ حکیم نے اپنی حکمت سے مرد و عورت میں ایک محبت دی اُن کو کمندِ شہوت سے مجامعت کی طرف مائل کیا۔ یہاں تک کہ حرکتِ دافعہ سے نطفہ اجزائے متفرق سے خارج ہوا اور آلۂ رجولیت کو دفع کی قوت اور عورت کے رحم کو جذب کی طاقت عطا کی تاکہ مرد کے نطفہ کو اپنی طرف کھینچے۔ عورت کی منی کے ساتھ مل کر رحم میں قرار پکڑے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورت کے مزاج کو پوری قوت قریبِ قوتِ ذکوریت حاصل ہوتی ہے اور اُس کے جگر کے مزاج کی حرارت کامل ہُوا کرتی ہے۔ ایسی صورت میں جو منی دائیں طرف کے گُردے سے جدا ہوتی ہے بہ نسبت بائیں طرف کے گُردے کے اس کی حرارت زیادہ ہوتی ہے۔ اس میں آثار نطفۂ مرد ظہور میں آتے ہیں اور وہ قائم مقام نطفۂ مرد ہو جاتی ہے اور جو بائیں طرف کے گردے سے نکلتی ہے وہ عورت کے نطفہ کی قائم مقام ہوتی ہے۔ اُس حالت میں اگر رحم کی قوتِ جذب و امساک بھی قوی ہو تو ممکن ہے کہ اگر کوئی قوت خارج سے اُسے پہنچ جائے تو صرف عورت کے ہی نطفہ سے بچہ متولد ہو۔ جیسا کہ رُوح القدس نے مریم بتول علیہا السّلام کے پاس بشکلِ انسان ظہور کیا۔

ان کی امداد رُوحانی تمام قوتوں کو پہنچی اور حضرت عیسیٰؑ وجود میں آئے۔

متعلّق جنین

حاصل کلام یہ کہ عورت کے رحم میں مرد کا نطفہ قرار پکڑنے کے بعد جیسا کہ تنور پر خمیر لبستہ ہو جاتا ہے۔ جنین کی خلقت شروع ہوگئی اور خدائے تعالیٰ نے حیض کے خون کو دفع ہونے سے منع فرمایا۔ پھر نطفہ بے شعور کو قوت دی کہ خون کو اعماقِ بدن سے اپنی طرف کھینچے۔ یہاں تک کہ خون کے نقطے اُس میں ظاہر ہوئے اور اُس کی سُرخی اور بڑھی یہاں تک کہ خون لبستہ ہو گیا۔ پھر ہوائے گرم کے ہیجان سے مضغہ کی صورت اختیار کی۔ اُس وقت خالق نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس میں نشانِ جوارح و اعضاء پیدا کیے۔ صُورت شکل ظاہر ہوئی اور باوجود تشابہ اجزا اُسے مختلف اعضاء میں تقسیم کر دیا۔ مثلاً رگ و پٹھے واستخوان و گوشت و چربی وغیرہ۔ اعضائے مختلف الاشکال ظاہر ہوئے۔ سر کو مستدیر بنایا۔ آنکھ، کان، مُنہ، ناک باقی تمام منافذ مقرر کیے۔ ہاتھ اور پاؤں لانبے بنائے اور ہر ایک کو پانچ انگلیاں عطا کیں۔ اور ہر انگلی میں ناخن مقرر فرمایا۔ اُس میں دماغ، دل، جگر، شش، معدہ، رحم مثانہ، انتڑی غرض تمام اعضائے ضروریہ مع اُن کی خاص ہیئت و شکل مخصوص کے ایجاد فرمائے۔ ہر ایک کو ایک شغلِ معیّن و عملِ خاص میں مصروف کیا۔ ان تمام حالتوں میں جنین حجابِ ظلمتِ رحم میں قید ہے۔ دونوں ہتھیلیاں اپنے منہ کے دونوں طرف اور کہنیاں تہگاہ پر زانو کو اپنے سینہ پر ٹھوڑی کو اپنے زانو پر رکھ کر اپنی ناف ماں کی ناف سے ملا کر خونِ حیض کو بطور غذا کے چوستا ہے۔ لڑکے کا منہ پشتِ مادر کی طرف ہوتا ہے اور

لڑکی کا مُنہ ماں کے مُنہ کی جانب ۔ اُس جنین کو ان نادر نقوش کی جو اُس پر وارد ہوتے ہیں۔ کوئی خبر نہیں اور نہ باپ ماں کو کوئی اطلاع، نہ کوئی نقاش اندر پیدا ہے۔ نہ باہر کوئی مصوّر ہویدا ہے۔ اُس حالت میں یہ جنین گویا زبانِ حال سے کہہ رہا ہے۔

رُباعی

بالاتر از آنی کہ بگویم چون کن
خواہی جگرم بسوز و خواہی خوں کن
من صورتم وز خود ندارم خبری
نقاش توئی عیب مرا بیرون کن

اگر آپ کا دیدۂ بصیرت بینا ہے تو عجائباتِ اعضاء پر نظر کیجیے۔ ان ہڈیوں کو ملاحظہ کیجیے۔ انھیں نطفۂ سیال سے آب و خون کے اندر کیونکر سخت اور محکم پیدا کر دیا۔ اُنھیں ستونِ بدن قرار دیا۔ یہ سب مختلف الشکل اور مختلف المقدار ہیں۔ بعض چھوٹی ہیں بعض بڑی۔ کچھ سیدھی ہیں کچھ ٹیڑھی۔ بعض چوڑی ہیں بعض باریک۔ بعض جوف دار ہیں بعض ٹھوس۔ غرض حکمت اور مصلحت کا جو تقاضا تھا وہی ظہُور میں آیا اور چونکہ انسان کبھی تمام بدن، کبھی جزوِ بدن، کبھی بعض اعضاء کی حرکت کا محتاج ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو ایک ہڈی سے خلق نہیں کیا۔ بلکہ اُس کو بہت سی ہڈیاں دیں۔ اُن میں جوڑ مقرر کیے تاکہ ہر طرح کی حرکت حاصل ہو۔ جو ہڈی حرکت میں دُوسرے کی محتاج نہیں۔ اُس کو ٹھوس پیدا کیا اور جو حرکت میں دوسرے کی محتاج ہے اس میں جوف کم رکھا اور جس کا ہلکا ہونا مطلوب ہے۔ اس میں جوف زیادہ

قرار دیا۔ ہر ایک استخوان کی غذا جو مغز ہے اس کے اندر مقرر کی کہ ہڈیاں بسبب حرکت کے خشک نہ ہوں۔ ایک دوسرے سے رگڑ کھا کر ضائع نہ ہوں۔ ہڈیوں کے جوڑوں کو ایک دوسرے سے وصل کر دیا۔ اس طرح کہ ایک ہڈی کا سرا بڑھا ہوا ہے اور دوسرے میں گڑھا ہے۔ یہ بڑھا ہوا سرا اُس گڑھے میں داخل ہو کر پیوست ہو جاتا ہے اور چونکہ ہڈی ایک جسم سخت ہے اور اور گوشت نرم اُن کا ایک دُوسرے سے وصل ہونا ممکن نہ تھا لہٰذا گوشت اور ہڈی کے درمیان ایک دوسرا جسم ہڈی سے پیدا کیا جس کو (غضروف) کہتے ہیں، تاکہ اس کے ساتھ گوشت متصل ہو جائے اور اُس کا اتصال ہڈی سے ہو۔

اب ذرا رگوں کے عجائبات کو ملاحظہ کیجیے کہ یہ رگیں دو قسم کی ہیں:۔

ﷺ ایک وہ رگیں جو حرکت کرتی ہیں۔

ﷺ دوسری وہ رگیں جو ساکن ہیں۔

پہلی کو شرائین، دوسری کو اوردہ کہتے ہیں۔

شرائین وہ رگیں ہیں جو دل سے نکل کر تمام اعضاء میں پھیلی ہوئی ہیں ان کا کام یہ ہے کہ دل جو سرچشمۂ حیات و منبعِ روحِ حیوانی ہے۔ وہاں سے اس رُوحِ حیوانی کو تمام اعضاء و جوارح تک پہنچائیں۔ اُن بخاراتِ دخانیہ سے دل کی محافظت کریں جو معدے سے متصاعد ہوا کرتے ہیں، اور نسیمِ صاف کو خارج سے دل کے لیے جذب کریں۔

ان کی حرکت دو قسم کی ہے :۔

۱ : انقباضی :۔

اِس حرکت کے ذریعہ سے تمام بخاراتِ ردیہ دل سے خارج

ہوتے ہیں۔

۲: انبساطی :-

اس حرکت کے ذریعہ سے ہوائے صاف کو جذب کیا جاتا ہے۔

چونکہ اِن رگوں کا ہمیشہ متحرک ہونا ضروری ہے اس لیے خداوندِ حکیم جلّ شانہٗ نے اُن کو دو پوست میں پیدا کیا کہ مضبوط رہیں اور حرکت سے شگافتہ نہ ہو جائیں اور چونکہ شش کی غذا دل سے پہنچنا ضروری ہے لہٰذا انھیں رگوں میں سے ایک کو اس خدمت پر مقرر کیا جس کو شریانِ وریدی کہتے ہیں۔ وہ اُسی کام پہ مامُور ہے اس کا ایک سِرا دل میں اور دُوسرا سِرا شش میں گیا ہے اور اُس سرے پر اُس کی بہت سی شاخیں ہو گئی ہیں۔ تاکہ غذا کو دل سے لے کر تمام اجزائے شش میں پہنچائے۔ چونکہ شش نرم اور اُس کا پوست نازک ہے لہٰذا اُس رگ پر ایک پوست پیدا کیا۔ تاکہ اس کی سختی و حرکت سے ایذا نہ ہو۔

دُوسری قسم کی رگیں یعنی اوردہ :

اُن کا کام یہ ہے کہ معدے سے جگر میں اور جگر سے تمام اعضا میں غذا پہنچائیں۔ چونکہ وہ ساکن ہیں ان پر کوئی صدمہ وارد نہیں ہوتا۔ اس لیے انھیں ایک پوست سے خلق کیا۔ مگر ان میں سے ایک کو ورید شریانی کہتے ہیں کہ وہ جگر سے نکل کر دل میں داخل ہوئی ہے۔ وہ غذائے شش کو جگر سے دل میں پہنچاتی ہے اور دل اُس کو شریانِ وریدی کے سپرد کر دیتا ہے۔ اس لیے اس کو دو پوست سے پیدا کیا کہ صدمہ سے حرکت دل کی خراب نہ ہو۔

کرکرکر حکمتہ

کیا کیا عجائب و غرائب ہیں ؟

سُبْحَانَہٗ مَا اَجَلَّ شَانَہٗ وَاَعْظَمَ بُرْھَانَہٗ ۔

متعلّق استخوانِ سر

اب آئیے ، سر اور اس کے عجائباتِ خلقت میں غور کیجیے ۔ اس کو مختلف اشکال کی ہڈیوں سے بنایا ہے ۔ باطن کو تمام حواس کا مجمع کیا ہے ۔ کاسۂ سر چھ ہڈیوں سے بنا ہے ۔ اُن میں سے دو ہڈیاں بجائے سقف کے اور چار بمنزلۂ دیوار کے ہیں ۔ یہ سب ایک دوسرے سے وصل ہیں ، اور مقامِ اتّصال جسے شئوُن کہتے ہیں ۔ اس میں بہت سی درزیں رکھی ہیں تاکہ جو بخارات دماغ میں پہنچتے ہیں ان کے ذریعے سے باہر نکلیں اور سر میں رہ کر بیماری کا سبب نہ ہوں ۔ چونکہ اِن چار ہڈیوں کو جو مثلِ دیوار کے ہیں بمقابل اُن دو ہڈیوں کے جو اوپر ہیں زیادہ صدمہ پہنچتا ہے اِس لیے اُن کو سخت پیدا کیا ۔ پھر اُن چار ہڈیوں میں سے ایک ہڈی جو سر کے پیچھے واقع ہے دوسرے سے زیادہ مضبوط کی گئی ۔ کیونکہ وہ پیچھے ہونے کی وجہ سے نظر سے پوشیدہ ہے ۔ آنکھوں سے اُس کی حفاظت ممکن نہیں ہے ۔ اس لیے اُس کو زیادہ مضبوطی عطا کی کہ ہر آفت سے محفوظ رہے ۔ پھر دماغ کو چکنا اور نرم خلق کیا تاکہ جو رگیں اُس سے اُگیں وہ نرم ہوں اور ٹوٹنے نہ پائیں اور محسوسات کی صُورتیں اُس سے قائم رہیں ۔ اُس کے مزاج کو سرد و تر گردانا ۔ تاکہ حرارتِ فکریہ کے سبب سوختہ نہ ہو جائے ۔ دماغ کے دو پردے مقرر کیے جو پردہ دماغ سے متصل ہے وہ نرم و نازک ہے اور اُس میں بہت سے سُوراخ ہیں جن سے دماغ کے فضلات باہر جاتے ہیں ۔

اصل دماغ کو دو قسم پر تقسیم کیا۔

ایک بہت نرم بہ نسبت دوسرے کے ہے۔ اور بیچ میں اُن کے پردۂ نازک پیدا کیا کہ نرم کو سخت سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ دماغ کے نیچے پردۂ غلیظ اور ہڈی کے درمیان ایک صفحۂ فرش مشبّک قرار دیا ہے۔ جو دل وجگر سے دماغ کی طرف صعود کرنے والی شرائین سے بنا ہے۔ وہ خون ورُوح جو دماغ کی غذا کے لیے دل وجگر کی طرف سے اُوپر چڑھتے ہیں وہ اُسی صفحۂ مذکورہ میں ٹھہر کر نضج پاتے ہیں۔ اُن میں برودت پیدا ہوتی ہے۔ یہ خون تدریجی طور پر برودت حاصل کرکے دماغ کی غذا بنتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو خونِ جگر اور روحِ قلب دماغ کی غذا بننے کی صلاحیت نہ رکھتے۔

یہ بھی معلوم رہے کہ حس وحرکت کا منشا اور مبدأ دماغ ہی ہے۔ باقی تمام اعضاء بذاتِ خود کوئی حِس نہیں رکھتے۔

پس خداوندِ عالم نے دماغ سے بہت سی رگیں پیدا کیں اور انھیں تمام اعضاء میں پھیلا دیا تاکہ دماغ کے احساس کا اثر تمام اعضاء میں پہنچ جائے۔ اگر یہ رگیں سب کی سب دماغ سے پیدا ہوتیں تو ضروری تھا کہ سر سنگین اور اندازے سے بڑا ہوتا۔ لہٰذا اس خرابی کو رفع کرنے کے لیے خداوندِ عالم نے مادۂ دماغ سے ایک سفید رگ خلق کی جسے نخاع کہتے ہیں، اور اس سوراخ میں سے جو کاسۂ سر کے نیچے ہے اُس رگ کو نکال کر استخواں کے اندر ہی اندر پیٹھ تک پہنچا دیا اور اُس رگ سے بہت سی رگیں پیدا کرکے تمام اعضاء میں دوڑا دیں۔

پس دماغ بمنزلِ چشمہ ہے اور حرام مغز یعنی پیٹھ کے مہروں کا مغز (نخاع) بڑی نہر کے مانند ہے جو اُس چشمہ سے جاری ہے۔ باقی تمام رگیں

چھوٹی چھوٹی نہروں کے مانند ہیں۔

متعلق چشم

آنکھ کی طرف ایک نظر دیکھیے کہ اُس کو شکل نیک، ہیئت دلکش، رنگ مرغوب، طرزِ محبوب پر پیدا کیا۔ اس کے لیے سات طبقے مقرر کیے اور تین رطوبتیں قرار دیں کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی متغیر ہو تو نگاہ میں خلل واقع ہو جائے۔ خیال کیجیے کہ آسمان بایں ہیئت بزرگ اُس پُتلی میں سما جاتا ہے جو مسُور کے دانے سے زیادہ نہیں۔ پھر ہر ایک آنکھ کو پوٹے عطا کیے تاکہ گرد و غبار اور دیگر اشیائے ایذا رساں سے آنکھ کی حفاظت کریں اور نیچے کا پوٹا چونکہ ساکن رہتا ہے اس لیے اُسے چھوٹا خلق کیا تاکہ حدقۂ چشم کو ڈھانک نہ لے اور آنکھ کے فضلات اُس میں جمع نہ ہوں۔ اِن پپوٹوں کو مژہ سے زینت دی۔ اس لیے کہ جب کھُلی ہو تو موذیات کے ضرر کا خوف رہتا ہے، اُس وقت مژہ اُس کی حفاظت کرتی ہے۔ چنانچہ جس وقت آندھی چلتی ہو اور آنکھ کھولنے میں گرد و غبار کا خوف ہو تو اُس وقت نیچے اور اُوپر کی مژہ کو ملا لیتے ہیں جو ایک قفس کے مانند بن جاتی ہے اور اُس قفس میں سے نظر دوڑائی جاتی ہے۔

متعلق حکمتِ گوش

گوشِ ہوش سے کان کی حکمتوں کا بھی ایک شمہ سُن لیجیے۔ کیونکہ خدائے تعالےٰ نے اُس کو شگافتہ کیا اور اُس میں ایسی قوت قرار دی جو تمام مختلف آوازوں میں امتیاز کرے۔ آدمی دوسرے کے دل کی باتوں کو اُس کے ذریعہ سے معلوم کرتا ہے۔ دونوں کان کے سوراخ پر ایک بلندی مثل سیپی کے خلق

فرمائی ہے۔ تاکہ گرمی و سردی سے حفاظت ہو۔ کان کے سوراخ میں بہت سی گردشیں مقرر کیں کہ اگر کوئی حیوان کان میں جانے کا ارادہ کرے تو آسانی سے داخل نہ ہو سکے۔ باوجود اس کے اُس جگہ بدبُودار اور تلخ میل پیدا کر دیا تاکہ حشرات الارض اور مُوذی جانور اُس سے نفرت کریں اور کان میں داخل نہ ہوں۔

متعلق چہرہ و پیشانی

آدمی کی صورت پر غور کیجیے اور دیکھیے کہ پیدا کرنے والے نے اس کو کس قدر زینت دی ہے۔ اس کو پیشانی، بھنویں، آنکھ، ناک، مُنہ، ٹھوڑی۔ غرض ہر شے حسب حکمت و مصلحت عطا کی۔ داڑھی کو مرد کے لیے حُسن اور عورت کے لیے بدصُورتی قرار دیا۔ ناک میں دو سُوراخ رکھے۔ جن میں سونگھنے کی قوت دی کہ اس کے ذریعہ سے غذائے نیک و بد کا امتیاز کریں۔ اُن سُوراخوں سے ہوائے صاف کو دل میں جذب اور ہوائے گرم و بدبُو کو دفع کیا جائے اور جو فضلات دماغ میں جمع ہوتے ہیں اُن سے دفع ہوں۔ چونکہ راستے کے بند ہونے کے باعث ہوا کا جذب ہونا اور فضلات کا دفع ہونا دشوار ہوتا ہے۔ اس لیے اس طرح قرار دیا کہ ہمیشہ اُن دو سُوراخوں سے ایک ہوا کے کھینچنے کے واسطے اور دوسرا دفع فضلات کے لیے ہو۔ اسی وجہ سے ان دو میں سے ایک کھُلا ہُوا اور دوسرا فی الجملہ بند رہتا ہے۔ مُنہ کشادہ رکھا اور اس میں زبان خلق فرمائی۔ جو دلی حالت کی ترجمان ہے اُسے لغاتِ مختلفہ میں بات کرنے کی قوت عطا کی۔ ہر حرف کا مخرج بتلایا۔ مُنہ کو دو جبڑوں سے خلق کیا۔ اور اُن میں اس طرح پیوند کر دیا کہ نیچے کا جبڑا چکی کے مانند گردش کرتا ہے۔ کھانے کو باریک کرتا ہے اور اُوپر کا جبڑا ساکن رہتا ہے بخلاف چکی کے کہ

اُوپر کا پتھر گردش کرتا ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ کاسۂ سر جو مقام دماغ و حواس ہے اُوپر کے جبڑے پر مقرر رہے۔ اگر وہ حرکت کرنے والا ہوتا تو حواس مضطرب و پریشان رہتے۔ ان دونوں جبڑوں میں دانت نصب کیے، اور نہایت خوبصورتی کے ساتھ ان کی صفیں آراستہ کیں۔ اُن کی جڑیں محکم کر دیں۔ اُن کی صورت بہ مقتضائے مصلحت مختلف بنائی۔ بعض کو چوڑے بنایا۔ جیسے چکی میں دندانے ہوتے ہیں۔ ان سے غذا چبائی جاتی ہے اور بعض کو تیز خلق کیا تاکہ اگر ٹکڑے کرنے کی ضرورت ہو تو اُن سے ٹکڑے کریں۔ مثلاً آگے کے دانت جن کو رباعیات کہتے ہیں۔ بعض کو اُن میں سے متوسط خلق کیا اور چونکہ غذا کا چبانا اس امر پر موقوف ہے کہ وہ دانتوں کی گردش کے نیچے آئے پھر چبائی ہوئی غذا فضائے دہن میں پہنچے اور وہ غذا جو چبائی نہیں گئی ہے دانتوں کے نیچے آئے اس لیے زبان کو تعلیم کی کہ وہ غذا چبانے کے وقت مُنہ میں گردش کر کے اس فرض کو پورا کرے۔ پھر حلق میں یہ قوت رکھی کہ چبانے کے بعد غذا نیچے اتار لے اور چونکہ اکثر غذا خشک ہوتی ہے اس کا اندر جانا ممکن نہ تھا۔ اس لیے زبان کے نیچے چشمہ جاری کیا کہ اس سے پانی بقدرِ ضرورت کے منہ میں آئے اور غذا اس میں خمیر ہو کر نیچے اُترے۔ منہ کے آخری حصہ میں حنجرہ خلق کیا اور اُسے تنگی اور کشادگی و ہمواری اور بلندی و کوتاہی میں مختلف بنایا۔ تاکہ مختلف آوازیں اس میں سے نکل سکیں، اور ایک دوسرے کے مشتبہ نہ ہوں۔

پھر گردن کو دراز قرار دے کر سر اُس کے اُوپر رکھ دیا اور گردن کو سات مہروں سے مرکب کیا جو مجوّف ہیں اور ایک دوسرے پر منطبق۔ اور گردن کی منفعت زیادہ تر ہے کہ وہ اِدھر اُدھر حرکت کر سکے۔ لہٰذا

اُس کے مہروں کے جوڑ ایسے خلق کیے جو ہر طرف حرکت کرسکیں اور اُنھیں بہت سے رگ و پے سے بستہ کر کے مُحکم کر دیا۔

متعلّقِ معدۂ انسان

اب نظر کیجیے کہ عجائباتِ معدہ اور اُن سامانوں پر جو ہضم و طبخِ غذا کے لیے خلق ہوئے ہیں اور ملاحظہ کیجیے کہ حُلقوم کے سرے پر کئی طبقے ہیں جو غذا اندر جانے کے وقت کشادہ ہوتے ہیں اور غذا اُتر جانے کے بعد سکڑ جاتے ہیں۔ پھر معدہ کو دیگ کے مانند خلق کیا۔ اُس میں ایک قسم کی حرارت پیدا کی۔ اس حرارت سے نیز جگر طحال، پشت اور وہ چربی جو معدہ پر لپٹی ہوئی ہے۔ ان کی حرارت سے معدہ میں غذا پختہ ہوتی ہے اور کشکاب کے مانند غلیظ ہو جاتی ہے۔ اب ضرورت ہے کہ یہ کیلوس صاف ہو کر جگر میں پہنچے اور وہاں سے تمام اعضا میں تقسیم ہو۔ لہٰذا خداوندِ عالم نے معدے کے سرے پر رگیں پیدا کیں۔ جن کو ماساریقا کہتے ہیں۔ یہ ماساریقا ایک دوسری رگ سے متّصل ہے جو باب الکبد کہلاتی ہے اور اس کا ایک حصّہ جگر میں نفوذ کیے ہوئے ہے۔ اس حصّہ سے بہت سی رگیں نکل کر تمام اجزائے جگر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کو عروقِ لیفیہ کہتے ہیں۔

پس کیلوس کا خالص حصّہ ماساریقا کے ذریعہ سے باب الکبد میں پہنچتا ہے اور وہاں سے بتوسّطِ عروقِ لیفیہ تمام اجزائے جگر میں پہنچتا ہے مگر اُسے چُوستا ہے اور یہاں غذا طبخِ ثانی حاصل کرتی ہے۔ اس طبخِ ثانی میں چار چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔

❖ ایک مانندِ کف۔ جسے صفرا کہتے ہیں۔

* دوسری دُرد کے مانند جو سودا ہے۔
* تیسری سفیدیٔ بیضہ کے مثل جو بلغم ہے۔
* چوتھی چیز اِن سب میں صاف و خالص ہے جو خون ہے اور جس میں ابھی مائیت کا حصّہ زیادہ ہوتا ہے۔ یہ خون مائیت آمیز عروقِ لیفیہ میں منتشر رہتا ہے۔

اب اگر یہ سودا و صفرا و بلغم و مائیت خون میں شامل رہیں تو اُس کا مزاج یقیناً فاسد ہو جائے۔ لہٰذا خداوندِ عالم نے دو گُردے خلق کیے:

* ایک تلّی
* اور ایک پتّہ۔

ان میں سے ہر ایک اپنی گردن جگر کی طرف دراز کیے ہُوئے ہے۔ گُردوں کی گردن اُس رگ سے متصل ہے جو محدّب جگر سے نکلی ہے۔ اس گردن کے ذریعہ سے گُردے اُس رطوبت کو جو خون میں ملی ہُوئی ہے جذب کرتے ہیں۔ اس رطوبت کے ساتھ کسی قدر خون بھی کھنچ آتا ہے۔ یہ خون تو گُردے اپنی غذا کے لیے رکھ لیتے ہیں اور مائیت و رطوبت کو مثانہ کے حوالے کرتے ہیں جو وہاں سے براہِ مخرجِ بول خارج ہو جاتی ہے۔ پتّہ اور تلّی کی گردن جگر میں داخل ہے۔ پتّہ صفرا کو جذب کرتا ہے اور بوقتِ ضرورت انتڑیوں پر ڈالتا ہے۔ اُس کی حِدّت کی وجہ سے انتڑیوں میں خراش ہوتی ہے وہ افشردہ ہو کر حرکت کرتی ہیں اور جو دُردی کیلوس معدہ میں رہ گئی تھی، وہ براہ براز دفع ہوتی ہے۔ یہ صفرا بھی اُس دُردی (تلچھٹ) کے ساتھ دفع ہو جاتا ہے اسی سبب سے پاخانہ زرد ہوتا ہے۔ اب تلّی اپنی گردن سے سودا کو کھینچتی ہے اور تلّی میں پہنچ کر سودا میں ترشی و قبضی حاصل ہوتی ہے۔ تلّی ہر روز اُس میں سے

بقدرِ ضرورت معدہ میں پہنچاتی ہے تاکہ بھوک پیدا ہو۔ خواہشِ غذا حرکت میں آئے۔ اس کے بعد یہ بھی دُردی کیلوس کے ساتھ براہِ براز دفع ہو جاتا ہے۔

اب رہا خونِ صاف یہ اُس رگ کے ذریعہ سے جو حدبۂ جگر سے نکلی ہے اور اس کی بہت سی شاخیں ہیں تمام اعضا میں پہنچتا ہے اور ہر ایک کے حصّہ کے موافق تقسیم ہو جاتا ہے۔ اسی سے گوشت و استخوان اور تمام اعضا متکوّن ہوتے ہیں۔ لیکن بلغم جگر میں نضج پاکر خون بنتا ہے اور بلغم جس طرح جگر میں حاصل ہوتا ہے اسی طرح معدہ میں پختگی اوّل کے وقت وجود میں آتا ہے یہ کیلوس کے ساتھ جگر میں جاتا ہے۔ اس کا کچھ حصّہ انتڑیوں میں باقی رہتا ہے اور حدتِ صفرا اُسے ہمراہِ براز دفع کر دیتی ہے۔ کچھ حصّہ آبِ دہن کے ساتھ دفع ہوتا ہے۔ کبھی سر سے معدہ میں آتا ہے اور براہِ سرفہ غیرہ دفع ہوتا ہے۔

متعلّق دل

اب قلب کے عجائبات پر توجہ کیجیے کہ اس کا جسم صنوبری شکل میں پیدا کیا۔ چونکہ قلب سرچشمۂ رُوح و حیات ہے اس لیے اس کو سخت خلق کیا کہ حادثات سے محفوظ رہے اور تھوڑی سی چیز سے ماؤف نہ ہو۔ اسی روح سے آدمی کی حیات قائم ہے اور جو عضو اس رُوح کے فیض سے محروم ہیں مثلاً ناخن، بال وغیرہ۔ وہ خلعتِ حیات سے بے نصیب ہیں اور جب کسی عضو کے لیے اس روح کے حاصل کرنے کا راستہ مسدود ہُوا تو حس و حرکت سے بیکار ہو جاتا ہے دل اس روح کو اُمنائے شرائین اور رگ ہائے غیر جہندہ کے سپرد کرتا ہے۔

شرائین اُسے دماغ میں پہنچاتی ہیں اور وہاں بہ سبب برودتِ دماغ معتدل ہو کر تمام اعضائے متحرکہ میں تقسیم ہوتی ہے۔ اس کو روحِ نفسانی کہتے ہیں، اور رگ ہائے غیر جہندہ اس روح کو جگر میں پہنچاتی ہیں۔ جو مبدأ قوائے نباتیہ ہے اور وہاں سے تمام اعضاء میں متفرق ہوتی ہے۔ اُس کو رُوحِ طبعی کہتے ہیں۔

متعلّق دست

آدمی کے دونوں ہاتھوں کو دیکھیے کہ کس طرح خالقِ حکیم نے اُن کو لانبے بنایا ہے تاکہ جس مطلب کے واسطے چاہے دراز کر سکے۔ ان کی ہتھیلیوں کو چوڑا بنایا۔ انھیں پانچ انگلیاں عطا فرمائیں اور ہر انگلی کو تین حصّوں پر تقسیم کیا۔ انگوٹھے کو ایک طرف اور چار انگلیوں کو دوسری طرف اس طرح مقرر کیا کہ انگوٹھا اُن پر احاطہ کر سکتا ہے۔ اگر اوّلین و آخرین عقلائے زمانہ متفق ہوں کہ دوسری طرح سے انگلیوں کی وضع و درازی و کوتاہی میں فکر کریں جو بلحاظِ زینت و مصلحت اس وضع سے بہتر یا اُس کے مانند ہوں تو ہرگز ممکن نہیں ہے کیونکہ اس ترتیب موجُودہ کے بموجب وہ ہر ایک کام کے لیے موزوں ہیں۔ اگر اُن کو پھیلائے تو ایک طبق ہے۔ اگر اُن کو بند کر کے مٹھی بنائیں تو ایک گرزِ گراں ہے انگلیوں سے ہر چیز کی گرفت ہو سکتی ہے۔ انسان جو چاہے لے سکتا ہے۔ اور جو چاہے دے سکتا ہے۔ ان سے کفچہ بنائے، صندوقچہ بنائے جو چاہے کام لے۔ انگوٹھے کو انگشتِ شہادت سے ملا کر ہر چیز کو توڑ سکتا ہے۔ انگشتِ شہادت سے ہر چیز کی طرف حسبِ دلخواہ اشارہ کر سکتا ہے۔ اگر دشمن کو پکڑ چاہے تو پکڑ لے۔ غرض بے شمار فوائد ہیں جن کا احصاد شوار ہے۔ پھر انگلیوں کو ناخن سے زینت دی تاکہ اُن کی حفاظت ہو۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں کو

جو انگلیوں سے نہ اُٹھ سکیں، ناخن سے چُن سکتے ہیں۔ بدن کھجا سکتے ہیں۔ انسان کی کیا مجال جو اِن منافع کا احاطہ کر سکے۔

متعلّقِ پا

ہر شخص کو دو پاؤں دیے گئے جو ران، پنڈلی اور قدم سے بنے ہوئے ہیں۔ ہر ایک کو شکل و ترکیبِ خاص دی گئی ہے۔ اگر کوئی تغیرِ ترکیب یا شکل وضع میں اُن کے پیدا ہو تو انسان حرکت نہیں کر سکتا۔ اُن کو بدن کے ستون ورمرکب قرار دیا۔ جسم کو اُن پر سوار کیا۔ یہ تمام عجائباتِ بدن انسانی اس قطرۂ نطفہ میں ودیعت ہوئے ہیں۔ جسے رحم کے پردۂ تاریک میں خلق کیا ہے۔ یہ پردہ حائل نہ ہوتا تو ہم دیکھتے کہ خطوط و نقوش و رسوم و اعضا ایک دوسرے کے بعد کس طرح اس میں ظاہر ہوتے ہیں۔ حالانکہ نہ کوئی نقش کرنے والا ہویدا ہے نہ کوئی قلم پیدا۔ ؎

بود نقش دل ہر ہوشمندے

کہ باشد نقش ہا را نقش بندے

یہ ہے اُن حکمتوں کا شمّہ جو ظلمت کدۂ رحم کے اندر نطفہ میں ظاہر ہوتی ہیں۔ جب اس کا جسم بزرگ ہوا اور جائے رحم تنگ ہوئی تو دیکھو اُس کو راستہ بتلایا کہ وہ سرنگوں ہو کر رحم کی جائے تنگ سے دنیا میں قدم رکھے۔ چونکہ باہر آنے کے بعد ضرورت غذا کی تھی۔ اس کا جسم نرم سُست، غذائے ثقیل کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے حیض کے خون کو جس کا رنگ سیاہ اور اعضائے خراب کیے لیے مقرر تھا بند کر کے پستان کے راستہ سے، بچّہ کی غذا کے واسطے سفید کر کے بھیجا۔ پستان کو ایک نوک طفلِ شیر خوار کے مُنہ کے مطابق عطا کی اور چونکہ طفل کو

ایک وقت میں زیادہ پینے کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے اُن میں باریک سُوراخ قرار دیے کہ دُودھ آہستہ آہستہ چُوسنے سے باہر آئے۔ کیونکہ اس طفل کو پستانِ مادر کے چُوسنے کی رہنمائی کی۔ دانت نکلنے کے لیے ایک مہلت مقرر کہ ماں کی پستان کو اُن سے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ چونکہ دُودھ کے سبب سے اُس کے دماغ میں رطوبت بہت جمع ہوتی تھی۔ اس لیے گریہ کو مسلط فرمایا تاکہ وہ رطوبت دفع ہو۔ آنکھ یا دوسرے کسی اعضا پر نہ گرے۔ جب تھوڑا تھوڑا زمانہ گزرا۔ اُس کا گوشت مضبوط ہوا اور سخت غذا کے کھانے کی طاقت میسر ہوئی تو مُنہ میں دانت علی الترتیب پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ چونکہ طفل خود اپنی تربیت نہیں کر سکتا ہے۔ اس لیے ماں باپ کو اس پر مہربان کیا کہ اپنے آرام اور خواب کو حرام کرکے اُس کی پرورش میں مشغول رہیں۔ اس کے بعد اس کو تھوڑی تھوڑی سمجھ۔ طاقت عقل کرامت فرمائی۔ اُس کے قوائے باطنہ و نفسِ مجردہ میں کچھ ایسے اسرار سپرد کیے کہ عقول حیران ہیں۔

قوۂ خیال کو فکر کیجیے کہ وہ قابلِ قسمت نہیں ہے مگر ایک ہی وقت میں زمین و آسمان کی خبر لاتی ہے۔ قوۂ واہمہ پر نظر ڈالیے کہ کیوں کر ایک لحظہ میں معانیِ مختلفہ کو جمع و ترتیب دے کر اُن میں سے جو کچھ موافق مصلحت کے ہو علیحدہ کر لیتی ہے۔ نفسِ مجرّد کو دیکھیے کہ باوجودیکہ آلائشِ مکان سے پاک ہے مگر تمام بدن کا احاطہ کیے ہُوئے ہے۔ اس کی تدبیر میں مشغول ہوا ہے حالانکہ اپنی شناخت سے عاجز ہے۔ مگر تحصیلِ علوم کرتا ہے۔ حقیقتِ اشیاء معلوم کرتا ہے۔ قوتِ عقل سے عالم ملک و ملکوت میں متصرف ہے۔ نطفۂ گندہ کی حالت سے لے کر ملکوتِ اعلیٰ سے متصل اور حقائقِ اشیاء پر محیط ہونے تک تماشائے مقام و سیر اطوار میں مصروف ہے حالانکہ خود ایک عالم ہے۔ جس میں

درندے گزندے، شیاطین، ملائکہ جمع ہیں۔ تمام موجودات، درندے اور پرندے وغیرہ اُس کی خدمت کے لیے کمربستہ ہیں۔ یہ دیو اور جن کو خدمت کے لیے پابہ زنجیر کرتا ہے۔ ستاروں اور ارواح کو تسخیر کرتا ہے۔ اپنی آواز اور نغمۂ خوش سے عقلا کو مدہوش کرتا ہے۔ حیوانات کو بیہوش کرتا ہے۔ اپنی طبیعت کو اس طرح موزوں کرتا ہے کہ اشعارِ رنگین سے دل مفتون ہوتے ہیں۔ ایک لحظہ کی فکر میں صنعتِ عجیب پیدا کرتا ہے۔ ایک ساعت کے تامّل میں ہنرِ غریب ہویدا کرتا ہے۔ کبھی بدن تو لانبی اور میٹھی نیند میں پڑا رہتا ہے، اور یہ اطرافِ عالم میں سیر کناں۔ کبھی افلاک پر رواں، کبھی ارواح سے ملاقی۔ کبھی اسے ایسی قوت حاصل ہوتی ہے کہ اصل کائنات میں داخل ہوکر جس کو جس صورت میں چاہے دکھلائے، ہوا کو ابر بنائے، آسمان سے بارش برسائے۔ التفات سے کسی قوم کی نجات ہو۔ دعا سے کسی کی وفات ہو۔ ملائکہ سے صحبت رکھے۔ ایک ساعت میں اپنی کتنی صُورتیں بنائے۔ کبھی حاکمِ دیار ہو، کبھی پادشاہِ قہار ہو۔ ربعِ مسکون کو اپنا زیرِ نگیں سمجھے۔ کبھی پیغمبرِ مرسل ہو۔ خاک سے افلاک تک تمام کو مطیع اور فرماں بردار کرے۔ خوابِ غفلت سے بیدار اور مستیٔ طبیعت سے ہوشیار ہو کر دیدۂ بصیرت کھولیے۔ قدرتِ پروردگار کا تماشا کیجیے۔ اس نطفۂ گندیدہ کو خالقِ برتر کہاں سے کہاں پہنچاتا ہے۔ یہ عجائبات جن کی طرف اشارہ کیا گیا۔ اگرچہ دریا کے مقابلہ میں قطرہ بھی نہیں ہیں۔ لیکن اگر انسان تفکّر و تامّل سے کام لے تو اُس کی سعادت کے لیے کافی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ:

"مخلوق میں سے صُورتِ انسانی بزرگ ترین حجتِ خدا ہے
وُہ ایک کتاب ہے جو یدِ قدرت سے لکھی گئی ہے۔ ایک ہیکل ہے

جسے مقتضائے حکمت کے بموجب تیار فرمایا ہے۔ اُس کی صورت میں تمام موجُوداتِ عالمِ ملک و ملکوت جمع ہیں۔ ایک نمونہ ہے تمام علوم کا جو لوحِ محفوظ پر ثبت ہیں۔ وہ گواہ اور شاہد ہے اُن اُمور پر جو نظر سے پوشیدہ ہیں۔ وہ ہر منکرِ خالقِ منان کے لیے برہانِ قاطع ہے۔ انسانِ کامل کے لیے ایک سیدھا راستہ ہے جو ہر چیز پر پہنچاتا ہے۔ ایک صراط ہے جو بہشت اور دوزخ کے درمیان کھنچا ہُوا ہے۔"

عجائباتِ زمین

عجائباتِ زمین، بلندی، پستی، پہاڑ، صحرا، دریا، شہر، جزیرے، معدن، جمادات، نباتات، حیوانات پر غور کیجیے۔

اگر آپ کا دیدۂ بصیرت بینا ہوتا تو ان عجائبات کے اجزاء میں سے ہر ایک جزو میں اس قدر قدرت و حکمت مشاہدہ کرتے کہ والہ و حیران ہو جاتے اور عظمت و جلالِ خالق پر یقین حاصل ہو جاتا۔

پہاڑوں کی طرف نظر ڈالیے اور دیکھیے کہ خالقِ بیچون نے انھیں کس طرح قائم کیا ہے۔ اطرافِ زمین کو اُن کے سبب سے مستحکم فرمایا ہے۔ اُن کے نیچے صاف چشمے رواں ہیں۔ بہت سے جواہر قیمتی جن کی قیمت لگانے سے جوہری عاجز ہیں اُن میں پنہاں ہیں۔ کس قدر معدن اُن میں پیدا کیے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو معیشتِ انسان میں انتظام ہونا ممکن نہ تھا۔ اور جو جگہ آبادی کے قابل اور اجتماعِ انسانی کے لیے مناسب ہے۔ اُس کے قرب و جوار کو معدنیات سے خالی رکھا تاکہ اُن کے کاموں میں خلل واقع نہ ہو۔

جس چیز کی ضرورت اُن کو زیادہ تھی مثلاً : نمک وغیرہ ۔ وہ اُن کے قریب اور کثرت سے پیدا کیا۔

متعلّقِ گیاہ

گیاہ کے اقسام پر غور کیجیے ۔ اُن پر نظر ڈالیے کہ وہ بے حساب اور بے شمار ہیں جن کا حصر دشوار ہے ۔ ہر ایک کے لیے خاص شکل، خاص رنگ، خاص مزہ ، خاص بُو اور خاص منفعت و خاصیت ۔ ایک بدن کی غذا دوسری بدن کی قوت ہے ۔ ایک زہرِ جاں گزا ، دوسری تریاقِ راحت افزا ۔ ایک سے نیند آتی ہے اور دُوسری سے نیند غائب ہو جاتی ہے ۔ ایک مفرحِ جان دوسری سببِ اندوہ و حرماں ۔ ایک سرد ہے ، دُوسری گرم ۔ ایک خشک ہے دُوسری تر ۔ حالاں کہ یہ سب ایک ہی زمین سے اُگی ہیں ۔ ایک ہی چشمہ کا پانی پیتی ہیں ۔

آپ ہرگز خیال نہ کیجیے کہ بوجہ اختلافِ تخم یہ اختلاف پایا جاتا ہے ۔ استخوانِ خرمہ میں یہ نخل بلند و بزرگ کہاں تھا اور ایک دانۂ گندم میں اتنے خوشے اور ہر خوشہ میں اس قدر دانے کس نے دیکھے تھے ۔

متعلّقِ درخت

اب درختوں پر ایک نظر ڈالیے ۔ جب اُن کو پانی دیا جاتا ہے تو کیونکر ان کی حالت تر و تازہ ہوتی ہے اور طراوتِ بے اندازہ آجاتی ہے ۔ پانی ایک طریقہ سے ہر ایک ریشہ ، تنا ، ڈالی ، پتّا ، شگوفہ اور میوہ میں پہنچتا ہے ۔ ان میں علی السّویہ تقسیم ہوتا ہے ۔ اُن احمقوں کی عقل پر ہنسی آتی ہے جو

اس حکمتِ ظاہرہ و مصلحتِ بلیغہ کو ایسی چیز سے نسبت دیتے ہیں جو خود اپنے وجود اور اپنی ذات سے خبر نہیں رکھتی۔ نہ اپنے افعال کو پہچانتی ہے اور نہ صفات کو۔

عجائباتِ حیوانات

اسی طرح حیوانات پر ایک لحظہ غور کیجیے کہ طیور، وحوش، چارپائے، درندے، گزندے، حشرات الارض جن کی تعداد بجز خالق کے کوئی نہیں جانتا۔ ان میں سے کیونکر ہر ایک کو اپنا گھر بنانا تفہیم کیا۔ اپنی قوت و آب و دانہ حاصل کرنا تعلیم کیا۔ نر اور مادہ کی موافقت اور تربیتِ نسل سکھائی۔ جن کی انسان کو ضرورت تھی۔ اُنھیں ان کا رام اور فرماں بردار بنایا اور جن کی انسان کو احتیاج نہیں ہے اُنھیں وحشی رکھا۔ ہر ایک کو اس قدر عجائب و مصلحت کے ساتھ پیدا کیا کہ عقل حیران رہتی ہے۔

مکڑی کو دیکھیے کہ وہ اپنا گھر مشبک بنا کر اُس کو مچھر اور مکھی کے لیے دام قرار دیتی ہے۔ ایک کونے میں تاک لگائے ہوئے بیٹھی رہتی ہے۔ جب کوئی جانور مثلاً مکھی یا مچھر اُس جال میں اُلجھا تو اُس نے فوراً شکار کیا۔

مکھی کو دیکھیے کہ بہت دُور سے شیرینی کی بو معلوم کر کے موجود ہو جاتی ہے کیونکہ خداوندِ عالم نے اُس کو قوتِ شامہ بہت تیز عطا کی ہے۔

دریا کی سیر کیجیے اور دیکھیے کہ وہاں بھی کس قدر عجائبات ہیں۔ جو حیوان خشکی میں ہے اُس کے مانند دریا میں بھی پایا جاتا ہے۔ علاوہ اُن حیوانات کے جن کا مثل خشکی میں نہیں ہے دریا میں موجود ہیں۔ نیز دریا میں ایسے ایسے بڑے بڑے حیوانات ہیں جو شہر اور جزیرہ کے مانند ہیں اور مسافر

ان کو جزیرہ تصور کر کے کشتی وہاں لے جاتے ہیں۔

بعض علماء نے عجائباتِ دریا کے معلومات میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن اس کا ایک شمّہ بھی بیان نہ کر سکے۔

عجائباتِ عالمِ ہوا

اب عالمِ ہوا کی طرف آنکھ کھولیے۔ ابر، ہوا، بارش، برف، اولا، رعد، برق، صاعقہ کو دیکھیے اور غور کیجیے کہ ابر اپنے پتلے جسم سے کیوں کر وزن دار پانی اٹھاتا اور حفاظت کرتا ہے۔ شہروں اور جنگلوں پر گزرتا ہے۔ اس طرح پر کہ ایک قطرہ بھی نہیں گراتا۔ جس جگہ پر مامور ہوا ہے وہاں ٹھہر جاتا ہے۔ اس طرح قطرہ قطرہ متواتر پانی ڈالتا ہے کہ ایک دوسرے سے زمین پر پہنچنے تک نہیں ملتا۔ اگر آپ کو ہوش ہو تو دیکھیں کہ ہر قطرے پر قلمِ قدرت سے گویا لکھا ہوا ہے کہ یہ فلاں حیوان اور انسان اور مکان کی روزی ہے۔

عجائباتِ آسمان

اب ذرا آسمان کی طرف نظر اٹھائیے۔ عجائباتِ عالمِ افلاک، سورج، چاند ستاروں اور سیاروں میں فکر کیجیے۔ ہر ایک کے لیے ایک وضع و ہیئت اور اثر و منفعتِ خاص ہے۔ یہ کبھی ایک جگہ جمع اور متصل ہوتے ہیں اور کبھی متفرق اور دور ہو جاتے ہیں۔ ہر ایک کی رفتار میں ایک خاص حرکت ہے۔ یہ طبقِ فلک پر اس طرح چنے گئے ہیں کہ ان کی ترتیب سے حیوانات وغیرہ کی شکلیں پیدا ہو گئی ہیں۔ بلکہ زمین پر ایسی کم صورتیں ہوں گی جو آسمان پر

نہ پائی جائیں۔ سورج کی رفتار پر غور کیجیے کہ وہ ایک سال میں آسمان کا دورہ تمام کرتا ہے اور اسی رفتار کے سبب سے کبھی وسط السما کے نزدیک ہوتا ہے اور کبھی اس سے دور۔ دوسری ایک رفتار ہے کہ جس کے سبب سے طلوع اور غروب ہوتا ہے۔ یہ دورہ ایک رات دن میں طے کرتا ہے۔ اگر پہلی حرکت نہ ہوتی تو دنیا میں چار فصلیں نہ ہوتیں۔ نباتات اور میووں کو نشوونما حاصل نہ ہوتا۔ اور اگر دوسری حرکت نہ ہوتی تو رات دن معلوم نہ ہوتے۔ معیشت و آرام کا وقت نہ پہچانا جاتا۔ سال، مہینے، گھنٹے، منٹ نہ ہوتے۔ حساب معاملات و نظم و نسق نہ ہو سکتا۔

یہ آسمان اور ستارے بغیر ستون کے قائم ہیں۔ دیکھیے کہ عالمِ سفلیہ یعنی زمین اور دریا و عالمِ ہوا وغیرہ باوجود اس عظمت کے آسمانِ اوّل سے بہت کم ہیں۔ گویا دریائے محیط کے سامنے ایک قطرہ۔

رصد کے جاننے والے بیان کرتے ہیں کہ آفتاب زمین کے مقابلے میں ایک سو ساٹھ درجے بڑا ہے۔ باوجود اس کے پانچواں آسمان چوتھے آسمان سے معہ اُس کے وسط کے آسمان سے لے کر زمین تک تین حصّے زیادہ ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا ستارہ جو ہم آسمان پر دیکھ رہے ہیں وُہ کُل زمین سے آٹھ گنا ہے۔ باوجود اس بزرگی و عظمت کے اس کی تیزیٔ رفتار کو ملاحظہ کیجیے اور دیکھیے کہ آفتاب مشرق سے ایک پلک جھپکنے میں کس طرح طلوع کرتا ہے۔ اُس کی تیزیٔ رفتار ایک طرفتہ العین میں بمقابلۂ روئے زمین ایک سو ساٹھ درجے کی مسافت طے کرتی ہے۔

یہی وجہ تھی کہ جب سیّدِ رسلؐ نے روح الامینؑ سے پُوچھا کہ :

"زوال کا وقت ہُوا؟"

انھوں نے کہا کہ:

"لا - نعم"۔ یعنی "ہاں، نہیں۔"

حضرت نے فرمایا کہ:

"یہ کیا جواب ہے؟"

عرض کیا:

"جب کہ میں نے کہا "نہیں" اس وقت آفتاب نے پانسو سال کی راہ کو طے کیا اور زوال ہو گیا۔"

پس خواب غفلت سے ہوشیار ہو جیے۔ اس قادر کی قدرت کو ملاحظہ کیجیے کہ ایسے بزرگ آسمان کو آنکھ کی سیاہی میں جو مسور کی دال سے زیادہ نہیں ہے جگہ دے دی، اور فکر کیجیے کہ کس نے ایسے جسم کو مسخر کیا ہے۔

اگر دیدۂ بصیرت بینا ہوتا تو معلوم کرتے کہ یہ تمام خدمت گار ہیں اور اُس کی خدمت میں کمربستہ و تیار۔ ان کو خداوندِ عالم کے عشق نے دیوانہ اور سرگرداں کیا ہے۔ یہ پروردگار کے حکم پر قیامت تک اسی طرح اس کے کعبۂ جلال کا طواف کریں گے۔

اپنے اعمال و افعال میں فکر کرنا ضروری ہے!

جاننا چاہیے کہ اپنے اعمال و افعال میں فکر کرنے کو مراقبہ و محاسبہ کہتے ہیں۔ اگرچہ توبہ کے بیان میں صراحتاً اس کا ذکر کیا جائے گا لیکن یہاں بھی بطورِ اختصار حوالۂ قلم کیا جاتا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ دن رات میں کسی نہ

کسی وقت اپنے کام میں فکر کرے۔ اپنے اخلاقِ باطنہ و اعمالِ ظاہریہ کو تلاش کرے۔ اپنے دل کی حالت پر نظر ڈالے۔ اپنے لوحِ دل کو سامنے رکھ کر ملاحظہ کرے۔ رات دن کے اپنے کاموں کو پیشِ نظر رکھ کر مطالعہ کرے۔ جب اپنے دل کو طریقۂ راستی و درستیٔ اخلاقِ جمیلہ کا متصف اور اوصافِ رذیلہ سے خالی دیکھے۔ اپنے اعضاء و جوارح کو مشغولِ طاعت و عبادت اور گناہوں سے اجتناب کرنے والا پائے تو شکرِ الٰہی بجالائے۔ اس کے خلاف میں نظر آئے تو اس کے علاج کے درپے ہو۔ اگر معلوم ہو کہ اُس سے کوئی گناہ واقع ہُوا تو توبہ و استغفار کرے۔ اُس کا تدارک ہر بار کرے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ اس قسم کے تفکّر کے لیے بہت بڑی گنجائش ہے۔ انسان عمر بھر اس میں مستغرق رہ سکتا ہے لیکن مقدار لازم یہ ہے کہ ہر شب و روز میں انسان غور سے دیکھے کہ صفاتِ رذیلہ مثلاً بخل، کبر، عجب، ریا، حسد، بزدلی، غضب، حرص، طمع وغیرہ اپنے میں کہاں تک ہیں۔ دیدۂ بصیرت کھول کر چراغِ فکر ہاتھ میں لے کر اپنے دل کے گوشوں میں ان صفاتِ مذکورہ کی تلاش کرے۔ جب معلوم ہو کہ اُس کا دل اس سے بَری ہے تو اپنا امتحان کرے کہ کہیں شیطان نے نفس کو مشتبہ نہ کیا ہو۔

مثلاً : اگر گمان ہو کہ صفتِ تکبّر اس میں موجود نہیں ہے تو کاروبارِ دنیا سے اپنا امتحان کرے۔

یعنی پانی کھینچے یا بازار سے گٹھہ لکڑیوں کا گھر میں لائے اور اگر اپنے کو غضب سے خالی سمجھے تو کسی سفیہ کے سامنے مقامِ اہانت میں کھڑا ہو۔ ایسا ہی نیکیوں کی بھی آزمائش کرے تاکہ اطمینان حاصل ہو۔ دیکھیے نفسِ امّارہ مکّار ہے اور شیطان حیلہ گر اور غدّار۔

گر نماز و روزہ می فرمایدت
نفسِ مکّارہ است فکری بایدت
نفس را مقصد سراست و ہر سری
از ثری بگذشتہ تا تحت الثّری

اگر اُن صفاتِ رذیلہ سے کوئی صفت دل میں پائے تو وعظ، نصیحت، سرزنش، ملامت، مصاحبتِ نیکاں، ریاضت اور مجاہدے سے اس کی خلاصی میں کوشش کرے اور نیز اس کا علاج مکرّر کرنا ضروری ہے تاکہ وہ صفت دور ہو۔ اس کے بعد صفاتِ حسنہ میں فکر کرنا چاہیے۔ اگر اپنے گمان میں اپنے کو اُن سے متصف پائے تو آزمائش کی طرف مائل ہو تاکہ شیطان کے مکر و تلبیس سے اطمینان حاصل ہو۔ اگر اپنے کو اُن میں سے کسی ایک سے خالی پائے تو اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس کے بعد اپنے ہر ایک اعضاء کی طرف متوجہ ہو اور اُن کے گناہانِ متعلقہ میں فکر کرے مثلاً کہیں اُس روز زبان سے کوئی غیبت یا جھُوٹ یا لغو یا فحش یا خود ستائی یا سخن چینی تو صادر نہیں ہُوئی ہے۔ ایسا ہی کان، ہاتھ، پاؤں، پیٹ اور باقی تمام اعضاء پر نگاہ کرے۔

واجبات و مستحبات میں اُس اطاعت کے جو ہر ایک اعضاء سے متعلق ہے فکر کرے۔ اگر بعد تلاش کے کوئی معصیت نہ پائی جائے اور طاعت کا بجا لانا معلوم ہو تو خداوند عالم کا شکر ادا کرے۔ اگر کوئی معصیت یا ترکِ طاعت واقع ہو تو پہلے اُس کا سبب و باعث تلاش کرے۔ اُس کے دُور کرنے کے لئے دَرپے ہو۔ اس کا عوض توبہ و ندامت سے کرے تاکہ دوبارہ یہ فعل صادر نہ ہو۔ ہر دین دار پر جو کہ اعتقادِ آخرت کا رکھتا ہو اپنی حالت پر

اس قدر فکر کرنا رات دن میں لازم ہے۔

متقیانِ گزشتہ کا معمول تھا کہ صبح یا شام کے وقت اس عبادت کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ ان کے پاس ایک دفتر ہوتا تھا۔ اس میں نیک و بد صفات اور افعال لکھے جاتے تھے۔ رات دن اپنے احوال کا مقابلہ کرتے تھے۔ جب کسی صفتِ رذیلہ کے زائل یا کسی فضیلت سے متصف ہونے کا اطمینان ہوتا تو اس کو دفتر سے قلم زد کرتے۔ فکر سے ہاتھ اُٹھاتے۔ باقی کی طرف متوجہ ہوتے۔ ایسا ہی عمل کرتے جاتے۔ یہاں تک کہ تمام قلمزد کرتے۔

بعض حضرات کا یہ طریقہ تھا کہ اگر اُن سے کوئی گناہ سرزد ہوتا۔ مثلاً اکلِ حرام یا شبہ یا جھوٹ یا غیبت یا امرِ معروف و نہی منکر میں تساہل کرنا وغیرہ تو وہ فوراً اُس کو دفتر میں لکھتے تھے۔ ہر ایک کے دُور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

حاصلِ کلام صالحینِ گزشتہ کا یہی طریقہ و رویّہ تھا۔ اس کو محاسبۂ روزِ قیامت اور لوازماتِ ایمان سے جانتے تھے۔ افسوس ہمارے حال پر کہ اس پیروی و متابعت سے ہم نے ہاتھ اٹھا رکھا ہے۔ پردۂ غفلت آنکھوں پر پڑا ہُوا ہے۔ فکرِ محاسبۂ روزِ حساب سے غافل ہیں۔ غفلت کی شراب سے مست اور بے ہوش ہیں۔ اگر وہ لوگ ہماری رفتار کو مشاہدہ کرتے تو ہمارے کفر کا حکم لگاتے۔ قیامت میں ہمارا کیا حال ہوگا۔ کیونکہ حقیقتاً ہمارے اعمال اُس کے عمل سے جو بہشت اور دوزخ پر ایمان رکھتا ہو، مطابقت نہیں رکھتے۔ ہمارے افعال اہلِ ایمان کے کسی فعل سے مشابہ نہیں۔ کیونکہ جو کوئی جس چیز سے ڈرتا ہے اس سے دُوری اختیار کرتا ہے اور

جس کا شوق رکھتا ہے اس کی طلب میں نکلتا ہے۔ ہم جہنم سے ڈرنے کا دعویٰ رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ترکِ معاصی کے ساتھ اس سے فرار ہو سکتا ہے لیکن گناہوں کے دریا میں غرق ہیں۔

ہم شوقِ بہشت کا دعویٰ کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہاں تک پہنچنا اطاعت و فرماں برداری پر منحصر ہے۔ مگر اُس میں تقصیر کرتے ہیں۔ عمر ہوا و ہوس میں خراب اور زندگی اُمیدِ بہشت میں بیکار صرف ہوتی ہے، اور وصلِ حُور کی طمعِ خام دل میں بسی ہُوئی ہے۔

حضرتِ ذوالجلال کے

جمال و جلال میں فکر کرنا چاہیے

واضح ہو کہ علماء و صالحین کا یہ طریقۂ فکر ہے جو مذکور ہُوا۔ لیکن مقربین اور صدیقین کا فکر کرنا اس سے بہت بلند ہے۔ کیوں کہ ان کی شان اُن سے بزرگ ہے۔ وُہ دریائے محبتِ پروردگار میں غرق اور دل و جان سے عظمتِ جلالِ آفریدگار کی طرف متوجہ ہیں۔ جمال و جلالِ ایزدِ متعال کی فکر میں مدہوش رہتے ہیں۔ اپنے صفات و اعمال سے بھی بے خبر ہو جاتے ہیں۔

یہ اُس عاشق کے مانند ہیں جو معشوق کی صورت پر دیوانہ و حیران رہے۔ اس حالت کا حاصل ہونا بلکہ عظمت و جلالِ خدا سے لُطف اٹھانے کا ادنیٰ مرتبہ ممکن نہیں ہوتا۔ جب تک میدانِ نفس کو تمام رذائل سے پاک نہ کریں۔ کیونکہ اخلاقِ بد سے متصف ہونے کی حالت میں جلال و جمالِ جمیل مطلق سے

اگر کوئی لطف اٹھانا چاہے تو اس کا حال اس عاشق کے مانند ہے جو محبوب کے دیدارِ جمال کی حسرت و تمنّا کرے۔ لیکن اس کے پیراہن کے نیچے سانپ اور بچھو ہوں جو اس کو ایذا پہنچائیں اور دیدارِ محبوب سے باز رکھیں۔

جاننا چاہیے کہ ہر ایک صفتِ بد سانپ اور بچھو کا حکم رکھتی ہے۔ وہ لوگ جو علائقِ طبیعت میں غرق ہیں انھیں ان کی ایذائیں محسوس نہیں ہوتیں۔ ہاں جب حجاب طبیعت کا اٹھ جائے گا اس وقت مشاہدہ کریں گے کہ ان میں سے ہر ایک کی تکلیف سانپ اور بچھو سے بہت زیادہ ہے۔

پس خوابِ غفلت سے اُٹھیے۔ قیامت کے لیے کوئی فکر کیجیے۔ قبل اس کے کہ اختیار آپ کے ہاتھ سے نکل جائے اور موت آجائے یقین کیجیے کہ ہر صفت و عمل کے لیے دنیا سے جانے کے وقت جزا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں صراحتاً اور حدیثِ صحیح پیغمبرِ آخرالزّماں میں موجود ہے۔

فرماتے ہیں کہ:

"جس کو چاہے دوست رکھ ایک دن اس سے جُدائی ہو گی۔ جیسا چاہے زندگی گزار آخر کار ایک دن مرے گا۔ جو کام کرنا چاہتا ہے کر اُس کا بدلہ تجھ کو ملے گا۔"

پس ایک ساعت اپنے اعمال میں فکر کیجیے۔ تھوڑا وقت عجائبِ صنعِ خداوندِ عالم میں غور فرمائیے۔ دل کو وسوسہ سے خالی کرنے کی کوشش اور اپنی فکر کو اقسامِ شش گانۂ محمودہ پر منحصر کیجیے۔ کیونکہ اقسامِ مذکورہ کے علاوہ باقی تمام افکار وساوسِ شیطانیہ ہیں۔ لہٰذا انسان کو چاہیئے کہ مسائلِ علمیہ اخذ کرے۔ اعمالِ نیک بجالائے۔ دوسرے کی موت سے عبرت حاصل کرے۔

تقدیس و تسبیح پروردگار میں مصروف ہو۔ صنعتِ عجائب آفریدگار میں غور کرے اور اپنے اعمال و افعال کو جانچے۔ لیکن خدا کی ذات میں بلکہ اس کے بعض صفات میں فکر کرنا شرعاً غیر جائز ہے۔ کیونکہ عقل اس مقام پر عاجز ہے۔ جو کوئی اُس کی ذات یا صفات میں مرکبِ خیال کو دوڑائے تو وہ اپنی حد سے بڑھا ہُوا ہے۔

مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ

یعنی: ایک مشتِ خاک کو خداوندِ پاک سے کیا تعلق۔ اس کی ذات بہت بلند ہے۔ اندیشہ کی کمند اس کے کنگرۂ جلال پر نہیں پہنچ سکتی اور مرغِ فکر اس کے اطراف گزر نہیں کر سکتا۔

پانچویں صفت

مذمّتِ مکر و حیلہ

معنی مکر و حیلہ

واضح ہو کہ صفاتِ رذائل قوّتِ عاقلہ میں سے یہ ہے کہ مطلوباتِ شہویّہ و غضبیّہ حاصل کرنے کے لیے مکر و حیلہ سے کام لیا جائے اور اس مقام پر اس سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو اذیت پہنچانے کے لیے پوشیدہ راہیں تلاش کی جائیں۔ اس طریقہ کو تلبیس و مکر و غدر و خیانت کہتے ہیں اور مکر کے بہت سے مدارج و اقسام ہیں۔ بعض ان میں سے بالکل ظاہر ہیں۔ جن کو معمولی عقل والا انسان بھی معلوم کر سکتا ہے۔ لیکن بعض ایسے پوشیدہ ہیں کہ عقلمند بھی ان کو معلوم نہیں کر سکتے۔

مثلاً یہ صفت ایک شخص کو آمادہ کرتی ہے کہ دوسرے کے ساتھ انتہائے دوستی و محبت کا اظہار کرے اور اس مسکین کو غافل کر کے ہلاک کروا دے۔ کبھی یہ صفت انسان کو اُبھارتی ہے کہ چند روز اپنی امانت اور دیانت کا نقش دلوں پر بٹھائے اور جب بطورِ امانت یا شرکت کوئی مال اس کے سپرد ہو تو صاف ہضم کر جائے اور اس صفت والا انسان کبھی عدالت اور تقویٰ کا اظہار کرتا ہے تاکہ دوسروں کا امام و پیشوا قرار پائے۔ غرض

اسی طرح کے ہزاروں مکر و فریب ہیں۔

مذمّتِ مکر

واضح ہو کہ صفتِ مکر ایک مہلکۂ عظیم ہے۔ اس لیے کہ اعلےٰ ترین صفاتِ شیطانی اور بزرگ ترین لشکرِ شیطان یہی صفت ہے۔ اس کا گناہ ظاہری ایذا رسانی کی بہ نسبت بہت بڑھا ہُوا ہے۔ کیونکہ ظاہری ایذا رسانی سے انسان مطلع ہو جاتا ہے۔ احتیاط و حفاظت کرتا ہے بلکہ اکثر اوقات اُس اذیّت کو دفع کر دیتا ہے۔ لیکن جو شخص غافل ہے وہ بیچارہ احتیاط نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ حیلہ باز مکّار دوستی و صداقت کے لباس میں آراستہ ہو کر احسان و خیر خواہی جتلاتا ہے۔ وہ مسکین غافل اس سے شرمسار و خجل اُس کی خرابیٔ باطن سے بے خبر یہاں تک کہ وہ بدبخت اُسے ہلاک کرتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ :

"جو شخص مُسلمان سے مکر کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ :

"اگر عاقبت مکر و حیلہ کی آتشِ جہنّم نہ ہوتی تو مَیں سب سے بڑھ کر مکر کرنے والا ہوتا۔"

آپ مکرّر آہِ سرد کھینچتے تھے اور فرماتے تھے کہ :

"افسوس مجھ سے مکر کرتے ہیں۔ حالانکہ جانتے ہیں کہ مَیں مکر کو سمجھتا ہُوں۔ ان کے مکر و حیلہ کے طریقوں کو پہچانتا ہُوں۔ لیکن جانتا ہُوں کہ مکر و حیلہ کا نتیجہ آتشِ جہنّم ہے۔ اس لیے اُن کے مکر پر صبر کرتا ہُوں۔ وہ مرتکبِ مکر ہوتے ہیں۔ مَیں مرتکب نہیں ہوتا۔

معالجہ

اس صفتِ خراب کی خلاصی کا طریقہ یہ ہے کہ انسان سُوئے عاقبت اور اس کے انجامِ بد پر نظر کرے اور غور کرے کہ مکّار آتشِ جہنّم میں شیطان کا ہم نشیں ہوگا۔ آیاتِ واخبار اس پر ناطق ہیں۔ اعتبار اور تجربے گواہِ صادق ہیں۔ مکر و حیلہ کا نتیجہ مکر کرنے والے کی طرف ہی رجُوع کرتا ہے۔

مَنْ حَفَرَ بِئْرًا لِاَخِيْهِ وَقَعَ فِيْهِ

یعنی : "جو کوئی دوسرے کے لیے کنواں کھودتا ہے

وہ خود اُس میں گرتا ہے۔"

وہ نیکیاں جو مکر و حیلہ کی ضد ہیں مثلاً مسلمانوں کی خیر خواہی وغیرہ۔ ان کے محاسن پر غور کرے جیساکہ اس کے مقام پر حوالۂ قلم کیا جائے گا اور جو کام کرنا چاہے پہلے اُس میں تامّل کرلے کہ حیلہ پر مبنی نہ ہو اور اگر اتفاقاً اس سے کوئی مکر صادر ہو جائے تو اپنے نفس پر عتاب کرے انشاءاللہ تعالےٰ یہ صفت صفحۂ دل سے محو ہو جائے گی۔

تیسرا مقام

اُن اخلاقِ ذمیمہ کے معالجہ میں جو قوّۂ غضبیّہ سے متعلق ہیں

معنی جبن و تہوّر اور اُن کا علاج جس میں اکیس صفتیں ہیں۔

معنی جبن و تہوّر

جاننا چاہیئے کہ صفاتِ رذیلہ قوۂ غضبیہ افراط و تفریط کی بنار پر دو قسم پر ہیں اور اُن میں سے ہر ایک قسم کئی صفات پر مشتمل ہے۔

۱: تہور۔ افراط (زیادتی) شجاعت کا نام ہے۔ یعنی ان چیزوں سے پرہیز نہ کرنا جن سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اور اپنے کو ایسے مقامِ ہلاکت میں ڈالنا جہاں ازروئے عقل و شرع ممنوع ہو۔ کوئی شک نہیں کہ یہ صفت مہلکۂ دنیویّہ و آخرویہ ہے۔ آیات و اخبار حفاظت کے واجب ہونے پر حد و حصر سے باہر ہیں۔ مگر یہاں اسی قدر کافی ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ

یعنی: "اپنے آپ کو جائے ہلاکت میں نہ ڈالو"

حق یہ ہے کہ اس صفت والا بحکمِ عقل اپنی حفاظت کے لزوم کی خبر نہیں رکھتا۔ وہ مجنون و دیوانہ ہے اور حکمِ شریعت کے خلاف خود اپنے قتل کا باعث اور ہلاکتِ ابدیہ و شقاوتِ سرمدیہ میں گرفتار ہوتا ہے۔

پس اس صفت والے کے لیے ضروری ہے کہ ان خرابیوں کو نظر میں لائے جو دنیا و آخرت کو خراب کرنے والی ہیں۔ اس کے بعد جو کام کرے ابتداء میں تامّل کر لے۔ اگر عقل و شرع اُس کا حکم دے تو اُس کا مرتکب ہو۔ ورنہ اس سے اجتناب کرے اور بسا اوقات اس مرض کا علاج اس طرح کیا جاتا ہے کہ اُن چیزوں سے پرہیز کرنے کی عادت ڈالے۔ جن سے پرہیز کرنا لازم نہیں ہے یہاں تک کہ حدِ وسط پر قائم رہے۔

۲ : جُبن (بزدلی) جو تفریط (کمی) کی طرف واقع ہے۔ وہ یہ ہے کہ جن چیزوں سے پرہیز کرنا نہ چاہیئے اُن سے پرہیز کرے۔ یہ صفت بھی نہایت درجہ بد اور باعثِ ہلاکت ہے۔ آدمی اس کی وجہ سے ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ اس کی زندگی تلخ و ناگوار ہوتی ہے۔ دوسرے آدمی اُس کے جان و مال کی طمع کرتے ہیں۔ ظالم اُس پر ہاتھ ڈالتا ہے وہ مضطرب و بے ثبات و کاہل و راحت دوست ہوتا ہے۔ اس وجہ سے تمام نیکیوں سے باز رہتا ہے۔ ہر قسم کی بدنامی و رسوائی برداشت کرتا ہے۔ فحش اور دشنام کو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ نام و ننگ کو برباد کرتا ہے۔ اسی سبب سے سیّد رسل صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ :

"مومن کو بخل اور بزدلی سزاوار نہیں ہے۔"

پھر فرمایا کہ :

"اے پروردگار بخل اور بزدلی سے پناہ مانگتا ہوں۔"

کیفیتِ صفتِ خوف جو لوازمِ جُبن ہے۔ اس سے پیدا ہوتی ہے۔ ان دونوں (تہور و جُبن) کی ضد صفتِ شجاعت ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قوۂ غضبیۂ قوۂ عاقلہ کی مطیع ہو یہاں تک کہ جس شے سے پرہیز لازم ہے اس سے پرہیز کرے اور جس شے سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اس سے نہ ڈرے۔ یہ صفت اشرفِ صفات کمالیہ اور افضلِ ملکات نفسانیہ ہے جو مرد اس صفت سے خالی ہو حقیقت میں وہ عورت ہے۔ اس میں مردانگی نہیں ہے۔ اسی سبب سے حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام نے مومن کے وصف میں ارشاد فرمایا کہ:

"مومن کا دل پتھر کے مانند سخت ہے۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ:

"مومن پہاڑ سے زیادہ مستحکم ہے۔ کیونکہ پہاڑ سے پتھر الگ ہو کر گرتا ہے لیکن مومن کے دین سے کچھ نہیں جُدا ہوتا۔"

وہ صفاتِ رذیلہ جو ہر دو جنس مذکورہ قوۂ غضبیۂ سے متعلق ہیں وہ بہت ہیں۔

پہلی صِفت

مذمّتِ خوف

جس میں دو فصلیں ہیں۔

معنی خوف

خوف کے معنی یہ ہیں کہ انسان کسی ایسے امر آئندہ کے سبب سے درد مند ہو جس کا وقوع میں آنا محتمل ہے یا کسی ایسے امر سے مشوّش ہو جس کا پیش آنا یقینی ہے یا مظنون ہے۔ اگرچہ اس آخری کیفیت کو خوف نہیں کہتے لیکن چونکہ یہ بھی ضعفِ نفس کی علامت اور موجبِ ہلاکت ہے اس لیے اسے بھی خوف میں شمار کرتے ہیں:۔

اقسامِ خوف

خوف کی دو قسمیں ہیں :-

(۱) **خوفِ نیک :**

جیسا کسی کو خداوندِ عالم کی عظمت اور اپنے گناہوں سے خوف ہو اور یہ تدبیرِ خدا سے امن کی ضد ہے۔

(۲) **خوفِ بَد :**

یہ قسم مہلک ہے اور اس جگہ یہی قسم مراد ہے۔ یہ قسمِ خوف صفتِ جُبن کا نتیجہ ہے۔

فصل (۱)

واضح ہو کہ خوف کی چند قسمیں ہیں اور وہ سب کی سب خراب اور ازروئے عقل موردِ عتاب و ملامت ہیں۔

اقسامِ خوفِ مذموم اور اُن کا علاج نیز خوفِ مرگ کا مُعالجہ

۱: کسی ایسے امر سے خوف کرنا جو ضرور وقوع میں آئے گا اور اس کا دفع کرنا قوتِ بشری سے باہر ہے۔ کوئی شک نہیں کہ ایسا خوف باعث جہل و نادانی ہے۔ سوائے اس کے کہ انسان کا قلب تکلیفِ عاجل میں مشغول ہو کر دنیا و آخرت سے باز رہے اور کوئی فائدہ اس سے حاصل نہیں ہوتا۔ عاقل اس قسم کے خیالات کو اپنے دل میں آنے نہیں دیتا۔ مقدرات الٰہیہ پر رضامند رہتا ہے تاکہ راحتِ حال اور سعادتِ مآل حاصل ہو۔

۲: کسی ایسے امر کا خوف ہو جس کا وجود میں آنا مظنون ہے۔ ممکن ہے کہ واقع ہو اور ممکن ہے کہ نہ ہو۔ لیکن اس کا ہونا اور نہ ہونا اس کے اختیار میں نہ ہو یہ خوف بھی پہلے کے مانند خلافِ مقتضائے عقل اور باعثِ نادانی و جہل ہے بلکہ یہ پہلے سے بھی بہت خراب ہے کیونکہ علاج تو دونوں کا آدمی کے اختیار میں نہیں ہے۔ مگر اس قسم میں نہ

ہونے کا گمان تو ہے۔ برخلاف اوّل کے کہ وہاں ہونے کا یقین ہے، ہاں ع

بہیں تا چہ زاید شب آبستن است

ہر لحظہ فلک کی ایک نئی گردش ہے اور زمانہ کا ایک نیا رنگ، اور خداوندِ عالم کے الطافِ خفیہ بے شمار ہیں۔

بلے بنود دریں رہ ناامیدی

سیاہی را بود روزی سپیدی

زصد در گر امیدت بر نیاید

بنومیدی جگر خوردن نشاید

۳: اس امر کا خوف جس کا سبب اس کے اختیار میں ہو۔ لیکن ابھی وہ سبب ظاہر نہ ہُوا ہو اور ڈرتا ہو کہ کہیں وہ سبب ظاہر نہ ہو اور اس سے فلاں اثر پیدا نہ ہو جائے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے احوال کو دیکھتا رہے کہ وہ امر اُس سے صادر نہ ہو اور اُس عمل کا مرتکب نہ ہو جس کے نتیجہ سے ڈرتا ہے۔ ہر ایک کام کے نتیجہ کو دیکھے۔ برائی کی طرف بھی نظر ڈالے۔ صرف ایک طرف دیکھنے پر اکتفا نہ کرے۔ اگر اس فعل کے صادر ہونے کے بعد نتیجہ کی پریشانی سے ڈر رہا ہو تو وہ دوسری قسم میں داخل ہوگا۔

۴: اُن چیزوں سے خوف کرنا کہ جن سے بے سبب طبیعت وحشت کرتی ہے۔ مثلاً جنات، میّت وغیرہ۔ خصوصاً رات کے وقت حالتِ تنہائی میں خوف کھانا۔ اس خوف کا منشا غلبۂ قوّۂ واہمہ وقصورِ عقل ہے جو ضعفِ نفس پر دلالت کرتا ہے۔ عقلمند پر لازم ہے کہ غور کرے کہ

اُن امور سے کس لیے تشویش اور خوف کرتا ہے۔ حالتِ زندگی میں تو اُس سے خوف نہ کیا بلکہ اُس سے لڑائی سے بھی پرہیز نہ کیا۔ پھر بدن سے میّت کے جو بےحس وحرکت ہے کیوں خوف کرتا ہے۔ کہیں دیکھا یا سُنا ہے کہ مُردے نے زندہ پر حملہ کیا اور غالب ہو گیا۔ اب رہے جنّات اِن کے وجُود میں بھی بین العلماء اختلاف ہے۔ آپ کس دلیل پر ان کے وجود کا یقین کرتے ہیں اور اگر وہ موجود بھی ہو تو کیوں آپ کے سامنے آئے گا۔ وہ اگر آئے بھی تو کس بناء پر درپے آزار ہو گا اور اگر درپے آزار بھی ہو تو کون سی قوّت کی بناء پر غالب ہو گا۔ آخر انسان بھی تو اشرفِ ممکنات ہے۔ اکثر اس کے مطیع و فرماں بردار ہیں۔ پھر کس سبب سے اشرفِ کائنات ایک ضعیف الوجود سے خائف ہے جس کی قوّت ناقص اور فطرت پست ہو اس سے خوف کرتا ہے۔ ایسے شخص کو چاہیئے کہ اندھیری راتوں میں تنہا خصوصاً مقامِ وحشت انگیز میں گزرے۔ اس جگہ ٹھہرے کہ بتدریج اس کا خوف دُور ہو۔ اسی قسم میں خوفِ مرگ بھی داخل ہے گو اس کا قسمِ اوّل سے بھی تعلق ہے۔ چونکہ موت سے اکثر لوگ بہت زیادہ خائف ہیں اور اس کا معالجہ بھی اہم ہے۔ لہٰذا خصوصیّت سے اس کا بیان حوالۂ قلم کیا جاتا ہے۔

خوفِ مرگ کے چند اسباب ہیں:۔

پہلا یہ کہ:

شاید انسان ایسا تصوّر کرتا ہے کہ موت سے فانی و معدوم ہو جائے گا دوسرے وقت ہرگز اس کا وجُود کسی دوسرے عالم میں نہ ہو گا۔ منشاء اس

خوف کا سستیٔ اعتقاد اور نادانستگیٔ آخرت ہے۔ ایسا شخص زمرۂ کفار میں داخل اور دائرہ اسلام کے باہر ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اصولِ عقائد پر دلائل و براہان کے ساتھ قائم ہو۔ مجاہدات و عبادات بجالائے۔ یہاں تک کہ اس کو یہ یقین حاصل ہو کہ صرف جامۂ بدن کو دور کرنے اور بدن سے علاقہ قطع کرنے کو موت کہتے ہیں اور انسان خوشی اور نعمت یا عذاب میں ہمیشہ باقی رہے گا۔ عیاذاً باللہ کہ موت کو عدم سے تعبیر کریں اور اگر عدم بھی مان لیں۔ جب بھی تشویش و خوف ایک مہمل چیز ہے۔ اس لیے کہ معدوم کے لیے الم کیسا وہ کسی چیز سے متاثر ہی نہیں ہو سکتا۔

اسی سبب سے بعض علماء کا قول ہے کہ اگر آگ روشن کر کے کہا جائے کہ جو کوئی اس میں داخل ہو گا معدوم ہو جائے گا تو اب مجھے خوف یہ ہے کہ وہاں تک پہنچنے سے پہلے مر جاؤں اور معدوم ہونے سے محروم رہوں۔

دوسرا یہ کہ :

ایسا گمان کرے کہ مرنا اُس کو کوئی نقصان پہنچاتا ہے۔ یہ بھی غفلت ہے یہ شخص حقیقتِ مرگ سے واقف نہیں اور خود انسان کی حقیقت سے بھی جاہل ہے۔ اگر واقف ہو تو معلوم کر لیتا کہ موت باعثِ رتبۂ کمالِ انسانیت ہے آدمی جب تک نہ مرے ناقص اور ناتمام ہے۔ کیا آپ نے نہیں سُنا ہے کہ جو شخص مر گیا کامل ہو گیا۔

مثنوی مولانا رُوم

از جمادی مُردم و نامی شدم
مُردم از نامی ز حیوان سر زدم

مردم از حیوانی و آدم شدم
پس چہ ترسم کی زمردن کم شدم
بارِ دیگر ہم بمیرم از بشر
تا برآرم از ملائک بال و پر
بارِ دیگر از ملک پرّان شوم
انچہ در وہم تو ناید آن شوم

پس انسانِ کامل ہمیشہ مشتاقِ مرگ اور مرنے کا طالب ہے۔ چنانچہ سیدِ اوصیاءؑ نے فرمایا ہے :

وَاللّٰہِ اِنَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اٰنَسُ بِالْمَوْتِ مِنَ الصَّبِیِّ بِثَدْیِ اُمِّہٖ ۔

یعنی : " خدا کی قسم ہے کہ پسرِ ابوطالب کو موت سے اس طرح محبت ہے جیسا کہ طفل کو پستانِ مادر سے ۔"

جس کی عقل کامل ہو وہ جانتا ہے کہ موت آدمی کو ظلمت سرائے طبیعت سے باہر نکالتی ہے۔ عالمِ خوشی و نور و نعمت و سرور میں پہنچاتی ہے۔ بذریعہ موت تنگیِ زندان دارِ محنت سے نجات ملتی ہے۔ الم، مرض، خوف، فقر، احتیاج سے فارغ ہو کر جائے راحت و صحت کا دامن میسر آتا ہے۔ منافقین اور اشرار کی صحبت سے دوری ہوتی ہے۔ ساکنانِ عالم قدس اور محرمانِ خلوتِ انس سے قربت رہتی ہے۔ کونسا عقلمند ہے کہ سرورِ عقلیہ اور لذتِ حقیقیہ و حیاتِ ابدی و بادشاہتِ سرمدی کو ہاتھ سے کھوئے اور اُس وحشت کے گھر میں جہاں موذ و مار جمع ہوں اور طرح طرح کی مصیبت

اور بلا و مرض اور رنج و عنا کا سامنا ہو سا کن ہو نا پسند کرے۔ صاحبو!
خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہوئے کہو ؎

من ملک بودم و فردوسِ برین جایم بود
آدم آورد دریں دیرِ خراب آبادم

اپنے وطنِ اصلی کو یاد فرمائیے۔ ہرگز اپنے شہرِ حقیقی کو فراموش نہ کیجیے۔ آتشِ شوق کو روشن اور شعلۂ اشتیاق کو حرکت میں لائیے۔ غبارِ کدورت اور عالمِ جسمانیت کو دُور کیجیے۔ اس قفسِ خاک کو توڑ دیجیے اور آشیانۂ قدس کی طرف پرواز کیجیے۔ تنگیِ زندانِ ناسوت سے چھٹکارہ حاصل کر کے فضائے دلکش میں قدم رکھیے۔ کب تک طبیعت گرفتارِ دام اور کب تک زندانِ رنج و آلام میں محبوس رہے گی۔ کسی وقت عالمِ پاک کے یاروں اور دوستوں کی بھی یاد کیجیے اور اس شہر کے رفیقوں کا خیال بھی دل میں لائیے۔

تیسرا یہ کہ:

قطعِ تعلقِ اولاد و عیال و منصب و مالِ ظاہری بھی سببِ خوفِ مرگ ہوتا ہے، لیکن یہ خوف موت سے ہرگز نہیں ہے بلکہ ذخیرۂ فانیہ و لذّاتِ دنیائے دنیہ کی جدائی کا غم ہے۔ اس خوف کا علاج یہ ہے کہ تامّل کرے کہ جو چیزیں گذشتنی و گذاشتنی ہیں، ان سے دل بستگی کہاں تک جائز ہے۔ اگر آپ انھیں ترک نہیں کر سکتے تو وہ آپ کو ترک کرنے پر آمادہ ہیں۔ غرض مفارقت ایک ضروری چیز ہے اور اس جدائی کا کوئی علاج نہیں۔ معمولی عقل والا بھی ان سے ہرگز اطمینان و محبت نہ رکھے گا۔

پس محبتِ دنیا سے کنارہ کیجیے اور اس خوف و رنج سے دل کو دُور رکھیے۔

چوتھا یہ کہ :

اس امر کا خوف ہو کہ ہماری موت پر دشمن شماتت کریں گے اور خوشحال ہوں گے اور اس لیے موت سے خوف کیا جائے تو یہ ایک مکر اور وسوسۂ شیطانیہ ہے۔ کیونکہ ان کی خوشی اور سرزنش نہ دین کو ضرر پہنچاتی ہے نہ ایمان کو، نہ بدن کو کوئی الم حاصل ہوتا ہے نہ جان کو۔ جب آپ اس گھر سے چلے جائیں گے تو اس قسم کے خیالات دل میں آ ہی نہیں سکتے۔ علاوہ اس کے دشمنوں کی شماتت اور اُن کی خوشی موت پر ہی منحصر نہیں ہے۔ بلکہ ہر قسم کی بلا و نکبت پر دشمن خوش ہوا کرتے ہیں۔ پس اس امر سے جو شخص خائف ہے تو اسے چاہیئے کہ اپنے دشمنوں کے ساتھ ایسی دوستی کا برتاؤ رکھے جس کا ذکر آگے حوالۂ قلم کیا جاتا ہے۔

پانچواں یہ کہ :

مرگ سے اس لیے خائف ہے کہ اس کے مرجانے کے بعد اہل وعیال ذلیل و خوار اور ضائع و پائمال ہوں گے۔ اس کے دوست اور عزیز و اقارب ہلاک اور بد حال ہوں گے۔ یہ خیال بھی وسوسۂ شیطانیہ اور خیالِ فاسدہ ہے۔ کیونکہ جو شخص ایسا خیال کرے تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنے کو بھی فشاد کسی اثر کا جانتا ہے۔ دوسرکی عزت اور ثروت و قوت میں اپنے وجود کی بھی مداخلت مانتا ہے۔ خداوندِ عالم کے قضاؑ و قدر سے جاہل اور نادان ہے۔ ایک عقلمند کیونکر ایسا خیال دل میں لا سکتا ہے۔ درآں حالیکہ دیکھ رہا ہے کہ اُس کے فیضِ اقدس سے ایک ایک کو وہ فیض پہنچ رہا ہے جس کا وہ سزاوار ہے اور جس شے کو جس کے لیے خلق کیا ہے اسے حاصل کر رہا ہے۔ کسی مخلوق کے لیے تبدیل کو دخل نہیں۔ اپنی آنکھوں سے

دیکھا گیا ہے کہ جس لڑکے کے نگہبان اور پرستار متعدد تھے وہ ہلاک ہوئے ہیں اور وہ لڑکے جو بے پدر و مادر تھے کوچہ و صحرا میں بیکس و تنہا زندہ رہے ہیں۔

کیا آپ نے نہیں دیکھا ہے کہ بہت سے علماء اور فضلاء نے اپنی اولاد کی تربیت میں کوشش کی۔ بہت کچھ سرزنش سے کام لیا۔ لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ کوئی علم میسر نہ ہوا۔ صاحبانِ دولت و مال اپنے فرزندوں کے لیے کس قدر مال چھوڑ گئے۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ میں وہ دولت ہاتھ سے نکل گئی۔ کوئی منفعت نہ ہوئی۔ بہت سے یتیموں کے لیے نہ کوئی مال تھا نہ کوئی تربیت کرنے والا، لیکن مربیّ ازل کے توسط سے صاحب کمال ہو کر مناصب جلیلہ پر فائز ہوئے اور اکثر یتیم جن کے باپ زمانۂ طفولیت میں سر پر نہیں رہتے بہ نسبت اُن لڑکوں کے جو آغوش پدر میں پرورش پاتے ہیں۔ ترقی دنیا و آخرت میں سبقت لے جاتے ہیں۔

تجربہ ہوا ہے کہ جس شخص نے خاطر جمع و مطمئن ہو کر اپنی اولاد کے واسطے کوئی مال چھوڑا یا اپنی اولاد کو کسی کے سپرد کیا تو آخرکار اس کی اولاد فقر اور تہی دستی میں گرفتار ہو کر ذلیل و خوار ہوئی۔ بلکہ اکثر ہوا ہے کہ وہ مال یا وہ شخص اس کی اولاد کے لیے باعثِ ہلاکت ہوا ہے۔

پس جو شخص اپنی اولاد اور پسماندوں کو خداوندِ عالم کے سپرد کر دے تو اُن کی عزت اور معیشت و مال اور دولت میں ہر روز زیادتی ہوتی ہے۔ اب جو شخص عاقل اور اپنی اہل کا خیر خواہ ہو گا وہ اپنی اولاد و عیال کا کاروبار خالق پر چھوڑ دے گا۔

چھٹا یہ کہ:

بہ سبب اُن معاصی اور گناہوں کے جو اُس سے صادر ہوئے ہیں۔ موت اور عذاب الٰہی سے خائف ہو۔ یہ خوف بہت اچھا ہے اور بہت بہتر ہے آیات و اخبار میں اس کی تعریف وارد ہوئی ہے جیسا کہ اس کے بعد حوالۂ قلم کیا جائے گا۔ لیکن اس خوف پر باقی رہنا اور اس کا علاج توبہ و انابہ و ترکِ معصیت سے نہ کرنا جہل و غفلت ہے۔ اس خوف کی کیفیت اس کے بعد آئے گی۔ علاوہ اس کے یہ خوف حقیقتاً مرگ سے نہیں ہے بلکہ یہ خوف اُس حالت سے ہے جو مرنے کے بعد پیش ہوگی۔

یہ جو کچھ کہ اوپر بیان کیا گیا اس سے معلوم ہُوا کہ موت کا خوف بہ سبب اُن وجوہاتِ مذکورہ کی بناء پر بالکل بیکار ہے۔ عاقل کو چاہیئے کہ اس کا خوف نہ کھائے اور تامل کرے کہ موت ایسی شیرینی ہے جس کو ہر شخص چکھے گا۔ ایک ضربت ہے کہ ہر شخص کے سر پر آئے گی۔ بلکہ از روئے فنِ حکمت یہ امر مسلمہ و مثبتہ ہے کہ ہر مرکب بالضرور فاسد ہوتا ہے۔

پس بدن جو عناصر سے مرکّب ہے اس کو چاہیے کہ فاسد ہو۔ پھر آرزوئے ہمیشگیٔ حیات اور تمنائے بقائے بدن خیال غلط و محال ہے۔ عقلمند ایسی آرزو نہیں کرتا۔ بلکہ یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ انتظامِ عالم بالکل خیر و صلاح پر مبنی ہے۔

پس جو کچھ ہُوا یا ہوتا ہے۔ اس پر رضامندی اور خوشنودی کا اظہار کرتا ہے۔ کسی رنج و کدورت کا دل میں خیال نہیں لاتا۔ اگر تمنّا اور آرزو طولِ عمر کی حصولِ لذاتِ جسمانیہ کے لیے چاہتا ہے تو پیری ایک چیز ہے جس سے قویٰ و حواس میں فتور آنا لازم ہے۔ خصوصاً صحت جو عمدہ لذّت ہے وہی زائل ہو گئی تو پھر کوئی دُوسری لذّت کیوں کر حاصل ہو سکتی ہے۔

روز بروز نخلِ قامت پستی کی طرف جھکے گا۔ یہاں تک کہ دوسرے بلکہ اپنے اہل وعیال خواری و بے قدری کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

جیسا کہ کتابِ خدا میں ہے کہ :

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ

یعنی : " جس کو پیری اور عمر زیادہ دی گئی وہ آدمیوں میں سرنگوں اور خوار ہُوا۔"

علاوہ اس کے طولِ عمر کے لیے لازمی ہے کہ احباب واولاد کے داغ اٹھائے۔ قسم قسم کی بلاؤں میں مبتلا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص زیادتیٔ عمر کا طلب گار ہے۔ وہ ان تمام زحمتوں کا خواستگار ہے اور اگر زیادتیٔ عمر سے فضائل واخلاقِ حسنہ کے حاصل کرنے اور طاعت وعبادت کا مقصد ہو تو کوئی شک نہیں کہ زمانۂ پیری میں ان کا حاصل کرنا نہایت دشوار اور مشکل ہے۔ اس کے لیے بھی زیادتیٔ عمر لاحاصل ہے۔ کیونکہ جس نے جوانی میں بدی کو اپنے سے دُور نہیں کیا۔ یہاں تک کہ زمانۂ پیری آگیا۔ اس کی جڑ دل میں مضبوط ہوگئی تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ اس کو زائل کرکے اخلاقِ حسنہ حاصل کرے۔ کیونکہ جڑ مضبوط ہونے کے بعد اس کا اکھیڑنا ریاضت اور مجاہدہ پر موقوف ہے اور زمانۂ پیری میں کسی ریاضت ومجاہدہ کا متحمل ہونا ممکن نہیں۔

اسی سبب سے اخبار میں وارد ہُوا ہے کہ جب آدمی کا سِن چالیس برس کا ہُوا اور کوئی نیکی نہیں کی تو شیطان اس کے نزدیک آتا ہے اور اس کے مُنہ پر ہاتھ پھراتا ہے اور کہتا ہے کہ :

"میرا باپ تیرے مُنہ پر فدا ہو کہ ہرگز تیرا چھٹکارا نہیں ہے۔"

باوجود اس کے طالب سعادت کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر وقت صفاتِ بد کو دُور کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ اور یہ طول امل (درازیٔ آرزو) خود ایک صفتِ بد ہے۔ اس سے متنفر رہنا چاہیئے اور ہمیشہ حتی المقدور زندانِ دنیائے مکار سے خلاصی اور ترکِ لذاتِ دنیا اور خواہشِ حیاتِ ابدیہ میں مشغول رہ کر دن رات خداوندِ عالم سے مناجات کرتا رہے۔ یہاں تک کہ قفسِ طبیعت سے خلاصی پا کر اوجِ عالمِ حقیقت کی طرف پرواز میسر آ ئے۔

ایسی صورت میں وہ موت کا مشتاق رہے گا۔ اسے موت کی پروا بھی نہ ہوگی۔ نہ اس کو اس ظلمت کدہ کی جو مسکنِ اشقیا اور شیاطین و اشرار ہے کوئی خواہش ہوگی۔ اور نہ اس کی نظر میں اس حیاتِ فانی کا کوئی اعتبار ہوگا بلکہ اس کا دل عالمِ اعلیٰ کی طرف لگا ہوا اور وہ مصاحبتِ مجاورانِ حرمِ قدس کا شائق اور ہمیشہ بساطِ قربِ حق کا جویا رہے گا۔

فصل (۲)

شرافتِ اطمینانِ قلب

اور اس کے تحصیل کا طریقہ

واضح ہو کہ خوف کی ضد یہ ہے کہ امورِ مذکورہ میں اطمینانِ قلب حاصل ہو۔ یعنی ذرا بھی اُن امور سے مضطرب نہ ہو اور کوئی خوف اس کے دل میں نہ آئے۔

کوئی شک نہیں کہ یہی فضیلت مطلوب اور نہایت مرغوب ہے۔ ایسا شخص ہر ایک کی نظر میں صاحبِ عزت اور صاحبانِ بصیرت کے نزدیک باوقعت ہے اور جس میں یہ صفت نہیں ہے۔ امورِ مذکورہ سے خائف اور ترساں ہے۔ تو اس کو مرد کہنا بیکار ہے۔ آدمیوں کی نظر میں بے وقعت و بے اعتبار ہے۔ ایک بچہ ہے کہ مرد کا جسم رکھتا ہے یا ایک مرد ہے جو عورتوں کی طبیعت رکھتا ہے۔

پس جو کوئی اپنے آپ کو مردوں کے زمرے میں داخل کرنا چاہتا ہے تو اس صفت کے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ قوتِ قلب کی

کم۔ م رکھی گھاس

کی طرح نسیم سے پریشان نہ ہو۔ بلکہ مانندِ کوہ اپنے مقام پر قائم رہے اور جان لے کہ صاحبانِ قلوبِ قویّہ ونفوسِ مطمئنہ کی ایک خاص ہیبت دلوں پر طاری ہوتی ہے۔ بلکہ کسی شخص کے سامنے جب کوئی دوسرا شخص متزلزل اور مضطرب ہوتا ہے تو یہ اوّل الذکر کی قوّتِ نفس کی وجہ سے ہے اور اکثر اوقات جس کا نفس قوی ہے وہ مباحثاتِ علمیہ اور مخاصمہ ومنازعہ کے وقت اس شخص کو زیر کرلے گا۔ جس کا نفس ضعیف ہے۔

اس صفت کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ رفتہ رفتہ اپنے آپ کو جائے خوف وبیم میں ڈالے یہاں تک کہ ملکہ حاصل ہو اور دل میں قوّت واطمینان کامل ہو۔

دُوسری صِفت

عذابِ الٰہی سے بے فِکر رہنا !

جس میں چھ فصلیں ہیں ۔

عذابِ الٰہی سے بے فکر رہنا

کب کہا جاسکتا ہے ؟

وہ یہ ہے کہ انسان تدبیر اور گرفتِ خداوندی سے اپنے آپ کو امین سمجھے ۔ عذابِ الٰہی اور اس کے امتحانات سے بے فکر ہو بیٹھے ۔ اس کی عظمت و جلال کا خیال اور اس کے مواخذے کا دل میں اندیشہ نہ رکھتا ہو ۔

فصل (۱)

عذابِ الٰہی سے بے فکر ہونے کی مذمّت اور اُس کے اسباب و مُعالجہ

واضح ہو کہ سبب اس صفتِ رذیلہ کا عظمتِ پروردگار سے غفلت اور اس کی آزمائش و امتحانات سے ناواقفیت ہے یا روزِ قیامت کے حساب اور اعمالِ نیک و بد کی جزاء پر اعتقاد نہیں رکھتا ہے، یا اسے رحمتِ واسعۂ الٰہی پر اطمینان ہے یا اپنی طاعت و عبادت پر بھروسہ رکھتا ہے۔ غرض یہ صفت کسی سبب سے بھی پیدا ہو موجبِ خرابی و نقصانِ مآل و سببِ ضلال ہے۔ کیونکہ اس کا سبب یا تو کفر ہے یا جہل یا غرور یا خودپسندی اور ان میں سے ہر شے انسان کو ہلاک کرنے والی ہے۔ اب اگر عظمتِ الٰہی سے غفلت ہو تو یہ جہل و نادانی ہے اور اگر اعتقاد نہ ہونے کی وجہ سے ہو تو اس کا منشا کفر و بے ایمانی ہے۔ اگر بھروسہ رحمتِ الٰہی کا ہو تو یہ غرور ہے جو صاحبِ عقل سے دُور ہے اور اگر اپنے عمل پر اعتماد ہو تو خودپسندی ہے۔ بیجا تفاخر ہے۔ آیات و اخبار مکرِ خدا سے ایمن ہونے کی نسبت موجود ہیں۔

خداوندِ عالم کی کتاب میں وارد ہے:

وَلَا یَأْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ۔

یعنی : " زیاں کاروں کی جماعت مکرِ خدا سے ایمن ہوتی ہے۔"

ثابت و محقق ہے کہ فرشتے اور پیغمبران خدائی گرفت سے خائف اور ترساں و گریاں و نالاں ہیں۔ جیسا کہ مروی ہے کہ ابلیسِ لعین اپنے کردار کی سزا پا چکا تو جبرائیل و میکائیل جو مقربانِ بارگاہِ ربّ جلیل ہیں ایک جگہ بیٹھے ہوئے گریہ و زاری کرتے تھے۔ ان کو خطابِ الٰہی ہوا کہ :

"کس لیے گریہ کرتے ہو؟"

عرض کیا کہ :

" اے پروردگار تیرے امتحان سے ڈرتے ہیں۔ تیری آزمائش سے خائف ہیں۔"

پس خداوندِ جلیل نے فرمایا کہ :

" ہمیشہ اسی طرح ڈرتے رہو اور میرے مکر سے بے خوف نہ ہو۔"

مروی ہے کہ حضرتِ رسولؐ و جبرائیلِ امینؑ خدا کے خوف سے روئے تو خدا نے اُن پر وحی نازل کی کہ :

"کیوں روتے ہو۔ حالانکہ مَیں نے تم کو ایمن کیا ہے۔"

عرض کیا کہ :

" خداوندا کون ہے جو تیری آزمائش اور امتحان سے بے خوف رہے؟

گویا اس ارشادِ الٰہی پر اس لیے بے خوف نہ ہوئے کہ مبادا یہ ارشاد ہی امتحان و آزمائش کے لیے ہو۔ اگر ان کے خوف کو تسکین ہوتی تو

معلوم ہوتا کہ یہ بے خوف ہو گئے ہیں اور اپنے قول پر ثابت نہیں ہیں۔ جیسا کہ جب حضرتِ ابراہیمؑ خلیل کو گوپن میں رکھا کہ آگ میں ڈالیں تو انھوں نے کہا :

حَسْبِیَ اللّٰہُ ۔

یعنی : " خدا مجھ کو ہر حال میں کافی ہے۔ کسی چیز کی میں پروا نہیں رکھتا ہوں۔"

چونکہ یہ بزرگی کا دعویٰ تھا اس لیے خداوند عالم نے آزمائش کی اور جبرائیل کو بھیجا۔ وہ ہوا میں ظاہر ہوئے اور ابراہیمؑ خلیل سے اُنھوں نے پوچھا کہ :

" اگر کوئی حاجت ہے تو کہو کہ اس کو پورا کروں۔"

حضرت نے کہا کہ :

" حاجت تو رکھتا ہوں مگر تم سے نہیں۔"

پھر جبرائیل نے کہا :

" جس سے حاجت رکھتے ہو اس سے طلب کرو۔"

تو کہا :

" عِلْمُہٗ بِحَالِیْ حَسْبِیْ عَنْ مَقَالِیْ۔"

یعنی : " جب اس کو میرا حال معلوم ہے تو میرے کہنے کی ضرورت نہیں۔"

ایسے بزرگوار پر آفریں ہے کہ ایسی حالت میں روح القدس کی طرف التفات نہیں کیا۔ وہ امتحان میں پورے اُترے۔

اسی سبب سے خداوندِ عالم نے فرمایا ہے :

"وَاِبْرَاهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی"۔

یعنی : "ابراہیمؑ نے جو کچھ کہا وہ وفا کیا۔ میرے سوا کسی دوسرے کی طرف التفات واعتنا نہیں کی۔"

لہٰذا بندۂ مومن کو چاہیئے کہ کسی حال میں خدا کے امتحان و آزمائش سے غافل نہ ہو جیسا کہ ملائکہ وانبیا ایمن (بے خوف) نہیں تھے۔ مواخذہ اور عذابِ الٰہی کو فراموش نہیں کیا۔

حضرتِ موسیٰ علیہ السّلام سے جادوگروں کے مقابلہ میں جو خوف باطنی ظاہر ہوا وہ خوف فی الحقیقۃ امتحان و آزمائشِ خداوندی کے مقابلہ میں تھا جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے خبر دی :

اَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی

علاج اس صفت کا علاوہ اس کے جو آگے بیان کیا جائے گا۔ وہی ہے جو عُجب و غرور کا علاج ہے۔ یعنی خوفِ خدا دل میں پیدا کرے۔ جو اس صفت کی ضد ہے۔

فصل (۲)

خوفِ خدا اور اس کے اقسام

واضح ہو کہ ضد اس صفتِ مذموم (عذاب الٰہی سے بے فکر رہنا) کی خوفِ خدا ہے۔ یہ تین قسم پر ہے:

۱ : خوف بندہ کو عظمت و جلالِ کبریا سے ہو۔ صاحبانِ قلوب اس کو خشیت یا رہبت کہتے ہیں۔

۲ : خوف اُن گناہوں کا جو کیے ہیں اور اُن تقصیرات کا جو اُس سے صادر ہوئی ہیں۔

۳ : خوف جو ان دونوں قسمِ مذکورہ پر شامل ہو۔

کوئی شبہ نہیں کہ جس قدر بندہ معرفت عظمت و جلال آفریدگار کی رکھتا ہو اور اپنے عیوب اور گناہوں کا دیکھنے والا ہو اُسی قدر اس کا ترس اور خوف زیادہ ہوگا۔ کیونکہ ادراکِ قدرت و عظمتِ پروردگار و قوّتِ قویہ و عزّتِ شدیدہ ضرور باعثِ وحشت و اضطراب ہے اور کوئی شک نہیں کہ اس کی عظمت اور قدرت و صفات اور جلال و جمال کی شدّت و قوّت بے انتہا ہے۔ کوئی شخص اس کی صفاتِ مقدس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ کسی کو اس کی کُنہ کا ادراک میسّر نہیں ہے۔ ہاں بعض لوگ اپنی قابلیّت و طاقت کے موافق بطورِ اجمال بعض صفات کو سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ بھی حقیقتاً اس کی صفات نہیں ہیں۔ عقولِ قاصرہ

انسانی کی وہی انتہا ہے۔ بلکہ نہایت مشکل ہے اور انسان اُسے بکمال تصور کرتا ہے اگر خورشید حقیقت کے نور کی ایک جھلک ارباب عقولِ قویہ کے قلب پر پڑ جائے تو اُن کے وجود خس و خاشاک کی طرح جل اٹھیں اور عقولِ قدسیہ و نفوسِ عالیہ کا منتہائے فہم یہ ہے کہ وہ جان لیں کہ حقیقت صفاتِ جلال و جمال تک رسائی محال ہے اور اس مرتبہ کے سمجھنے میں بھی عقول متفاوت ہیں۔ اب جس شخص کا ادراک زیادہ اور عقل کامل تر ہے۔ اس کی حیرت اور سرگردانی بیشتر ہے۔ جو اس کی عظمت اور جلال کا زیادہ شناسا ہے۔ اس کا خوف اور دہشت زیادہ ہے۔

اسی وجہ سے پروردگارِ عالم فرماتا ہے۔

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءُ

یعنی : "خدا سے خوف اور دہشت سوائے بندگان خاص اور عالم و دانا کے کسی کو نہیں ہے۔"

سیدِ رسلؐ نے فرمایا ہے :

اَنَا اَخْوَفُكُمْ مِنَ اللّٰهِ

یعنی : "خدا سے میرا خوف بہ نسبت تمام کے زیادہ ہے۔"

یہ حالتِ خوف اولیاء و انبیاء کی ہے۔ کیا آپ نے نہیں سنا ہے کہ ہر شب امیر المومنینؑ کو پے در پے غش طاری ہوتے تھے۔ اس کا سبب کمالِ معرفتِ خدا ہے۔ کیونکہ جس کے دل میں معرفت کامل طور سے اثر کرتی ہے اس کا اضطراب بڑھتا ہے۔ سوزش زیادہ ہوتی ہے اور یہ اثر دل سے

بدن میں سرایت کرتا ہے۔

پس جسم ضعیف اور لاغر رہتا ہے۔ چہرہ زرد اور آنکھیں گریاں۔ وہ لوگ گناہوں سے باز رہ کر طاعت وعبادت میں مشغول ہوتے ہیں۔

پس جو شخص ترکِ معاصی میں کوشش اور طاعت کی عادت نہ کرے اس کو کوئی مرتبۂ خوف حاصل نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ وہ شخص خائف نہیں ہے کہ روئے بلکہ خائف وہ شخص ہے جو عاقبت سے ڈرے اور گناہ سے پرہیز کرے۔

ایک عارف کا قول ہے کہ :

"بندہ جس وقت خدا سے ڈرتا ہے تو گناہ سے اس طرح پرہیز کرتا ہے جیسا کہ بیمار طولِ مرض کے اندیشہ سے غذائے ناموافق سے پرہیز اور خوف کرتا ہے۔"

اور یہ اثرِ خوف جب صفات واحوال میں سرایت کرتا ہے تو شہوت کی آگ کو کم کر دیتا ہے۔ اسے دنیا کی لذتیں مزہ نہیں دیتیں۔ اس کی طبیعت کو گناہ مکروہ وناگوار معلوم ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اُس شخص کو شہد ناگوار ہوتا ہے جو یہ جانے کہ اس میں زہر ملا ہُوا ہے۔ اس وقت میں اُس کا دل دُنیا سے بیزار ہو جاتا ہے اور اس کی لذتیں اس کے لیے بیکار ہو جاتی ہیں۔ صفاتِ خراب اس سے دُور ہوتے ہیں۔ وہ عظمتِ الٰہی کے سامنے ذلیل اور متواضع ہوتا ہے۔ اپنے احوال کے نتیجہ پر نظر رکھتا ہے۔ اس کو سوائے مجاہدۂ نفس اور شیطان و مراقبۂ احوال ومحاسبۂ اعمال کے کوئی شغل نہیں ہوتا۔ اپنی ایک ایک گھڑی غنیمت سمجھتا ہے۔ اس کو بے فائدہ صرف نہیں کرتا۔ ایک بات بھی فضول نہیں کہتا ہے۔ جب کوئی خیال فضول اُس کے دل میں گزرے تو

اپنے نفس پر مواخذہ و عتاب کرتا ہے۔ اپنے ظاہر و باطن کو اس شے کے علاج پر جس سے ڈرتا ہے مشغول کرتا ہے۔ اس کے دل میں امورِ مذکورہ کے سوا کوئی دوسری بات نہیں گزرتی۔ جس طرح کہ کوئی شخص شیر کے پنجہ میں پھنس گیا ہو یا دریا کے طوفان میں آ گیا ہو وہ سوائے اپنی رہائی کے اور کسی بات کا خیال نہیں کر سکتا۔ اسی طرح یہ شخص بھی سوائے اپنی نجات کے دوسری طرف توجہ نہیں کرتا۔

صحابہ و تابعین و سلفِ صالحین اسی طریقہ پر کاربند تھے اور اقلِ درجہ یہ ہے کہ اس کا اثر اعمال میں ظاہر ہو اور آدمی محرمات سے باز رہے۔ اس وقت مرتبۂ ورع حاصل ہوتا ہے اور جب اس مرتبہ سے ترقی کر کے ہمہ تن بارگاہِ اقدسِ خداوندی میں حاضر ہو۔ فضولیاتِ دنیا سے قطعاً الگ ہو جائے تو اس وقت زمرۂ صدیقین میں داخل ہو گا۔

فصل (۳)

مراتب خوف جن کی

ایک دوسرے پر ترجیح ہے

واضح ہو کہ مکروہات آئندہ کے تصور سے انسان کو خوف اور ترس لاحق ہوتا ہے۔ ان کے بہت درجے ہیں۔ کیونکہ یا تو انسان کو بلحاظِ قرب

اور لذتِ دیدارِ پروردگار سے دور ہو جانے کا خوف ہوگا۔ یہ درجۂ خوف بہت بلند ہے اور صدیقین و مقربین کے واسطے یہ درجہ میسر ہوتا ہے۔ سیدِ اولیاءؑ اس مرتبہ کی طرف اشارہ فرماتے ہیں :

فَهَبْنِي يَا اِلٰهِي وَسَيِّدِي وَمَوْلَايَ وَرَبِّي صَبَرْتُ عَلٰى عَذَابِكَ فَكَيْفَ اَصْبِرُ عَلٰى فِرَاقِكَ۔

یعنی : " اے میرے معبود و آقا و مولا و پروردگار مَیں نے فرض کیا کہ تیرے عذاب پر صبر کر لوں گا لیکن تیرے فراق پر کیوں کر صبر کر سکوں گا۔"

اس مرتبہ سے کم درجہ کا خوف عابد و زاہد کا ہے۔ اس کے بھی کئی اقسام ہیں۔ مثلاً جانکندی یا اس کی سختی یا سوالِ منکر و نکیر یا عذاب قبر ہولناک و تنہائی کا یا میدانِ قیامت کے ہول کا یا پروردگار کے سامنے کھڑے رہنے کا یا اس کی ہیبت یا اپنے گناہوں کی حیا و خجالت کا، یا رسوائیِ محشر یا اس کی شرمساری کا، یا بازارِ قیامت کے محاسبہ سے عاجز رہنے کا یا حسرت و پشیمانی اور ندامت کے الم کا، یا روزِ محشر کی شفاعت سے محرومی کا، یا صراط سے گزرنے کا، یا دوزخ کے سانپ اور بچھو کی ایذا کا، یا محرومیٔ بہشت یا حورانِ پاک سرشت سے دوری کا خوف ہوتا ہے اور اکثر اوقات اس امر کا خوف ہوتا ہے کہ مبادا مرنے سے پہلے توبہ نہ کر سکوں یا توبہ ٹوٹ جائے یا ادائے حقوقِ پروردگار میں تقصیر ہو، یا نفسِ امارہ اور شیطانِ مکار غالب آ جائے یا دنیائے دنی فریب دے یا حقوق الناس ذمہ رہ جائیں یا نعمت و ثروت و عزت و صحت برباد ہو جائے

یا طاعت و عبادت قبول نہ ہو لیکن نیکوں اور متقیوں کے دل پر زیادہ تر خوف نتیجہ خاتمہ کا ہوتا ہے۔ اسی سے عارفوں کا دل پارہ پارہ ہے اور ان سب اقسام سے بڑھا ہوا روزِ ازل کا خوف ہے۔

اسی سبب سے عبد اللہ انصاری کا قول ہے کہ آدمی روزِ آخر سے ڈرتے ہیں اور میں روزِ اوّل سے ڈرتا ہوں۔

حضرتِ رسولؐ نے ایک روز سیدھا دستِ مبارک بند کر کے فرمایا کہ تم لوگ جانتے ہو میرے ہاتھ میں کیا ہے؟

سب نے عرض کیا کہ:

"خدا اور رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔"

فرمایا کہ:

"اہلِ بہشت کے اور ان کے باپ اور ان کے قبیلوں کے نام ہیں۔ جو قیامت تک اہلِ بہشت ہوں گے۔"

پھر فرمایا کہ حکمِ خدا ہے اور حکمِ خدا عدل پر مبنی ہے کہ:

فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ

یعنی: "ایک طائفہ بہشت میں ہے اور ایک طائفہ دوزخ میں۔"

دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے کہ فرمایا۔ ہو سکتا ہے کہ نیک آدمی کو اشقیا کے راستہ سے لے جائیں تاکہ لوگ کہیں کہ یہ کس قدر اشقیا سے مشابہ ہے بلکہ انھیں میں سے ہے۔ ناگاہ فوراً اس کو سعادت گھیر لے گی، اور وہ نیکوں کے زمرہ میں داخل ہو گا۔ اسی طرح ممکن ہے کہ شقی کو اہلِ سعادت

کے راستہ سے لے جائیں اور لوگ کہیں کہ یہ کس قدر نیکوں کے مشابہ ہے بلکہ انھیں میں سے ہے۔ پس فوراً اس کو شقاوت پکڑ لے گی اور اہلِ شقاوت کے ساتھ خاتمہ ہوگا۔

فصل (۴)

شرافتِ خوفِ خدا اور اُس کی حد

واضح ہو کہ خوفِ خدا رکھنے والے کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ صفتِ خوف افضلِ فضائلِ نفسانیہ و اشرفِ اوصافِ حسنہ ہے۔ کیونکہ ہر صفت جس قدر تحصیلِ سعادت میں معین و مددگار ہوگی اسی قدر اشرف گنی جائے گی اور کوئی سعادت ملاقاتِ پروردگار اور اس کے مرتبۂ قرب سے بڑھ کر نہیں ہے یہ مرتبۂ قرب سوائے محبتِ خدا کے حاصل نہیں ہو سکتا اور محبت معرفت پر موقوف ہے اور معرفتِ فکر و ذکر سے حاصل ہوتی ہے۔ ہمیشہ فکر و ذکر میں مشغول رہنا سوائے ترکِ شہوات کے اور کسی چیز سے متحقق نہیں ہوتا اور لذات و شہوات کو کوئی چیز سوائے خوف کے نیست و نابود کرنے والی نہیں ہے۔

اسی وجہ سے فضیلت میں اس صفت کی آیات و اخبار متواتر آئے ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے اہلِ خوف کے لیے علم، ہدایت، رضوان، رحمت کو جو مقاماتِ اہلِ بہشت کا مجمع ہے جمع کیا ہے۔

اور فرمایا ہے :

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا

یعنی : "خوفِ خدا صرف اہلِ علم کے لیے ہے۔"

اور فرمایا :

ھُدًی وَّرَحْمَۃً لِّلَّذِیْنَ ھُمْ لِرَبِّھِمْ یَرْھَبُوْنَ

یعنی : "ہدایت اور رحمت ان اشخاص کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے خائف و ترساں ہیں۔"

پھر فرمایا :

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ۔

یعنی : "ان سے خدا راضی اور خوشنود ہے وہ خدا سے راضی و خوشنود ہیں۔"

یہ مرتبہ اس کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرے۔ آیاتِ متعددہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خوفِ خدا لازمۂ ایمان ہے۔ جو شخص خدا کا خوف نہیں رکھتا۔ وہ ایمان میں پورا نہیں ہے۔

چنانچہ ارشاد ہوا ہے :

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ

وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ۔

یعنی : "سوائے اس کے کوئی مومن نہیں ہے۔ جس کے سامنے خدا کا نام لیا جائے اس کے دل پر خوف طاری ہو جائے۔"

اور فرمایا ہے :

وَخَافُوْنِ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔

یعنی : "اگر صاحب ایمان ہو تو مجھ سے ڈرو۔"

خوف کرنے والوں کے واسطے بہشت کا وعدہ کیا گیا ہے کہ :

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۔

یعنی : "جو شخص اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے اور ہوا و ہوس سے باز رہتا ہے تو بہشت اس کا مسکن ہے۔"

اور فرماتا ہے :

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ۔

یعنی : " جو شخص اپنے پروردگار سے خوف کرتا ہے اس کے لیے بہشت ہے۔"

حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ میری عزت کی قسم ہے کہ کسی بندہ کو دو خوف نہیں دیے جاتے اور نہ کسی بندہ کے لیے دو امن قرار دیے

گئے ہیں۔ پس جو کوئی دنیا میں امین ہو تو قیامت میں اس کو ڈراؤں گا اور جو کوئی دنیا میں مجھ سے ڈرتا ہے اس کو قیامت میں بے خوف رکھوں گا۔

حضرت رسول صلعم سے مروی ہے کہ فرمایا :

" جو کوئی خدا سے ڈرتا ہے اس سے خدا سب کو ڈراتا ہے جو شخص خدا سے نہیں ڈرتا ہے اس کو خدا تمام چیزوں سے ڈراتا ہے۔"

ایک روز حضرتؐ نے ابنِ مسعود سے فرمایا کہ اگر تو قیامت میں مجھ سے ملاقات چاہتا ہے تو میرے بعد بھی خدا سے خائف رہنا۔

لیث ابنِ ابی سلیم سے منقول ہے کہ :

" مَیں نے ایک مردِ انصاری سے سنا کہ ایک روز موسمِ گرما میں حضرتِ رسولؐ کی خدمت میں ایک درخت کے سایہ میں بیٹھا تھا کہ ایک مرد آیا اور لباس اتار کر ریگِ گرم پر لوٹنے لگا کبھی اپنی پیٹھ کو اور کبھی اپنے پیٹ کو اور کبھی اپنے مُنہ کو داغ دیتا تھا اور کہتا تھا کہ اس ریگِ گرم کی حرارت چکھ۔ کیونکہ جو کچھ مَیں نے اپنے ساتھ کیا ہے اس کے لیے عذابِ خدا شدید ہے۔ حضرت رسول صلعم اس کو ملاحظہ فرماتے تھے۔ جب اس نے لباس پہن لیا، حضرتؐ نے دستِ مبارک سے اشارہ فرما کر اس کو بلایا اور فرمایا :

اے بندۂ خدا تجھ سے کونسا امر صادر ہُوا ؟"

اُس نے عرض کیا کہ :

" خوفِ خدا سے میری یہ حالت ہے۔"

حضرتؑ نے فرمایا کہ :

" بے شک تُو حقِ خوف بجالایا۔ خدا اہلِ آسمان کے سامنے تیری تعریف کرتا ہے۔"

پھر حضرتؑ اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اس کے پاس جاؤ تاکہ تمہارے واسطے دعا کرے۔

نیز حضرت رسولؐ سے مروی ہے کہ :

" کوئی بندۂ مومن نہیں ہے کہ جس کی آنکھ سے خوفِ خدا میں آنسو باہر آئے۔ اگرچہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہو۔ مگر خدا آتشِ جہنم کو اس پر حرام کرتا ہے۔"

پھر فرمایا کہ :

" جب مومن کا دل خوفِ خدا سے کانپے تو اس کے گناہ مثل درخت کے پتّوں کے جھڑتے ہیں۔"

پھر فرمایا کہ :

" جو شخص خدا کے خوف سے گریہ کرتا ہے وہ داخلِ جہنم نہیں ہوتا۔"

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ :

" جس زمانہ میں حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام عراق میں تشریف فرما تھے ، ایک روز نمازِ صبح کی جماعت سے فارغ ہو کر وعظ فرمایا۔ خود گریہ کیا ، حاضرین کو رُلایا اور ارشاد کیا۔ خدا کی قسم ہے کہ زمانۂ رسولؐ میں ایک قوم کو مَیں نے دیکھا کہ اُن کے بال پریشان تھے۔ بدن غبار آلُود تھے ، بھُوکے رہتے

تھے اور صبح و شام گریہ کرتے تھے۔ کثرتِ سجدہ سے ان کی پیشانی پر گھٹے پڑ گئے تھے۔ تمام رات قیام و سجود میں بسر کرتے تھے۔ کبھی ایک پاؤں پر کھڑے رہ کر عبادت کرتے تھے۔ کبھی سجدے میں جا کر اپنے پروردگار سے مناجات کرتے تھے۔ آتشِ جہنم سے خلاصی چاہتے تھے۔ باوجود اس کے خائف و ترساں رہتے تھے۔ گویا آتشِ جہنّم کی آواز اُن کے کانوں میں آتی تھی۔ جب ان کے سامنے خدا کا نام لیا جاتا تو بید کے مانند کانپتے تھے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ کسی نے حضرت کو خنداں نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ دنیا سے مفارقت فرمائی۔ نیز حضرتؑ سے مروی ہے کہ مومن ہمیشہ دو خوف کے درمیان ہے۔ ایک خوف اُن گناہوں کا جو کیے ہیں اور نہیں جانتا ہے کہ خدا اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ دوسرا زمانۂ آئندہ کا خوف کہ اس میں کیا کیا گناہ سرزد ہوں گے۔ پس کوئی صبح ایسی نہیں جس میں وہ خائف و ترساں نہ اٹھے۔

پھر انہیں حضرتؑ سے مروی ہے کہ خدا سے اس طرح ڈر گویا تُو اس کو دیکھتا ہے۔ اگر تُو اس کو نہیں دیکھتا ہے تو وہ تجھ کو دیکھتا ہے۔ اگر تو ایسا نہیں سمجھتا تو کافر ہے۔ اور اگر جانتا ہے کہ وہ تجھ کو دیکھتا ہے اور پھر اس کا گناہ کرتا ہے تو شاید وہ تیری نظر میں تمام دیکھنے والوں سے کم ہے۔ کیونکہ دوسروں کے خیال سے تو ضرور گناہوں سے پرہیز کرتا ہے۔ غرض خوف اور اس کی فضیلت میں بے شمار احادیث ہیں۔ ان کا بیان کیا جائے تو ایک علیحدہ کتاب ہو جائے اور جو کچھ حدیثیں زہد و تقویٰ اور گریہ و رجا کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں وہ تمام فضیلتِ خوف پر دلالت کرتی ہیں۔

ان میں سے بعض سبب خوف ہیں بعض خوف کی پیدا کرنے والی ہیں اور بعض لوازمِ خوف میں سے ہیں۔

واضح ہو کہ جو کچھ فضیلت و مدحِ خوف میں مذکور ہُوا اس سے یہ مراد ہے کہ کسی وقت میں حدِ شائستہ سے تجاوز نہ کیا جائے ورنہ مذموم ہو جائے گا صراحت اس کی یہ ہے کہ خدا کا خوف تازیانہ کا حکم رکھتا ہے جو بندوں کو علم و عمل اور طاعت و عبادت پر متوجہ کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے قربِ الٰہی پر فائز ہوں اور لذتِ محبتِ خدا حاصل ہو۔ جیسا کہ اطفال کو تازیانہ سے تادیب کی یا گھوڑے کو چلانے کی ایک حد معیّن ہے۔ اگر اُس سے کم ہو تو تادیب طفل اور مرکب چلانے میں کوئی نفع نہیں ہوتا۔ اگر اس سے تجاوز کیا جائے تو طفل یا مرکب کی ہلاکت ہے۔

پس ایسا ہی خوف تازیانۂ خدا ہے جس کی حد معیّن یہ ہے کہ وہ آدمی کو مقصدِ مذکورہ پر پہنچا دے۔ اگر اس حد سے کم ہو تو فائدہ بہت کم بلکہ بے اثر ہے۔ مثلاً باریک لکڑی مرکبِ قوی کو ماریں جس سے کچھ بھی اثر نہ ہو۔ یہ خوف مانند رقّتِ قلب کے ہے کہ مستورات بمجرّد سننے بیانِ دردناک کے گریہ کرتی ہیں۔ جب وہ بیان موقوف کیا جائے تو حالتِ اوّل پر قائم ہو جاتی ہیں یا اس آدمی کے خوف کے مانند ہے کہ جس وقت خبرِ وحشت سُننے تو اس کا اثر نفس میں مشاہدہ کرے اور جب نظر سے غائب ہو تو فوراً دل غافل ہو جائے یہ خوف بھی بے فائدہ ہے۔

اس کی علامت یہ ہے کہ کبھی اگر حدیثِ مرگ و دوزخ سُننے تو کچھ دل میں اثر ہوتا ہے۔ مگر اعضاء و جوارح اس اثر سے خالی ہیں۔ طاعت پر متوجہ نہیں ہوتے اور آدمی گناہوں سے باز نہیں رہتا۔ ایسے خوف کو خوف نہیں

کہتے ہیں۔ بلکہ یہ حدیثِ نفس و حرکتِ خواطر ہے۔ جس کا وجود و عدم برابر ہے اور اگر حد سے تجاوز کرے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان رحمتِ خدا سے ناامید اور مایوس ہو جاتا ہے جو بہ حدِ ضلال و کفر ہے۔

وَلَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ۔

کوئی شک نہیں کہ جب خوف حدِ یاس پر پہنچ جائے تو وہ آدمی کو عمل و طاعت سے باز رکھتا ہے۔ کیونکہ جب امید ہی نہ ہو تو دل کو اطاعت کی طرف توجہ کیوں کر ہو سکتی ہے اور کوئی خوشی و شوق کس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ جب خوشی و شوق نہ ہو تو کاہلی و سستی آجاتی ہے اور عمل سے باز رکھتی ہے۔ ایسا خوف از روئے عقل و شرع مذموم ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی لڑکے کو اس قدر تادیب کی جائے کہ وہ مر جائے یا اس کا کوئی عضو جاتا رہے۔

پس اصل خوف یہ ہے کہ وہ آدمی کو گناہوں سے باز رکھے اور تحصیلِ فضائل کا ذریعہ ہو جائے۔

فصل (۵)

طریقۂ تحصیلِ خوفِ خُدا

واضح ہو کہ جب آپ نے فضیلتِ خوف کو معلوم کیا تو اس کے حاصل کرنے کے درپے ہونا اور اپنے کو اُس صفت سے آراستہ کرنا چاہیئے۔

واضح ہو کہ خوفِ خدا کی کمی کی تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ انسان عظمت و جلالِ خداوندی سے بے خبر ہو۔ مواخذۂ قیامت سے بے پروا ہو۔ مثلاً ایک شیر کہیں بیٹھا ہے۔ لیکن انسان اس کے موجُود ہونے کی خبر نہیں رکھتا یا اگر خبر بھی رکھتا ہے تو اس کی خاصیتِ درندگی سے خبردار نہیں ہے۔ پس ایسا شخص بے خوف اس کی طرف چلا جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ انسان محاسبۂ روزِ قیامت سے غفلت و فراموشی اختیار کرے اور اس دن کی دہشت کی طرف متوجہ نہ ہو۔ جیسا کہ کوئی شخص شیر کی خاصیتِ درندگی سے مطلع ہو لیکن طوالتِ زمانہ سے اس کی طرف ملتفت نہ ہو۔

تیسری صورت یہ ہے کہ انسان رحمتِ خدا پر مطمئن ہو کر بے خوف ہو جائے یا اپنے اعمال پر مغرور ہو۔ جیسا کہ کوئی شخص اپنی طاقت پر بھروسہ کرتے ہوئے شیر کے سامنے چلا جائے۔ اب انسان کو لازم ہے کہ تحصیلِ خوف کے لیے اُن اسباب کو ترک کرے جو قلتِ خوف کا سبب ہوتے ہیں

اور ان کی توضیح وتشریح مندرجہ ذیل ہے :

پہلا یہ کہ :

انسان کا ایمان قوی ہو۔ روزِ جزا ، بہشت ، دوزخ ، حساب اور عقاب کے بارے میں یقین حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ جب ان کا یقین ہو تو دوزخ سے خائف رہے اور بہشت کا امیدوار ہو۔ بدیں وجہ دُنیا کی مشقت وزحمت پر صبر کرے ۔ ذکرِ خدا اور طاعت وعبادت پر آمادہ ہو۔ ذکر وفکر کی وجہ سے پروردگار سے مانوس ہو اور اس کی معرفت حاصل کرے محبّتِ خدا اور مقدّراتِ الٰہی پر راضی رہے۔

دوسرا یہ کہ :

احوالِ روزِ حساب کا متفکّر اور انواعِ عذاب کا ذکر کرنے والا رہ کر موت کو پیشِ نظر رکھے۔ عالمِ برزخ کی سختی کا تصوّر کرے۔ مواخذۂ روزِ قیامت کو یاد کرتا رہے۔ عرصۂ محشر کی دہشت اور گناہ گاروں کی سزا سُنے۔ اخبار وآثار جو روزِ حساب کے بیان میں آئے ہیں ان کا ملاحظہ کرے۔

تیسرا یہ کہ :

خدا سے خوف کرنے والوں کے حالات دیکھے۔ انبیاء و اولیاء کے حکایات کو کہ ان کا خوف پروردگار سے کس حد تک تھا ملاحظہ کرے اور اپنے کام کیطرف متوجہ ہو۔

حضرتِ رسول صلعم فرماتے ہیں کہ کوئی وقت جبرائیل میرے نزدیک نہیں آئے مگر یہ کہ پروردگار کے خوف سے لرزاں تھے ۔ ایک روز حضرتؐ نے جبرائیلؑ سے سوال کیا کہ :

" میکائیل کو میں کسی وقت خنداں نہیں دیکھتا ہوں ؟"

عرض کیا کہ :

"جس روز سے آتشِ جہنم خلق ہوئی ہے۔ میکائیل خنداں نہیں ہوئے۔"

مروی ہے کہ ابراہیم خلیل اللہؑ باوجود اس کے کہ اس کی محبت کا خلعت جسم میں اور تاجِ کرامت سر پر رکھتے تھے لیکن جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے تو ان کے دل کے دھڑکنے کی صدا کافی فاصلہ سے سُنی جاتی تھی۔

حضرتِ داؤد پیغمبرؑ سے جب ترکِ اولیٰ صادر ہُوا تو جب تک وُہ زندہ رہے نوحہ کرتے تھے اور ہمیشہ گریہ وزاری میں معروف تھے۔ ایک روز اپنی خطا کا تذکرہ کر کے بے اختیار فریاد کی اور اپنی جگہ سے اُٹھ کر سر پر ہاتھ رکھے ہوئے جنگل وصحرا کی طرف چلے جاتے تھے اور نوحہ و گریہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ چوپائے اور درندے ان کے راستے میں جمع ہوئے تو کہا واپس چلے جاؤ۔ مَیں تم کو نہیں چاہتا۔ مَیں ان کی خواہش کرتا ہُوں جو اپنے گناہ پر روتے ہیں۔ تمام آدمی کہتے تھے کہ آپ کب تک گریہ کریں گے اور اپنے کو رنجیدہ رکھیں گے تو کہتے تھے کہ چھوڑ دو کہ گریہ کروں قبل اس کے کہ گریہ کرنے کا دن آئے۔ میری ہڈیاں گل جائیں۔ آگ کا شعلہ میرے جسم کو جلائے اور ملائکہ کو میرے پکڑنے کا حکم دیں۔

حضرت یحییٰ معصوم جب نماز میں کھڑے رہتے تو اس قدر گریہ کرتے کہ ان کے گریہ سے درخت وغیرہ گریہ کرتے تھے۔ ان کے پدرِ بزرگوار حضرت زکریا ان کے حالِ زار پر اس قدر گریہ کرتے کہ بے ہوش ہو جاتے۔ حضرت یحییٰ خوفِ خدا سے ہمیشہ اس قدر گریاں رہتے تھے کہ رخسارِ مبارک کا گوشت آنسوؤں سے گل گیا تھا۔ یہاں تک کہ دانت نمایاں ہو گئے تھے۔ ان کی ماں نے دو ٹکڑے رُوئی کے دونوں رخساروں پر رکھ دیے تھے کہ

آنسوؤں سے جراحت پر تکلیف نہ ہو۔ جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے تو اس قدر گریہ کرتے کہ وہ روئی کے ٹکڑے ان کے آنسوؤں سے تر ہو جاتے۔ ان کی ماں ان کو اٹھا کر نچوڑتی۔ جب حضرت یحییٰؑ اس امر کو ملاحظہ کرتے تو ایک آہ کھینچتے اور کہتے تھے۔ اے خدا یہ میرے آنسو ہیں اور یہ میری ماں ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور تو ارحم الرّاحمین ہے۔

خاتم انبیاءؐ کو خوفِ خدا اس قدر تھا کہ اُن کا قد مبارک خم ہو گیا تھا۔ جب حضرتؐ راستہ چلتے تو آدمی گمان کرتے کہ آگے گرتے ہیں۔

آپ نے سُنا ہو گا کہ سیدِ اولیاؑ ایک رات میں ستّر مرتبہ خوفِ خدا سے بے ہوش ہوتے تھے۔ اس بزرگوار کی مناجات کے فقرات کو ملاحظہ کیجیے۔ سید الساجدینؑ کی دعا کو سُنیئے۔ ان کے مرتبۂ خوف کو جانیے ان کا خوف باوجود مرتبۂ عصمت کے اس حد پر تھا۔ پھر ہمارا خوف کس درجہ پر ہونا چاہیئے۔

چوتھا یہ کہ:

انسان تامّل کرے کہ قضاء و قدرِ الٰہی کی حقیقت کا سمجھنا اور امورِ خدا کی کنہ کا ادراک حاصل کرنا مجالِ قوّتِ بشر نہیں ہے۔ جو کچھ پردے کے اندر ہے کسی کو اُس کی خبر نہیں ہے۔ انسان کے پاس گمان ہی گمان ہے، جس کی صحت کا اطمینان نہیں ہو سکتا۔ اپنی طاعت اور ایمان پر خوش ہونے کا مقام نہیں ہے۔ مگر یہ کہ اپنی بے وقوفی اور بے خبری پر انسان خوش ہو بلکہ اگر کسی کو تمام نیکیاں حاصل ہوں اور اس نے دُنیا کو یک لخت چھوڑ دیا ہو۔ خداوند عالم کی خدمت میں کامل طور سے مشغول ہو تو بھی اپنے خاتمہ کو کیا جان سکتا ہے اور اپنے نتیجہ سے کیا خبر رکھتا ہے؟

وہ کیوں کر مطمئن ہو سکتا ہے کہ اس کا دفترِ حال نہ پلٹے گا اور اس کی حالت نہ بدل جائے گی۔ حالاں کہ کہا گیا ہے کہ آدمی کے دل کی گردش جوش کرنے والے پانی کی گردش سے شدید تر ہے۔

پروردگار مقلّب القلوب فرماتا ہے :

إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ

خلاصہ معنی یہ کہ :

"کوئی شخص عذابِ خدا سے ایمن نہیں ہے۔"

پس انسان بے چارہ کہاں اور اطمینانِ خاطر کیسی اور جائے امن کیوں کر اور مقامِ خاطر جمعی کجا۔

پس اپنے پر گریہ اور اپنے احوال پر نوحہ کرنا چاہیئے۔

فصل (۶)

سوءِ خاتمہ اور اس کے اسباب

اور اس سے خلاصی کا طریقہ

سوءِ خاتمہ کے تین اسباب ہیں :

پہلا یہ کہ :

سکرات موت کے وقت ظاہر ہو۔ یہ سب سے بدتر ہے۔ اس وقت انسان کے عقائد میں خلل واقع ہوتا ہے۔ جو اس کے اور خدا کے درمیان حجاب ہو جاتا ہے جس کے باعث ہمیشہ کے لیے جہنّم نصیب ہوتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انسان کسی امرِ خلاف واقعہ کا معتقد ہو، اور مرنے کے وقت یہ غلطی اس پر ظاہر ہو جائے اور اس کے سبب سے وہ سمجھنے لگے کہ میرے تمام عقائد ایسے ہی ہوں گے اور تمام عقائد صحیحہ کی طرف سے شک کرنے لگے۔

جیسا کہ منقول ہے کہ فخر رازی ایک روز روتے تھے۔ اس کی وجہ دریافت کی گئی تو انھوں نے کہا کہ مَیں ستر سال سے جس مسئلہ کا اعتقاد رکھتا تھا۔ آج اس کی غلطی معلوم ہوئی۔ ممکن ہے کہ میرے تمام اعتقاد ایسے ہی ہوں۔

حاصلِ کلام یہ کہ اگر عیاذاً باللہ کوئی ایسے خطرے میں رہے اور

شک رفع ہونے سے پہلے مرجائے تو کافر مرتا ہے۔ اور جو لوگ کہ خدا اور رسول اور روزِ حساب پر بطریقِ اجمال ایمان رکھتے ہیں اور ان کے دل میں ایمان راسخ ہو چکا ہے وہ اس خطرے سے دور ہیں۔

اسی وجہ سے وارد ہُوا ہے کہ اکثر اہلِ بہشت کم عقل ہوں گے۔ اسی لیے شریعتِ مقدسہ میں صفاتِ خدا میں غور و بحث کرنے سے ممانعت کی گئی ہے۔

اس کا راز یہ ہے کہ کم عقل والے جو کچھ شرع میں ہے اس پر اعتقاد رکھتے ہیں اور اس پر قائم ہیں اور چونکہ ان کا ذہن شک و شبہات کے پیدا کرنے اور ان کی تردید کرنے کی عادت ہی نہیں رکھتا۔ اس لیے ان کے دل میں شک و شبہ سے خلجان نہیں ہوتا۔ بخلاف اُن اشخاص کے جو فکر اور بحث میں مشغول رہ کر اپنے عقائد کو عقلِ کوتاہ و فکرِ سست سے اخذ کرتے ہیں۔ وہ کسی اعتقاد میں ثابت قدم نہیں رہتے۔ کیونکہ عقولِ ناقصہ اکثر عقائد دینیہ کے سمجھنے سے عاجز اور دلائل کی ترتیب میں مضطرب اور مغائر ہوتے ہیں۔ بحث و فکر سے شک و شبہ کے دروازے کُھل جاتے ہیں ان لوگوں کا ذہن ہمیشہ شکوک و شبہات کا جولانگاہ ہے۔ انھیں کسی عقیدے پر بھی اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔ یہ ہمیشہ متحیّر و مضطرب رہتے ہیں۔

پس اگر یہ حالت موت کے وقت بھی لاحق رہے تو بعید نہیں ہے۔ ان لوگوں کی حالت اُن مسافروں کی سی ہے جو کشتی میں بیٹھے ہوں۔ طوفان آرہا ہو۔ موجیں اُٹھ رہی ہوں۔ اس حالت میں کشتی کے ڈوبنے کا گمان غالب ہے۔

نصیر الدّین حلّی جو اعظمِ متکلّمین تھے۔ اُن سے منقول ہے کہ مَیں نے

ستر سال علومِ عقلیہ میں فکر کی۔ بہت سی کتابیں اس فن میں تصنیف کیں، لیکن اس سے زیادہ معلوم نہ ہُوا کہ مخلوقات کا کوئی خالق ہے اور اس یقین میں بھی بعض قبیلہ مجھ سے بالاتر ہے۔

پس صحیح طریقہ یہی ہے کہ تمام اشخاص اپنے عقائد کو صاحب وحی سے اخذ کریں۔ اپنے باطن کو صفاتِ ذمیمہ و اخلاقِ خبیثہ سے پاک کریں، عملِ نیک اور طاعت میں مشغول ہوں اور اُس امر میں جو ان کی طاقت سے باہر ہے فکر نہ کریں تاکہ الطافِ ربانیہ کے مستحق ہوں۔

دوسرا سبب سوءِ خاتمہ کا یہ ہے کہ :

آدمی کا ایمان ضعیف ہو تو اُس ضعفِ ایمان کے سبب سے خدا کی دوستی اس کے دل میں کم ہوتی ہے۔ محبتِ دنیا و اہل و عیال و منصب و مال محبتِ خدا پر غالب ہوتی ہے۔ ایسے شخص پر دنیا کی محبت رفتہ رفتہ اس درجہ ترقی کرتی ہے کہ محبتِ خدا نہایت کم ہو جاتی ہے۔ اب وہ نفسِ امّارہ اور شیطان کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ اس وجہ سے اس کا دل تاریک و سیاہ ہو جاتا ہے۔ پژمردگی و افسردگی اُسے حاصل ہوتی ہے بدی اس کو گھیر لیتی ہے، گناہوں کی سیاہی پھیلتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ نورِ ایمان بالکل برطرف ہو جاتا ہے۔ جب عالمِ سکرات آتا ہے تو اس وقت اس کو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا سے جدائی ہوگی جو کچھ مال و فرزند اور دوست رکھتا تھا۔ ان کو ترک کرنا ہوگا لہٰذا وہ تھوڑی سی محبتِ خدا جو باقی رہ گئی تھی وہ بھی برطرف ہو جاتی ہے بلکہ خدا کی طرف سے اُس کے دل میں دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے وہ سمجھتا ہے کہ موت خدا کی طرف سے ہے اور خدا نے ہی مجھے میری محبوب چیزوں سے الگ کر دیا گویا وہ خدا کے اس فعل کو ظلم سے تعبیر کرتا ہے۔

جیسا کہ کوئی شخص جو اپنے کسی بچے کی محبت کم رکھتا ہو اور وہ بچہ کوئی قیمتی مال ضائع کر دے تو اُس مال کے ضائع کرنے سے وہ شخص اُس بچہ کا دشمن ہو جاتا ہے۔ یہی حالت اُس شخص کی خدا کے ساتھ ہوتی ہے۔

پس ایسا شخص اگر اسی حالتِ انکار و بغض میں دنیا سے چلا جائے تو سوءِ خاتمہ پر مرا ہے۔ وہ خدا کے نزدیک مثل اُس بندے کے لایا جائے گا جو اپنے مالک سے ناراض ہو کر بھاگا ہو اور اسے گرفتار کر کے مالک کے پاس لائیں۔ لہٰذا ہر شخص پر لازم ہے کہ کوشش کرے کہ دوستیٔ خدا اس پر غالب ہو۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اس قسم کے سوءِ خاتمہ کی طرف قرآن مجید میں اشارہ فرمایا ہے:

قُلْ اِنْ کَانَ آبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآئُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسَاکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ۔

یعنی: ”اے پیغمبرؐ کہو اِن سے کہ اگر تمہارے باپ، فرزند، بھائی، عورتیں، خویش و اقارب اور تمہارا وہ مال جو تم نے جمع کیا ہے اور وہ تجارت جس کی کساد بازاری سے

تم ڈرتے ہو اور وہ مکانات جنھیں تم پسند کرتے ہو یہ تمام چیزیں
تمھارے نزدیک خدا اور رسول اور راہِ خدا میں جہاد سے زیادہ
محبوب ہیں تو امرِ خدا کے منتظر رہو۔"
یعنی جس وقت نزع کا عالم شروع ہوگا۔ موت کی بے ہوشی گھیر لے گی۔
اس وقت افراطِ محبت دنیا اور قلتِ دوستیٔ خدا و رسول کا ضرر معلوم ہوگا۔

تیسرا سبب سوءِ خاتمہ کا کثرتِ عصیاں و پیرویٔ خواہشاتِ نفسانی ہے
اس لیے کہ کثرتِ گناہ کا منشاء یہی ہے کہ انسان پر خواہشاتِ نفسانیہ غلبہ کر
چکے ہیں۔ یہ عادتیں اس میں راسخ ہو چکی ہیں اور جو عادت پختہ ہو جائے
عموماً مرنے کے وقت وہی دل میں جاگزیں ہوتی ہے۔ اگر طاعت و عبادت
کی طرف زیادہ تر توجہ رہی ہے تو دنیا سے جانے کے وقت طاعت میں
مشغول ہوتا ہے۔ اگر اس کی ہمت گناہوں پر ہی منحصر رہی ہو تو مرنے کے
وقت وہی حاضر ہوتے ہیں۔ جس کا شغل زیادہ تر مسخرہ پن و استہزا ہو تو اس
وقت اسی میں مشغول ہوتا ہے۔ غرض انسان اُن تمام اشغال و اعمال میں
وقتِ آخر مصروف ہوتا ہے۔ جن میں مدت العمر مشغول رہا ہو۔ جس شخص نے زندگی
ہمیشہ گناہ و معصیت میں گزاری ہو تو مرنے کے وقت یہی خواہش اس پر
غلبہ کرتی ہے اور اُسی حالت میں اس کی روح قبض ہوتی ہے اور یہ حالت
اس کے اور پروردگار کے درمیان حجاب ہو جاتی ہے۔ اب وہ لوگ جن کے
دل شہوات پر مائل اور سیئات اُن پر غالب ہیں سب اسی خطرہ میں ہیں۔
ایسی حالت سے خدا بچائے اور راز اس میں یہ ہے کہ وہ بے ہوشی جو موت
سے قبل لاحق ہوتی ہے وہ خواب کے مانند ہے۔
پس خواب میں انسان اکثر اوقات وہی چیزیں دیکھتا ہے جو اُس کی

محبوب ہیں یا جن کے دیکھنے کی عادت ہے اور وہ چیزیں جو حالتِ بیداری میں کبھی نہیں دیکھیں انھیں ہرگز نہیں دیکھتا۔ جیساکہ اندھے کو خواب میں الوانِ مختلفہ نظر نہیں آتے۔ یا ایک بچّہ جو حدِّ بلوغ تک نہیں پہنچا۔ حالتِ مجامعت کا خواب میں نظارہ نہیں کرتا۔ بس یہی حالت سکراتِ مرگ کی ہے۔ اُسے وہی چیزیں اس بے ہوشی میں نظر آتی ہیں جن کی عادت کرچکا ہے۔ اگر بدی کی عادت پڑچکی ہے تو وہی چیزیں متشکل ہو ہو کر اُس کے سامنے آتی ہیں اور وُہ اُنھیں کے تصوّر میں دنیا سے چلا جاتا ہے۔ اب جو کوئی چاہتا ہے کہ مرنے کے وقت اس کا دل گناہوں سے محفوظ رہے تو اس کو چاہیے کہ تمام عمر مجاہدے میں بسر کرے۔ اپنے نفس کو گناہوں سے باز رکھے، خواہشات کو دل سے نکالے۔ علم وعمل کی عادت کرے اپنے باطن کو مشاغلِ دنیویہ کی فکر سے دُور رکھے۔ اپنے دل کو محبتِ خدا کی منزل بنائے۔ اس کو اپنے مرنے کے وقت کا ذخیرہ قرار دے۔ کیونکہ جس نے جس حالت میں زندگی کی تو اُسی حالت میں مرتا ہے اور جس حالت میں مرتا ہے، اُسی حالت میں محشور ہوتا ہے۔

تجربہ کیا گیا اور مکرّر دیکھا گیا ہے کہ انسان مرنے کے وقت اسی فکر میں مشغول تھا جس میں اُس کی عمر گزری تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ معرفت کو سوءِ خاتمہ کا سخت خوف ہوتا ہے وہ ڈرتے ہیں کہ مرنے کے وقت افکارِ ردّیہ اور خواطرِ خراب اُن کے دل میں نہ گزریں اسی حالت میں نہ مرجائیں۔ اور یہی حجاب کہیں ان کے اور پروردگار کے درمیان حائل نہ ہو۔ کیونکہ وسوسہ کے دُور کرنے میں انسان کو پورا قابو نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی چاہے بغیر انبیا و آئمہ کے کسی کو خواب میں نہ دیکھے اور سوائے

عبادت وطاعت کے عالم رویا میں ملاحظہ نہ کرے تو یہ امر میسّر نہیں آتا۔ صلاح وطاعت کی عادت کرنا اس بارے میں بے اثر نہیں ہے۔ غرض اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آدمی آخر وقت میں جب کہ اُس کی رُوح باہر نکلتی ہے صحیح وسالم نہ ہو تو اس کے تمام اعمالِ نیک ضائع و بیکار ہیں، اور جب کہ قلب تمام عمر افکارِ ردّیہ کا جولانگاہ رہا ہے تو اس حالت میں سالم رہنا بہت مشکل ہے۔

اسی وجہ سے حضرتِ رسول صلعم نے فرمایا کہ ایک شخص پچاس سال عبادت و اعمال صاحبانِ بہشت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور بہشت کے درمیان اسی قدر فاصلہ رہ جاتا ہے جتنا کہ ایک وقت سے دوسرے وقت اونٹ کا دودھ دوہنے کے درمیان۔ لیکن خاتمہ اس کا اسی امر پر ہوتا ہے جو اُس کے لیے مقدر ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ عالمِ سکرات میں اور تو کوئی ایسا عمل سرزد نہیں ہوتا جو باعثِ شقاوت ہو۔ البتہ افکارِ ردّیہ ہی ہوتے ہیں جو مثلِ برقِ خاطف دل میں گزرتے ہیں۔

اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ان لوگوں سے تعجب نہیں جو دنیا میں ہلاک ہوئے، ہاں تعجب ان لوگوں پر ہے۔ جو دنیا سے نجات پا گئے۔

حدیث میں آیا ہے کہ جب بندۂ مومن کی رُوح کو خیر و اسلام پر لے جاتے ہیں تو ملائکہ تعجب سے کہتے ہیں کہ کیوں کر اس نے دنیا سے نجات پائی کیوں کہ ہمارے نیک اس مقام میں ہلاک ہوگئے۔ اسی مقام سے حضرت کے اس ارشاد کا راز معلوم ہوتا ہے کہ تمام آدمی صاحبانِ ہلاکت ہیں مگر علماء، اور تمام علماء صاحبان ہلاکت ہیں مگر علم پر عمل کرنے والے اور تمام

عمل کرنے والے صاحبانِ ہلاکت میں سوائے مخلصین کے۔ اور تمام مخلصین خطرِ عظیم ومقامِ تشویش وبیم میں ہیں۔ اسی خطرِ عظیم وتشویش وبیم کی وجہ سے انھیں مرتبۂ شہادتِ راہِ خدا مطلوب ہوتا ہے اور مرگِ مفاجات ناگوار۔ اس لیے کہ مرگِ مفاجات بسا اوقات ایسے وقت آتی ہے۔ جب کہ آدمی کا دل افکارِ ردیّہ کی طرف مائل ہوتا ہے۔ لیکن شہادت راہِ خدا میں قبضِ روح اس وقت ہوتی ہے جب کہ دل میں سوائے محبتِ خدا کے اور کوئی امر باقی نہیں رہتا اور جو شخص خدا اور رسول کے حکم پر لڑائی میں آتا ہے گویا اس نے خدا اور رسول کے لیے موت اختیار کی ہے۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص شہادتِ مذکورہ کے سبب سے مقتول نہ ہو تو ایسا قتل ہونا سببِ اطمینان نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ وہ ظلم سے یا جہاد میں مارا گیا ہو لیکن اس کا مقصد خدا و رسول کی رضا نہ ہو۔

پس ہر شخص پر لازم ہے کہ اس خطرِ عظیم سے نجات پانے کے لیے کوشش کرے تاکہ اس کا خاتمہ بخیر اور اس کی عاقبت نیک ہو۔ اور اس کا دل مرنے کے وقت خدا کی طرف متوجہ ہو اور اسی کی محبت اس کے قلب میں جاگزیں ہو اور یہ امر کثرتِ مجاہدہ پر موقوف ہے کہ نفس کو خواہشاتِ دنیویّہ سے باز رکھے فوراً محبتِ دنیا کو دل سے باہر کرے۔ گناہوں اور گناہ گاروں کے احوال اور اُن کے تصور و فکر سے نہایت درجہ اجتناب کرے اہلِ معصیت کی داستان سننے سے پرہیز کرے بلکہ سوائے خدا کے کسی چیز کی محبت نہ رکھے۔ خانۂ دل میں سوائے خدا کے کچھ نہ ہو یادِ خدا کا اس کو ملکہ حاصل ہو جائے بغیر اس اطمینان کے اس کا خاتمہ بخیر نہیں ہو سکتا۔ جب آپ نے معلوم کیا کہ مرنے کے وقت جو بے ہوشی طاری ہوتی ہے وہ

خواب کا حکم رکھتی ہے۔

اب ملاحظہ کیجیے، اپنی حالت کو کہ خواب میں کسی وقت بھی محبتِ خدا کا اثر نہیں دیکھا جاتا اور کبھی دل میں نہیں گزرتا کہ کوئی خالق صفاتِ کمال سے آراستہ ہے۔ بلکہ امورِ باطلہ و خیالاتِ فاسدہ جن کی محبت دل میں ہے وہی خواب میں نظر آتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ اس وقت قبضِ روح ہو جب کہ آپ کا دل امورِ دنیویہ میں مشغول ہو اور معرفتِ خدا اور اس کی محبت میں ملتفت نہ ہو تو مرنے کے بعد ہمیشہ وہی حالت طاری رہے گی۔ گناہ گاری و بدکاری دائمی نصیب ہو گی۔

لہٰذا خوابِ غفلت سے بیدار اور مستیٔ طبیعت سے ہوشیار ہو کر محبتِ دنیائے دنی دل سے باہر اور دل کو محبتِ خدا سے ماہر کیجیے۔

دنیائے مستعار پر بقدرِ ضرورت اکتفا کر کے اُس منزل کی فکر لازم ہے۔ جہاں ہمیشہ رہنا ہے اور اس منزل میں جسے ایک دن ترک کرنا ہے۔ اسی قدر غذا کافی ہے جس سے حیات کی حفاظت ہو۔ کیونکہ آدمی کو زیادہ کھانا قربِ پروردگار سے دور کرتا ہے اور اسی قدر لباس کہ جس سے بدن پوشیدہ ہو سکے کافی ہے۔ اس سے زیادہ آدمی کو آخرت سے باز رکھتا ہے۔ ایسا مکان کہ جس سے بارش اور آفتاب کی حفاظت ہو کفایت کرتا ہے۔ اس سے زیادہ اُس مکان کو خراب کرتا ہے، جہاں ہمیشہ کے لیے ہم کو رہنا ہے۔ اگر کوئی شخص اس حد سے تجاوز کرے تو اس کا کاروبار دنیا میں زیادہ ہوتا ہے اور اس کا دل ہر لحظہ کسی نہ کسی فکر میں گرفتار رہتا ہے۔ ہر دم غم تازہ ہے اور ہر ساعت الم بے اندازہ۔ اِن آلامِ دنیا سے اُسے کبھی فرصت نہ ہو گی۔

عقلمند وہی ہے جو اشغالِ دنیا سے الگ رہ کر ایک لحظہ بھی یادِ خدا سے غافل نہ ہو۔ اپنی فکر کو دوسری طرف مائل نہ ہونے دے اور مراتب بہجتِ دائمی وسعادتِ سرمدی پر فائز ہو جائے۔

لیکن افسوس صد افسوس ہم نے اس کوشش سے ہاتھ اٹھا لیا ہے۔ دنیا کی فضولیات ولغویات میں مشغول ہو گئے ہیں جن کو نہ بقا ہے نہ وفا۔ کسی نے اپنے نصیب سے زیادہ حاصل نہیں کیا اور نہ یہاں سے کوئی چیز ساتھ لے گیا۔

تیسری صِفت

رحمتِ خدا سے نا اُمّیدی کی مذمّت جس میں تِین فصلیں ہیں

واضح ہو کہ رحمتِ الٰہی سے یاس و نا امیدی کی صفت مہلکاتِ عظیمہ میں سے ہے بلکہ گناہِ کبیرہ۔

قرآن میں اس کی بھی صراحت ہوئی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے :

یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔

یعنی : " اے وہ بندو جنھوں نے اپنے نفس پر ظلم اور اسراف کیا ہے رحمتِ خدا سے نا امید نہ ہو۔"

پھر فرماتا ہے :

قَالَ وَ مَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ۔

یعنی : " سوائے گمراہ کے اور کون شخص رحمتِ خدا سے مایوس ہو سکتا ہے۔"

بلکہ بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمتِ خدا سے مایوس ہونا موجبِ کفر ہے۔

چنانچہ فرماتا ہے :

إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ۔

یعنی: "رحمتِ خدا سے مایوس نہیں ہوتا ہے مگر کافر۔"

مروی ہے کہ ایک شخص کثرتِ گناہ سے اس قدر خائف تھا کہ بخششِ خدا سے نا امید تھا۔

حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے اس سے فرمایا کہ اے شخص رحمتِ خدا سے تیری مایوسی اُن گناہوں سے جو تُو نے کیے ہیں بدتر ہے۔

ایک روز حضرتِ رسول صلعم نے فرمایا جو کچھ مَیں جانتا ہُوں اگر تم اسے جان لو تو بہت کم ہنسو گے اور بہت زیادہ روؤ گے۔ صحرا میں نکلو گے۔ سینوں پر ہاتھ مارو گے۔ خداوند عالم سے پناہ مانگو گے۔

پس حضرت جبرائیلؑ نازل ہوئے اور عرض کیا کہ پروردگارِ عالم فرماتا ہے کہ میرے بندوں کو مجھ سے نا امید نہ کرو۔

مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک مرد تھا جو آدمیوں کو رحمتِ خدا سے نا اُمید کرتا تھا۔ ان کو بہت ڈراتا تھا۔

پس قیامت میں خدا اس سے فرمائے گا کہ آج میں تجھ کو اپنی رحمت سے مایوس کرتا ہوں جیسا کہ میرے بندوں کو تُو نے مجھ سے نا امید کیا۔

بس اسی قدر مذمتِ صفتِ یاس میں کافی ہے کہ آدمی کو دوستیٔ خدا

سے جو تمام فضائل سے بالاتر ہے باز رکھتی ہے۔ کیونکہ جب تک کوئی دوسرے سے امیدوار نہ ہو اس کو دوست نہیں رکھتا۔ ایسا ہی خدا سے ظنِ بد رکھنا، جیسا کہ مذکور ہوگا اس صفت کی مذمّت پر دلالت کرتا ہے لہٰذا ہر کسی پر لازم ہے کہ اس صفت سے پرہیز کرے۔ اس کا علاج اس کی ضد کی تحصیل میں جو رحمتِ خدا سے رجاؤ امیدواری ہے ذکر کیا جاتا ہے۔

فصل (۱)

رحمتِ خدا سے اُمیدوار رہنے اور گمانِ نیک رکھنے کی شرافت اور اُس کے حصُول کے اسباب و حد کا ذکر

واضح ہو کہ یاس کی ضد امیدواریِ رحمتِ خدا ہے۔ اس صفت کو رجا کہتے ہیں۔ رجا اُس خوشی و سرورِ دل سے مراد ہے جو انتظار امرِ محبوب سے حاصل ہو۔ اس خوشی و سرور کو اس وقت میں رجا و امیدواری کہتے ہیں۔ جبکہ آدمی نے محبوب تک پہنچنے کے بہت سے اسباب فراہم کیے ہوں۔ یہ اس شخص کے مانند ہے جو بے عیب تخم کی کاشت کرے۔ اچھی زمین اس کے لیے انتخاب کرے اور وقتاً فوقتاً پانی دیتا رہے۔ لیکن بغیر فراہمیٔ اسباب کے توقع رکھنے کو رجا نہیں کہتے بلکہ اس کا نام غرور و حماقت ہے

اور اگر کوئی شخص بعض ایسے اسباب فراہم کرے جن سے مطلوب کا حاصل ہونا یقینی نہ ہو بلکہ مشکوک ہو۔ اور ایسی حالت میں حصولِ مطلوب کی توقع رکھے تو اس کا نام آرزو و تمنّا ہے۔ جب اس کو آپ نے معلوم کیا تو واضح ہو کہ دنیا کھیتی آخرت کی ہے۔ آدمی کا دل زمین کا حکم رکھتا ہے۔ ایمان مثل تخم اور طاعت مثل پانی کے ہے کہ زمین کو اس سے سیراب کرنا چاہیئے۔ گناہوں اور اخلاقِ ذمیمہ سے دل کا پاک کرنا کیچڑ اور پتھر اور گھانس سے جو زراعت کو خراب کرتا ہے۔ زمین کو پاک کرنے کے مانند ہے اور روزِ قیامت کاٹنے کا دن ہے۔

پس بندے کو گنجائش کی اس صاحبِ زراعت کے مانند امید رکھنا چاہیئے کہ جس نے تخم کو زمین پاک میں ڈالا ہو۔ اس کو وقت پر پانی دیا ہو۔ پروردگار پر امید رکھ کر بیٹھا ہو اور امید غلّہ کے گھر لے جانے کی رکھتا ہو۔ اس اُمید کو رجا کہتے ہیں۔ عقلمندوں نے اس کو پسند کیا ہے اور اس کی تعریف کی ہے۔ جب کہ بندے نے زمینِ دل کو اخلاقِ ذمیمہ سے پاک کیا۔ ایمان کے تخم کو اس میں بویا۔ طاعت کو جو مثل پانی کے ہے اس میں جاری کیا تو پروردگار سے امید رکھ سکتا ہے کہ سوءِ خاتمہ سے نگاہ رکھے اور اس کو بخشے۔ ایسی امیدواری و رجا ازروئے عقل و شرع نیک ہے مگر جو شخص زراعت سے غافل رہا۔ تمام عمر سُستی و راحت میں بسر کی یا تخم کو اُس کھاری زمین میں جس میں پانی نہیں ٹھہرتا ہے بویا اور اُس پر غلّہ کے کاٹنے اور انبار کر کے گھر لے جانے کی توقع رکھتا ہے تو اس کو حماقت و غرور کہتے ہیں یا اگر تخم یقین اور ایمان کو زمینِ دل میں نہ بویا اور بویا بھی تو دل کو صفاتِ رذائل پاک نہ کیا۔ طاعت کے پانی سے آبیاری نہ کی اور ایمان و مغفرت کی امید رکھی، تو ایسا

شخص مغرور و احمق ہو گا۔

اس بیان سے معلوم ہُوا کہ امیدواری و رجا اس وقت ہے۔ جب کہ آدمی امید کسی محبوب کی رکھتا ہو اور تمام وسائل و اسباب جو اس کے اختیار میں ہیں فراہم کیے ہوں کوئی چیز باقی نہ ہو مگر اس کے سوا جو اس کی قدرت سے باہر ہے۔ ایسا شخص فضل و کرم خدا سے امیدوار ہے کہ وہ اس کو سوءِ خاتمہ سے اس کے ایمان کو شیطان سے اور اس کے دل کو ہوا و ہوس سے محفوظ رکھے۔ احادیث و اخبار جو ترغیبِ رجا و امیدواری و عفو و رحمتِ خدا میں آئے ہیں۔ اُن لوگوں سے مخصوص ہیں۔ جو لوگ امید کے ساتھ عملِ خالص رکھتے ہیں اور دنیا و لذاتِ دنیا میں مبتلا نہیں ہوتے۔

پس ہر صاحبِ عقل کو ہوشیار رہنا چاہیئے کہ شیطان اس کو فریب نہ دے۔ طاعت و عبادت سے باز نہ رکھے۔ مبادا وقت آ پہنچے اور تمام امور اختیار سے نکل جائیں۔ احوالِ انبیاء و مقربانِ بارگاہِ خدا کی عبادت پر نظر کرنا لازم ہے۔ انھوں نے کیوں کر اپنی عمر عبادتِ خدا میں صرف کی۔ رات دن اپنے بدن کو رنج و تکلیف میں ڈالا۔ عبادت و طاعت میں مشغول ہوئے لذاتِ دنیویہ سے آنکھ بند کی۔ شربتِ محبت و بلا کو نوش کیا۔ باوجود اس کے ہمیشہ خوفِ خدا سے لرزاں اور ان کی آنکھیں گریاں تھیں۔ آیا وہ عفو و رحمتِ خدا کی امید نہیں رکھتے تھے یا اس کی وسعتِ کرم سے آگاہ نہیں تھے۔ خدا کی قسم اُن کی آگاہی مجھ سے اور آپ سے زیادہ اور اُن کی امیدواری بہت بڑھی ہوئی تھی لیکن جانتے تھے ؎

نا بردہ رنج گنج میسّر نمی شود
مزد آں گرفت جانِ برادر کہ کار کرد

انھیں معلوم تھا کہ رحمت کی امید بغیر دستاویز طاعت و عبادت کے حماقت و نادانی ہے۔

اب ہم ابتداء میں بعض احادیث و آیات جو فضیلت میں رجا اور امیدواری کے آئے ہیں بیان کرتے ہیں اس کے بعد غرور و حماقت کی مذمت میں جو اخبار وارد ہیں ان کا ذکر کیا جائے گا۔

اخبار باعثِ امیدواری بخدا

واضح ہو کہ آیات و اخبار جو سببِ رجا و امیدواری ہوتے ہیں اور جن سے رجا و امیدواری کی ترغیب ہوتی ہے بہت سے ہیں اور وہ چند قسم پر ہیں :

پہلے وہ آیات و اخبار ہیں جن میں یاس و نومیدی رحمتِ خدا سے امتناع کیا گیا جیسا کہ مذکور ہُوا۔

دوسرے وہ احادیث ہیں جو رجا و امیدواری سے مخصوص ہیں۔ جیسا کہ مروی ہے کہ کوئی مرد حالتِ نزع میں تھا۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام اُس کے سرہانے موجود تھے۔

عرض کیا کہ :

" اپنے گناہوں سے ڈرنے والا اور رحمتِ پروردگار کا امیدوار پاتا ہوں "

حضرتؑ نے فرمایا کہ :

" اس وقت خوف و امید بندہ کے دل میں جمع نہیں ہوتے مگر یہ کہ خدا اس کی امید کے موافق پہنچاتا ہے اور جس چیز سے ڈرتا ہے اس سے بے خوف

کرتا ہے۔"

حضرت رسول صلعم سے مروی ہے کہ :

خداوند عالم بندے سے قیامت میں فرمائے گا کہ کون امر مانع ہُوا کہ تُو نے امر منکر کو دیکھا اور اُس سے منع نہیں کیا۔

اگر اس وقت یہ عذر پیش کرے کہ پروردگار مَیں تجھ سے اُمید رکھتا تھا اور آدمیوں سے ڈرتا تھا۔

خدا فرمائے گا کہ :

"مَیں نے تیرے اُس گناہ کو بخش دیا۔"

پھر اُنھیں حضرت سے منقول ہے کہ ایک مرد کو داخل جہنّم کریں گے وہ ہزار سال عذاب میں رہے گا۔ ایک روز یا حنّان و یا منّان کہہ کر فریاد کرے گا۔

تو خداوندِ عالم جبرائیل سے فرمائے گا کہ :

"جاؤ، اُس بندے کو میرے نزدیک لاؤ۔"

پس جبرائیل اس کو لاکر مقامِ عرض پروردگار پر کھڑا کریں گے۔

پس خطاب الٰہی پہنچے گا کہ :

"اپنے مقام کو تُو نے کیسا پایا؟"

وہ عرض کرے گا کہ :

"نہایت خراب مقام ہے۔"

خطاب ہو گا کہ :

"اس کو پھر اسی جگہ لے جاؤ۔"

جب وہ بندہ جہنّم کا راستہ لے گا اور روانہ ہو گا تو پیچھے پلٹ کر دیکھے گا اس وقت خدا تعالیٰ فرمائے گا کہ :

"پیچھے مڑ کر کیوں دیکھا۔"

وہ عرض کرے گا کہ :

"مَیں تجھ سے امید رکھتا تھا کہ جب مجھ کو جہنّم سے نکالا ہے تو پھر وہاں نہیں بھیجے گا۔"

اس وقت خطاب ہوگا کہ اس کو پلٹاؤ اور بہشت میں لے جاؤ۔

نیز حضرتِ رسول صلعم سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ عبادت کرنے والے اپنی عبادت پر مطمئن نہ ہوں۔ اگر وہ عبادت میں انتہائی کوشش سے کام لیں اور تمام عمر اپنے نفس کو میری بندگی کی زحمت میں ڈالیں۔ پھر بھی قاصر ہوں گے اور میری عبادت کا حق نہیں بجا لاسکیں گے۔ ہاں اگر میری کرامات و نعیمِ بہشت اور میرے جوار میں درجاتِ عالیہ کے اُمید وار ہیں تو چاہیئے کہ میری رحمت پر ثابت قدم اور میرے فضل و کرم کے امید وار ہیں۔ مجھ سے گمانِ نیک رکھ کر مطمئن ہوں۔ میری رحمت اُن کو گھیر لے گی۔ مَیں اُن کو خوشنود کروں گا اور خلعتِ عفو اُن کو پہناؤں گا۔ بہ تحقیق کہ مَیں خداوندِ رحمان و رحیم ہوں اور یہ میرے نام ہیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ :

کتابِ علی ابنِ ابی طالبؑ میں مَیں نے دیکھا کہ لکھا تھا کہ حضرتِ پیغمبرؐ نے منبر پہ فرمایا کہ اُس خدا کی قسم ہے جس کے بغیر کوئی خدا نہیں ہے کہ بعض مومنین کو خدا سے گمانِ نیک رکھنے، اُس کے فضل و کرم کے امید وار رہنے، حُسنِ خلق رکھنے اور غیبتِ مومن سے پرہیز کرنے کی وجہ سے دنیا و آخرت کی نیکی عطا ہوئی ہے۔ اُس خدا کی قسم ہے کہ جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے کہ بندۂ مومن کو توبہ و استغفار کے بعد خدا عذاب نہیں کرتا۔ مگر بسببِ گمانِ بد اور

کمیٔ امیدواریٔ خدا و بد خلقی و غیبتِ مومن کے۔ نیز خدا کی قسم ہے کہ کوئی بندہ گمانِ نیک نہیں رکھتا ہے۔ مگر یہ کہ خدا اُس کے ساتھ اس کے گمان کے موافق رفتار کرتا ہے۔ کیونکہ کریم ہے تمام نیکیاں اُس کے اختیار میں ہیں وہ شرم کرتا ہے کہ جب بندۂ مومن گمانِ نیک اُس سے رکھتا ہو۔ اس کے گمان کے خلاف کرے۔ اُس کی امید نہ بر لائے۔ پس خدا پر گمانِ نیک رکھیے اور اُس کی طرف رغبت کیجیے۔

تیسرے: جو امور باعثِ امید واری مومنین ہیں یہ ہیں کہ حسبِ تصریح آیاتِ قرآنی و احادیثِ نبویؐ ملائکہ مقربین و انبیائے مرسلین مومنین کے واسطے طلبِ مغفرت کرتے ہیں اور خدا سے اُن کی آمرزش طلب کرتے ہیں۔ پس ان کی دعا ضرور مقبولِ درگاہِ پروردگار ہے۔

چنانچہ خداوندِ عالم فرماتا ہے:

وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ۔

یعنی: "فرشتے اپنے پروردگار کی تسبیح کرتے ہیں۔ اُس سے طلبِ آمرزش کرتے ہیں۔ اُن لوگوں کے واسطے جو دنیا میں ہیں۔"

حضرتِ رسول صلعم فرماتے ہیں کہ:

"جس طرح میرا زمانۂ حیات تمہارے لیے بہتر ہے اسی طرح زمانۂ ممات بھی۔ کیونکہ زندگی میں تم سے احکامِ شریعت بیان کرتا ہوں۔ طریقہ اور آداب تم کو سکھاتا ہوں اور میرے مرنے کے بعد جو اعمال تم سے صادر ہوں۔ مجھ سے عرض کیے جاتے ہیں۔ جب کہ دیکھتا ہوں کہ وہ نیک ہیں تو شکرِ خدا

کرتا ہوں اور جب دیکھتا ہوں کہ بد ہیں تو خدا سے طلب آمرزش کرتا ہوں"۔

چوتھے : جب بندہ کوئی گناہ کرے تو ملائکہ اس کے لکھنے میں تاخیر کرتے ہیں۔ اس خیال سے کہ شاید پشیمان ہو اور استغفار کرے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب بندہ سے کوئی گناہ صادر ہو تو صبح سے شام تک لکھنے میں تاخیر کی جاتی ہے۔ اگر توبہ کر لے تو نہیں لکھتے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جو کوئی گناہ کرے تو اس کو سات گھنٹے کی مہلت دی جاتی ہے۔ اگر تین مرتبہ :

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ

کہا جائے تو وہ گناہ نہیں لکھا جاتا۔

پانچویں : وسیلۂ نجاتِ مومنان و باعثِ امیدواریٔ گناہ گاراں اور شفاعتِ شافعِ روزِ قیامت و عذر خواہیٔ گناہ گاراں ہے۔ ہمارا پیغمبرؐ رؤف و رحیم ہے اور اسی طرح آئمہ طاہرینؑ جب عرصۂ محشر برپا ہوگا تو پیغمبرؐ اور ان کے اہلِ بیتؑ طاہرین شفاعت پر کمر باندھیں گے۔ گناہگارانِ امت کی طرف سے عذر خواہی کریں گے۔ اُن کی تقصیرات کے عفو کے لیے بارگاہِ احدیت سے سوال کریں گے۔ ان کی بخشائش خدا سے طلب کریں گے چنانچہ خداوندِ مہربان نے اُن برگزیدوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کی شفاعت کو قبول فرمائے گا :

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی۔

یعنی : " البتہ قریب ہے کہ تیرا پروردگار تجھ پر اس قدر بخشش و عطا کرے کہ تو راضی و خوشنود ہو۔"

اس آیہ کی تفسیر میں آیا ہے کہ جناب محمد مصطفےٰ صلعم اپنی امت کے ایک آدمی کو بھی جہنّم میں داخل کرنا نہیں چاہیں گے۔

حضرتِ رسول صلعم سے مروی ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ :

اِدَّخَرتُ شَفَاعَتِیْ لِاَہْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ۔

یعنی : " مَیں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت کے صاحبانِ گناہانِ کبیرہ کے لیے ذخیرہ کیا ہے۔"

حقیقتاً یہ وہ خوشخبری ہے جس سے مومنوں کی آنکھیں روشن ہیں اور ان کا دل اس سے شاد و خرّم ہوتا ہے۔

چھٹے : دوستوں کے لیے یہ بشارتیں وارد ہوئی ہیں کہ وہ ہمیشہ جہنّم میں نہ رہیں گے۔ ان کو پیغمبرؐ اور اہلِ بیتؑ کی دوستی عذاب سے نجات دے گی۔ خواہ انھوں نے کسی قدر گناہ کیے ہوں اور کیسی ہی معصیت اُن سے سرزد ہوئی ہو۔

ساتویں : خداوندِ عالم نے آتشِ جہنّم کو کفّار کے واسطے خلق کیا ہے۔ بغیر دشمنانِ خدا کے کوئی شخص داخلِ جہنّم نہ ہوگا۔ خدا اپنے دوستوں کو اس سے ڈراتا ہے۔ اور فرماتا ہے :

ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ۔

یعنی : " آتشِ جہنّم سے خدا اپنے بندوں کو ڈراتا۔"

اور فرماتا ہے :

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْکَافِرِیْنَ ۔

یعنی : "اس آتشِ جہنّم سے ڈرو جو کفار کے لیے خلق اور مہیا کی گئی ہے۔"

پھر فرماتا ہے :

لَا یَصْلٰهَآ اِلَّا الْاَشْقَی الَّذِیْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ۔

یعنی : "آتشِ جہنّم میں نہیں ڈالا جاتا مگر وہی بدبخت جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی۔"

آٹھویں : خصوص وسعتِ عفو و مغفرت و زیادتیٔ رحمت کے لیے بہت سی آیات و احادیث وارد ہوئی ہیں۔

چنانچہ فرماتا ہے :

وَاِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ مَغْفِرَۃٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِهِمْ ۔

یعنی : "بے شک تمہارا پروردگار کل آدمیوں کے لیے باوجود اُن کی نافرمانی کے بڑا بخشنے والا ہے۔"

مروی ہے کہ خداوندِ عالم نے حضرتِ پیغمبر صلعم پر وحی بھیجی کہ میں قیامت میں تیری اُمّت کا محاسبہ تجھ پر چھوڑ دوں گا۔

حضرتؑ نے عرض کیا کہ :

"تُو ان کے لیے مجھ سے بہتر ہے۔ ان کا محاسبہ تجھ سے ہی متعلق رہے"۔

خطاب ہُوا کہ :

"اس وقت میں بھی تجھ کو ان کے حق میں مخذول و منکوب نہ کروں گا۔"

مروی ہے کہ جس وقت بندہ کوئی گناہ کر کے استغفار کرتا ہے تو خدا تعالیٰ ملائکہ سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کو دیکھو کہ گناہ اس سے صادر ہُوا لیکن جانتا ہے کہ کوئی پروردگار ہے جو گناہوں کو معاف اور مواخذہ کرنے والا ہے۔ پس مَیں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ مَیں نے اُس کو بخش دیا۔ حدیثِ قدسی میں وارد ہُوا ہے کہ مَیں نے خلق کو پیدا کیا کہ مجھ سے نفع حاصل کریں اور ان کو اس لیے نہیں پیدا کیا کہ مَیں اُن سے فائدہ مند ہوں۔

مروی ہے کہ اگر بندے گناہ نہ کریں گے تو خدا دوسری خلق پیدا کرے گا جو گناہ کریں گے اور خدا ان کو بخشے گا۔

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا ہے وہ خدا جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ جس طرح ماں اپنے بچوں پر مہربان ہوتی ہے خدا اس سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

احادیث میں وارد ہُوا ہے کہ خداوند عالم محشر میں اس قدر بخشے گا جو کسی کے دل میں نہ گزرا ہو یہاں تک کہ شیطان کو بھی طمع ہوگی۔ آیات و اخبار اس معنی میں اس قدر ہیں کہ جس کا حدّ و حصر نہیں۔

نویں : احادیث میں وارد ہُوا ہے کہ دنیا میں جو بلا و ناخوشی و مرض مومن کو پہنچتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا پاؤں کسی پتھر کے نیچے آئے تو وہ اس کے گناہوں کا کفّارہ ہوتا ہے۔

حضرتِ پیغمبر صلعم نے فرمایا ہے کہ بخار آتشِ جہنم کی بُو ہے۔ آتشِ جہنم میں سے مومنوں کا حصّہ اسی قدر ہے۔

دسویں : اخبار میں وارد ہُوا ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچاتا جیسا کہ کفر کے ساتھ کوئی عمل نفع نہیں بخشتا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ بوجہ ذرہ ایمان کے یا کسی عملِ نیک کے بندے کو بخش دیتا ہے اور داخلِ بہشت کرتا ہے۔

گیارہویں : خدا سے گمانِ نیک رکھنے کی ترغیب میں وارد ہُوا ہے کہ حضرتِ پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں۔ اب وہ جیسا چاہے میرے ساتھ گمان رکھے۔ نیز آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ آدمی کی موت خدا سے گمانِ نیک پر ہونا چاہیئے۔ منقول ہے کہ ایک عالم کو خواب میں دیکھا اُن سے پوچھا گیا کہ :

"حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا ؟"

انھوں نے کہا کہ :

"جب میری روح قبض کی گئی تو خطاب ہُوا کہ :

یَا شَیْخَ السُّوْءِ

یعنی : "اے شیخِ بد کردار تُو نے کیا کیا ؟"

پس اس درجہ مجھ پر خوف اور دہشت غالب ہوئی جس کی حد نہیں۔

مَیں نے عرض کیا کہ :

"اس طرح کی حدیث تیرے پیغمبر صلعم سے مجھ کو نہیں پہنچی۔"

حق تعالیٰ نے فرمایا :

"کس طرح پہنچی ؟"

مَیں نے کہا کہ :

" تیرے پیغمبر صلعم نے کہا کہ جبرائیل نے مجھ سے کہا ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں۔ جس طریقہ پر وہ گمان کرے اس سے سلوک کروں گا۔ پس میرا گمان یہ تھا کہ تو مجھ کو عذاب نہ کرے گا۔"

اس وقت حق تعالیٰ نے فرمایا کہ :

" میرے پیغمبر نے اور جبرائیل نے سچ کہا ہے۔ تُو بھی سچ کہتا ہے۔ اے ملائکہ لے جاؤ اس کو داخلِ بہشت کرو۔"

بارہویں : حدیث میں وارد ہُوا ہے کہ قیامت کے دن کفار اور دشمنانِ اہلِ بیتِ رسالتؐ مومنین اور ان کے دوستوں کا فدیہ ہوں گے اور ان کے دوستوں کے گناہوں کو ان کے پاؤں پر لکھ کر اُن کے عوض انھیں جہنم میں لے جائیں گے جیسا کہ مروی ہے کہ حضرتِ پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ میری امت اُمتِ مرحومہ ہے۔ آخرت میں ان کے لیے کوئی عذاب نہیں ہے اور جس عذاب وعقاب کے وہ سزاوار ہیں وہ ان کو دنیا ہی میں مختلف بلیّات و تکالیف کے ذریعہ سے پہنچ جائے گا اور جب قیامت کا دن ہو گا تو میری امت سے ہر ایک کے لیے ایک کافر اہلِ کتاب میں سے قرار دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ تیرا فدیہ ہے۔

احادیث اہلِ بیتؑ میں وارد ہُوا ہے کہ ہمارے دشمنوں کو بہ سبب اس ظلم کے جو انھوں نے ہمارے دوستوں پر کیا ہے۔ ہمارے دوستوں کا فدیہ قرار دیں گے۔

حضرتِ صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ قیامت میں ہمارا دوست

جس نے ہماری دوستی کی محافظت کی ہے اور اپنے دین میں تقیہ کیا ہے اور اپنے برادرِ مومن کے حقوق کو بجالایا ہے لیکن طاعت وعبادت میں کوتاہی کی ہے اس کے مقابلہ میں ایک سو یا اس سے زیادہ نفر لائیں گے اور کہیں گے کہ یہ تمام تیرے فدیہ ہیں۔ پس اُس مومن کو بہشت میں لے جائیں گے اور اُن دشمنوں کو داخل جہنّم کریں گے۔ یہ جو کچھ بیان کیا گیا اس پر دلالت کرتا ہے کہ رجا و امیدواری رحمت و مغفرتِ خدا پر بعد طاعت و عبادت کے یقین رکھنا چاہیئے۔ بغیر اس کے غرور و حماقت ہے۔ آیات و اخبار اس میں بیحد و نہایت ہیں۔

چنانچہ حق سبحانہٗ تعالیٰ فرماتا ہے :

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ۔

یعنی : " جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے بوجہ متابعتِ رسولؐ اپنے وطن سے ہجرت کی ہے۔ راہِ خدا میں کفّار اور نفسِ امّارہ کے ساتھ جہاد کیا ہے۔ یہی لوگ رحمتِ پروردگار کے امیدوار ہیں۔"

اور مذمّت میں ایک گروہ کی فرماتا ہے :

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَٰذَا الْأَدْنَىٰ وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا۔

خلاصہ معنی یہ کہ :

"گزشتہ لوگوں کے بعد کچھ لوگ آئے۔ انھیں کتاب خدا اپنے اسلاف سے پہنچی، مگر انھوں نے دنیا کے مال و متاع کو اختیار کیا اور پھر یہ کہتے ہیں کہ ہم عنقریب بخشے جائیں گے۔"

حضرتِ پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ احمق وہ ہے کہ جو ہوا و ہوسِ نفسانی کی متابعت کرے اور خدا سے امید رکھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا کہ :

"کچھ لوگ گناہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم رحمتِ خدا کے اُمیدوار ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی حالت میں ہیں یہاں تک کہ موت آ جائے۔"

حضرت نے فرمایا کہ :

"یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ ان کو رجا و امید سے کوئی تعلق نہیں۔ بہ تحقیق جب کوئی کسی سے امید رکھتا ہے تو اس کے حاصل کرنے کے درپے ہوتا ہے، اور جو کوئی کسی چیز سے ڈرتا ہے اُس سے بھاگتا ہے۔"

کسی نے حضرتؑ سے عرض کیا :

"ایک قوم آپ کے دوستوں میں سے معصیت کرتی ہے، اور کہتی ہے کہ ہم امید رکھتے ہیں۔"

حضرتؑ نے فرمایا کہ :

"جھُوٹ کہتے ہیں۔ ہمارے دوست نہیں ہیں۔ یہ وہ قوم ہے کہ ان کی امیدیں مضطرب ہیں کیونکہ جو کوئی کسی چیز کی امید رکھتا ہے تو اس

کے لیے عمل بھی کرتا ہے۔"

پھر انھیں حضرتؑ سے مروی ہے کہ مومن نہیں ہے جب تک کہ خوف و امید نہ رکھتا ہو۔ خوف و امید نہیں رکھتا ہے۔ مگر اس وقت میں جبکہ اس چیز کے لیے عمل کرے جس سے ڈرتا ہے اور جس کی امید رکھتا ہے۔

فصل (۲)

کس شخص کو خوف بہتر ہے اور کس کو رجا

خوف و رجا صفات و اخلاقِ فاضلہ ہیں اور ان کی فضیلت اس لیے ہے کہ انسان ان کے سبب سے طاعت و عبادت پر ثابت قدم رہتا ہے اور یہی باعثِ علاجِ دلِ رنجور ہوتے ہیں۔ لیکن خوف و رجا کے بارے میں لوگوں کی حالتیں مختلف ہیں۔ کوئی ایسا ہے کہ بہ نسبت طمع و امید کے ترس و خوف سے اس کا کام نکلتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے صفتِ خوف ہی اصلح ہے دوسرا شخص جو اس کے برعکس ہے اس کا حکم بھی اس کے خلاف ہے۔

پس جس پر صفتِ امن عذابِ خدا سے غالب ہوا اور وہ مکراللہ سے امین ہوا ہو تو صفتِ خوف کے حاصل کرنے سے اس کی درستی ہوتی ہے۔ جس پر رحمتِ خدا سے یاس کا غلبہ ہوا ہو تو صفتِ رجا کے حاصل کرنے سے اس کی اصلاح ہوتی ہے۔ جو کوئی دریائے معصیت میں غرق، اور دامِ شہواتِ دنیویہ میں گرفتار ہوا ہو اس کو چاہیئے کہ خوف کے حاصل

کرنے کے درپے ہو اور جس نے معاصئ ظاہریہ و باطنیہ کو ترک کیا ہو تو ترس و امید مساوی ہونے پر اس کی درستی ہو گی ۔

خلاصۂ مطلب یہ کہ آدمی کو جو شئے بیشتر منزلِ مقصود تک پہنچانے والی ہو اسی کا حاصل کرنا ضروری ہے اور اگر دونوں چیزیں مساوی طور پر منزلِ مقصود تک لے جاتی ہیں تو پھر ان دونوں صفتوں کو اعتدال کے ساتھ مساوی طور پر حاصل کرنا چاہیئے ۔

جیسا کہ خدا تعالیٰ ایک جماعت کے وصف میں فرماتا ہے :

يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا

یعنی : " وہ ترس و امید کے ساتھ اپنے پروردگار کو یاد کرتے ہیں ۔"

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے ایک فرزند سے فرمایا کہ اے فرزند ! خدا سے اس درجہ خوف کر کہ اگر تمام اہلِ زمین کی بھی اطاعت رکھتا ہے تو قبول نہ کرے گا اور اس طرح خدا سے امیدوار ہو کہ اگر تُو نے تمام اہلِ زمین کے گناہوں کے برابر گناہ کیا ہے تو تجھ کو بخشے گا ۔

حارث بن مغیرہ کہتا ہے ۔ حضرتِ صادق علیہ السلام سے مَیں نے عرض کیا کہ :

" لقمان کی وصیتیں کیا تھیں ؟"

فرمایا :

" اُن میں عجائبات ہیں ۔ تمام سے زیادہ عجیب امر یہ ہے کہ اپنے پسر کو وصیت کی تھی کہ اس طرح خدا سے ڈر کہ اگر طاعتِ ثقلین کو اپنے ساتھ لے

جائے تو ایسا سمجھ کہ تجھ پر رحم نہ کرے گا۔"

اس کے بعد حضرتؑ نے فرمایا کہ :

"میرے باپ کہتے تھے کہ کوئی بندۂ مومن نہیں ہے مگر اس کے دل میں دو نور ہیں۔ ایک نورِ خوف، دوسرا نورِ امید۔ جس کسی کو بھی وزن کیا جائے تو دوسرے سے زیادہ نہ ہو گا۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ تین شخصوں کے واسطے صفتِ رجا، صفتِ خوف سے افضل و بہتر ہے :

۱ : وہ شخص کہ واجبات کو بجا لائے اور محرمات سے اجتناب کرے لیکن اس کا نفس مستحبات کے بجا لانے اور اپنی عمر کو طاعت میں صرف کرنے سے کاہلی کرے۔ ایسے شخص کو چاہیئے کہ خداوندِ عالم نے جو مقربین سے درجاتِ علّیین کا وعدہ فرمایا ہے اس کی اُمید رکھے تاکہ ایک طرح کی خوشی اس کے دل کو حاصل ہو اور اُس کو تمام اعمالِ نیک پر قائم رکھے۔

۲ : وہ شخص جس نے اپنی عمر گناہوں میں صرف کی ہو اور اپنا نامۂ اعمال سیاہ کرنے سے اپنی نجات سے مایوس ہو اور جب توبہ و پشیمانی کا خیال اُس کے دل میں گزرے تو اس کو شیطان ناامیدی کی راہ دکھائے اور کہے کہ تیری توبہ کہاں قبول ہوتی ہے۔ تیرے توبہ کرنے سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور وہ اس وجہ سے توبہ و عبادت نہ کرے پس ایسے شخص کو چاہیئے کہ صفتِ رجا حاصل کرے۔ ابلیس کا فریب نہ کھائے اور جانے کہ پروردگارِ عالم کا دریائے فیض و رحمت بے پایاں ہے گناہانِ ہفتاد سالہ کو بخش دیتا ہے۔

۳ : وہ شخص کہ جس پر اس قدر خوف غالب ہو کہ ہلاکت پر آمادہ ہو اور کثرتِ خوف سے اُس کے بدن پر نقصان کا گمان ہو۔

اِن تین شخصوں کے علاوہ وہ شخص جو صاحب معصیت نہ ہو تو اس کے لیے خوف و رجا کو مساوی طور پر حاصل کرنا چاہیئے۔ لیکن جو شخص فریب شیطان سے مغرور اور رات دن لہو و لعب و سرور میں مشغول اور طاعت و عبادت میں کاہل ہو۔ گناہوں پر دلیر و شجاع ہو۔ نہ حرام و حلال کی فکر ہو اور نہ عقاب و عذاب کا اندیشہ۔ جیسا کہ اس زمانہ کے اکثر ابنائے روزگار ہیں۔

پس ان کو صفتِ رجا کی دوا دینا سمِ قاتل ہے۔ کیونکہ زیادتیٔ رحمت کے سُننے سے انسان کو گناہوں پر جرأت زیادہ ہوتی ہے۔ لہٰذا واعظ کو ضرور ہے کہ ہر کسی کے مرض کو پہچانے۔ اس کی علت اور مزاج کو جانے۔ جس سے مرض دور ہوتا ہو اُس دوا سے علاج کرے۔ اور وہ دوا نہ دے جس سے اس کا مرض زیادہ ہو لہٰذا اس زمانہ میں اسبابِ خوف کے بیان میں کوشش کی جائے۔ آدمیوں کو عذاب سے ڈرائیں۔ نہ یہ کہ وعظ سے آدمیوں کی تالیفِ قلوب کی جائے اور ان کے آفرین و تحسین کی امید رکھے۔ اسبابِ امیدواری کے تذکرہ سے خود اور دوسروں کو ہلاکت میں نہ ڈالے۔ مگر جس مقام میں یہ شر و بدی نہ ہو اور گناہوں کی جرأت کا باعث نہ ہوتا ہو تو بندوں کو رحمت خدا کا امیدوار کرنا بہتر و افضل ہے۔ کیونکہ جو طاعت امید سے کی جائے وہ طاعتِ خوف سے بہتر ہے۔ مقرب ترین خدا وہ ہے جو اس کو زیادہ دوست رکھے اور دوستی طمع و امید سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ ترس اور خوف سے۔ اسی وجہ سے خدا نے اُس قوم کو سرزنش کی ہے جو خدا سے بدگمانی رکھتی تھی۔

اخبار میں آیا ہے کہ حضرتِ داؤد علیہ السّلام پر خداوندِ عالم نے وحی کی کہ :

" مجھ کو دوست رکھو۔ کیوں کہ جو مجھ کو دوست رکھتا ہے۔ وہ دوسروں کو میرا دوست کرتا ہے۔"

عرض کیا کہ :

" اے پروردگار کیونکر آدمیوں کو تیرا دوست کروں۔"

فرمایا کہ :

" میری نیکیاں ان سے ذکر کرو۔ میرے احسانات و انعام کو اُن سے بیان کرو اور ان کو یاد دلاؤ۔"

ایک بزرگِ دین ہمیشہ آدمیوں سے امیدواریٔ خدا کا ذکر کرتا تھا۔ جب وہ دُنیا سے گزر گیا تو اس کو کسی نے خواب میں دیکھا۔

اس بزرگ نے کہا کہ مجھ کو مقامِ خطاب پروردگار پر کھڑا کیا گیا اور خطاب ہُوا کہ :

" کس سبب سے ہمیشہ تو آدمیوں کو طمع و امیدواری کی دعوت دیتا تھا ؟"

اس نے عرض کیا کہ :

" اُن کے دل میں تیری دوستی قائم کرنا چاہتا تھا۔"

خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ :

" مَیں نے تجھ کو بخش دیا۔"

پس کیونکر صفتِ رجا خوف سے افضل نہ ہو کہ صفتِ رجا دریائے رحمت کی اور صفتِ خوف دریائے غضب کی نہر ہے۔ جو شخص صفاتِ لطف و رحمت کو ملاحظہ کرتا ہے اس پر محبت غالب ہوتی ہے اور کوئی مقام محبتِ الٰہی سے

بالاتر نہیں ہے۔ لیکن خوف چونکہ صفتِ غضب پر موقوف ہے۔ اس سے اس قدر محبت حاصل نہیں ہوتی لیکن اس زمانہ کی مخلوق چونکہ گناہ گار و مغرور ہے لہٰذا ان کی اصلاح خوف سے کرنی چاہیئے۔ جس قدر ممکن ہو اُن کو طاعت پر رکھیں۔ خواہشاتِ دُنیا کو اُن پر تلخ اور اُن کے دل سے غرور دور کریں۔ ان کے دل کو علائقِ عالم سے سرد کریں۔ یہ علاج زمانۂ مرگ سے قبل کیا جائے اور مرنے کے وقت ہر شخص کے لیے صفتِ رجا کا غلبہ اصلح ہے۔ کیونکہ خوف تازیانۂ عمل ہے اور اب چونکہ عمل کا وقت گزر چکا۔ اس لیے ممکن ہے کہ صفتِ خوف کے باعث دوستیٔ خدا میں کمی واقع ہو۔ درآنحالیکہ ہر شخص کو محبتِ خدا کے ساتھ دنیا سے جانا چاہیئے تاکہ اس کی لقا کا شوق غالب ہو۔ ایسا شخص دنیا سے خوش و خرم جاتا ہے۔ کیونکہ کوئی مسرت اور خوشی ملاقاتِ محبوب سے زیادہ نہیں ہے۔ اور کوئی رنج فراقِ محبوب سے بڑھ کر نہیں۔

پس مسکین و بے چارہ وہ ہے کہ وقتِ مرگ فرزند، عیال، جاہ و مال کی دوستی اس کے دل پر غالب ہو۔ تمام دوست اس کے دنیا میں ہوں اور دنیا اس کے لیے بہشت ہو۔ کیوں کہ بہشت وہ مقام ہے جہاں آدمی کی محبوب اشیاء موجود ہوں۔ پس ایسا شخص گویا موت کے باعث بہشت سے باہر جاتا ہے۔

اہلِ دنیا کے لیے یہ پہلا الم ہے جو مرنے کے وقت پہنچتا ہے۔ باقی آلام اس کے علاوہ ہیں اور جس شخص کو دنیا سے کوئی علاقہ نہیں تو دنیا اس کے لیے قفس و زنداں ہے۔ موت اُسے زنداں سے رہا کرتی ہے۔ یہ پہلی خوشی ہے جو موت سے اس کو حاصل ہوتی ہے علاوہ

اُن مسرتوں کے جو اس کے لیے آخرت میں موجود ہیں۔

فصل (۳)

تحصیلِ رجا کا طریقہ

جب آپ نے فضیلتِ رجا کو اور اس کے موقع کو معلوم کر لیا تو۔ اب اس صفت کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ابتداء میں جیسا کہ کہا گیا۔ اسباب امیدواری میں غور کرے۔ اُن کو اپنے دل میں نقش کرے۔ بکثرت اُن کا خیال کرے ہمیشہ اُن کو ذکر کرتا رہے۔

پس جو نعمتیں اور کرامتیں بے شمار بندوں کو دی گئی ہیں اُن کو ملاحظہ کرے اور دیکھے کہ عنایتِ الٰہیہ نے اسبابِ دنیویہ میں جس جس شئے کی ضرورت تھی کسی میں بھی کوتاہی نہیں کی ہے۔ حالانکہ یہ دنیا خانۂ بلا و محنت ہے مقامِ سرور و راحت نہیں ہے۔ پس ایسے مقام پر جب زینت و جمال کی جملہ اشیاء پیدا کی ہیں تو خانۂ آخرت میں جو جائے فیض و نعمت و احسان و راحت ہے کیونکر بندوں کو مہمل و معطل رکھے گا۔

خود ارشاد فرماتا ہے:

سَبَقَتْ رَحْمَتِي غَضَبِي

یعنی: "میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔"

وہ دنیا میں باوجود اشغال گناہ ولہو ولعب انسان کو نعمت سے سرفراز کر رہا ہے تو کیوں کر آخرت میں جہاں انسان کے لیے بجز اس کی درگاہ کے کوئی پناہ نہیں اُسے چھوڑ دے گا، اور سب سے زیادہ باعثِ امیدواریٔ بندگان یہ امر ہے کہ خداوندِ عالم خیر محض ہے۔ اُس میں کوئی شر نہیں ہے۔ وہ فیاضِ علی الاطلاق وبخشندۂ مطلق ہے۔ اس نے خلق کو پیدا کیا تاکہ اُن پر جود و احسان کرے۔ اپنے فضل و کرم کو ظاہر کرے۔ البتہ وہ اشخاص جو اُس کی وحدانیت کے قائل ہیں اور اس کے پیغمبر صلعم کی تصدیق کرتے ہیں اُن پر رحم کرے گا ان کو ہمیشہ عذاب میں نہیں رکھے گا۔

چوتھی صفت

ضعفِ نفس کی علامت اور اُس کا عِلاج

واضح ہو کہ ضعف نفس کی علامتِ خبیثہ یہ ہے کہ آدمی نزولِ بلا اور حوادث کے وقت عجز، وزبونی و اضطراب ظاہر کرے اور ہر معمولی سے معمولی حادثہ کے وقت بھی متزلزل ہو جائے۔ یہ صفت نہایت خبیث ہے۔ ایسا شخص عقلا کی نظر میں ذلیل و خوار ہے۔ اُس کا لازمہ ذلّت و خوف ہے۔ اموراتِ مہمّہ کو یہ شخص انجام نہیں دے سکتا۔ امر بالمعروف و نہیٔ منکر سے کنارہ کش ہوتا ہے۔ تھوڑی سی بلا سے مضطر و خائف ہو جاتا ہے۔ اس صفت والا مرتبۂ بلند و منصبِ ارجمند سے محروم و مہجور اور ہر دو عالم کی بزرگی اور عزّت سے دُور ہے۔ اس کا دل ہمیشہ مضطرب و لرزاں ہے۔ ہمیشہ حادثۂ دنیا سے خائف و ترساں ہے۔ ہر ساعت تشویش و غم میں ہر لحظہ بیم و الم میں گرفتار ہے۔ اس کی طبیعت لڑکوں کی طبیعت کے مانند ہے اور جبلّت عورتوں سے مشابہ۔

اخبار میں وارد ہُوا ہے کہ مومن کو ہر کام میں اختیار دیا ہے لیکن یہ اجازت نہیں دی ہے کہ اپنے کو ذلیل و بے قدر کرے۔ خدا نے جو فرمایا ہے آیا اس کو نہیں سُنا ہے :

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔

یعنی : "عزت خدا و پیغمبر و مومنین کے لیے ہے۔"
پس مومن کو چاہیئے کہ اپنے کو عزیز رکھے، ذلیل نہ کرے اور نیز پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہو۔ پہاڑ کو تیشہ سے ٹکڑے کر سکتے ہیں۔ مگر مومن کے دین میں سے کوئی چیز نہیں توڑی جا سکتی۔ علاج اس صفتِ بد کا جیسا کہ جبن و خوف میں گزرا اس کے ضد کا حاصل کرنا ہے۔

فصل (۱)

قوّتِ نفس کی شرافت اور اس کے تحصیل کا طریقہ

واضح ہو کہ ضد صفتِ مذکورہ کی بزرگیٔ نفس اور مضبوطیٔ قلب ہے اس کی علامت یہ ہے کہ جو کچھ اس پر وارد ہو۔ اُسے برداشت کرے۔ مانند گھاس کے ہوا سے نہ ہلے۔ مثلِ موش و روباہ کے اِدھر اُدھر متحرک نہ ہو۔ بلکہ مانند پہاڑ کے ایک جا قائم رہے ہوائے مختلف پر التفات کرے مثلِ شیرِ قوی پنجہ کے دلیروں کے حملہ سے مُنہ نہ پھیرے۔
حدیث میں وارد ہُوا ہے کہ مومن صاحبِ صلابت وجاہت و عزت ہے یہ تمام بزرگیٔ نفس و قوّت کی جڑیں ہیں۔
حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ مومن کو خدا نے

تین خلعت کرامت فرماتے ہیں :

۱ : دنیا و آخرت میں عزت ۔

۲ : دنیا و آخرت میں ظفر و رستگاری ۔

۳ : اہلِ ظلم و معصیت کے قلب میں اس کی مہابت ۔

یہ صفت حقیقتاً سر آمدِ صفات ہے ۔ اس صفت والے کی نگاہ میں خواری و عزت اور مفلسی و ثروت یکساں ہے ۔ نہ ابنائے روزگار کی دوستی سے اسے خوشی نہ اُن کی دشمنی سے کوئی خوف ، نہ ان کی تعریف سے شاد ، نہ ان کی مذمت سے غمگین ۔ چنانچہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر تمام عالم تلوار کھینچ کر گروہ در گروہ مجھ پر حملہ کریں تو کوئی فرق میرے حال میں نہ ہوگا بلکہ جس شخص کو یہ صفت عنایت ہوئی ہو اس کو مرض و صحت بلکہ حیات و موت میں کوئی تفاوت معلوم نہ ہوگا ۔ گردشِ روزگار و انقلابِ لیل و نہار کا اُس پر مطلق اثر نہیں ہوتا ۔ یہ صفتِ فاضلہ ایسی نہیں ہے کہ ہر شخص کو حاصل ہو ۔ یہ وہ چشمہ نہیں ہے کہ ہر بے سر و پا اس سے پانی پیئے ۔ یہ وہ سراپردہ نہیں ہے کہ ہر شخص اس کے اطراف گردش کرے ۔ سوائے سوارِ معرکۂ میدان کوئی یہاں گھوڑا نہیں دوڑا سکتا ۔ یہ وہ راستہ ہے کہ سوائے نامدارانِ شیر دل کے کوئی قدم اس جگہ نہیں رکھ سکتا ۔ اس صفت کی تحصیل کا طریقہ وہی ہے جو حصولِ صفتِ شجاعت و رفعِ خوفِ مذموم میں بیان کیا گیا ۔

پانچویں صفت

پست ہمّتی کی مذمّت اور علوہمّتی کی فضیلت

واضح ہو کہ کارہائے بزرگ و امورِ عظیمہ کی تحصیل میں قاصر رہنا اور شغلہائے پست و اعمالِ جزئیہ پر قناعت کرنا۔ یہ خراب صفت نتیجۂ کم دلی وضعفِ نفس ہے اس صفت کی ضد علو ہمتی ہے یعنی مراتب و مناصب عالیہ کی تحصیل میں کوشش کرنا۔ جس شخص کی ہمت بلند ہو وہ امورِ جزئیہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور منافعِ خسیسۂ دنیویہ کی طمع میں اپنے آپ کو آلودہ نہیں کرتا اور نقصان کے خوف سے مطلوب سے ہاتھ نہیں اٹھاتا بلکہ دنیا و مافیہا اس کی نظر میں خوار اور لذتِ جسمانیہ اس کے آگے بے اعتبار ہیں۔ نہ وہ دنیا کے حاصل ہونے سے شاد و فرحناک ہوتا ہے نہ اس کے عدمِ حصول سے محزون و غمناک، بلکہ اس صفت والا راہِ طلب میں قدم رکھتا ہے اور حصولِ مقصود کے درپے ہوتا ہے تو اس کو نہ جان کا خوف ہے نہ سر کی پروا، نہ شمشیر سے ڈرتا ہے نہ خنجر سے، ؎

دست از طلب ندارم تا کامِ من برآید
یا جاں رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید

جب یہ صفت مرتبۂ کمال کو پہنچے تو اس صفت والا مقصدِ اعلیٰ کا طالب

ہوتا ہے اور حقیقتِ ایمان اس کو حاصل ہوتی ہے۔ وہ معرفت کا مشتاق ہوتا ہے بلکہ جیسا کہ اخبار میں وارد ہُوا ہے کہ موت سے بہتر اور کوئی تحفہ اس کے نزدیک محبوب نہیں ہوتا۔ یہ صفت بالاترینِ فضائلِ نفسانیہ و اعظمِ مراتبِ انسانیت ہے۔ اس لیے جو شخص مراتبِ عالیہ پر فائز ہوا وہ اسی صفت کے ذریعہ سے ہوا ہے۔ اس صفت والا ہرگز مرتبۂ پست پر راضی اور امورِ جزئیۂ دنیّہ پر متوجہ نہیں ہوتا ہے جس کام کو طلب کرتا ہے اس میں کوشش و اجتہاد کرتا ہے اور مطلوب کو حاصل کرتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔

یعنی: " جو لوگ ہمارے دین کے بارے میں کوشش کریں گے ہم ضرور بالضرور اُن کو اپنا راستہ دکھلائیں گے۔"

مَنْ طَلَبَ شَيْئًا وَجَدَّ وَجَدَ۔

یعنی: " جو کوئی کسی چیز کو طلب کرے اور کمرِ اجتہاد باندھے البتہ اس کو وہ پاتا ہے۔"

واضح ہو کہ شہامت جو ایک صفتِ نیک ہے وہ نتیجۂ بلند ہمتی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی امورِ عظیمہ کو انجام دینے پر حریص ہو تاکہ صفحۂ روزگار میں اس کا نام باقی رہے۔

چھٹی صفت

بے غیرتی و بے حمیّتی کی مذمّت اور غیرت و حمیّت کی شرافت

واضح ہو کہ بے عزتی و بے حمیّتی یہ ہے کہ جن چیزوں کی مثلاً دین اور ناموس و اولاد و اموال کی حفاظت و نگہبانی کرنا لازم ہے۔ اس میں کوتاہی و بے پروائی کی جائے۔ یہ مرض مہلکاتِ عظیمہ و صفاتِ خبیثہ میں سے ہے اکثر ہوتا ہے کہ یہ دیوثی کی طرف منجر ہو جاتا ہے۔

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا ہے کہ:

"مردِ بے غیرت کا دل اُلٹا ہوتا ہے۔"

اور فرمایا ہے کہ:

"اگر کوئی مرد اپنے اہلِ خانہ سے کوئی ایسا امر دیکھے جو منافیٔ غیرت ہو اور اُسے غیرت نہ آئے تو خداوندِ عالم ایک مرغ کو بھیجتا ہے جس کو قندر کہتے ہیں۔ وہ اس کے گھر پر چالیس روز بیٹھتا ہے اور فریاد کرتا ہے کہ خدا غیور ہے اور صاحبِ غیرت کو دوست رکھتا ہے۔ اگر اس مرد کو غیرت آئی اور جو کچھ منافیٔ غیرت ہے اپنے سے دُور کیا تو فبہا۔ ورنہ وہ پرواز کرتا ہے۔ اس کے سر پر بیٹھتا ہے اور اپنے پروں کو اُس کی آنکھوں پر

مارتا ہے اور اُڑ جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کی روحِ ایمان مفارقت کرتی ہے اور ملائکہ اس کو دیوث کہتے ہیں۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام جب کہ عراق میں تشریف رکھتے تھے تو آپ نے فرمایا کہ:

"اے اہلِ عراق سُنتا ہُوں کہ تمھاری عورتیں مردوں سے شانہ بشانہ ہو کر چلتی ہیں۔ آیا تم لوگ حیا نہیں کرتے۔ تمھیں غیرت نہیں آتی کہ تمھاری عورتیں بازار کو جاتی ہیں اور کافروں کے کاندھے سے کاندھا ملاتی ہیں کہ راستہ ملے۔"

اس صفت کی ضد غیرت وحمیّت ہے جو نتیجۂ شجاعت وقوّتِ نفس اور اشرفِ ملکات وصفاتِ فضائل ہے۔ جو کوئی یہ صفت نہیں رکھتا وہ مردوں کے زمرے سے خارج ہے اور اس کو مرد نہیں کہتے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خداوند تبارک وتعالیٰ غیور ہے اور غیرت کی صفت کو دوست رکھتا ہے اور یہ اس کی غیرت ہے کہ اس نے تمام اعمالِ ناشائستہ ظاہریّہ اور باطنیہ کو حرام کیا ہے۔

فصل (۱)

طریقۂ غیرت متعلّق دین وعیال

واولادومال

جب آپ کو معلوم ہوا کہ حمیّت وغیرت یہ ہے کہ آدمی اپنے دین اور ناموس واولادواموال کی نگہبانی کرے تو ان کی محافظت اور نگہبانی کا ایک طریقہ ہے کہ صاحبِ غیرت وحمیّت کو اُس سے تجاوز کرنا زیبا نہیں۔ اب غیرت وحمیّتِ دینی یہ ہے کہ بدعت کے دُور کرنے میں کوشش کرے اور دین کے باطل کرنے والے دعویٰ کو دفع اور شبہۂ منکرین کو رَد کرے اور رواجِ احکامِ دین میں لازمۂ جدوجہد کو عمل میں لائے۔ مسائلِ حلال وحرام کے ظاہر کرنے میں نہایت مبالغہ کرے اور امرِ معروف اور نہیٔ منکر میں دلیری سے کام لے۔ جو لوگ کہ ظاہرا معصیت کرتے ہیں اُن سے دوستی نہ کرے اور بقدرِ ضرورت مخفی طور پر غضبناک ہو۔

ناموس وحرم میں غیرت یہ ہے کہ اپنے اہلِ خانہ سے غافل نہ ہو اور ابتداء میں ایسے امر میں بے پروائی نہ کرے۔ جس کا نتیجہ فساد کی طرف منجر ہو۔

پس دیکھنے سے نامحرموں کے اپنی عورتوں کی حفاظت کرے۔ اُن کو

کوچہ و بازار میں جانے سے روکے۔

حضرتِ رسول صلعم نے حضرت فاطمہ علیہا السّلام سے فرمایا کہ :

"عورتوں کے واسطے کیا بہتر ہے؟"

عرض کیا کہ :

"وہ کسی مرد کو نہ دیکھے اور کوئی مرد بھی اس کو نہ دیکھے۔"

پس حضرتؐ نے فاطمہ علیہا السّلام کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اصحابِ پیغمبرؐ نے مکان کے سوراخوں کو بند کر لیا تھا کہ ان کی عورتیں غیر مردوں کو نہ دیکھیں۔

ایک روز حضرتِ پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ :

"جو کوئی اپنی عورت کو حمام و عروسی اور عیدگاہ و مجالس میں جانے اور باریک لباس پہننے کی اجازت دے یا اُن امور پر راضی ہو تو خدا تعالیٰ اس کو جہنّم میں اُلٹا لٹکائے گا۔"

حضرتِ پیغمبرؐ کے زمانے میں عورتیں مسجد میں حاضر ہوتی تھیں اور مخصوص اس زمانے کی عورتوں کو حضرتؐ نے اجازت دی تھی۔ کیونکہ حضرتؐ کو اس زمانے کی عورتوں کے احوال کا علم تھا اور جانتے تھے کہ ان سے کوئی برائی صادر نہ ہوگی۔ اِس زمانہ کی عورتوں کو مسجد و قبرستان میں بغرض فاتحہ و زیارت جانے سے منع کرنا لازم و واجب ہے تو کوچہ و بازار اور حمام و مجمعِ لہو و لعب کا کیا ذکر۔ کیونکہ عورتوں کا مکر حد سے زیادہ گزر گیا ہے اسی وجہ سے حضرتِ پیغمبرؐ کے بعد صحابہؓ نے یہ رفتار مقرر کی اور فرمایا کہ اگر اس زمانہ کی عورتوں کے احوال سے پیغمبرؐ مطلع ہوتے تو فرماتے کہ گھر کے باہر نہ جائیں۔

حضرتِ صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ :

"عورتیں عید اور جمعہ کی نماز کو گھر کے باہر جا سکتی ہیں؟"

فرمایا کہ:

"نہیں، مگر وہ عورتیں جو بوڑھی ہوں۔"

الغرض جو کوئی اس زمانہ کی عورتوں کے حالات سے واقف ہو اور کسی قدر رگِ مردی وصفتِ غیرت وحمیّت اُس میں ہو تو عورتوں کو وہ ضرور اِن اُمور سے منع کرے گا جن سے احتمال فساد و ناخوشی ہو۔ مثلاً نامحرموں کو دیکھنا اور اُن کی آواز سُننا۔ جب تک ضرورتِ شرعیّہ نہ ہو۔ علاوہ بذا غنا و خواندگی کا سُننا بلکہ گھر کے باہر جانے سے اور غیر کے گھر کی آمد و رفت سے اور حمام و مسجد اور کسی محفل یا مجلس میں جہاں تعزیۂ سید الشہداء ہو اور زیارتِ مستحبّہ کے سفر کرنے سے جب کہ اندیشۂ فساد ہو منع کرے گا۔ اس لیے کہ غالب اوقات یہ امور فساد سے خالی نہیں ہیں اور اگر کچھ بھی نہ ہوں تو بھی ان کی نظر نامحرموں پر پڑتی ہے جو طریقۂ عفّت کے منافی اور شیوۂ غیرت سے دُور ہے۔

پس اس زمانہ کے مرد صاحبِ غیرت پر لازم ہے کہ اپنے اہلِ خانہ و حرم کی حفاظت میں حتی المقدور کوشش کرے۔ اُن کو گھر کے باہر جانے سے روکے مگر سوائے اُن صورتوں کے جو از روئے شرع واجب ہوں۔ مثلاً سفرِ حج واجب یا کسی عالمِ خدا ترس کے گھر میں مسائلِ واجبہ کے معلوم کرنے کے لیے جانا۔ جب کہ مرد مسائل معلوم کر کے عورت کو نہ پہنچا سکتا ہو۔ اسی طرح زیارتِ آئمہ یا عورتوں کے تعزیہ خانہ میں یا ان کے مثل جہاں فساد کا اندیشہ نہ ہو شرکت کی اجازت دینا ان کو جائز ہے۔ ایسا ہی بوڑھی عورتوں کا جانا اِن مقامات پر کوئی ضرر نہیں رکھتا۔ نیز مقتضائے غیرت یہ ہے کہ

عورتوں کو حکایاتِ شہوت انگیز وسخنانِ عشرت آمیز کے سُننے سے اور اُس بوڑھی عورت کی مصاحبت سے جو مردوں کے پاس آمد ورفت رکھتی ہو منع کرے۔ اسی وجہ سے احادیث میں عورتوں کو سورۂ یوسف کے پڑھنے اور سُننے سے منع کیا گیا ہے۔

حضرتِ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ :

"سورۂ یوسف عورتوں کو تعلیم نہ دو اور اُن کو نہ سُناؤ۔ سورۂ نُور اُن کو یاد دلاؤ کیونکہ اس میں وعظ ونصیحت ہے۔"

اور فرمایا کہ :

"عورتوں کو زین پر سوار نہ کرو۔"

حضرتِ پیغمبر صلعم نے فرمایا ہے کہ :

"عورتوں کو برآمدوں میں نہ بیٹھنے دو اور لکھنا نہ سکھاؤ اور ان کو رُوئی کاتنا سکھاؤ اور سورۂ نور یاد دلاؤ۔"

مردِ صاحبِ غیرت کو سزاوار یہ ہے کہ اپنے کو عورت کی نظر میں باوقعت رکھے کہ اس سے ہمیشہ عورت ڈرتی رہے اور اپنی ہوا وہوس کی پیروی نہ کرے۔ کسی وقت عورت کو بے کار نہ بیٹھنے دے۔ بلکہ ہمیشہ کسی کام میں گھر کے یا کسی کسب میں مشغول رکھے۔ کیونکہ بحالتِ بیکاری شیطان فکرِ باطل میں ڈالے گا۔ باہر نکلنے اور سیر وخود آرائی وخود نمائی کی خواہش ہوگی۔ لہو ولعب اور ہنسی اور کھیل کی رغبت ہوگی۔ آخر کار وہ خرابی پیدا کرے گی۔ نیز مردِ صاحبِ غیرت کو چاہیئے کہ تمام ضروریاتِ خوراک وپوشاک اور تمام اشیائے ضروری خانہ داری مہیا رکھے تاکہ اپنی ضروریات کے سبب سے مضطر ہو کر اعمال واقوال ناشائستہ کی مرتکب نہ ہو۔

جاننا چاہیئے کہ صفت غیرت کی اگرچہ بہتر اور ازروئے شرع اور عقل مستحسن و مرغوب ہے۔ مگر اس میں زیادتی نہ کرے اور آدمی کو نہ چاہیئے کہ بے سبب اپنے اہلِ خانہ سے بدگمان ہو۔ سختی سے کام لے اور پوشیدہ طور پر اس کی نگرانی کرے۔ کیونکہ ایسا ہی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ عورت مانند ٹیڑھی ہڈی کے ہے۔ اگر اُس کو سیدھا کرنا چاہتا ہے تو ٹوٹ جائے گی۔

حضرت پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ :

" بعض قسم کی غیرت ہے کہ خدا اور رسول اس کو دشمن رکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ مرد بغیر وجہ کے اپنے اہلِ خانہ سے غیرت کرتا ہے۔"

حاصلِ کلام یہ کہ مخفی طور پر اپنے اہلِ خانہ کے احوال کے دریافت کرنے میں زیادتی کرنا نازیبا ہے اور طریقۂ شریعت کے موافق نہیں ہے کیونکہ اس وقت میں مرد بدگمانی رکھے گا جو شرعاً مذموم ہے چنانچہ مذکور ہو گا۔

اب اولاد کے متعلق مقتضائے غیرت یہ ہے کہ ابتداء میں ان کا خبرگراں رہے اور ان کی پرورش کے لیے دایہ صاحب عفّت و نیک کو معیّن کرے۔ غذائے حلال ان کے لیے مہیّا کرے۔ کیونکہ جو طفل غذائے حرام سے پرورش پاتے ہیں ان کی طبیعت خبیث ہوتی ہے۔ ان کی طینت خباثت سے خمیر کی جاتی ہے۔ جب کسی قدر تمیز پیدا ہو تو ان کو آدابِ نیک اور آدابِ مجلس سکھانے چاہئیں۔ ان کو سیدھے ہاتھ سے کھانا اور شروع کھانے میں بسم اللہ کہنا تعلیم دے۔ اپنے کھانے سے لقمہ اٹھائے اور دوسرے کے کھانے پر ہاتھ دراز نہ کرے اور نگاہ نہ رکھے۔ جلدی سے غذا نہ کھائے۔ لُقمہ اچھی طرح چبائے۔ لباس کو غذا سے آلُودہ نہ کرے۔ زیادہ کھانے کی عادت نہ کرے۔ لڑکوں سے زیادہ کھانے کی مذمّت کرنی چاہیئے۔ قناعت اور

کم خواری کی تعریف کرے۔ ایک ہی غذا کی عادت نہ ہو بلکہ جو کچھ میسر ہو اس پر قناعت کرے۔ ان کو خود آرائی و زینت سے منع کرے۔ اس کی برائی ظاہر کرے کہ زینت و خود آرائی طریقہ عورتوں کا ہے۔ مرد اس کو بُرا جانتے ہیں اور ہم نشینی سے اُن لڑکوں کی جو ناز و نعمت سے پرورش پاتے ہیں حفاظت کرے اور طریقہ بیٹھنے، راستہ چلنے، اُٹھنے، سونے کا ان کو تعلیم دے۔ بیٹھنے اور کھڑے رہنے میں پیٹھ دوسروں کی طرف نہ ہو۔ آدمیوں کے سامنے نہ تھوکے اور انگلی ناک میں نہ کرے اور نہ چھینکے۔ اگر ضرورت ہو تو پوشیدہ طور سے ناک کو پاک کرے۔ آدمیوں کے سامنے جمائی نہ لے۔ پاؤں پر پاؤں نہ ڈالے۔ ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے نہ رکھے۔ ہر طرف نہ دیکھے۔ سر کھُلا نہ رکھے۔ ہم نشینوں سے تواضع اور فروتنی کے ساتھ پیش آئے۔ کشادہ روئی و خوش کلامی کو اپنا شعار قرار دے۔ بزرگوں کی اطاعت اور ان کی تعظیم کرے۔ ان کے سامنے نہ کھیلے۔ جھوٹ بولنے اور قسم کھانے سے روکے۔ اگرچہ وہ راست ہو۔ فحش و دشنام و لغو اور مسخرگی سے منع کرے۔ اس کو سچ کہنے اور سوچ کر بات کرنے اور سُننے کی عادت ڈالے۔ دو زانو بیٹھنے اور دوسرے کو جگہ دینے اور باوقعت اور خود داری کی حرکات سکھائے۔ بُری صحبت سے حفاظت کرے کہ اصلِ ادب یہی ہے۔ کسی سے کوئی چیز مانگنے سے ڈرائے اور سمجھائے کہ عطا اور بخشش میں بزرگی اور مانگنے میں ذلت و خواری ہے۔ کتّوں کی عادت ہے کہ غذا کے انتظار میں اپنی دُم ہلاتے ہیں اور خوشامد کرتے ہیں۔ کسی اُستاد دیانت دار کے سپرد کرے کہ اس کو قرآن پڑھائے۔ نیکوں کی حکایات اس سے بیان کرے اور فضول باتوں سے اس کو منع کرے اور اُس کو تعلیم کرے کہ

جب اُستاد مارے تو صبر کرے۔ دوسروں سے متوسل نہ ہو۔ اس کو کہے کہ یہ طریقہ جواں مردوں کا ہے۔ اس وقت میں مثل عورتوں اور غلاموں کے فریاد نہ کرے۔ ضرور ہے کہ جب مدرسہ سے فارغ ہو تو اس کو کھیلنے اور سیر کرنے کی اجازت دے تاکہ اس کا دل پژمردہ نہ ہو۔ جب اس کو کسی قدر تمیز ہو تو اخلاقِ نیک سکھانا اور صفاتِ رذائل سے دور رکھنا چاہیئے۔ صفاتِ نیک مثلاً صبر و شکر، توکل، رضا، شجاعت، سخا، صدق، صفا اسے بتلائے۔ ان اوصاف والوں کی اس سے تعریف کرے۔ اخلاقِ رذیلہ مثلاً حسد، عداوت، کبر، وزدی، خیانت کی اس سے برائی ظاہر کرے۔ ان اخلاق والوں کو بُرا کہے۔ اس کو طہارت و نماز سکھائے۔ ماہِ رمضان المبارک کے روزے رکھنے کی تاکید کرے۔ اصولِ عقائد و آدابِ شریعت اس کو تعلیم کرے۔ اور آدمیوں کے سامنے اس کو اچھا کہے اور اس پر احسان کرے۔ اگر کوئی بُرا فعل اس سے ظاہر ہو تو پہلی دفعہ دیکھ کر انجان ہو جائے اور اس سے بیان نہ کرے اور ایسا ظاہر کرے کہ کبھی اس کام کے کرنے کی پھر اس کو جرأت نہ پیدا ہو۔ اگر دوسرے وقت وہ کام اُس سے سرزد ہو تو پوشیدہ طور پر عتاب و خطاب کرے اور ظاہر کرے کہ اگر اس سے یہ فعل ظاہر ہو گا تو آدمیوں میں رُسوا ہو گا۔ زیادہ تر اس پر غصہ نہ کرنا چاہیئے۔ باپ کو چاہیئے کہ اپنا وقار قائم رکھے۔ اپنے کو لڑکے کی آنکھ سے نہ گرا دے۔ ماں کو ضرور ہے کہ باپ کا خوف دلائے۔ اس کو اعمالِ ناشائستہ سے منع کرے۔ جب زیادہ تمیز پیدا ہو تو عبادت کرنے کی تاکید کرے۔ اس کی نظر میں دنیا کو ذلیل کرے۔ اس کو پروردگار سے امیدوار بنائے۔ اس کے سامنے آخرت کی تعریف کرے۔ بزرگیٔ خدا کو اس سے ذکر کرے۔ جب اس طرح عمل کرے تو یہ اخلاق لڑکے کے دل میں مضبوط ہوتے ہیں۔ بالغ ہونے کے بعد وہ

زمرۂ اخیار میں داخل اور باپ کے لیے باقیاتِ صالحات ہوگا۔ اگر اس کے
برخلاف اس کی تادیب میں بے پروائی برتی گئی تو وہ لڑکا بیہودگی میں پرورش
پاتا ہے۔ اُسے بے شرمی و فحش و شکم پرستی کی عادت ہوتی ہے۔ وہ خبیث النفس
ہوتا ہے۔ ماں باپ کے لیے ناگوار بلکہ باعثِ رسوائی ہوتا ہے اور خود دُنیا میں
سختی و افلاس اور عقبیٰ میں عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔ پس مہربان باپ کو لازم ہے
کہ تادیبِ فرزند میں سعی کرے اور جانے کہ یہ امانت منجانب خدا اس کو ملی ہے۔
اس کا دل پاک اور اس کا جوہر صاف ہے۔ جو قابلیت ہر نیک و بد کی رکھتا ہے۔
جیسی تعلیم دی جائے اس میں ترقی کرتا ہے۔ اس کا باپ اس کے ثواب میں
شریک ہے۔ پس اس کو ضائع و مہمل نہ چھوڑے۔ اس سے غافل نہ ہو۔ لڑکی کو
بھی لڑکے کے مانند تربیت کرے۔ مگر اکثر امور میں تفاوت ہے۔ اس کو
پردہ نشینی و حجاب و حیا اور ان کے مثل تعلیم دے۔ لڑکے کو ان آداب کی تعلیم
کرنے کے بعد جس علم و صنعت کی قابلیت و استعداد رکھتا ہو اس کی تعلیم دے۔
کسی دوسرے امر میں جس کی استعداد نہ ہو مشغول نہ کرے کہ اس کی عمر ضائع ہو۔

مال کی غیرت یہ ہے کہ جانے ہر شخص کو جب تک کہ دنیا میں ہے مال کی
احتیاج ہے اور اس پر حصولِ آخرت موقوف ہے کیونکہ معرفت و طاعت بقائے
بدن و حیات پر اور ان کی بقا غذا و قوت پر منحصر ہے۔ پس عقلمند کو چاہیئے جو مال حلال
سے پیدا کرے اس کی حفاظت میں کوشش کرے اس طریقہ پر کہ بغیر ضرورت کے
صرف نہ کرے جس میں فائدۂ دنیا و آخرت نہ ہو اس میں ہرگز خرچ نہ کرے اور بغیر
مستحق کے نہ دے۔ خود نمائی و خود فروشی میں خرچ نہ کرے۔ چور اور خیانت کرنے
والے سے حفاظت کرے۔ جہاں تک ممکن ہو ظالموں کو اُس پر مسلط نہ کرے اور
ان کو مال پر قابو نہ دے بلکہ مقتضائے غیرتِ مال یہ ہے کہ جب تک آپ

ذمہ میں اپنا مال صرف کرے تاکہ اس کا فائدہ اپنے کو حاصل ہو۔ وارث کے لیے نہ چھوڑے مگر سوائے اس صورت کے جب کہ لڑکا صاحبِ خُلق ہو۔ جس کا وجود بمنزلہ اپنے وجود کے ہو تاکہ اس کے ثواب میں آپ شریک ہو سکے۔ صاحبِ غیرت و حمیت کیونکر راضی ہو گا کہ جس مال کے حاصل کرنے کے لیے رات دن تکلیف اٹھائی ہو اور اس کے جمع کرنے میں اپنی اوقات ضائع کی ہو جس کا عرصۂ محشر میں حساب دینا ہو گا وہ اپنی عورت کے مرد کے لیے چھوڑ جائے وہ اس کو کھا کر قوت پکڑے اور اس عورت سے ہم صحبت ہو۔ حقیقت یہ کہ وہ مخنث ہے اور اپنے کو بے غیرت اور دیوث بناتا ہے۔ ایسا ہی وہ لوگ بھی صاحب غیرت و حمیت نہیں جو اُن وارثوں کے لیے مال چھوڑ جاتے ہیں۔ جو حقِ میت بیچارہ کو نہ جانیں۔ اس کو کبھی یاد نہ کریں۔ بدگہر لڑکے، داماد، بھائی، بھتیجے، چچا وغیرہ۔ اگرچہ عورت کے شوہر کی طرح نہیں ہیں لیکن جب کہ یہ صاحبانِ اخلاقِ حسنہ نہ ہوں تو ان کے لیے مال چھوڑنا سوائے فحش و دشنام حاصل ہونے کے اور کوئی فائدہ نہیں رکھتا ہے۔ جیسا کہ اس زمانہ میں دیکھا جاتا ہے۔

ساتویں صفت

مذمّت عجلت و شتاب کاری

واضح ہو کہ عجلت کے معنی یہ ہے کہ بمجرد اس کے کہ کوئی امر آدمی کے دل میں گزرتے ہی بغیر نتیجہ کے سوچنے کے اس کے کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ یہ صفت کم دلی و ضعفِ نفس کا سبب ہے۔ اس صفت میں بنی آدم ہلاک ہوتے ہیں۔

حضرت پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ فرمایا کہ جلدی شیطان کی طرف سے اور دیری خدا کی جانب سے ہے۔

روایت میں وارد ہے کہ جب عیسیٰؑ ابنِ مریمؑ پیدا ہوئے تو شیاطین ابلیس کے آگے جو سب کا سردار ہے آئے اور کہا کہ :

"آج تمام بُت سرنگوں ہوئے ہیں۔"

ابلیس نے کہا کہ :

"کوئی حادثہ ضرور واقع ہُوا ہے۔ ٹھہر جاؤ کہ دریافت کروں۔"

پس وہ مشرق و مغرب میں تلاش کرتا ہوا پھرا۔ یہاں تک کہ عیسیٰؑ کے مقامِ تولّد پر آیا۔ ملائکہ اُن کے اطراف کو گھیرے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر واپس ہُوا۔ اپنے لشکر سے کہا کہ :

"آج کی رات ایک پیغمبرؑ دنیا میں آیا ہے۔ امید نہ رکھو کہ آئندہ کوئی بُت پرستی کرے گا۔ لیکن فرزندانِ بنی آدم کو جلدی و تیزی کرنے پر آمادہ کرو۔"

اس صفت کی مذمت میں اخبار بہت ہیں۔ اس مذمت کا اصل مطلب یہ ہے کہ ہر کسی کا فعل غور و فکر سے ہونا چاہیئے کہ اس کے نتیجہ کو دیکھے جو تامل اور دیر پر موقوف ہے اور یہ صفتِ عجلت مانعِ تامل ہے۔ مکرر تجربہ کیا گیا ہے کہ جو کلام بغیر تامل کے کیا جائے وہ باعثِ خرابی و نقصان ہوتا ہے اس کا کرنے والا نادم و پشیمان ہوتا ہے۔ اس صفت کی مذمت میں یہی بس ہے۔ جلدی کرنے والا ہر ایک کی نظر میں خوار و بے اعتبار ہے۔ کوئی شخص ذرا غور کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ دین کو دنیا کے ساتھ بیچنے اور بہشتِ آخرت و بادشاہی ابد کو اس عاریت سرا کے فضولیات سے معاوضہ کرنے کا سبب جلدی و شتاب کاری ہے۔ کیونکہ نفسِ انسان عالمِ امر سے متعلق ہے اور سلسلۂ ایجاد میں یہ تمامی مخلوقات کی بہ نسبت، حضرت آفریدگار سے قرب رکھتا ہے۔

پس بالاترین لذاتِ انسان کے لیے لذتِ غلبہ و سروری و سرداری ہے جو صفاتِ کمالیۂ پروردگار میں سے ہے اور ہر شخص اسی کا طالب ہے۔ یہ طلب اور آرزو مذموم بھی نہیں بلکہ ہر بندے کو چاہیئے کہ بادشاہئ لازوال کا جویا ہو۔ اسی سعادت کا طالب ہو جس کی انتہا نہیں۔ ایسی بقا کا خواہاں ہو جس میں شائبۂ فنا نہ ہو۔ اُسی عزت کا متلاشی ہو جس کا انجام زیست پر منتہی نہ ہو۔ اسی غنا کی تحصیل میں سعی کرے جس میں فقر کی آمیزش نہیں اور اسی کمال کو ڈھونڈے جس میں نقص کی آمیزش نہ ہو کیونکہ یہ تمام صفاتِ خداوندی ہیں اور ان کا طالب علو و کمال کا طالب ہے جو ممدوح ہے۔ اب طلبِ ریاست و علو کی جو مذمت وارد ہوئی ہے وہ اس لیے ہے کہ انسان نے معنی ریاست کے سمجھنے میں غلطی کھائی اور شیطان نے اسے فریب دے دیا۔

توضیح اس کی یہ کہ جب شیطانِ ملعون سجدہ نہ کرنے کے سبب سے مطرود اور مردود ہوا تو حسد نے اسے اِس بات پر آمادہ کیا کہ فرزندانِ آدم کو فریب دے اور انھیں قربِ الٰہی سے دُور کر دے۔

پس بنی آدم کو اس نے عجلت و شتاب کاری کے ساتھ فریب دیا اور ان کی نظر میں ریاست عاجلہ فانیہ و سروری و بزرگیٔ چندروزہ کو جلوہ گر کیا اور سلطنتِ ابدی و پادشاہیٔ مخلّد سے محروم کر دیا۔ بے چارہ انسان چونکہ عجول و شتاب کار خلق ہوا تھا اور اسی راہ سے شیطان فریب دینے کے لیے آیا لہٰذا اس کے فریب میں آکر طلبِ دنیا میں مشغول ہوا اور سلطنت و بادشاہیٔ ابدی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ حیاتِ دوروزہ پر مغرور ہو گیا اور انجام کی خبر نہ رکھی۔ لیکن جو لوگ کہ باطن امُور سے آگاہ ہیں اور توفیقِ ربّانی اُن کے شاملِ حال ہے وہ اس ملعون کے ساتھ کنویں میں نہیں گرتے اور اس کی پیروی نہیں کرتے اور چونکہ اس ملعون نے تمام انسانوں کے لیے یہ جال بچھایا ہے۔ لہٰذا خداوندِ عالم نے پیغمبروں کو بھیجا تاکہ لوگوں کو اس کے مکر سے خبردار کریں۔ ان کے قلوب کو اس خانۂ مجازی سے الگ کر کے مملکتِ حقیقی اور وطنِ اصلی کی دعوت دیں۔

پس یہ برگزیدہ نفوس آئے اور انھوں نے کمرِ ہمت باندھ کر تمام دنیا میں یہ صدا بلند کی کہ اے لوگو! جب تمھیں راہِ خدا میں کوچ کرنے کو کہا جاتا ہے تو تم زمیں گیر ہو جاتے ہو۔ کیا تم حیاتِ دنیا پر راضی ہو گئے۔ یہ حیاتِ دنیا تو بہت ہی قلیل ہے۔

پس ان مقدس نفوس نے دنیا و اہلِ دنیا کی مذمت میں زبان کھولی، اور لوگوں کے سامنے وعد و وعید بیان کیے اور غرضِ کلّی ان کی بعثت کی

یہی تھی کہ لوگوں کو مملکتِ بے پایاں کی دعوت دیں تاکہ تختِ پادشاہیٔ حقیقی پر جلوہ گر ہوں۔ اب شیطان انسانوں کو عجلت اور شتاب کاری کی دعوت دیتا ہے۔ سردارئ دنیا کی طرف بلاتا ہے۔ اس لیے کہ جانتا ہے کہ اس کو بقا نہیں اور جو کچھ ہے بھی وہ بھی قسم قسم کے آلام و اسقام سے مملو ہے اور غرض اصلی اس کی یہی ہے کہ یہ لوگ آخرت سے غافل ہو کر بندۂ شہوت و غضب ہو جائیں۔ شکم و فرج کی پرستش کریں۔ یہ چارپائے بن جائیں تاکہ وہ جس طویلہ میں چاہے انھیں لے جائے۔ اس بیان سے معلوم ہو سکے گا کہ خسرانِ دنیا اور آخرت عجلت و شتاب کاری کا نتیجہ ہے۔ اس صفتِ بد کا علاج یہ ہے کہ اس کے فسادِ انجام پر نظر ڈالی جائے اور خیال کرے کہ اس سے کس قدر خفت اور سبکی لوگوں کی نظر میں حاصل ہوتی ہے اور اس صفت کی ضد کی شرافت پر نظر ڈالے جو وقار ہے اور جو اولیاء و انبیاء کی صفت ہے۔ پس انسان کو اپنے اوپر لازم کر لینا چاہیئے کہ کوئی کام بغیر تامّل کے نہ کرے اور ظاہر و باطن تمام اقوال و افعال میں وقار و سکون کو اپنا شعار قرار دے تاکہ یہ صفتِ خبیث رفع ہو اور وقار و طمانیت حاصل ہو جائے۔

فصل

تعریفِ وقار

واضح ہو کہ صفتِ عجلت کی ضد وقار ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تمام گفتار و کردار اور حرکات و سکنات اطمینانِ نفس و سکونِ قلب کے ساتھ ہو

ہرایک کام فکر و تدبیر کے موافق پورا ہو۔

واضح ہو کہ کسی کام کے شروع کرنے سے قبل ٹھہر جانے کو توقف کہتے ہیں اور اس کے بعد تامل کرنے کا نام تانّی و اناۃ ہے۔

پس وقار ان دونوں کو شامل ہے اور قوتِ نفس و پُردلی کا نتیجہ۔ یہ صفت اشرفِ صفاتِ فضائل ہے۔ بلکہ اخلاقِ حسنہ میں سے بہت ہی کم صفات ہیں۔ جو اس کی شرافت کو پہنچتے ہیں۔ اسی وجہ سے انبیاء و اصفیاء و برگزیدگانِ خدا کی مدح اس کے ساتھ کی جاتی ہے۔

سردارِ پیغمبراں کو صاحب الوقار والسکینہ کہتے ہیں۔ اخبار میں وارد ہے کہ مومن بالضرور صفتِ وقار سے متصف ہوتا ہے۔ لوگوں کی نظر میں انسان کو کوئی صفت اس سے زیادہ عزیز و محترم نہیں کرتی۔

پس مومن کو سزاوار ہے کہ ہمیشہ اس صفت کی بزرگی و نیکی نظر میں رکھے اپنے اعمال و افعال و اقوال اس صفت کے موافق بجالائے تاکہ اس کی عادت و ملکہ حاصل ہو۔

آٹھویں صفت

خدا اور خلق سے بدگمانی اور بددلی کی مذمّت

واضح ہو کہ یہ صفتِ رذیلہ نتیجۂ بزدلی اور ضعفِ نفس ہے کیونکہ جب کسی بزدل ضعیف النفس کے دل میں کوئی فکرِ فاسد گزرتی ہے تو اس کی قوتِ واہمہ اُسے گرفت کر لیتی ہے اور وہ اُسی وہم کی پیروی کرتا ہے۔ یہ صفتِ بد مہلکۂ عظیمہ ہے۔

خداوندِ عالم فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ۔

یعنی: "اے مومنین ظنِّ کثیر سے پرہیز کرو بہ تحقیق کہ بعض گمان گناہ ہے۔"

دوسرے مقام پر فرماتا ہے:

وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا۔

یعنی : " تم نے گمانِ بد کیا اور تم ہلاک ہو گئے۔"

حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ :

" برادر مومن کے کسی کام کو بہترین محامل پر حمل کرنا چاہیئے اور جو بات کسی برادر مومن سے سرزد ہو جب تک کہ محمل نیک اس کے واسطے ملے گمانِ بد نہ کرنا چاہیئے۔"

مروی ہے کہ خداوندِ عالم نے ہر مسلم کے خون کو اس کے مال و آبرو کو اور اس کے ساتھ گمانِ بد کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔

پس گمانِ بد کی مذمّت میں یہی کافی ہے کہ مسلم کے کشت و خون اور اس کی عزت و آبرو میں دست اندازی کے ساتھ ساتھ اس کا ذکر کیا ہے اور کوئی شک نہیں ہے کہ جو کوئی دوسروں پر گمانِ بد کرتا ہے تو اس کو شر و فساد سے نسبت دیتا ہے۔ ظاہرا حقارت کی نظر سے اس کو دیکھتا ہے حتی الامکان اس کی تعظیم بجا نہیں لاتا۔ اس کے حقوق میں کوتاہی کرتا ہے بلکہ غیبت اور اس گمانِ بد کے اظہار میں دریغ نہیں کرتا۔ یہ تمام امور اس کی ہلاکت کے باعث ہوتے ہیں۔ کوئی شبہ نہیں ہے کہ جو کوئی گمانِ بد مسلمان پر کرتا ہے۔ وہ خبیث النفس و بد باطن ہے وہ ہر کسی کو اپنے مانند جانتا ہے۔ اس کے باطن کی خرابی اس کے ظاہر میں اثر کرتی ہے۔ مومن کا دل پاک طینت اور تمام علائق سے پاک و صاف ہوتا ہے۔ وہ گمانِ بد کسی پر نہیں کرتا۔ ہاں کوزے سے وہی طراوت باہر آتی ہے جو اس میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گمانِ بد آدمیوں پر کرنا علامتِ خباثت نفس ہے شارع نے اس سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ سوائے خداوندِ عالم علام الغیوب کے کوئی دوسرا باطن سے آگاہ نہیں اور کسی کے دل کو دوسرے کے دل

سے راہ نہیں۔
پس کیونکر ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کو نہ جان کر اپنی آنکھ سے مشاہدہ نہ کر کے اپنے کان سے نہ سُن کر غیر کے حق میں اعتقاد کرے۔ پس آدمی کسی پر جو گمانِ بد کرتا ہے۔ یہ شیطان اس کے دل میں ڈالتا ہے۔ جو ہر بدکار سے زیادہ بدکار ہے۔

خداوندِ عالم فرماتا ہے : یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْۤا

اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا

یعنی : "اگر کوئی بدکار خبر دے تو اعتبار نہ کرو۔"
پس صاحبِ ایمان کو جائز نہیں ہے کہ شیطانِ لعین کو سچا سمجھے۔ اگرچہ بعض ذرائع خارجیہ سے یقین کی حد تک پہنچے۔
پس جس وقت کسی عالم کو گھر میں کسی امیر ظالم کے دیکھیں تو شیطان گمان ڈالتا ہے کہ وہ بسبب طمع کے اس مقام پر گیا ہے۔ آپ کو چاہیئے کہ ایسا خیال نہ کریں کیونکہ شاید فریاد رسی کو گیا ہو۔ اگر کسی مسلمان کے مُنہ سے بوئے شراب آتی ہو تو اس پر شراب پینے کا گمان نہ کریں کیونکہ ممکن ہے کہ اس نے کلی کی ہو یا اس پر ڈالی گئی ہو یا اس کے پینے پر مجبور ہوا ہو تجویز سے حکیم حاذق کی بطور دوا کے پیا ہو۔
حاصلِ کلام افعال و اموالِ مسلمین پر بغیر شہادت دو گواہ عادل کے حکم نہ کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی عادل کسی مسلم کی بدی کی شہادت دے تو توقف کرنا ضرور ہے۔ نہ تکذیب اُس عادل کی کی جائے کہ دروغ گوئی و تہمت یا عداوت یا حسد کا اُس پر گمان ہو، نہ اس کی تصدیق کریں کہ شاید اُس مسلمان

گمانِ بد عاید ہو سکے۔ چنانچہ خیال ہو سکتا ہے کہ اُس عادل نے سہو کیا ہو
یا اس پر مشتبہ ہُوا ہو۔

واضح ہو کہ گمانِ بد کرنے سے مراد جو شرعاً مذموم ہے جس کی نسبت منع کیا گیا ہے یہ ہے کہ اپنے دل میں اس کا خیال کرے اور اپنے نفس کو اس کی طرف مائل کرے اور بدی کی طرف رجحان ہو یا اس کا اظہار کرے۔ لیکن بمجرّد دل میں گزرنے کے یا بغیر ترجیح کے کوئی شک ہو تو گمانِ بد نہیں ہے گمانِ بد اور دل میں صرف گزرنے کا امتیاز یہ ہے کہ جس کا تصوّر کیا گیا ہے۔ آپ کے دل میں کوئی تغیّر اس شخص کی نسبت واقع ہو۔ مثلاً کوئی کراہت یا نفرت اس وجہ سے آپ کو حاصل ہوئی یا آپ کی خواہش اس سے کم ہوئی ہو یا آپ کی رفتار میں اس سے بہ نسبت سابق کے کوئی فرق ہُوا جس پر گمان بد کیا ہے۔ اس کا دور کرنا لازم ہے۔ اگر کچھ بھی فرق واقع نہ ہُوا ہو صرف دل میں گزرا ہو تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔

واضح ہو کہ گمانِ بد سببِ ہلاکتِ ابدیّہ ہے۔ اسی وجہ سے شارع نے منع فرمایا ہے کہ جو امور باعثِ تہمت ہوتے ہیں اور اُن کے سبب سے دوسرے بدگمان ہوتے ہیں، اُن سے پرہیز کیا جائے جیسا کہ حضرتِ رسول صلعم نے فرمایا ہے کہ :

اِتَّقُوْا مَوَاقِعَ التُّهَمِ

یعنی : "مقامِ بدگمانی سے پرہیز کرو۔"

حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ جو کوئی اپنے کو مقام ملامت میں ڈالتا ہے۔ اگر کوئی اس سے بدگمان ہو تو وہ اسی کو ملامت

نہیں کر سکتا۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ :

صفیہؑ بنتِ حی بن اخطب حرمِ محترم حضرت رسولؐ نے حکایت کی کہ ایک وقت حضرتِ رسول صلعم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ مَیں آں جنابؐ کے دیکھنے کو گئی اور سرِ شام اپنے گھر کو واپس ہو رہی تھی، آں جنابؐ بھی تھوڑی دُور کے فاصلہ پر میرے ہمراہ تشریف لاتے تھے اور تکلّم کرتے تھے۔ اس وقت ایک انصاری اس طرف سے گزرے تو آں حضرت صلعم نے ان کو آواز دی اور فرمایا کہ :

"یہ میری عورت صفیہؑ ہے۔"

اس نے عرض کیا کہ :

"اس اظہار کا کیا موقع تھا۔ مَیں نے آپؐ سے بدگمانی نہیں کی۔"

حضرتؐ نے فرمایا :

"چونکہ شیطان انسان کے رگ و خون میں موجود ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھاری بدگمانی باعثِ ہلاکت ہو۔"

یہ فعل و ارشاد حضرتِ پیغبرؐ کا امّت کے لیے ہے۔ ایک یہ کہ گمانِ بد سے نہایت پرہیز کرے۔ دوسرے یہ کہ کوئی شخص اگرچہ کہ وہ مثلِ پیغبر کے ہو اپنے کو مقامِ تہمت سے دُور رکھے۔ اگر کوئی تمام عالم میں بہتری و دیانت میں پرہیزگار مشہور ہو تو بھی مغرور نہ ہو کہ کوئی مجھ پر گمانِ بد نہیں کرتا اور اس وجہ سے مقامِ تہمت سے اپنی حفاظت نہ کرے۔ کیونکہ جو کوئی زیادہ تر متقی اور پرہیزگار و عالم ہو تمام اشخاص اُس کو ایک نظر سے نہیں دیکھتے ہیں۔ بلکہ بعض لوگ ظاہر و باطن کو جانتے ہیں اور تمام

افعال کو بہتر سمجھتے ہیں اور بعض ایسے اشخاص ہیں کہ اس کے عیب تلاش کرتے ہیں اور اس پر اعتقاد نہیں رکھتے ۔ یہ لوگ بالضرور کوئی نہ کوئی تہمت اس پر کرتے ہیں۔ دوستی کی آنکھ ہر ایک عیب کو پوشیدہ کرتی ہے ۔ لیکن عداوت اور دشمنی کی آنکھ بدی کو ظاہر کرتی ہے ۔ ہر دشمن دشمنی کی آنکھ سے دیکھتا ہے اور بہتری کو پوشیدہ کرتا ہے اور بدی کی تلاش میں رہتا ہے بالضرور دوسروں پر گمانِ بد کرتا ہے۔ ان کو اپنے مانند سمجھتا ہے اور رسوا کرتا ہے ۔ اس کے عیبوں کو دوسروں پر ظاہر کرتا ہے کہ آدمی اس کی عزت اور اس کی تعریف نہ کریں۔

پس ہر مومن کو لازم ہے کہ اپنے کو مقامِ تہمت سے دور رکھے کہ بندگانِ خدا گمانِ بد اس پر نہ کریں اور گناہ گار نہ ہوں ورنہ یہ شخص بھی ان کے گناہ میں شریک ہوگا ۔ کیونکہ جو شخص دوسرے کے گناہ کا سبب ہوتا ہے وہ بھی اس کے گناہ میں شریک ہے ۔ اسی وجہ سے خداوندِ عالم نے فرمایا ہے کہ ان اشخاص کو جو سوائے خدا کے دوسرے کی پرستش کرتے ہیں۔ ان کو دشنام نہ دو ورنہ وہ خدا کو دشنام دیں گے ۔

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ جو کوئی دوسرے کے ماں باپ کو دشنام دے اور وہ دوسرا بھی اس کے ماں باپ کو دشنام دے تو گویا اس نے خود اپنے ماں باپ کو دشنام دیا ہے ۔

خدا و خلق کی بدگمانی کا طریقۂ معالجہ یہ ہے کہ اس کی خرابی جو بیان کی گئی اور اس کی ضد گمانِ نیک کی جو شرافت ہے اس کو ملاحظہ کرے ۔ جس وقت کسی کی طرف سے گمانِ بد آپ کے دل میں گزرے تو اس پر اعتنا نہ کریں ۔ اپنے دل کو اس سے بُرا نہ کریں اپنی رفتار کو نہ بدلیں ۔ تعظیم و تکریم جس طرح ہمیشہ

کرتے ہیں اس میں کمی نہ کریں۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ تعظیم و دوستی اُس سے بڑھائیں۔ خلوت میں اس کی نسبت دعا کریں کہ اس سبب سے شیطان کو غیظ آئے اور خوف سے زیادتیٔ احترام و دعا کے دوسرے وقت گمانِ بد آپ کے دل میں نہ ڈالے۔ اگر کوئی خطا و لغزش اس سے معلوم ہو تو خلوت میں اس کو نصیحت کریں۔ ابتدا میں اس کی غیبت و بدگوئی نہ کریں۔ اسکی خطا سے اس طرح محزون ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ اپنی خطا پر محزون ہوتے ہیں۔ آپ کی غرض اس کو نصیحت کرنے سے یہ ہو کہ وہ ہلاکت سے خلاصی پائے۔ جب آپ اس طریقہ کو اختیار کریں گے تو تین قسم کے ثواب آپ کو حاصل ہوں گے۔

۱ : دوسروں کی خطا پر غمگین ہونے کا۔

۲ : نصیحت کرنے کا۔

۳ : اس کی نجات کا۔

فصل (۱)

خدا و خلق سے گمانِ نیک رکھنے کی شرافت

واضح ہو کہ بدگمانی کی ضد گمانِ نیک ہے۔ اس کے فوائد بہت ہیں۔ گمانِ نیک خدا سے رکھنے کی فضیلت جو اس کے قبل مذکور ہوئی کہ وہ باعثِ نجات ہے عبادت کرنے میں اس سے مسرت ہوتی ہے اور محبتِ الٰہی کا مقامِ اعلیٰ اس سے میسر ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر بندے پر لازم ہے کہ خدا کو ماں باپ سے ہزار مرتبہ زیادہ

اپنے پر مہربان سمجھے۔

ایسا ہی لازم ہے کہ کسی مسلمان پر کسی طرح کا گمانِ بد نہ کرے۔ اس کے اقوال و افعال کو بدی پر محمول نہ کرے۔ بلکہ جو عمل جس کسی سے دیکھے اور جو بات جس کسی سے سُنے تو اس پر بہتری کا خیال کرے اس کی تکذیب نہ کرے۔ اگر اس کے دل میں گمانِ بد گزرے تو اپنے کو خطا کار سمجھے اور اسی پر قائم رہے۔ جب اس طرح چند روز گزریں تو اس صفت کا ملکہ حاصل ہوتا ہے۔ اس کے دل سے بدگمانی مرتفع ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر کسی کی نسبت گمانِ بد کیا جائے کہ اس گمان کے سچا ہونے کی حالت میں کوئی ضررِ دینی یا دنیوی لاحق ہو گا تو لازم ہے کہ حزم و احتیاط سے کام لیں اور اپنے امورِ دین و دنیا کو اس پر نچھوڑیں تاکہ ضرر و نقصان سے محفوظ رہیں۔

نویں صفت

اسبابِ غضب

واضح ہو کہ غضب وہ حالتِ نفسانیہ ہے جو غلبہ و انتقام کے لیے اندر سے باہر کی طرف باعثِ حرکتِ حیوانی ہوتی ہے جب اس کی زیادتی ہو تو وہ زیادتی باعثِ حرکتِ شدید ہوتی ہے جس سے حرارتِ مفرط پیدا ہوتی ہے اور اُس حرارت کے باعث سیاہ دُھواں اُٹھتا ہے جو دماغ اور رگوں پر چھا جاتا ہے اور عقل کی روشنی کو پوشیدہ اور قوۂ عاقلہ کے اثر کو ضعیف کرتا ہے۔ اسی وجہ سے غصہ والے کو کوئی نصیحت اثر نہیں کرتی۔ بلکہ وعظ و نصیحت سے اُس کی سختی و شدّت اور حرکت قوۂ غضبیہ زیادہ ہوتی ہے یا بسبب کسی ایسے امر کے دفعیہ کے لیے جو ابھی وقوع میں نہیں آیا ہے بلکہ واقع ہونے کا احتمال ہے شعلۂ غضب جوش میں آتا ہے یا بسبب ایسے امر کے ہو جو واقع ہُوا ہو تو یہ حرکت انتقام کے لیے ہوتی ہے۔ اگر انتقام ممکن ہو اور اس پر قدرت رکھتا ہو تو غصہ کی حالت میں خون باطن سے ظاہر کی طرف میل کرتا ہے اور رنگ سُرخ ہو جاتا ہے اور اگر انتقام لینا ممکن نہ ہو اور مایوس ہو تو خون باطن کی طرف میل کرتا ہے۔ اس وجہ سے رنگ آدمی کا زرد ہو تا ہے۔

واضح ہو کہ غصہ والے آدمی تین قسم پر ہیں :

۞ بعض کو غصّہ کی اس قدر زیادتی ہوتی ہے کہ ان کو کوئی فکر و ہوش باقی نہیں رہتا یہاں تک کہ عقل و شرع کے حکم سے باہر ہو جاتے ہیں۔

۞ بعض کو بالکل غصّہ نہیں ہوتا۔ جس جگہ عقلاً و شرعاً غضب کرنا لازم ہے۔ وہاں بھی بالکل غصّہ نہیں ہوتا۔

۞ بعض کا غصّہ حدِّ اعتدال پر ہوتا ہے کہ اُن کا غضب موقع پر اور ان کی سختی بجا ہوتی ہے۔ غصّہ کی حالت میں شرع و عقل کی حد سے تجاوز نہیں کرتے۔

کوئی شک نہیں ہے کہ یہ حدِّ اعتدال مرغوب و مطلوب ہے یہ حقیقت میں غضب نہیں ہے بلکہ شجاعت و قوّتِ نفس ہے اور کمیٔ غضب اگرچہ غضب نہیں ہے لیکن وہ قبیح ہے اور نتیجۂ بزدلی و خواری ہے بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ غضب حدِّ اعتدال پر ہونے سے صاحبِ تدبیر سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ جس کسی کو غصّہ نہیں ہوتا وہ بے غیرت ہے اور صاحبِ حمیّت نہیں ہے۔ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ جو شخص غضب کے وقت غضب میں نہیں آتا وہ گدھا ہے۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ:

حضرتِ پیغمبرؐ دنیا کے واسطے ہرگز غضب میں نہیں آتے تھے لیکن جس وقت حق کے لیے غضبناک ہوتے تھے کسی کو نہیں پہچانتے تھے اور حضرت کا غضب دور نہیں ہوتا تھا جب تک کہ حق کی یاری نہیں کرتے تھے۔

بہر حال بیانِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ غضب مذموم وہ ہے کہ حد سے زیادہ ہو۔ کیونکہ اس کا اعتدال ممدوح ہے اور اس کی کمی غضب نہیں ہے اگرچہ وہ صفتِ خبیثہ ہے۔

فصل (۱)

مذمتِ زیادتیِ غضب

واضح ہو کہ زیادتیٔ غضب مہلکۂ عظیمہ و آفتِ جسمیہ ہے اور اکثر اوقات غضب باعثِ ہلاکت و شقاوتِ ابدیہ ہوتا ہے۔ مثل قتلِ نفس یا قطعِ عضو کے۔ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ غضب جنون ہے اور اکثر اوقات زیادتیٔ غضب باعث مرگِ مفاجات ہوتی ہے۔

بعض حکماء نے کہا ہے کہ وہ کشتی جو گرداب میں ہو بڑی بڑی موجیں اس کو اطراف سے گھیرے ہوں۔ ہوائے سخت اس کو ہر طرف پھینکتی ہو۔ اس کی خلاصی و نجات آسان ہے۔ بہ نسبت اس کے جس کا شعلۂ غضب تیز ہو۔ اخبار و آثار خصوص غضب کی مذمت میں بیحد وارد ہوئے ہیں۔

حضرتِ رسولؐ نے فرمایا کہ:

"غضب ایمان کو اس طرح فاسد کرتا ہے جیسا کہ سرکہ شہد کو۔"

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ غضب ایک شعلۂ شیطانی ہے جو فرزندِ آدم کے باطن میں ہے۔ جب کوئی شخص غضبناک ہوتا ہے تو اُس کی آنکھیں سُرخ ہوتی ہیں۔ رگیں پھول جاتی ہیں اور شیطان اس میں داخل ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ غضب ہر بدی

اور شر کی کنجی ہے۔

پھر انھیں حضرت سے مروی ہے کہ غضب عقلمند کے دل کو ہلاک کرتا ہے، جو کوئی اپنے قوۂ غضب کا مالک نہیں ہے۔ وہ اپنی عقل کا بھی مالک نہیں ہے۔

واضح ہو کہ غضب علاوہ اس کے کہ صفاتِ مہلکہ واوصافِ خبیثہ میں سے ہے۔ اس پر چند لوازم وآثار بھی مترتب ہوتے ہیں۔ جو تمام مہلک اور قبیح ہیں۔ مثلاً دشنام، فحش اظہار، بدی وشماتت واظہار راز وعیوب مسلمانان ومسخرگی۔ سوائے اِن کے دوسرے امُور جو عقلمند سے صادر نہیں ہوتے نیز لوازم غضب سے یہ ہے کہ غضب کے دور ہونے کے بعد آدمی بالضرور پشیمان، افسردہ خاطر وغمناک وشکستہ دل ہوتا ہے۔ دوستوں کی دشمنی، دشمنوں کی شماتت وخوشی رذائل واوباش کی مسخرگی وغمگینیٔ دل وتغیرِ مزاج کا سبب ہوتا ہے۔

تعجب یہ ہے کہ بعض ایسا خیال کرتے ہیں کہ زیادتیٔ غضب جوانمردی ہے باوجود اس کے جو افعال غصہ والے سے ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ افعال بچّے اور دیوانوں کے ہوتے ہیں۔ ایسے افعال عقلمند اور جوانمردوں کے نہیں ہوتے۔ جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ جس کو غضب زیادہ ہو۔ حرکات خراب اور افعال ناشائستہ دشنام وہرزہ گوئی اور ہلکی باتیں اس سے ظاہر ہوتی ہیں۔ اکثر ہوتا ہے کہ ماہ وخورشید اور ابر وباد وباراں وغیرہ کو دشنام دیتا ہے۔ اپنی اشیاء کو توڑتا ہے۔ جب کسی جگہ دسترسی نہ ہو تو اپنے جامہ کو پھاڑتا ہے۔ اپنے سر اور صورت پر مارتا ہے۔ اپنے ماں باپ کو دشنام دیتا ہے۔ کبھی مانند مستوں اور مدہوشوں کے ہر طرف دوڑتا ہے۔

اکثر ہوتا ہے کہ بیہوش ہو کر زمین پر گر جاتا ہے۔ کیوں کر ایسے افعال جوانمردی کی علامت ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ پیغمبر خدا نے فرمایا کہ شجاع وہ شخص ہے جو کوئی حالتِ غضب میں اپنے کو سنبھالے۔

فصل (۲)

معالجۂ غضب

خرابیٔ غضب کا علاج چند چیزوں پر موقوف ہے :

پہلا یہ کہ وہ اسباب جن سے ہیجانِ غضب ہوتا ہے۔ ان کے زائل کرنے میں کوشش کرے۔ مثلاً فخر، کبر، عجب، غرور، استہزا، حرص، دشمنی، حبّ جاہ و مال۔ یہ تمام اخلاق ردیّہ و صفات مہلکہ ہیں۔ ان کے موجود رہنے پر غضب سے خلاصی ممکن نہیں ہے۔ پس ابتدا ان کو زائل کیجیے تاکہ غضب کا زائل کرنا سہل و آسان ہو۔

دوسرا ان اخبار و آثار کو ملاحظہ کیجیے جو مذمت میں غضب کے ہیں۔ جیسا کہ بیان کیا گیا۔

تیسرا وہ اخبار و حدیث جو مدت و ثواب میں غضب نہ کرنے کے وارد ہوئے ہیں اور ان کے فوائد کو نظر میں رکھے۔

جیسا کہ حضرتِ پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ جو شخص آدمیوں پر غصّہ نہ کرے خدا روزِ قیامت عذاب اس پر نہ کرے گا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ توریت میں حضرت موسیٰؑ پر جو احکام نازل ہوئے ان کے منجملہ یہ بھی کلمہ تھا کہ :

" اپنے غصّہ کو سنبھالو میں نے تم کو صاحب اختیار کیا ہے تاکہ میں بھی اپنا غضب تم پر نہ کروں۔"

حضرت صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ اپنے پیغمبروں پر خدا نے وحی بھیجی کہ اے فرزندِ آدمؑ جس وقت تو غصہ میں آئے تو مجھ کو یاد کر تاکہ میں بھی تجھ کو غصہ کے وقت یاد کروں اور تجھ کو ہلاک نہ کروں۔

پھر انھیں حضرتؑ سے مروی ہے کہ ایک مردِ صحرانشین نے خدمتِ حضرتِ پیغمبرؐ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ :

" میں جنگل میں بیٹھتا ہوں۔ مجھ کو کوئی ایسی بات تعلیم کیجیے جو دنیا اور آخرت میں کام دینے والی ہو۔"

آں حضرتؐ نے فرمایا کہ :

" ہرگز غضب نہ کر۔"

تین مرتبہ اس اعرابی نے اسی طرح عرض کیا تو حضرتؐ نے یہی جواب فرمایا۔ انھیں بزرگوارؑ سے روایت ہے کہ جو شخص اپنے غضب کو روکتا ہے۔ خدا اس کے عیوب کو ہر کسی سے پوشیدہ کرتا ہے۔ اس خصوص میں اخبار بے حد اور نہایت ہیں۔

چوتھا : ضدِ غضب جو حلم ہے اس کے فوائد کو اور جو مدح اس خصوص میں وارد ہوئی ہے۔ اس کو ملاحظہ کیجیے۔ پس اپنے کو اسی طرح بنانے میں کوشش کیجیے اور حلم و بردباری کو اپنا شعار قرار دیجیے۔ غصّہ کو ظاہر نہ کیجیے۔ اگرچہ دل میں غصّہ ہو۔ اگر کوئی شخص تھوڑی مدت اس طرح کرے تو بتدریج عادت

ہوتی ہے اور اس کو حُسنِ خلق حاصل ہوتا ہے۔

پانچواں: جو قول و فعل آپ سے ظاہر ہوا بتدأ اُس میں فکر کیجیے۔ آثارِ غضب کے صادر ہونے سے اپنی حفاظت کیجیے۔

چھٹا: جو لوگ صاحبِ غضب ہیں اور حلم نہیں رکھتے، ہمیشہ انتقام کے درپے رہتے ہیں۔ اسی کو مردی و شجاعت جانتے ہیں۔ کسی کی سختی کے متحمل نہیں ہوتے اور صبر نہیں کرتے۔ ان کی مصاحبت سے پرہیز کیجیے۔ بلکہ صاحبِ حلم و وقار کی صحبت کو اختیار کیجیے۔

ساتواں: تامل کیجیے اور جانئے کہ جو کچھ عالم میں واقع ہوتا ہے۔ بحکمِ قضا و قدرِ الٰہی ہے۔ تمام موجودات اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ جو کچھ بندے کے لیے خدا نے مقدر کیا ہے۔ اس میں بالضرور خیر و صلاح ہے۔ اکثر ہوتا ہے کہ اس کی مصلحت گرسنگی و بیماری یا فقر و احتیاج یا ذلت و خواری یا قتل میں ہے۔ جاننا چاہیئے کہ دوسرے پر غضب کرنا کوئی فائدہ نہیں رکھتا۔ کیونکہ ہر ایک امر منجانبِ پروردگار ہے جو نیکی ہی چاہتا ہے۔

آٹھواں: بیماریٔ دل و نقصانِ عقل سے غضب وقوع میں آتا ہے جو باعثِ ضعفِ نفس ہے۔ شجاعت و قوتِ نفس نہیں ہے۔ اسی وجہ سے دیوانہ بہ نسبت عقلمند کے اور مریض بہ نسبت تندرست کے اور بوڑھے ضعیف المزاج بہ نسبت جوانانِ صحیح المزاج کے اور بد اخلاق بہ نسبت صاحبانِ نیک اخلاق کے بہت جلد غصّہ میں آتے ہیں۔

جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ رذیل ایک لقمہ سے اور بخیل ایک پیسہ کے نقصان سے غضب میں آتے ہیں۔ لیکن صاحبِ نفسِ قویہ کا رتبہ ان سے بہت ملند ہے۔ اگر کوئی شک ہو تو آدمیوں کے صفات اور اخلاق میں

نظر کیجیے۔ کتبِ سیر و تواریخ کو دیکھیے کہ حلم و بردباری اور غصّہ کے وقت اپنے کو سنبھالنا انبیاء و اولیاء و عقلاء و حکماء و بادشاہانِ ذوالاقتدار کا طریقہ ہے اور رذیل و اوباش و نادان و جہّال جلد غصّہ میں آتے ہیں۔

نواں : جس شخص پر انسان غصّہ کرتا ہے تو اُسے غور کرنا چاہیئے کہ اس ضعیف و ناتوان پر جو قدرت اسے حاصل ہے۔ اس سے بہت زیادہ خداوندِ قہار کا اُس پر تسلّط ہے اور جس طرح یہ ضعیف اس کی قدرت کے ماتحت ہے۔ اُس سے بہت بڑھ کر یہ قدرتِ خداوندی کے سامنے حقیر اور ناتواں ہے۔ پس حالتِ غضب میں اتنا خیال کر لینا چاہیئے کہ خداوندِ قہار کہیں اسی طرح اپنا غضب جاری نہ کرے۔

بنی اسرائیل میں جو بادشاہ ہوتا تھا اس کے پاس ایک حکیم دانشمند رہتا تھا۔ جس کے پاس ایک کتاب ہوتی تھی جس میں لکھا تھا کہ زیر دستوں پر رحم کرو۔ موت سے ڈرو۔ اور روزِ جزا کو نہ بھولو۔ جس وقت بادشاہ غضبناک ہوتا تو وہ حکیم اس کتاب کو بتلاتا۔ اُس کا غضب دُور ہوتا۔

دسواں : خیال کرے کہ اگر زمانہ اس ضعیف کی جس پر آپ غضب کرتے ہیں موافقت کرے اور اس کے سب کام راست آئیں اور آپ پر وہ بالادست ہو جائے تو وہ انتقام لے گا۔

گیارہواں : یہ کہ حلیم و بردبار غالب و قاہر تمام کی نظر میں عزیز و محترم ہوتا ہے اور صاحبِ غضب ہمیشہ پریشان حال و مغلوب اور ہر ایک کی نظر میں بے وقعت رہتا ہے۔

بارہواں : یہ کہ تصوّر کیجیے کہ غصّہ کے وقت آپ کی کس قسم کی بُری صورت اور آپ کے اعضاء کس طرح متحرک و مضطرب اور آپ کے افعال

کس قدر بے ڈھنگے اور آپ کی گفتگو کس قدر بے جا ہوتی ہے۔ منجملہ معالجاتِ غضب کے ایک یہ ہے کہ زیادتیٔ غصہ کے وقت شرِ شیطان سے پناہ لی جائے اور :

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ط

کہے۔ اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے۔ اگر بیٹھا ہو تو سو جائے۔ آبِ سرد سے وضو کرنا اور غسل کرنا غصہ کی حالت میں مفید ہے۔ اس سے غصہ فرو ہوتا ہے۔ ایسا ہی اخبار میں وارد ہوا ہے کہ اگر کسی ایسے شخص پر غصہ آئے جس سے قرابت رحم رکھتا ہو تو اس کے بدن پر ہاتھ رکھنے سے غصہ فرو ہوتا ہے۔

فصل (۳)

حلم اور غصہ کے پینے کی شرافت

واضح ہو کہ ضدِ غضب حلم ہے اور حلم عبارت ہے اطمینانِ نفس سے کہ قوۂ غضب بآسانی اُسے حرکت میں نہ لا سکے اور مکروہاتِ دنیا جلد اس کو مضطرب نہ کریں۔ کظمِ غیظ یعنی غصہ کو پینا اور حالتِ غیظ میں اپنے کو نگاہ رکھنا اگرچہ حلم نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی ضدِ غضب ہے جس سے اثرِ غضب کا ظاہر نہیں ہوتا۔

پس یہ دو صفتِ نیک غضب کی ضد ہیں۔ یہ دونوں اخلاقِ حسنہ

صفاتِ فاضلہ ہیں لیکن صفتِ حلم بعد صفتِ علم کے اشرفِ کمالاتِ نفسانیہ ہے بلکہ علم بغیر حلم کے کوئی فائدہ نہیں رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے جس وقت تعریفِ علم کی جاتی ہے حلم کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرتِ رسول صلعم نے فرمایا کہ خداوندا مجھ کو علم سے بے نیاز کر اور صفتِ حلم سے مجھ کو زینت دے۔

پھر انھیں حضرتؐ نے فرمایا کہ پانچ چیزیں طریقۂ پیغمبرانؑ مرسل ہیں۔ ان کے منجملہ ایک صفتِ حلم ہے۔

پھر فرمایا کہ :

"مرتبۂ بلند کو طلب کرو۔"

عرض کیا گیا کہ :

"کس چیز سے حاصل ہوتا ہے ؟"

فرمایا کہ :

"جو کوئی تیری دوستی کو قطع کرے تو اس کے ساتھ دوستی کر۔ جو کوئی اپنی نیکی سے تجھے محروم کرے تو اس کے ساتھ نیکی واحسان کر۔ جو کوئی تیرے ساتھ طریقۂ نادانی اختیار کرے تو حلم سے پیش آ۔ بندۂ مسلمان حلم کے ذریعہ سے اس شخص کے مرتبہ پر پہنچتا ہے جس نے دن کو روزہ اور رات کو عبادت میں بسر کیا ہو۔"

اور فرمایا کہ :

"خدا حلیم کو دوست رکھتا ہے اور فحش کہنے والے کو دشمن۔"

فرمایا کہ :

"تین چیزیں ہیں جو کوئی اِن میں سے کوئی چیز نہ رکھتا ہو اس کا

کوئی عمل فائدہ نہیں بخشتا :

❁ ایک تقویٰ جو گناہوں سے باز رکھے۔

❁ دوسرا حلم جو نادانوں کی زبان درازی سے بچائے۔

❁ تیسرا خُلقِ نیک جس کے ساتھ لوگوں میں زندگانی بسر کرے۔

انھیں جنابؑ سے مروی ہے کہ جب قیامت میں خلائق جمع ہوگی تو ندا کی جائے گی کہ اہلِ فضل کہاں ہیں ؟

پس ایک گروہ اٹھے گا اور بہشت کی طرف جلدی سے روانہ ہوگا ملائکہ ان سے بہشت میں جانے کا سبب دریافت کریں گے تو وہ کہیں گے کہ:

"ہم اہلِ فضل ہیں۔"

پُوچھیں گے کہ :

"کیا فضل و رعایت تم نے کیا ہے ؟"

کہیں گے کہ :

"جس وقت کوئی ظلم ہم پر ہُوا تو ہم نے صبر کیا۔ جس نے ہمارے ساتھ بدی کی ہم نے اس کو عفو کیا۔ جو کوئی ہمارے ساتھ نادانی سے پیش آ ہم نے اُس کے ساتھ حلم اختیار کیا۔"

ملائکہ کہیں گے کہ :

"بیشک تم اہلِ فضل ہو۔ بہشت میں داخل ہو جاؤ۔"

پھر انھیں حضرتؑ نے فرمایا کہ کسی کو خدا نے جہل و نادانی کے سبب ہرگز عزیز نہیں کیا اور کسی کو حلم و بردباری کے سبب ذلیل نہیں کیا۔

حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ کسی کی خیر د مال اولاد کی زیادتی سے نہیں ہے۔ بلکہ زیادتی عمل و علم کی وجہ

خیر و خوبی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ علم ہر شخص کا ناصر و یاور ہے۔ اگر علم نہیں رکھتا ہے تو حلم اختیار کرے۔

انھیں حضرتؑ نے فرمایا کہ جب دو آدمیوں میں کوئی جھگڑا واقع ہو تو فرشتے نازل ہوتے ہیں جو کوئی بے وقوفی و نادانی کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ جو کچھ تُو نے دُوسروں کی نسبت کہا خود اُسی کا سزاوار ہے اور تجھ کو اُس کا عوض ملے گا اور اگر ان میں سے ایک نے حلم اختیار کیا تو کہتے ہیں کہ تُو نے حلم اختیار کیا اور صبر کیا تجھ کو خدا جلد بخشے گا۔

ایک روز انھیں حضرتؑ نے ایک غلام کو کسی کام کے لیے روانہ فرمایا۔ اس غلام نے دیر کی تو اس کے عقب میں حضرتؑ خود روانہ ہوئے اور ملاحظہ فرمایا کہ کسی مقام پر سو گیا ہے۔ حضرتؑ نے اس کے سرہانے تشریف فرما ہو کر اس کو بیدار کیا۔

جب وہ بیدار ہُوا تو فرمایا کہ:

"اے غلام! خدا کی قسم ہے کہ اس قدر تُو اختیار نہیں رکھتا ہے کہ رات دن سوئے۔ رات تیری ہے اور دن میرا ہے۔"

اب رہا (کظمِ غیظ) یعنی غصّہ کا پینا۔ اگرچہ اس کی فضیلت و شرافت بقدر حلم کے نہیں ہے۔ لیکن جب کوئی شخص اُس کی عادت کرنا چاہے تو عادت ہو جاتی ہے اور اس کو صفتِ حلم حاصل ہوتی ہے۔

اسی وجہ سے حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا ہے کہ علم تعلیم سے اور حلم تحمل یعنی غیظ کو پینے سے حاصل ہوتا ہے۔

خداوندِ عالم نے اپنی کتاب میں جو لوگ اپنے غیظ کو پیتے ہیں اُن کی

مدح فرمائی ہے۔ اس کی بزرگی میں احادیث وارد ہیں اور اس کے اجر و ثواب بے انتہا ہیں۔

جناب پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ :

"کوئی اپنے غصہ کو پیئے تو خداوندِ عالم قیامت میں اس کا دل خوشنودی و رضا سے بھر دے گا۔"

انھیں حضرتؐ نے فرمایا ہے کہ کوئی بندہ ایسا گھونٹ سوائے غیظ کے نہیں پیتا ہے کہ جس کا اجر زیادہ ہو۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی بندہ اپنے غصہ کو برداشت نہیں کرتا۔ مگر یہ کہ خدا دنیا اور آخرت میں اس کی غیرت کو زیادہ کرتا ہے۔

مروی ہے کہ :

جس نے تیرے حق میں خدا کی معصیت کی ہو تو اس کی مکافات اس سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے کہ تو اس کے حق میں خدا تعالیٰ کی اطاعت بجا لائے۔

دسویں صفت

اِنتقام کی مذمّت

واضح ہو کہ انتقام لینا یعنی جو کوئی کسی کے ساتھ بدی کرے، تو وہ اس کے مانند یا اُس سے بڑھ کر بدی کرنے پر آمادہ ہو۔ اگرچہ وہ شرعاً حرام ہو۔ مثلاً غیبت کا غیبت سے، فحش کا فحش سے، بہتان کا بہتان سے علیٰ ہذا دیگر افعالِ محرّمہ کا ایسے ہی افعال سے بدلہ لینا شرعاً حرام ہے اور کوئی شک اس کی حرمت میں نہیں ہے۔

رسولِ خدا صلعم نے فرمایا کہ اگر کوئی تجھ کو اُس بدی کے سبب سے سرزنش کرے جو تجھ میں موجود ہے تو تُو اُس کو اُس عیب کے سبب سے سرزنش نہ کر جو اُس میں ہے۔

فرمایا کہ:

"جب دو آدمی ایک دوسرے کو دشنام دیں تو گویا دو شیطان ہیں کہ ایک دوسرے کو نوچتے ہیں۔"

ایک روز مجلسِ رسولؐ میں ایک شخص نے کسی صحابی کو دشنام دی۔ دوسرے نے تھوڑی دیر ساکت رہ کر اس کے جواب میں دشنام دینا شروع کیا حضرتؐ اٹھے اور فرمایا کہ جس وقت تُو ساکت تھا فرشتہ تیری طرف سے جواب دیتا تھا۔ جب خود تُو نے دشنام دینا شروع کیا تو فرشتہ چلا گیا،

شیطان آگیا اور جس مجلس میں شیطان ہو وہاں نہیں بیٹھتا۔

لہٰذا مرد دیندار کو لازم ہے کہ جس وقت کسی سے کوئی ظلم صادر ہو اگر ازروئے شرع اس کی جزا و انتقام مقرر ہو تو اس پر اکتفا کرے۔ اس پر سختی نہ کرے اور بہتر یہ ہے کہ اس سے چشم پوشی کرے۔ اس کو عفو کرے۔ اگر شرعاً کوئی جزا معین نہ ہو تو دائرہ شرع سے قدم باہر نہ رکھے۔ اگر کوئی بات جواب میں کہنا چاہے تو ایسی بات کہے جو حرام نہ ہو اور جن میں شرعاً کوئی مکافات نہ ہو۔ مثلاً اے بے حیا، اے بدخلق، اے بے آبرو، اے بے شرم۔ بشرطیکہ اس میں یہ صفات ہوں۔ یا کہے کہ خدا تجھ کو بدلہ دے یا خدا تجھ سے انتقام لے یا تو کون ہے کہ تیرا جواب دوں۔ یا اے جاہل یا اے احمق کیونکہ یہ دروغ نہیں ہے اور کوئی شخص جہل و حمق سے خالی نہیں۔

جیسا کہ مروی ہے کہ تمام آدمی ذاتِ خدا کے پہچاننے میں احمق ہیں اور بہتر یہ ہے کہ زبان پر ایسے الفاظ بھی جاری نہ کرے اور اس کو رب الارباب کے حوالے کر دے کیونکہ جواب کے وقت اپنے کو نگاہ رکھنا مشکل ہے۔ اور اکثر آدمی غصّہ کی حالت میں ضبط کرنے سے عاجز ہیں۔ اگر کسی مقام پر جواب نہ دیا جائے تو بے عزتی اور بے حیثیتی سمجھتے ہیں۔ پس ازروئے شرح حلم و حوصلہ سے مکافات کرے۔

حضرتِ پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ :

بنی آدمؑ کئی قسم کے ہیں۔ بعض دیر میں غصّہ میں آتے ہیں ان کا غصّہ جلدی دُور ہوتا ہے۔ بعض جلد غصّہ میں آتے ہیں ان کا غصہ جلد فرو ہوتا ہے بعض جلد غصّہ میں آتے ہیں اور دیر میں غصہ جاتا ہے۔ بعض دیر میں غصّہ کرتے ہیں اور دیر میں خوشنود ہوتے ہیں۔ ان میں وہ اشخاص بہتر ہیں جو

دیر میں غضبناک ہوتے ہیں اور جلد خوشنود ہوتے ہیں اور بدتر وہ ہیں جو جلدی غضب میں آتے ہیں اور دیر میں راضی ہوتے ہیں۔

واضح ہو کہ ترکِ انتقام کا علاج یہ ہے کہ اس کے نتیجہ کی برائی پر تامل کرے۔ اگر انتقام کو پروردگار پر رکھا جائے تو بالضرور منتقم حقیقی اس سے بدلہ لے گا۔ جیسا کہ مکرّر مشاہدہ کیا گیا ہے۔ اخبار و آیات اس پر دلالت کرتے ہیں۔ علاوہ اس کے اگر اس میں جس نے بدی کی ہے۔ کسی قدر انسانیت ہے تو سکوت و مکافات نہ کرنے سے اس کو زیادہ تنبیہ و تادیب ہوتی ہے۔ اور اس کے الم و شرمساری و خجالت کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور اگر انسانیت سے بے نصیب ہے تو بدلہ لینا بھی اس کو کچھ اثر پذیر نہ ہو گا بلکہ اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہو گی۔ پھر اس کے مقابلہ و برابری سے اپنی بے وقعتی ہو گی۔ نیز فوائدِ عفو پر غور کرنا چاہیئے جو ضدِ انتقام ہے۔ جب مکرّر اس طرح کیا جائے تو اس کو ملکہ و عادت ہوتی ہے۔

فصل (۱)

فضیلت عفو و بخشش

واضح ہو کہ انتقام کی ضد عفو و بخشش ہے۔ آیات و اخبار اس کی تعریف میں بے حد و حصر ہیں۔

خداوندِ عالم فرماتا ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ

یعنی: "طریقۂ عفو و بخشش کو نگاہ رکھو اور امر بالمعروف میں مصروف ہو۔"

پھر فرماتا ہے:

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا

یعنی: "عفو کرنا چاہیئے۔"

نیز فرمایا ہے کہ:

وَاَنْ تَعْفُوْا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى

یعنی: "اگر عفو کریں تو تقویٰ و پرہیزگاری سے زیادہ

قریب ہوتے ہیں۔"

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ اُس خدا کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ مَیں تین چیزوں کے لیے قسم کھا سکتا ہُوں:-

۱ : یہ کہ صدقہ دینے سے مال کبھی کم نہیں ہوتا۔

۲ : یہ کہ جس کسی پر ظلم ہُوا ہو اور وہ عفو کرے تو خدا اُس کی عزت روزِ قیامت زیادہ کرتا ہے۔

۳ : کوئی ایسا نہیں ہے کہ سوال کرے اور اس پر فقر و احتیاج کا دروازہ نہ کھولا جائے۔

نیز انھیں حضرتؐ سے مروی ہے کہ عفو عزت کو زیادہ کرتی ہے۔ پس عفو کرو کہ خدا تم کو عزیز رکھے۔ اُس جنابؐ نے عقبہ سے فرمایا تو چاہتا ہے کہ اہلِ دنیا و آخرت کے افضل اخلاق سے تجھے خبر دُوں۔ وہ یہ کہ اس سے نزدیکی کر جو تجھ سے دُوری اختیار کرے۔ اس پر بخشش کر جو تجھ کو محروم کرے اور اس کو عفو کر جو تجھ پر ظلم کرے۔

مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام نے عرض کیا :

"اے پروردگار! کون بندہ تیرا عزیز ہے؟"

ارشاد ہُوا :

"جو کوئی باوجُود قدرت و توانائی کے عفو کرے۔"

حضرت سیّد السّاجدین علیہ السّلام نے فرمایا کہ روزِ قیامت خدا تعالےٰ اوّلین و آخرین کو جمع کرے گا۔ منادی کی ندا ہوگی کہ کون اہلِ فضل ہیں۔ پس ایک گروہ اٹھے گا تو ملائکہ ان کا فضل دریافت کریں گے وہ کہیں گے کہ ہم اُس سے توسّل کرتے تھے جو ہم سے دُوری کرتا تھا، اُس کو عطا کرتے تھے

جو ہم کو محروم کرتا تھا۔ جو ہم پر ظلم کرتا تھا ہم اس کو عفو کرتے تھے۔
ملائکہ کہیں گے کہ :
"راست کہتے ہیں کہ یہ اہلِ فضل ہیں داخلِ بہشت ہوں۔"
حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ عفو کرنے کی پشیمانی نہایت آسان ہے بہ نسبت اس پشیمانی کے جو انتقام لینے سے ہوتی ہے۔ نیز فضل و شرافتِ عفو کے بیان میں یہی کافی ہے کہ وہ صفاتِ پروردگار سے ہے۔
حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اپنی مناجات میں فرماتے ہیں :

اَنْتَ الَّذِیْ سَمَّیْتَ نَفْسَکَ بِالْعَفُوِّ فَاعْفُ عَنِّیْ۔

یعنی : "تُو نے اپنا نام عفو کرنے والا رکھا ہے۔ پس مجھ کو عفو کر۔"

گیارہویں صفت

سختی و درشتی کی مذمّت اور رفق و مدارا کی شرافت

واضح ہو کہ افعال و اقوال میں سختی کرنا۔ کوئی شک نہیں کہ یہ صفت خبیث آدمیوں کی نفرت کا باعث ہے۔ جس سے زندگانی میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے آفریدگارِ عالم نے مقامِ مہربانی میں اپنے پیغمبر صلعم کو ارشاد فرمایا:

لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ۔

یعنی: "اگر تُو بدخصلت سخت دل ہوتا تو آدمی تجھ سے دُوری و کنارہ کرتے۔"

بعض اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ سختی کی خصلت ایمان کو سلب کرتی ہے اور شیطان کے داخل ہونے کا سبب ہوتی ہے۔ لہٰذا ہر عقلمند پر واجب ہے کہ اس سے نہایت پرہیز کرے۔ جو کام یا جو بات کرنا چاہتا ہے کرے لیکن پہلے اُس میں فکر کرنے کہ کوئی سختی اور بدخوئی اس سے صادر نہ ہو۔

نرمی کی فضیلت کو یاد کرے اور اپنے کو اس پر قائم رکھے تاکہ ملکہ حاصل ہو۔
اس بُری صفت کی ضد افعال و اقوال میں نرمی و ہمواری ہے۔ یہ صفات مومنوں اور نیکوں کے ہیں۔ اس لیے سیدِ رسلؐ نے فرمایا ہے کہ اگر نرمی کوئی دکھائی دینے والی چیز ہوتی تو دیکھتے کہ کوئی مخلوق اس سے زیادہ خوبصورت نہیں ہے۔
نیز فرمایا کہ خدا مہربان و صاحبِ رفق ہے اور اس صفت والے کو دوست رکھتا ہے۔ جو کچھ رفق و نرمی سے حاصل ہوتا ہے سختی سے حاصل نہیں ہوتا۔
پھر انہی بزرگوار سے مروی ہے کہ نرمی و مہربانی مبارک ہے اور سختی منحوس ہے۔
دوسری روایت میں ہے کہ جو کوئی نرمی رکھتا ہے اس کا ارادہ پُورا ہوتا ہے۔
نیز اُن حضرتؐ سے مروی ہے کہ خدا جس خاندان کو دوست رکھتا ہے۔ اس کو نرمی و ہمواری عطا فرماتا ہے۔
نیز آں جنابؐ سے مروی ہے کہ جس کو نرمی دی گئی ہے اس کو دنیا اور آخرت کی نیکی عطا کی گئی ہے اور جو نرمی سے محروم ہے وہ دنیا اور آخرت کی نیکی سے محروم ہے۔
نیز فرمایا کہ :
"نرمی کرنے والے پر آتشِ جہنم حرام ہے۔"
حضرت کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ :
آدمی کا نصف عیش و زندگانی نرمی ہے۔ تجربہ اور مکرر ملاحظہ کیا گیا ہے کہ بہت سے امُور نرمی و مدارا سے بر آتے ہیں اور ہرگز سختی و درشتی سے انجام کو نہیں پہنچتے۔ جو بادشاہ اپنے لشکر و رعیت پر مہربانی

اور نرمی کرتا ہے۔ اس کی بادشاہت کا انتظام درست اور اس کی بادشاہی ہمیشہ رہتی ہے۔ جو کوئی بادشاہ سختی سے پیش آتا ہے اس کی بادشاہت میں خلل اور اس کی رعیت پریشان رہتی ہے۔ تھوڑے زمانے میں ملک و دولت اس کی برباد ہوتی ہے۔ تمام آدمی علماء و امراء و صاحبانِ معاملہ وصنعت اس کے ملک سے دُوری اختیار کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ:

مدارا بھی نرمی کے قریب ہے، اور مدارا اس کو کہتے ہیں کہ جو کوئی تکلیف کسی سے پہنچے تو اس پر صبر کیا جائے اور اس سے ظاہر نہ کیا جائے یہ صفت تمام صفات سے بڑھ کر آدمی کو دنیا و آخرت میں بلند مرتبہ پر پہنچاتی ہے۔ جو اشخاص مرتبۂ عظیم پر پہنچتے ہیں، اسی صفتِ نیک سے پہنچتے ہیں۔

اس لیے حضرتِ رسول صلعم نے فرمایا کہ:

"میرے پروردگار نے مجھ کو حکم دیا کہ آدمیوں سے مدارا کروں۔ جس طرح مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ واجبات کو بجا لاؤں۔"

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ توریت میں جو احکام خدائے تعالےٰ نے حضرتِ موسیٰ علیہ السّلام پر نازل فرمائے۔ ان میں لکھا ہے کہ:

"اے موسیٰ! اپنے دل میں میرے اسرار کو پوشیدہ رکھو۔ اپنے ظاہر میں ان کو آشکارا کرو۔ میرے اور اپنے دشمنوں سے میری طرف سے مدارا کرو۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ:

"ایک گروہ نے آدمیوں سے مدارا کم کیا تو اُن کو خاندانِ قریش سے

علیحدہ کر دیا گیا۔ باوجودیکہ وہ خاندانِ قریش سے تھے اور اُن کے حسب و نسب میں کوئی عیب نہ تھا۔ وہ گروہ جو قریش سے نہ تھے اور آدمیوں سے مدارا کرتے تھے۔ ان کو خاندانِ قریش میں منسوب کر لیا گیا۔

پھر فرمایا کہ :

”جس نے اپنے ایک ہاتھ کو نگاہ رکھا تو بہت سے ہاتھ اُس سے باز رکھے جاتے ہیں۔“

بارہویں صفت

کج خلقی کی مذمّت اور خوش خلقی کی شرافت اور اُس کی تحصیل کا طریقہ

واضح ہو کہ وہ بھی سختی و بدخوئی کے قریب ہے ظاہر ہے کہ کج خلقی کا نتیجہ سختی ہے۔ ایسا ہی مُنہ چڑھانا اور دل تنگ ہونا اور بدکلامی کرنا بھی اس کا اثر ہے۔ یہ صفت قوۂ غضبیہ کا نتیجہ اور آدمی کو خالق و خلق اللہ سے دُور کرتی ہے۔ آدمیوں کی نظر سے گراتی ہے۔ طبیعتوں کو اُس سے نفرت ہوتی ہے۔ کج خلق انسان مضحکۂ روزگار بنتا ہے اور وہ کسی لحظہ رنج و الم سے خالی نہیں رہتا۔

اس لیے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ :

" جو کوئی بدخلقی کرتا ہے وہ اپنے کو عذاب میں ڈالتا ہے۔ اکثر ہوتا ہے کہ کج خلقی سے اس کو نقصانِ عظیم پہنچتا ہے اور بڑے بڑے فوائد سے محروم رہتا ہے اور انجامِ کار یہ صفت آدمی کو عذاب آخرت میں ڈالتی ہے۔"

مروی ہے کہ ایک روز حضرت رسولؐ سے عرض کیا گیا کہ :

" فلاں عورت دن کو روزے رکھتی ہے اور رات کو عبادت کرتی ہے، لیکن وہ بدخلق ہے اور کج خلقی سے ہمسایہ کو آزار پہنچاتی ہے۔"

حضرت نے فرمایا کہ :

"وہ اہلِ جہنم سے ہے۔"

انھیں حضرتؑ نے فرمایا کہ :

"بندہ کو بدخلقی ساتویں طبقۂ جہنم میں پہنچاتی ہے۔"

پھر انھیں حضرتؑ نے فرمایا کہ :

"بدخلق کی توبہ قبول نہیں کی جاتی۔"

اس کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا کہ :

"جس وقت گناہ سے توبہ کرتا ہے تو گناہ میں زیادہ پڑتا ہے۔"

اور فرمایا کہ :

"بدخلقی وہ گناہ ہے جو بخشا نہیں جاتا۔"

بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ فاسق فاجر جو خوش خلق ہو تو میں اس کی مصاحبت و ہم نشینی کو بہ نسبت عابد کج خلق کے زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ اس بری صفت کا معالجہ بھی مثل تمام صفاتِ بد کے یہی ہے کہ ان کے مفاسد دنیا اور آخرت کا تذکرہ کرے اور سوچے کہ یہ صفت خالق و خلائق کو اس کا دشمن کرتی ہے۔ پس اس صفت کو اپنے سے دور کرے۔ ہر قول و فعل میں لحاظ رکھے کہ کج خلقی اس سے صادر نہ ہو۔ ہمیشہ حُسنِ خلق سے پیش آئے تاکہ ملکہ اور عادت ہو۔ جیسا کہ مذکور ہُوا۔ اس صفتِ مہلکہ کی ضد حسنِ خلق ہے جو بزرگ ترین صفات ہے عقل و نقل اُس کی مدح و خوبی پر دلالت کرتے ہیں۔

پیغمبرِ خداؐ نے فرمایا کہ قیامت میں میزانِ اعمال کے پلّہ میں حسنِ خلق سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔

ایک روز اپنے بنی اعمام سے فرمایا کہ اے فرزندانِ عبدالمطلب اگر

اس قدر قدرت نہیں رکھتے ہو کہ اپنا مال دوسروں پر خیرات کرو تو کم از کم ان کے ساتھ کشادہ پیشانی سے پیش آؤ۔

اور فرمایا کہ خدا نے اپنے لیے دینِ اسلام کو خاص کیا ہے اور سوائے سخاوت و حسنِ خلق کے اور کوئی چیز اس دین کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ پس اس دین کو ان دونوں سے زینت دو۔

آں جنابؐ سے عرض کیا گیا کہ :

"کس مومن کا ایمان افضل ہے ؟"

فرمایا : "جو خوش خلق ہو۔"

پھر فرمایا کہ : "مجھ کو زیادہ دوست رکھنے والا اور روزِ قیامت میں مجھ سے نزدیکی کرنے والا خوش خلق ہے۔"

پھر فرمایا کہ : "خلقِ حسن گناہوں کو اس طرح کم کرتا ہے، جیسے آفتاب برف کو پگھلاتا ہے۔"

انھیں بزرگوارؐ سے مروی ہے کہ ممکن ہے کہ بندہ کم عبادت کرنے والا ہو اور حسنِ خلق کے ذریعہ سے آخرت میں درجاتِ عظیم و بزرگی منازل پر پہنچے۔

انھیں حضرتؐ نے اپنی زوجہ امِ حبیبہؓ سے فرمایا کہ :

"خوش خلق دنیا و آخرت کی خوبی حاصل کرتا ہے۔"

انھیں حضرتؐ سے مروی ہے کہ حسنِ خلق اپنے صاحب کو اس شخص کے درجہ پر پہنچاتا ہے جو ہمیشہ دن کو روزہ رکھے اور رات کو عبادت میں مشغول ہو۔

نیز آں حضرتؐ نے فرمایا کہ : "جو نیک ہے وہ خوش خلق ہوتا ہے۔ لوگ اطراف و جوانب سے اس کے پاس جمع ہوتے ہیں۔ اُس کی مصاحبت و محبت اختیار کرتے ہیں اور یہ بھی اُن سے محبت کرتا ہے۔"

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک مرد حضرت پیغمبرؐ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا : "یارسول اللہؐ! مجھ کو کوئی وصیت کیجیے۔" حضرتؐ نے اس کو کئی وصیتیں فرمائیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی تھی کہ برادر مومن کے ساتھ کشادہ روئی سے ملاقات کرو۔

حضرتِ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ نیکی و خوش خلقی شہروں کو آباد اور عمر کو زیادہ کرتی ہے۔

پھر فرمایا کہ بہ تحقیق خدا تعالیٰ بندہ کو حسنِ خلق سے اُس شخص کا ثواب عطا کرتا ہے، جو صبح و شام راہِ خدا میں مشغولِ جہاد رہا ہو۔

نیز آں حضرتؑ سے مروی ہے کہ آدمیوں سے نیکی و احسان اور خوش روئی کرنا باعثِ دوستی ہے اور داخلِ بہشت کرتا ہے اور بخل و ترش روئی خدا سے دور اور داخلِ جہنم کرتی ہے۔ خوش خلقی کی صفت افضلِ صفاتِ پیغمبراں و اشرفِ اخلاقِ برگزیدگان ہے۔ اسی وجہ سے خداوندِ عالم نے اپنے حبیب کی نسبت مقامِ مدح و ثنا میں فرمایا ہے :

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

یہ صفتِ فاضلہ سرورِ پیغمبراں و سیدِ انس و جاں میں بدرجۂ کمال تھی۔ حتیٰ کہ وارد ہوا ہے کہ ایک روز وہ حضرتؐ اصحاب کی جماعت کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے اور کچھ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک کنیز کسی انصار کی داخلِ مسجد ہوئی اور اپنے کو آں حضرتؐ تک پہنچایا اور پوشیدہ طور سے حضرتؐ کا گوشۂ دامن پکڑا۔ جب حضرتؐ کو اطلاع ہوئی تو اپنی جگہ سے اٹھے اور گمان کیا کہ کوئی کام ہوگا۔ لیکن اس کنیز نے کچھ نہ کہا اور حضرتؐ نے بھی اس سے کوئی بات نہ کی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ پھر وہ کنیز آئی اور حضرتؐ کا گوشۂ دامن پکڑا اور

پھر حضرتؐ اٹھے۔ یہاں تک کہ اس کنیز نے تین دفعہ اسی طرح عمل کیا اور حضرتؐ کو ان کی جگہ سے اٹھایا۔ چوتھی دفعہ حضرتِ پیغمبر صلعم اٹھے تو کنیز نے حضرتؐ کا گوشۂ دامن تھوڑا سا پھاڑ لیا اور روانہ ہوگئی۔

اصحاب نے کہا کہ :

"اے کنیز یہ کیا عمل تھا جو تُو نے کیا۔ حضرتؐ کو تین دفعہ اپنی جگہ سے اٹھایا اور کوئی بات نہ کی۔ آیا تیرا مطلب کیا تھا ؟"

اُس وقت کنیز نے کہا کہ :

"گھر میں ایک شخص بیمار ہے۔ صاحبِ خانہ نے مجھ کو بھیجا ہے کہ حضرت کے جامہ کا ٹکڑا لے کر آؤں۔ اس بیمار کو وہ ٹکڑا باندھیں کہ شفا پائے، مَیں ہر مرتبہ چاہتی تھی کہ تھوڑا ٹکڑا آں حضرتؐ کے جامہ کا حاصل کروں وہ خیال فرماتے تھے کہ مجھ کو کوئی کام ہے اور مَیں حضرتؐ سے تھوڑا ٹکڑا جامہ کا طلب کرنے کے لیے شرم کرتی تھی۔"

تیرہویں صفت

عداوت و دشمنی اور اُس کے اقسام اور معالجہ

واضح ہو کہ عداوت اور دشمنی دو قسم پر ہے :

۱ : جو کوئی کسی کی عداوت دل میں پوشیدہ رکھتا ہو، اور موقع ڈھونڈتا ہو۔

۲ : یا ظاہراً کسی کی ایذا اور اذیت کے درپے ہو اور اس کی عداوت کا اظہار کرتا ہو۔

پہلی قسم کو کینہ کہتے ہیں جو عداوت کو پوشیدہ رکھنے سے مراد لی گئی ہے اور دوسری قسم کا نام عداوت ہے۔ یہ بھی پہلی قسم کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ جب کینہ قوت پکڑتا ہے تو سخت عداوت ہوتی ہے۔ خزانۂ دل اس کی حفاظت سے عاجز ہوتا ہے اور پہلی قسم غضب کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ جب آدمی دوسرے پر غصہ ہوتا ہے اور بوجۂ عاجزئ انتقام یا کسی دوسری مصلحت کے اپنے غصہ کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ دل میں پوشیدہ رکھتا ہے۔ تو اس سے کینہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ دونوں قسمیں مخرب اخلاق ہیں۔

اخبار سے پتہ چلتا ہے کہ مومن میں کینہ نہیں ہوتا ہے۔ اکثر اوقات

دوسرے صفاتِ مہلکہ بھی کینہ وعداوت سے پیدا ہوتے ہیں ۔ مثلاً : حسد، غیبت ، دروغ ، بہتان ، شماتت ، اظہارِ عیب ، دوری ، استہزاء ، ایذا ۔ سوائے ان کے دوسرے آفات و اعمالِ محرمہ جو آدمی کے دنیا و دین کو خراب کرتے ہیں ۔ اگر بالفرض کوئی بھی ان میں سے حاصل نہ ہو تو خود وہی بغض و عداوت ایک مرض ہے ۔ جس سے نفسِ پاک بیمار اور رُوح اُس سے ہمیشہ غمگین و آزار میں رہتی ہے ۔ آدمی کو بساطِ قربِ الٰہی سے دور اور رفاقتِ ساکنانِ عالمِ قدس سے مہجور کرتی ہے ۔ شیوۂ اہلِ ایمان و طریقۂ اہلِ احسان سے روکتی ہے ۔ یہ صفت انسان اور باریافتگانِ بزمِ تقرب کے درمیان پردہ ہو جاتی ہے ۔ اسی وجہ سے اخبار و آثار میں اس کی مذمت بے شمار وارد ہوئی ہے ۔ یہاں تک کہ حضرتِ پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ :

"کسی وقت جبرائیل میرے پاس نہیں آئے مگر یہ کہ کہا ، اے محمد صلعم ! عداوت و دشمنی سے آدمیوں کی پرہیز کیجیے ۔"

اور فرمایا کہ : "جبرائیل نے جس قدر آدمیوں کی عداوت سے پرہیز کرنے کی تاکید کی کسی اور امر میں اس قدر تاکید نہیں کی ۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص تخمِ عداوت بوتا ہے وہی اس کو کاٹتا ہے یعنی حاصل کرتا ہے ۔

مُعالجۂ عداوت و دشمنی

اس صفتِ خبیثہ کا معالجہ یہ ہے کہ پہلے غور کرے کہ دشمنی و عداوت ایک درخت ہے کہ بجز اندوہ والم کے دنیا میں اس کا کوئی ثمرہ حاصل نہیں ہوتا ، ایک آگ ہے کہ بغیر دودِ کدورت کے اُس سے کچھ ظاہر نہیں ہوتا ۔

دشمن مسکین ہمیشہ اندوہ و غصہ و رنج و محنت میں مبتلا رہتا ہے۔ عداوت کے سبب سے خاندان قدیم برباد ہوئے۔ بہت سی دولتیں عداوت کے سبب سے ضائع ہوئیں اور بہت سی عزتیں عداوت کی وجہ سے خراب ہوگئیں۔ بلکہ جو کچھ کتب تواریخ و سیر سے حالت زمانہ کی معلوم ہوئی ہے۔ یہ ہے کہ کوئی دولت سوائے عداوت و دشمنی کے اور کسی چیز کے سبب سے برباد نہیں ہوئی۔ اکثر ہوتا ہے کہ کینہ و عداوت سے اس شخص کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا، جسے دشمن سمجھا جاتا ہے۔ پھر آخرت میں اس کا نتیجہ ملاحظہ کرنا چاہیئے کہ آدمی کو عذابِ سخت میں گرفتار کرتا ہے۔ جب انسان ان امور پر غور کرے اور متنبہ ہو تو کوشش کرے کہ اس شخص سے جو عداوت و کینہ رکھتا ہے۔ طریقۂ دوستانہ عمل میں لائے۔ اُس سے مہربانی سے ملاقات کرے اُس کی ضروریات کے برلانے میں کوشش کرے۔ مجمع اور محفلوں میں اس کی نیکیوں کو بیان کرے بلکہ دوسروں سے زیادہ اس پر نیکی و احسان کرے تاکہ نفس کو سزا ملے اور شیطان کی ناک خاک پر رگڑی جائے۔ ہمیشہ اس طریقہ پر عمل کرے کہ آثارِ عداوت دل سے دور ہوں۔ اس صفت کی ضد نصیحت ہے جو دوسروں کی خیر خواہی و نیکی سے مراد لی گئی ہے۔ وہ بھی دو قسم پر ہے :

۱ : باطنی اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کی خیر و خوبی طلب کرنے والا ہو۔

۲ : ظاہری یہ ہے کہ ان کی خیر و نیکی کے امور بجا لائے۔ اس صفت کی شرافت بہت زیادہ اور اس کی فضیلت بے شمار ہے جیسا کہ صفتِ حسد کے بیان میں ذکر کیا جائے گا۔

فصل (۱)

لوازمِ عداوت

واضح ہو کہ آثار و لوازم جو کینہ و عداوت پر مترتب ہوتے ہیں وہ ضرب اور فحش ولعن وطعن ہیں۔ اکثر ہوتا ہے کہ یہ صرف غضب سے بھی صادر ہوتے ہیں۔ اوباش و رذائل و بدکاراں وجہال جن کو بے ہودہ بکنے اور فحش بولنے کی عادت ہوتی ہے۔ اُن کی مصاحبت سے یہ افعال صادر ہوتے ہیں جن کو فحش بکنے کی عادت ہو جاتی ہے ان کی زبان پر بغیر دشمنی و غصّہ کے بھی فحش جاری ہوتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ یہ تمام امور مذموم و قبیح اور ازروئے شرع صراحتاً حرام ہیں۔ جو اعمال کو ضائع اور برباد کرتے ہیں۔ صاحبانِ شرع و حکماء و عقلاء اس کی بُرائی پر متفق اور شرع و عقل اس کی حرمت پر دو گواہ صادق ہیں۔ لیکن ضرب جو ہاتھ یا لکڑی یا کسی اور ہتھیار کے ذریعہ مارنے سے مراد لی گئی ہے۔ پس بغیر سببِ شرعی اس کی حُرمت میں کوئی شک نہیں ہے۔ کسی فرقۂ بنی آدم نے کسی کو بغیر سبب شرعی کے مارنے کی تجویز نہیں کی۔

اخبار و آثار میں صاف طور سے منع کیا گیا ہے اور وارد ہُوا ہے کہ جو کوئی کسی کو تازیانہ مارے تو خدائے تعالیٰ اس کو آگ کا تازیانہ مارے گا۔ لیکن فحش و دشنام و بے ہُودہ گوئی و بدگوئی منشائے خباثتِ نفس و خرابیٔ طبع ہے جس کی زبان فحش پر کھلی ہُوئی ہے بالضرور وہ خبیث النفس ہے، اور وُہ

اراذل واوباش میں شمار کیا گیا ہے بلکہ بعض اخبار میں پایا جاتا ہے کہ رذیل مخصوص کیا گیا ہے۔ اس امر سے کہ کسی بات کے کہنے اور سُننے میں پرواہ نہ کرے۔

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ جو کوئی طعن ولعن کرنے والا اور فحش و بے ہُودہ بکنے والا ہو وہ مومن نہیں ہے۔

نیز فرمایا کہ فحش دینے والے پر بہشت حرام ہے۔

دوسری روایت میں انھیں حضرتؐ سے مروی ہے کہ بے ہُودہ بکنا اور بھیدوں کا کھولنا نفاق کی شاخیں ہیں۔

انھیں حضرتؐ سے منقول ہے کہ چار اشخاص ہیں جن سے اہلِ دوزخ ایذا میں ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک وہ مرد ہے جس نے دنیا میں فحش بکا ہے۔ ہمیشہ اس کے مُنہ سے پیپ جاری ہو گی۔

نیز انھیں جنابؐ سے مروی ہے کہ اس پر بہشت حرام ہے۔ جو کوئی فحش و بے ہُودہ بکنے والا اور کم حیا ہو کوئی بات کہنے اور سُننے میں دریغ نہ کرے۔ اگر ایسے شخص کو دریافت کریں تو معلوم ہو گا کہ وہ ولدالزنا یا اُس کے باپ کا نُطفہ اور نطفۂ شیطان دونوں مشترک ہیں یعنی اُس کے باپ کے مجامعت کے وقت شیطان بھی شریک ہُوا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ اگر کوئی مرد کسی بات کے کہنے اور سُننے میں کوئی پروا نہیں کرتا تو جانیں کہ وہ ولدالزنا ہے یا شیطان کی اس میں شراکت ہے۔

نیز انھیں جنابؐ سے مروی ہے کہ وہ شخص بدوشریر ہے کہ بسبب فحش بکنے کے اُس کی ہم نشینی سے لوگ کراہت رکھتے ہوں۔

انھیں حضرتؐ سے مروی ہے کہ مومن کو دشنام دینا بدکاری ہے اُس کا

مار ڈالنا کفر ہے۔ اس کی غیبت معصیت ہے اور اُس کے مال کی حُرمت مثل اس کے خُون کی حُرمت کے ہے۔

اور فرمایا کہ بدترین مردم خدا کے نزدیک روزِ قیامت وہ شخص ہے کہ آدمی جس کے شر کے خوف سے اکرام و احترام کریں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ نطفۂ آدمی میں شراکت شیطان کی علامت کے منجملہ ایک یہ ہے کہ وہ آدمی فحش کہنے اور سُننے میں کوئی خوف نہ کرے۔

نیز آں حضرتؑ نے فرمایا کہ جس کی زبان سے آدمی ڈریں وہ آتشِ جہنم میں داخل ہوگا۔ دشمن ترینِ مخلوقاتِ خدا، خدا کے نزدیک وہ بندہ ہے کہ آدمی جس کی زبان سے پرہیز کریں۔

حضرتِ کاظم علیہ السلام سے اُن دو اشخاص کا حال جو آپس میں ایک دوسرے کو دشنام دیتے ہیں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ جو کوئی شروع میں دشنام دیتا ہے وہ ظالم ہے اور دوسرے کا گناہ بھی اُسی کے ذمّہ ہے جب تک کہ وہ دوسرا ظلم و زیادتی نہ کرے۔ واضح ہو کہ اُمورِ قبیحہ کا بالفاظ صریح و الفاظ مجامعت و آلت جماع کے ساتھ ظاہر کرنے کو فحش کہتے ہیں۔ صاحبانِ فساد اور بے شرم اس کا ذکر الفاظِ مخصوصہ میں کرتے ہیں۔ اہلِ شرافت و صاحبانِ نفسِ پاک اِن سے متعرض نہیں ہوتے بلکہ جب ذکر ضروری ہو تو کنایہ و رمز میں بیان کرتے ہیں۔

بعض کا قول ہے کہ خداوند عالم نے جماع کا ذکر از روئے حیا کنایتہً بالفاظ لمس و لمس و مباشرت فرمایا ہے اور یہ بات کچھ جماع کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ ذکرِ بول و براز کو بھی بالفاظِ کنایہ مثل قضائے حاجت وغیرہ کہنا اولیٰ ہے۔

پس صاحبانِ حیا کو صراحتاً ایسے الفاظ جو عرفاً مکروہ و رکیک و مذموم ہوں زبان پر نہ لانے چاہئیں۔ جب اپنی یا دوسرے کی عورت کی بات کو نقل کرنا چاہے تو میری عورت یا اُس کی عورت نے ایسا کہا نہ کہے بلکہ میرے گھر کے پردہ کی بیٹھنے والی یا اُس کے گھر والی یا بچوں کی ماں نے ایسا کہا یا گھر میں کہتے تھے کہے بلکہ عورتوں کے نام لینے سے پرہیز کرے۔ کیونکہ اس زمانہ میں عرفاً بُرا سمجھا جاتا ہے اور یہ نہ دیکھیے کہ پیغمبرؐ اور ائمہؑ کے اہلِ خانہ کے نام لیے جاتے ہیں۔ کیونکہ زمانہ سابق میں معیوب نہ تھا اور موافق طریقہ سابق کے اس زمانہ میں بھی ان کے نام لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ جیسا کہ کتابوں میں لکھا جاتا ہے۔ اسی طرح کسی کے بدن میں کوئی عیب ہو اور اس کے اظہار سے شرم کرتا ہو تو اس کے ذکر کرنے کی ضرورت کے وقت تصریح نہ کرے۔ کنایتہ کہے مثلاً اگر کوئی کوڑھی یا گنجہ ہو اُس کا سبب یا وقت دریافت کرنا چاہے تو کس وقت میں کوڑھ ہُوا یا تیرا سر کس سبب سے گنجہ ہُوا نہ کہے بلکہ یہ عارضہ کس وجہ سے تجھ کو ہُوا یا کس وقت یہ ناخوشی پیدا ہُوئی کہے۔ کیونکہ یہ تمام تصریحات داخلِ فحش ہیں۔

واضح ہو کہ تمام الفاظ جو بے شرمی و فحش پر دلالت کرتے ہیں۔ وہ تمام مذموم و قبیح ہیں گو بعض زیادہ قبیح ہیں اور اُن کی بُرائی زیادہ ہے خواہ موقعِ دشنام و اذیت میں کہے جائیں یا شوخی اور ہنسی کے وقت۔ چونکہ یہ الفاظ مختلف ہوتے ہیں لہٰذا بعض ان میں مکروہ اور بعض حرام ہیں اور بعض نے اِن الفاظ کو جو مقامِ دشنام و اذیت میں زبان سے نکلیں حرمت کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور مقامِ شوخی یا بے ہودہ گوئی کی حالت میں حرام نہیں سمجھا لیکن ممکن ہے کہ بعض الفاظ جو نہایت ہی فحش ہیں حرام ہوں۔ اگرچہ

وہ مقام دشنام میں نہ ہوں۔ اسی طرح لعن جس کے معنی خدا سے دُوری کے ہیں۔ اس کی بُرائی میں کوئی شک نہیں ہے۔ شرعاً کسی پر لعن کرنا جائز نہیں ہے مگر جب کہ وہ اُس صفت کا متصف ہو اور بہ نصِ شریعت اُس پر لعن کرنا جائز ہو۔ اخبار میں خصوص لعن کی نسبت سخت بُرائی بتلائی گئی ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت پیغمبرؐ نے خطبہ میں بیان فرمایا کہ تم کو خبر دُوں کہ کون اشخاص بد ہیں۔

عرض کیا گیا کہ ہاں یارسول اللہ۔

فرمایا کہ جو شخص دوسرے کو عطا نہ کرے اور اپنے غلام کو مارے، تنہا سفر کرے۔

اس وقت لوگوں کو گمان ہُوا کہ خدا نے ایسی مخلوق سے بدتر اور کوئی پیدا کیا ہے۔ پھر حضرتؐ نے فرمایا کہ :

"چاہتے ہو کہ ان سے بھی بدتر اشخاص کو بتلاؤں۔"

عرض کیا گیا کہ : "ہاں۔"

فرمایا کہ جس کے سامنے مومن کا نام لیا جائے اور وہ اُسے فحش دے اور لعن کرے اور اگر اس کا نام بھی مومن کے سامنے لیں تو مومنین اس کو لعن کریں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ جب کسی کے منہ سے لعنت نکلے تو وہ اس کے اور اُس شخص کے درمیان جس پر لعنت کی گئی ہے تردد کرتی ہے۔ اگر وہ شخص مستحق لعن ہو اُس کے ساتھ متعلق ہوجاتی ہے، ورنہ لعن کرنے والے کی طرف وہ لعنت عائد ہوتی ہے۔

اِس حدیث سے پایا جاتا ہے کہ اگر لعنت کا مستحق نہ ہو تو وہ لعنت کرنے والے پر پلٹتی ہے۔ پس کسی پر سوائے اُن لوگوں کے جواز روئے شریعت

مستحق لعن تجویز کیے گئے ہیں لعنت کرنے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

کتاب جامع السعادات میں لکھا ہے کہ کافرین وظالمین وفاسقین پر شریعت میں لعن تجویز کیا گیا ہے۔ ایسا ہی قرآن میں وارد ہُوا ہے۔ بطریق عام کوئی شک نہیں ہے کہ اُن پر لعن جائز ہو۔ اس طرح پر کہ لعنۃ اللہ علی الکافرین یا علی الفاسقین یا علی الظالمین کہے اور فرماتے ہیں کہ کسی شخص معیّن پر جو اُن میں سے کسی ایک صفت سے متصف ہو تو اُس پر لعنت کر سکتے ہیں۔ رہا یہ توہم کہ وہ شخص معیّن ممکن ہے کہ اِس صفت سے توبہ کرے۔ اور صاحبِ اسلام ہو جائے یا توبہ کرنے کے بعد دنیا سے جائے تو اُس وہم کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن واحادیث سے پایا جاتا ہے کہ کسی شخص معیّن کو لعن کر سکتے ہیں۔ بلکہ اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اہلِ جحود و عناد پر لعنت کرنا بہترین عبادت ہے۔

خدا تعالیٰ حق میں کسی جماعت کے فرماتا ہے :

اُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَآئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔

حق میں دوسری جماعت کے فرماتا ہے :

اُولٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ۔

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ خدا نے جھوٹ کہنے والے پر لعنت کی ہے اگرچہ وہ جھوٹ مذاقاً کہا جائے۔

حضرت امیر المومنینؑ نے ایک جماعت پر لعنت کی ہے۔ مروی ہے کہ آپ نماز واجبی کے قنوت میں بعضوں پر لعن فرماتے تھے اور ان پر لعنت کرنا افضلِ عبادات جانتے تھے باوجود اس کے کہ ان کا حلم اور ان کی پرہیزگاری سب سے بڑھی ہوئی تھی۔ احادیث و اخبار میں رؤسائے اہلِ ضلال پر جو مستحقینِ لعنت ہیں لعن کرنا پایا جاتا ہے اور اہلِ نظر جانتے ہیں کہ یہ طریقۂ دین ہے۔ پس لعن سے جو امتناع کی گئی ہے۔ یہ اُس شخص کے واسطے ہے جو مستحقِ لعن نہ ہو اور یہ جو حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ اہلِ شام پر لعن کرنے سے منع فرماتے تھے۔ اگر یہ صحیح ہو تو شاید اس وجہ سے ہوگا کہ ان میں کوئی ایسا شخص ہو جو مستحقِ لعن نہ ہو یا ان میں سے کسی کے اسلام لانے کی امید ہو۔ حاصل کلام یہ کہ رؤسائے ظلم و ضلالت اور کفر و فسق کا اعلانیہ اظہار کرنے والوں پر لعن کرنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے اور سوائے ان کے حرام ہے۔ جب تک کہ کسی کی نسبت یہ یقین نہ ہو جائے کہ وہ صفاتِ مذکورہ میں سے کسی صفت سے متصف ہے اور محض گمان پر اکتفا نہیں کرسکتے۔ واضح ہو کہ اُن اشخاص پر جو مر گئے ہیں اور اُن کا مستحقِ لعن ہونا ثابت نہیں ہے اُن پر لعنت کرنے کا وبال بہت زیادہ ہے۔

حضرتِ رسول صلعم نے فرمایا کہ مردوں کو دشنام نہ دو۔ ایسا ہی جمادات اور حیوانات پر لعن کرنا خوب نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص زمین پر لعنت کرتا ہے تو زمین کہتی ہے کہ:

لعنت اُن پر جو گناہگار زیادہ ہیں۔

حضرتِ رسولؐ نے انکار فرمایا اُس عورت سے جس نے ناقہ پر لعنت کی اور اُس مرد سے جس نے شیر پر لعنت کی۔

برادرانِ دینی کو دُعا دینے کے فوائد

واضح ہو کہ دعائے بد و نفرین کرنا مسلمانوں کے لیے مثل لعن کرنے کے مذموم ہے اور بہتر نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اہلِ ظلم کے لیے بھی۔ مگر اُس صورت میں جب کہ ان کے شر و ضرر سے مضطر و لاچار ہو۔

حدیث میں ہے کہ :

کبھی مظلوم ظالم پر اس قدر نفرین کرتا ہے کہ اس کے ظلم کا عوض ہونے کے بعد زیادتی ہو جاتی ہے اور اس زیادتی کی نسبت قیامت میں ظالم اُس کا مطالبہ کرتا ہے۔

اس کی ضد دعائے خیر ہے جو برادر مومن کے لیے ہو۔ یہ بہترین طاعت و فاضل ترین عبادت ہے۔ اس کا فائدہ بے حد اور اس کا ثواب بے انتہا ہے۔ بلکہ حقیقت میں جو کوئی دوسرے کے واسطے دُعا کرتا ہے تو گویا خود اپنے واسطے کرتا ہے۔

حضرتِ رسول صلعم نے فرمایا کہ :

جب کوئی اپنے برادر مومن کے لیے اُس کے غیاب میں دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کہ تیرے واسطے بھی اسی طرح دُعا ہو گی۔

اور فرمایا کہ :

جو دُعا اپنے لیے مستجاب نہیں ہوتی۔ وہ برادر مومن کے حق میں مستجاب ہو جاتی ہے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ :

جب بندۂ مومن اپنے برادر مومن کے لیے دعا کرتا ہے تو ملائکہ

کہتے ہیں کہ خوب بھائی ہے جو اپنے بھائی کے لیے دُعائے خیر کرتا ہے۔ اور اس کو نیکی سے یاد کرتا ہے۔ حالانکہ وہ موجُود نہیں ہے۔ خدا نے تجھ کو عطا کیا۔ جو کچھ تُو نے اس کے لیے خواہش کی اور تیری ثنا کی۔ جو کچھ تُو نے اس کی ثنا کی اور تجھ کو اس پر فضیلت ہے۔

اس خصوص میں اخبار بے حد ہیں۔

اس سے کون سی بزرگی بہتر ہو سکتی ہے کہ ہدیۂ دعا و طلب آمرزش اُس برادر مومن کے لیے کی جائے جو خاک کے نیچے سویا ہے۔

غور کیجیے کہ :

اس کی رُوح کس قدر شاد ہوتی ہو گی کہ جس کے جورو، بچے، مال اور اسباب کو تقسیم کرتے ہیں۔ اس کے مال سے خوشی مناتے ہیں۔ آپ اس کو یاد کرتے ہیں اور خدا سے اُس کی بخشائش طلب کرتے ہیں۔ اُس کے لیے ہدیہ بھیجتے ہیں۔

پیغمبرِ خدا نے فرمایا کہ :

قبر میں میّت اس کے مثل ہے جو دریا میں غرق ہوتے ہوئے نجات کے لیے ہر چیز کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔ اپنے خویش و اقارب، بیٹے، باپ، بھائی کی دعا کا منتظر رہتا ہے۔ زندوں کی دعا سے پہاڑ کے مانند نُور اموات کی قبروں میں داخل ہوتا ہے۔

یہ مثل اس ہدیہ کے ہے کہ :

زندہ ایک دوسروں کو بھیجتا ہے۔ جب کوئی شخص کسی میّت کے لیے استغفار یا دعا کرے تو فرشتہ اُس کو ایک طبق میں رکھ کر اُس میّت کے لیے لے جاتا ہے اور کہتا ہے کہ :

"یہ ہدیہ تیرے فلاں بھائی نے یا تیرے فلاں خویش نے تیرے لیے بھیجا ہے۔"

وہ میّت اُس سے شاد و فرحناک ہوتی ہے۔

اور مسلمان پر طعن کرنا بھی اعمالِ ذمیمہ و افعالِ سیئہ میں سے ہے اور باعثِ ضررِ دنیوی و عذابِ اخروی ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ:

"کوئی شخص مومن پر طعن نہیں کرتا۔ مگر یہ کہ وہ بُری حالت سے مرتا ہے۔"

واضح ہو کہ جو کچھ ذکر کیا گیا۔ اس کی ضد سکوت اور خاموشی ہے۔ جس کی تفصیل آئندہ بیان کی جائے گی۔

چودھویں صفت

مذمّتِ عُجب و خُود بینی

واضح ہو کہ صفتِ عُجب متعلّقِ قوۂ غضبیّہ ہے۔ اِس سے مراد یہ ہے کہ آدمی کسی کمال کے باعث اپنے کو بزرگ سمجھتا ہو۔ خواہ وہ کمال اُس کو حاصل ہو یا نہ ہو۔ نیز وہ صفت جس پر وہ نازاں ہے۔ فی الحقیقت کمال ہو یا نہ ہو، اور بعضوں نے کہا ہے کہ معجب وہ ہے جس کو کوئی صفت یا نعمت حاصل ہو جسے بہت بڑا تصوّر کرے اور نعمت دینے والے کو بھُول جائے۔ عُجب و کبر کے درمیان فرق یہ ہے کہ تکبّر کرنے والا اپنے کو دُوسروں سے بزرگ جانتا ہے اور اپنے مرتبہ کو زیادہ سمجھتا ہے، اور عُجب کرنے والے کو دوسرے سے تعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے پر ناز کرتا ہے خوش ہوتا ہے۔ اپنے کو اُس صفت میں بہت بڑا آدمی جانتا ہے اور اُس صفت کے عطا کنندہ کو فراموش کرتا ہے۔

پس اگر کسی صفت پر اس راہ سے خوش ہوں کہ یہ نعمت منجانب خدا کرامت ہُوئی ہے، جس وقت وہ چاہے لے سکتا ہے۔ اُس نے اپنے فیض و لُطف سے عطا کیا ہے۔ ہم کوئی استحقاق نہیں رکھتے۔ جب تو یہ عُجب نہ ہو گا اور اگر یہ خیال کرے کہ ہم خدا پر حق رکھتے ہیں اور اسی حق کی وجہ سے خدا نے یہ نعمت عطا فرمائی ہے اور خدا کے نزدیک ہمارا مرتبہ بزرگ ہے اور

اس نعمت کا سلب ہونا اُس سے بہت بعید معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ اسے اپنا حق سمجھتا ہے۔ پس اس صفت کو غزہ و ناز کہتے ہیں۔ یہ عُجب سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ اس صفت والا عُجب بھی رکھتا ہے اور اُس سے بالا تر بھی۔ اب عُجب جس طرح کہ ایسی صفت کے سبب سے ہوتا ہے جس میں فی الحقیقت کوئی کمال نہ ہو۔ اسی طرح ایسے عمل کے سبب سے بھی ہوتا ہے جس پر کوئی فائدہ مترتب نہیں ہوتا اور وہ بےچارہ غلطی سے اُسے بہتر سمجھتا ہے۔ واضح ہو کہ تمام صفاتِ مہلکہ وارذل ملکات سے بدتر یہ بُری صفت ہے۔

حضرتِ رسولؐ نے فرمایا ہے کہ تین چیزیں مُہلکہ ہیں:

۱ : بخل

۲ : ہوا و ہوس

۳ : عُجب

اور فرمایا جس وقت آدمی بُخل سے کام لیں۔ اپنے ہوا و ہوس کی پیروی کریں اور اپنی رائے پر نازاں ہوں اُسے صواب سمجھیں تو اُن کی ہم نشینی سے پرہیز لازم ہے۔

انھیں حضرتؐ سے وارد ہُوا ہے۔ فرمایا کہ اگر کوئی گناہ بھی تم سے صادر نہ ہو تو مَیں اُس چیز سے ڈرتا ہُوں جو ہر گناہ سے بدتر ہے اور وہ عُجب ہے۔

مروی ہے کہ حضرتِ مُوسیٰؑ کے پاس شیطان رنگ برنگ کا جامۂ پشمینہ پہنے ہُوئے آیا اور سلام کیا۔

حضرتؑ نے کہا: "تُو کون ہے؟"

اُس نے کہا: "مَیں ابلیس ہُوں۔ چونکہ خدا کے نزدیک آپ کا بڑا

[illegible]

حضرتؑ نے اُس جامۂ پشمینہ رنگ برنگ کی نسبت دریافت کیا تو اُس نے کہا کہ :

"اس کے ذریعہ سے فرزندانِ آدم کے دل کو اپنی طرف کھینچتا ہُوں۔"

حضرت مُوسیٰؑ نے کہا کہ : "آدمی کون سے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ جس کے باعث تُو اس پر غالب ہوتا ہے۔"

اُس نے کہا : "جب آدمی عُجب کرے جو طاعت اُس نے کی ہو اس کو باوقعت سمجھے اور اُس کے گناہ اس کی نظر میں حقیر ہوں۔"

پروردگارِ عالم نے حضرتِ داؤدؑ پیغمبر پر وحی فرمائی کہ گناہگاروں کو خوشخبری دو اور صدیقوں کو خوف دلاؤ۔

عرض کیا کہ کیونکر گناہگاروں کو خوشخبری دُوں اور اطاعت کرنے والوں کو ڈراؤں۔

پس ارشاد ہُوا کہ گناہگاروں کو خوشخبری دو کہ مَیں توبہ کو قبوُل کرتا ہُوں اور گناہوں کو بخشتا ہُوں۔ صدیقوں کو ڈراؤ کہ اپنے اعمال پر عُجب نہ کریں کہ کوئی بندہ نہیں ہے کہ جس سے محاسبہ کیا جائے اور وہ ہلاک نہ ہو۔

حضرت باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ دو آدمی داخلِ مسجد ہُوئے۔ ایک عابد، دُوسرا فاسق۔ جب یہ دونوں مسجد سے باہر نکلے تو فاسق زمرۂ صدیقین میں اور عابد زمرۂ فاسقین میں داخل ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب عابد مسجد میں آیا تو اُس نے اپنی عبادت پر ناز کیا اور فاسق اپنے گناہوں پر پشیمانی اور استغفار میں مصروف رہا۔

حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا جانتا تھا کہ مومن کا گناہ کرنا

عُجب کرنے سے بہتر ہے۔ اگر یہ وجہ نہ ہوتی تو کوئی مومن گناہ میں ہرگز مبتلا نہ ہوتا۔ اور فرمایا کہ جو کوئی گناہ کرتا ہے اور پشیمان ہو کر عبادت کرتا ہے تو شاد و فرحناک ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے پشیمانی کم ہوتی ہے اور گناہوں کو بھول جاتا ہے۔ اگر عبادت نہ کرکے اُسی حالتِ اوّل پر رہتا تو بہتر ہوتا۔

مروی ہے کہ ایک عالم عابد کے پاس آیا اور پُوچھا کہ :

"تیری نماز کیسی ہے ؟"

عابد نے کہا کہ : "مجھ جیسے شخص کی نماز کے بارے میں پُوچھتے ہو۔ میری عبادت ایسی ہے، ایسی ہے۔"

عالم نے کہا کہ : "تیرا رونا کس طرح ہے ؟"

اُس نے کہا : "اس قدر روتا ہُوں کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں۔"

عالم نے کہا کہ : "وہ ہنسی جس میں خوف شامل ہو تیرے اِس رونے سے جس پر تُو ناز کرتا ہے بہتر ہے۔"

نیز مروی ہے کہ پہلی سزا جو صاحبِ عُجب کو ملتی ہے یہ ہے کہ اسے اُس نعمت سے محروم کر دیا جاتا ہے جس پر وہ عُجب کرتا تھا تاکہ وہ خود اپنی عاجزی و تہی دستی کی گواہی دے اور حجت پُوری ہو جیساکہ ابلیس سے کیا گیا اور عُجب ایک گیاہ ہے جس کا تخم کفر، جس کی زمین نفاق جس کا پانی فساد ہے، جس کی ڈالیاں جہل و نادانی، جس کے پتّے گمراہی و ضلالت ہیں، جس کا میوہ لعنت و آتشِ جہنّم ہے۔ اب جس شخص نے غرور کا تخم بویا اور اُسے پرورش کیا تو بالضرور اس کا ثمرہ پائے گا۔

نیز مروی ہے کہ ملکوں کی سیاحت کرنا حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی شریعت

میں داخل تھا۔ ایک مرتبہ آپ سفر کر رہے تھے اور ایک مردِ کوتاہ قد آپ کے اصحاب میں سے آپ کے ساتھ تھا۔ عیسٰی علیہ السّلام نے بسم اللہ کہا اور پانی پر روانہ ہوئے۔ جب اُس مردِ کوتاہ قد نے یہ حال دیکھا تو اُس نے بھی بسم اللہ کہا اور پانی پر روانہ ہُوا۔ جب حضرت عیسٰی علیہ السّلام تک پہنچا، اُس وقت دل میں عُجب کیا اور کہا کہ یہ عیسٰی رُوح اللہ ہیں پانی پر چلتے ہیں۔ مَیں بھی پانی پر چلتا ہُوں۔ پس اُن کی فضیلت مجھ پر کس وجہ سے ہے۔ جب اُس کے دل میں اس طرح خیال گزرا تو پانی میں ڈوبنے لگا۔ اور حضرت عیسیٰؑ سے استغاثہ شروع کیا۔ حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر پانی سے باہر نکالا اور کہا کہ تُو نے کیا خیال کیا۔ اس نے جو کچھ دل میں گزرا تھا بیان کیا تو حضرت نے کہا کہ تُو اپنے حد سے بڑھ گیا تھا۔ اس لیے خدا نے تجھ پر غضب کیا۔ توبہ کر۔ پس اُس نے توبہ کی تو اس کی حالت پہلے کی طرح ہو گئی۔

واضح ہو کہ عُجب باوجود صفتِ خبیثہ ہونے کے دوسری آفات وصفات کا بھی منشا ہوتا ہے۔ مثلاً کبر۔ جیسا کہ آئندہ حوالۂ قلم کیا جائے گا کہ ایک سبب کبر کا عُجب ہے۔ مثلاً گناہوں کا بھُول جانا۔ اُن کا خیال دل میں نہ لانا۔ اگر کبھی خیال بھی دل میں گزرے تو اُن کی کچھ وقعت نہ ہو۔ ان کے تدارک میں کوشش نہ کرے بلکہ یہ گمان کرے کہ خدا بالضرور اُس کو بخشے گا۔ اگر کوئی عبادت اُس سے ظاہر ہو تو اُس کو بہت بڑی سمجھے۔ اُس سے خوشحال ہو۔ خدا پر احسان رکھے۔ خدا کی مہربانیوں کو بھُول جائے۔ اُس وقت اپنے اعمال کے بھی آفات اور عیوب سے غافل ہو کیونکہ اُن کی آفتوں کو وہ شخص سمجھتا ہے جو توجہ کرے اور جو متوجہ ہوتا ہے خائف و ترساں ہوتا ہے۔ عُجب رکھنے والا مغرور اور مکرِ خدا سے بے فکر رہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کوئی اپنا مرتبہ خدا کے پاس ہے۔

اس پر اپنا کوئی حق ہے۔ اکثر ہوتا ہے کہ آپ اپنی تعریف کرتا ہے اگر اپنی عقل و فکر و علم میں نازاں ہو تو دریافت کرنے سے باز رہتا ہے۔ مشورت تعلّم میں کوتاہی کرتا ہے۔ کبھی اپنی غلطی پر اصرار کرتا ہے۔ کسی کی نصیحت نہیں سُنتا، اسی وجہ سے اس کو نقصان پہنچتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ رُسوا ہوتا ہے۔

پس بہتر طریقہ یہ ہے کہ جو کوئی اپنے نفس کو خطاوار جانے اور اس پر اتہام رکھے۔ اُس پر اعتماد اور وثوق نہ کرے تو عقلمندوں سے رجوع کرے اور اُن سے مدد چاہے۔

فصل (۱)

مُعالجۂ مرضِ عُجب

واضح ہو کہ مرضِ عُجب کے دو مُعالجہ ہیں :

۱ : اجمالی

۲ : تفصیلی

مُعالجۂ اجمالی یہ ہے کہ اپنے پروردگار کو پہچانے اور اپنی معرفت حاصل کرے اور جانے کہ بزرگی و کمال و عزّت و جلال سوائے اس کے کسی کو نہیں ہے کہ خود تمام ذلیلوں سے ذلیل اور تمام ضعیفوں سے ضعیف ہے ذلّت و خاکساری اپنے لائق ہے۔ عُجب و بزرگی سے کیا کام خود ایک ممکن شے ہے اور ممکن بحیثیتِ ممکن عدمِ محض ہے۔ پس یہ تمام کمال و آثارِ وجُودیہ واجب الوجود تعالیٰ شانہٗ کے متعلق ہیں۔ وجُودِ خداوندِ عالم سے تمام وجود مستند ہیں۔ تمام

کمالات اُس کے کمالاتِ بے انتہا کا سایہ ہیں۔ تمام کائنات اس کی بندگی میں مصروف ہے۔ طوقِ ذلّت و خواری سب کی گردن میں پڑا ہے۔ اگر کوئی فخر و مباہات کرنا چاہتا ہے تو اپنے پروردگار پر افتخار کرے اور اپنی ذات کو سب سے حقیر و سبک سمجھے۔ بلکہ عدمِ محض جانے۔ اس حالت میں تو تمام ممکنات اس کے شریک ہیں۔ لیکن وہ ذلّت و خواری جو اس مسکین کے لیے مخصوص ہے۔ وہ حد سے متجاوز ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کی ابتداء نطفۂ نجس ہے۔ اس کا انجام جثۂ گندیدہ ہے اور درمیان آغاز و انجام یعنی بحالتِ حیاتِ دنیوی حمّالِ نجاسات ہے۔ ایک پیشاب گاہ سے دوسری پیشاب گاہ میں داخل ہوا اور پھر اُسی پیشاب گاہ سے اُسے باہر آنا پڑا۔ غرض تین مرتبہ اُسے پیشاب گاہ سے گزرنا پڑا۔ اگر کوئی بصیرت ہو تو قرآن کا ایک آیہ اُس کو خوابِ عجب سے بیدار کرتا ہے۔ اور اُس کی ہمت کو توڑتا ہے۔

جیسا کہ فرماتا ہے :

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ ۭ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝

خلاصۂ معنی یہ کہ :

" انسان قتل ہو جائے کونسی چیز اُسے کفر پر اُبھارتی ہے وہ نہیں جانتا ہے کہ اس کو کس چیز سے خدا نے پیدا کیا۔

اس کی پیدائش پانی کی بوند سے مقدر کی اس کے باہر آنے
کا راستہ آسان کیا۔ اس کو جاندار کیا۔ پھر اس کو قبر میں بھیجا۔"

اس آیۂ مبارک میں اشارہ فرمایا ہے کہ پہلے آدمی عدم میں تھا۔ کوئی چیز نہ تھا۔ اس کے بعد اس کو نجس و کم قدر چیز سے کہ نطفہ کہا جاتا ہے، پیدا کیا۔ اس کے بعد اُس کو جسمِ بدبو دیا۔ اگر تھوڑا سا غور کریں تو جان سکتے ہیں کہ کیا چیز پست و رذیل ہے۔ اُس چیز سے جس کی ابتداء عدم اور جس کا مادۂ پیدائش تمام چیزوں سے زیادہ نجس اور جس کا انجام تمام اشیاء سے زیادہ بدبو ہو۔ پھر وہ مسکین بے چارہ درمیانِ حیاتِ دنیوی عاجز و ذلیل ہے نہ اس کو پورا اختیار ہے نہ اس کو کسی کام کی قدرت ہے۔ اس پر کیا واقع ہوگا۔ اس کی خبر نہیں رکھتا۔ زمانہ کل کے روز کیا کرے گا۔ نہ اس کی اطلاع ہے طرح طرح کی بری اور سخت بیماریاں اس کے لیے موجود ہیں۔ جس وقت کوئی ارادہ کرتا ہے تو کوئی نہ کوئی آفت کسی نہ کسی طرف سے آجاتی ہے۔ اس کے جسم میں چار عناصر تناقض جمع ہیں۔ ہر ایک دوسرے کی ضد میں بدن کو ویران کرنے کے لیے تیار ہے۔ وہ بے چارہ اپنے سے غافل ہے ہر گھڑی بدن میں کچھ نہ کچھ حادثہ ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے اختیار میں نہ بھوک ہے، نہ تشنگی، نہ صحت، نہ موت اس کے ارادہ میں ہے۔ نہ وہ اپنی زندگی اور نفع کا مالک ہے۔ نہ اپنی شر و نیکی پر اختیار رکھتا ہے۔ کسی امر کو جاننا چاہتا ہے تو نہیں جان سکتا، اور جب کسی چیز کو بھول جانا چاہتا ہے تو اس کا خیال دل سے دُور نہیں ہوتا۔ اس کی فکر ہر طرف جاتی ہے۔ اس کے روکنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ جو غذا مار ڈالنے والی ہے اس کے کھانے میں بے اختیار ہے۔ جس دوا سے حیات حاصل ہوتی ہے اس کو وہ ناگوار ہے

کوئی ساعت حادثۂ زمانہ سے بے فکر نہیں ہے نہ کسی لحظہ آفت سے مطمئن ہے اگر ایک دم اس کی آنکھ اور کان لے لیے جائیں تو ہاتھ اور پاؤں تک نہیں مار سکتا۔ اگر ایک طرفۃ العین میں اس کے عقل و ہوش لے لیں تو وہ بالکل مجبور ہو جائے۔ اگر کارکنانِ عالم ایک گھڑی اس سے غافل ہوں تو اس کے تمام وجود کے اجزا ایک دوسرے سے جُدا ہو جائیں۔ اگر نگاہبانِ خطۂ اعلیٰ اس کی خبر نہ رکھیں تو اس کا نشان تک باقی نہ رہے۔ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلاً

عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ۔

پس آپ خود انصاف کیجیے کہ اس سے پست و ذلیل تر کون سی چیز ہے اور کہاں لائق ہے کہ وہ عجب و ناز کرے جو کوئی باوجود غور کرنے کے پھر اپنے کو کچھ سمجھے تو عجب بے شرمی اور بے انصافی ہے۔ یہ انسان بے چارے کی حالت ہے۔ آخر اُس کو مرنا ہے۔ اس عاریت سرا سے گزرنا ہے۔ اس کا بدن مُردار اور بدبو ہوتا ہے۔ اُس کے وجود کی کتاب کا شیرازہ پریشان ہو جاتا ہے۔ اس کی صورتِ زیبا متغیر و متبدل ہوتی ہے۔ اس کا بند بند ایک دوسرے سے جدا ہوتا ہے۔ اس کی ہڈیاں گل جاتی ہیں۔ اس کے بدنِ نازک کو کیڑے کھا جاتے ہیں۔ سانپ بچھو اُس کے بدن کے اطراف احاطہ کرتے ہیں۔

پس وہ جسم جس کی ناز و نعمت سے پرورش کی جاتی ہے۔ کیڑوں کی خوراک ہوتا ہے۔ اس صورت سے وہ مٹی ہو جاتا ہے۔ کبھی اُس مٹی کو کاسہ و کوزہ کبھی اینٹ، کبھی عمارت کے بنانے میں کام میں لاتے ہیں۔ کبھی اس کی مٹی کو کھود کر ایک جگہ سے دوسری جگہ ڈالتے ہیں۔ ہائے ہائے کیا

بہتر ہوتا کہ اگر اُس خاک کو اُسی حال پر چھوڑتے دُوسرے وقت اُس سے کوئی کام نہ لیتے۔ جب ایک زمانہ اُسی حالت سے گزر جائے تو پھر اُس کو زندہ کرتے ہیں تاکہ شدید آفتوں کا مزا چکھائیں۔ اُس متفرق مٹی کو جمع کر کے پھر اُس کو صورتِ اوّل پر بناتے ہیں۔ اس کو قبر سے نکال کر میدانِ قیامت ہولناک میں لاتے ہیں۔ آہ آہ اُس وقت میں کیا کیا رنج دیکھتا ہے۔ آسمان پھٹا ہُوا۔ زمین گداختہ۔ پہاڑ پراگندہ۔ ستارے سیاہ۔ آفتاب و مہتاب تاریک۔ دوزخ کی آگ روشن۔ اس وقت ہر طرح کے عذاب ہوں گے۔ دفترِ اعمال کھولے جائیں گے۔ ایک طرف حساب لیا جائے گا۔ یکا یک اپنے کو معرضِ محاسبہ و مواخذہ میں دیکھے گا۔ ملائکۂ عذاب کنندہ کھڑے ہوں گے۔ نامۂ اعمال اُس کے دائیں یا بائیں ہاتھ میں دیں گے۔ جو کچھ اُس نے دُنیا میں کیا ہے اُس میں لکھا ہوگا۔ مگر اس کی نافرمانی نیکیوں پر غالب ہو گی تو اُس کو مقامِ مواخذہ و عذاب میں لائیں گے تو اس وقت کتّے اور سوّر کی حالت پر حسرت لے جائیں گے اور کہیں گے :

یَا لَیْتَنِی کُنْتُ تُرَاباً

کاش ہم خاک ہوتے اور یہ روزِ سیاہ نہ دیکھا جاتا

کوئی شک نہیں کہ بندۂ گناہگار سے حال چارپایوں کا بہت بہتر ہوگا کیونکہ اُنھوں نے پروردگار کا کوئی گناہ نہیں کیا۔ وہ مقامِ مواخذہ و عقاب میں گرفتار نہیں ہوئے۔ آہ آہ کیا مواخذہ کیا عذاب ہوگا۔ اگر اہلِ دُنیا کسی عذاب شدہ کی حالت دیکھیں تو فریاد کھینچیں۔ اگر اس کی بدبو سونگھیں، تو سب مر جائیں۔ پس تعجب ہے اُس شخص سے جو عجب و ناز کرے۔ اپنے حال سے غافل ہے

اپنے انجام کو بھول جائے۔ اگر خدا کے عذاب سے نجات ہوئی، دوزخ کی آگ سے خلاصی ہوئی تو یقین کیجیے کہ یہ خداوند عالم کی بخشش ہے۔ کیوں کہ کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جس نے گناہ نہیں کیا۔ ہر گناہگار مستحقِ عذاب ہے۔ اُس کو عذاب نہ کیا جائے تو خدا کی بخشش ہے اور یہ بخشش وہ چیز ہے، جسے آدمی نہیں جانتا کہ اُس کو نصیب ہوگی یا نہیں۔ اس لیے اس کو ہمیشہ محزون و ترساں رہنا چاہیئے۔ نہ یہ کہ عُجب و بزرگی کرے۔

غور کیجیے کہ اگر کسی نے بادشاہ کی نافرمانی کی ہو تو وہ لائقِ سیاست ہوگا۔ اُس کو قید خانہ میں محبوس کریں گے کہ بادشاہ کے سامنے لے جا کر سیاست کریں۔ وہ نہیں جانتا ہے کہ جب اُس کو بادشاہ کے سامنے لے جائیں گے تو وہ اس کو عفو کرے گا یا نہیں۔ کیا ایسا شخص اُس حالت میں کوئی غرور و عُجب کر سکتا ہے۔ پس کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو اور جو لائقِ سیاستِ پروردگار نہ ہو۔ وہ قید خانۂ دنیا میں اُس وقت تک محبوس ہے کہ اس کو مقامِ حساب پر لے جائیں۔ وہ نہیں جانتا کہ اُس کا کیا حال ہوگا۔ وہ کیوں کر عُجب و بزرگی کر سکتا ہے۔ جو بیان کہ گزرا وہ عُجب کا مُعالجۂ اجمالی تھا۔

معالجۂ تفصیلی یہ ہے کہ جس سبب سے عُجب کرتا ہے اُس کا اس طرح علاج کرے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے زیادتیٔ علم۔ معرفت۔ عبادت اور کمالاتِ نفسانیہ مانندِ زہد۔ شجاعت۔ سخاوت۔ حسب۔ نسب۔ جمال۔ مال۔ جاہ۔ عقل۔ سببِ زیادتیٔ عُجب ہیں۔ علم میں عُجب کرنا اُس کے دفع کا علاج یہ ہے کہ معلوم کرے کہ علمِ حقیقی وہ ہے کہ آدمی اُس سے پہچانا جائے اُس کو خطر و تشویش سے خاتمہ کے اور اُس کو عظمت و عزت و جلالِ خداوندی سے

آگاہ کرے اور سمجھے کہ وہ سزاوارِ بزرگی و کبریا ہے اور بس۔ سوائے اس کے جو کچھ ہیں وہ ہیچ و نابود ہیں۔ کمال و صفاتِ جلال اُس سے مفقود ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ یہ علم خوف و مذلّت و خواری کو زیادہ کرتا ہے۔ آدمی اپنے قصور و تقصیر کا اعتراف کرتا ہے۔

اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ جس کا علم زیادہ ہے اس کا دردِ دل زیادہ ہے جو علوم آدمی کو اُس پر تنبیہہ نہیں کرتے وہ علومِ دنیویہ ہیں۔ وہ حقیقتاً علوم نہیں بلکہ حرف و صنائع ہیں یا اُن کا جاننے والا خبیث النفس و بداخلاق ہے۔ دل کو پاک کرنے اور خباثت کو زائل کرنے کے بغیر مشغولِ علم ہو تو گویا دل کی کھاری زمین میں اس درخت کو بویا ہے۔ پس سوائے میوۂ بدی کے اس کو کوئی دوسرا ثمرہ نہیں دے گا۔ علم مانند بارش کے ہے کہ آسمان سے نیچے آتی ہے جو نہایت صاف و خوشگوار ہے۔ تمام درخت و گیاہ اُس سے سیراب ہوتے ہیں۔ پس وہ درخت جس کا میوہ شیریں ہے۔ اس کو وہ پانی ملا تو زیادہ شیریں ہوتا ہے۔ ایسا ہی علم بھی جب زمینِ دل پر متاثر ہو تو دلِ ناپاک اور خبیث زیادہ تر خبیث و سیاہ کرتا ہے اور دلِ پاک کی صفا و روشنی کو زیادہ کرتا ہے۔ جب آدمی کو علم حاصل ہوا تو معلوم کرے گا کہ علم میں عُجب کرنا حمق و جہالت ہے۔ علم کا ثمرہ یہ ہے کہ معلوم کرے کہ جو کوئی عُجب کرتا ہے اس کو خدا دشمن رکھتا ہے خدا کو ذلت و پستی و حقارت اچھی معلوم ہوتی ہے۔

حدیثِ قدسی میں وارد ہوا کہ خدا نے فرمایا ہے کہ:

"جب تُو اپنے کو بے قدر کرے گا تو میرے نزدیک تیرا قدر و مرتبہ ہوگا اور جب تُو اپنی قدر جانے گا تو میرے آگے تیری کوئی قدر نہ ہوگی۔"

پھر فرمایا کہ اپنے کو حقیر و سبک سمجھو تاکہ میں تم کو عظمت دوں۔

پس عالم کیلئے ضروری ہے کہ اپنا یہ رویّہ اختیار کرے اور جانے کہ اس پر خدا کا حکم زیادہ شدید اور اس کی حجّت زیادہ محکم ہے۔ جاہل سے جو کچھ درگزر کیا جاتا ہے۔ اُس کا دسواں حصّہ بھی عالم سے درگزر نہیں کریں گے۔ کیوں کہ اگر عالم سے لغزش ہو تو ایک جماعتِ کثیر سے لغزش ہوتی ہے۔ جو کوئی علم و معرفت رکھنے کے بعد معصیت کرے تو معلوم ہُوا کہ اس کے باطن میں بالضرور زیادہ خباثت ہے۔

اسی وجہ سے حضرتِ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ عالم کو قیامت میں لائیں گے اُس کو دوزخ کے اطراف پھرا کر جہنم میں اس طرح ڈالیں گے کہ اس کی انتڑیاں جسم سے باہر آ جائیں گی جس کو تمام اہلِ جہنّم مشاہدہ کریں گے جب اس کی وجہ دریافت کی جائے گی تو وہ کہے گا کہ میں آدمیوں کو بخوبی تعلیم دیتا تھا اور خود عمل نہیں کرتا تھا۔ سب کو بدی سے منع کرتا تھا اور خود اس کا مرتکب ہوتا تھا۔ خداوندِ عالم نے قرآنِ مجید میں عالمِ یہود بلعم ابنِ باعور کو کتّے سے مثال دی ہے کیونکہ اس نے اپنے علم پر عمل نہیں کیا تھا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ ستّر گناہ جاہل کے بخشے جائیں گے قبل اس کے کہ عالم کا ایک گناہ بخشا جائے۔ جو عالم آدمیوں کو فروتنی و انکساری کا حکم دے کبر و عُجب سے منع کرے اور خود تکبر و عُجب کرنے والا ہو تو البتہ وہ اُن علماء اور اُن اشخاص میں سے ہے۔ جنھوں نے اپنے علم پر عمل نہیں کیا اور یہ اُن صاحبانِ عذاب میں سے سمجھا جائے گا جن کی نسبت یہ اخبار آئے ہیں۔ علاوہ اُن گناہوں کے جو اُس سے صادر ہوئے ہیں۔ اس زمانہ میں کون عالم پایا جاتا ہے کہ جس نے اپنے علم پر عمل کیا اور حکمِ پروردگار کو ضائع نہ کیا ہو اپنے تمام اعمالِ ظاہرہ و صفاتِ باطنہ کی صحت کی ہو۔ لہٰذا اُس کی

تشویش و تکلیف دوسروں سے زیادہ ہے۔

ایک روز حذیفہ نے نماز جماعت پڑھا کر کہا کہ دوسرا امام اپنے لیے تلاش کر و یا تنہا نماز پڑھا کرو۔ کیونکہ میرے دل میں گزرا ہے کہ تم لوگوں میں سوائے میرے کوئی بہتر نہیں ہے۔ جب ان کے مانند کسی نے شیطان سے خلاصی نہیں پائی تو کیونکر کم درجہ والے امّت کے اُس کے مکر سے نجات پا سکتے ہیں۔ خصوصاً اس زمانہ میں کوئی عالمِ آخرت نہیں ہے۔ ہاں عالمِ آخرت کی علامت یہ ہے کہ وہ عالم اپنی حالت کو درست کر کے خدا کی عبادت میں مصروف رہ کر اپنائے روزگار اور دوستوں سے کنارہ کش ہو۔ دُنیا اور اُس کی نعمت سے دُور رہے۔ دنیا کی عزت اُس کی نظر میں خوار و بے قدر ہو۔ اُس کو خدا کا خوف اندھیری راتوں میں بستر سے اٹھائے طاعتِ خدا بجا لانے میں کسی تکلیف و بلا کا شکوہ نہ کرے۔ کسی درد کی اُسے شکایت نہ ہو۔ اُسے فکر ہو تو اسی بات کی اور اُس کی زبان پر ذکر ہو تو اسی امر کا۔

افسوس اس زمانۂ آخری میں ایسے لوگ کہاں ؎

حریفان بادہ ہا خوردند و رفتند

تہی خمخانہ ہا کردند و رفتند

بلکہ اس زمانہ میں ایسا عالم کم ہے جو سوائے صاحبِ دولت و اہلِ دُنیا کے کسی کے ساتھ فروتنی و تواضع سے پیش آئے۔ فقیروں اور غریبوں سے تکبر نہ کرے۔ اُس کا مطلب تحصیلِ علم سے قرب و رضائے خدا ہو۔ پس علماء کو ضروری ہے کہ اپنے کردار و گفتار میں تامّل کریں۔ جب اُن سے سوال کیا جائے گا تو کیا نتیجہ ہوگا۔ اپنے نفس کی خرابی کو پہچانیں عجب و تکبر نہ کریں۔ اب اگر عبادت اور طاعت کے سبب سے عُجب لاحق ہو تو جاننا چاہیئے کہ عبادت کی غرض یہ ہے کہ

نفسِ انسانی اظہارِ ذلّت کرے اور ذلّت خواری کا ملکہ پیدا ہو تاکہ بندگی کے معنی اور اُس کی حقیقت تک رسائی حاصل ہو جائے۔ چونکہ عُجب اس کے منافی ہے اور عبادت کو باطل کرتا ہے۔ پس اس کے باطل ہونے کے بعد پھر اُس پر عُجب کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ بلکہ وہ عبادت جس پر عُجب کیا جائے اُس سے ترکِ عبادت بہتر ہے۔

گنہ گار اندیشہ ناک از خدائے
بسی بہتر از عابدِ خود نمائے

علاوہ اِس کے عبادت کے شرائط و آداب بہت ہیں اور بغیر کسی ایک کے بھی عبادت فاسد و بے اعتبار ہوتی ہے اور وہ خرابیاں جن کے باعث عبادت ضائع ہوتی ہے بے شمار ہیں۔ لہٰذا جس عبادت کی شرط میں احتمالِ خلل یا کوئی آفت عارض ہو تو اُس سے فاسد ہونے کا احتمال باقی رہتا ہے پس ایسی عبادتِ مشکوک پر عاقل کیونکر عُجب کر سکتا ہے اور کون شخص دعویٰ کر سکتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اس کی عبادت تمام شرائط و آداب کے موافق اور تمام خرابیوں سے مبرّا ہے۔ بہت سے لوگ اس سے غافل ہیں اور اس کی حقیقت سے جاہل۔ علاوہ اس کے اگر تمام اہلِ عالم اپنی عمر کو طاعت و عبادت میں صرف کریں تو اُن کی عبادت درگاہِ خداوندی میں کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ بالفرض اگر کوئی عبادت کسی خرابی سے پاک بھی ہو اور اُس کا انجام و عاقبت نیک بھی ہو مگر اپنے آخرِ وقت تک کیونکر کسی کو اطمینان ہو سکتا ہے۔ پس عبادت و طاعت میں اگر عُجب کیا جائے تو وہ عبادت و طاعت نہیں ہے۔ بلکہ حمق و جہالت ہے۔ اسی طرح زہد و تقویٰ۔ صبر و شکر۔ شجاعت و سخاوت اور سوائے ان کے دیگر صفاتِ کمالیۂ نفسانیہ میں عُجب ہو تو اُس کا معالجہ یہ ہے کہ

یہ صفات اس وقت نافع و مُوجبِ نجات ہو سکتے ہیں. جب عُجب نہ کیا جائے اور اگر عُجب کیا گیا تو صفاتِ مذکورہ ضائع و فاسد ہو جائیں گے۔ پس وہ کون عاقل ہے جو اس خراب صفت کی پیروی کرے۔ جس سے تمام صفاتِ نیک ضائع ہوں اور کیونکر فروتنی و ذلّت اختیار نہ کرے جس سے اس کی فضیلت زیادہ اور عاقبت نیک ہو۔ غور کرنا چاہیئے کہ منجملۂ صفات مذکورہ کے جو صفتِ نیک بھی کسی میں ہے اُس میں اور بہت سے لوگ بھی اُس کے شریک ہیں۔ پس ایسی شئے جس میں اکثر مردم شریک ہوں۔ کیونکر باعثِ عُجب و غرور ہو سکتی ہے۔ پس اس طرح غور کرنا باعثِ زوالِ عُجب ہوتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک شجاعِ روزگار لڑائی کے وقت جب دشمن کے مقابل میں آتا تھا تو اُس کا رنگ زرد ہو جاتا تھا۔ اس کا دل پریشان ہوتا تھا، اور اس کے ہاتھ پاؤں کانپتے تھے۔

اس سے دریافت کیا گیا کہ : "باوجود شجاع نامدار ہونے کے پھر تیری کیا حالت ہے۔"

اُس نے جواب دیا کہ : "مَیں نے اپنے دشمن کی آزمائش نہیں کی۔ شاید وہ مجھ سے زیادہ شجاع ہو۔"

علاوہ اس کے غلبہ و عاقبت نیک اس شخص کے لیے ہے جو اپنے کو ذلیل و خوار سمجھے نہ یہ کہ آپ اپنی قوّت و شجاعت پر مغرور ہو۔

اِنَّ اللهَ عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوبُهُمْ

یعنی : "خدا شکستہ دلوں کے نزدیک ہے۔"

دُوسرا علاج عُجب کا یہ ہے کہ تامّل کرے کہ یہ صفت جس پر عُجب

کرتا ہے کہاں سے حاصل ہوئی ہے۔ اس کے حصول کی توفیق کس کی جانب سے ہے۔ اگر ایسا جانے کہ تمام یہ نعمتیں خدا کی طرف سے ہیں تو اس کے جود و کرم پر عُجب کرنا اور اس کے فضل و توفیق پر شاد و فرحناک ہونا چاہیئے جس نے بغیر استحقاق کے ایسی فضیلت اُسے کرامت فرمائی ہے اور اگر ایسا جانے گا کہ بطورِ خود اپنی قوت سے یہ صفت حاصل کی ہے تو عُجب و جہل اور نادانی ہے۔

بعض روایات میں وارد ہُوا ہے کہ جس وقت حضرت ایوب پیغمبر علیہ السلام مبتلا ہُوئے ایک زمانۂ بعید طرح طرح کی محنت و بلا و رنج میں گزرا تو ایک روز عرض کیا کہ اے پروردگار تُو نے مجھ کو اس بلا میں مبتلا کیا ہے اور کوئی امر میرے واسطے ظاہر نہیں ہُوا لیکن ہر امر میں مَیں نے تیری رضا کو طلب کیا اور تیری خواہش کو اپنی خواہش پر مقدم سمجھا۔

پس ایک ٹکڑا ابر کا اُن کے سر پر آیا اور اُس میں سے دس ہزار آوازیں نکلیں کہ اے ایوب یہ صفت تجھ کو کہاں سے حاصل ہُوئی۔ پس ایوبؑ نے تھوڑی سی خاک اپنے سر پر ڈالی اور کہا :

مِنكَ يَا رَبِّ

اے پروردگار! یہ بھی تیری عنایت کی ہُوئی ہے۔

اسی وجہ سے سیّدِ رسلؐ نے فرمایا ہے کہ : "کوئی ایسا نہیں کہ اس کا عمل و طاعت اُس کی نجات کا باعث ہو۔"

عرض کیا گیا کہ :

"آپ بھی اسی طرح ہیں۔"

فرمایا : " مَیں بھی ایسا ہوں ۔ مگر یہ کہ خدا کی رحمت مجھ کو گھیرے ہوئے ہے ۔"

اب حسب و نسب پر عُجب کرنے کے علاج میں چند چیزوں کا جاننا ضروری ہے :

(۱) یہ کہ جانے دوسرے کے کمال پر فخر و بزرگی کرنا نادانی و بیوقوفی ہے کیونکہ جو کوئی خود ناقص و بے کمال ہو ۔ اس کو باپ دادا کا کمال کیا فائدہ بخشتا ہے ۔ بلکہ اگر وہ زندہ ہوتے تو کہتے کہ یہ فضیلت ہماری ہے تجھ کو کیا فضیلت حاصل ہے ۔ تیری حقیقت یہ ہے کہ اُن کے فضلہ کا ایک کیڑا ہے جو کیڑا آدمی کے فضلہ سے اور جو گدھے کے فضلہ سے پیدا ہو دونوں مساوی درجہ رکھتے ہیں ۔ جس کے باپ دادا کو کوئی کمال حاصل ہو اس کو دوسرے پر جس کا باپ دادا کمال نہ رکھتا ہو کیا شرف حاصل ہو سکتا ہے ۔ شرافت خود انسان میں ہونا چاہیئے ۔

اسی وجہ سے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مَیں بذاتِ خود صفتِ فضیلت رکھتا ہوں اور میری کنّیت میرا ادب نہ ہے خواہ عجم سے ہوں یا عرب سے ۔ بہ تحقیق کہ جوانمرد وُہ ہے کہ کہے کہ مَیں وہ شخص ہُوں نہ یہ کہے کہ میرا باپ ایسا یا ویسا تھا ۔

مروی ہے کہ ایک روز حضرتِ رسول صلعم کی خدمت میں ابوذرؓ نے کسی شخص سے کہا کہ : " اے سیاہ زادہ ۔"

حضرتؐ نے فرمایا کہ : " اے ابا ذر ! سفید زادہ کو سیاہ زادہ پر کوئی فضیلت نہیں ہے ۔"

اباذرؓ نے تواضع کی اور اُس مرد کے پاؤں چومے ۔

جب بلالؓ حبشی نے فتحِ مکّہ کے روز بامِ کعبہ پر اذان کہی۔ ایک جماعت نے کہا کہ اس حبشی نے اذان دی ہے۔

اس وقت یہ آیہ نازل ہُوا کہ :

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔

یعنی : " خدا کے نزدیک زیادہ کریم و بہتر وہ ہے جو پرہیزگار زیادہ ہے۔"

ایک بزرگِ یونان نے کسی غلام پر فخر کیا تو اُس غلام نے کہا کہ اگر تیرا فخر تیرے باپ دادا سے ہے تو وہ لوگ بہتر ہیں نہ کہ تُو۔ اگر بسبب اُس لباس کے ہے جو تُو نے پہنا ہے تو شرافت تیرے لباس کی ہے نہ کہ تیری۔ اگر اُس گھوڑے کی وجہ سے کی ہے جس پر تُو سوار ہُوا ہے تو فضیلت تیرے گھوڑے کی ہے تیری نہیں ہے۔ پھر کس چیز پر تُو عُجب و افتخار کرتا ہے۔

اسی وجہ سے صاحبِ مکارمِ اخلاق و سیدِ اہلِ آفاق نے فرمایا کہ اپنے حسب و نسب کو میرے پاس نہ لاؤ بلکہ اپنے اعمال کو لاؤ۔

(۲) یہ کہ تامّل کیجیے اگر آپ اپنے نسب پر فخر کرتے ہیں تو کس لیے اپنے نسبِ حقیقی کو فراموش کرتے ہیں۔ پدرِ نزدیکی آپ کا نطفۂ خبیث ہے اور آپ کا جدِّ اعلیٰ خاکِ ذلیل سے پیدا کیا گیا ہے۔ خداوندِ عالم نے اصل نسب کو ہر کسی کے بیان فرمایا ہے کہ :

وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ مِن طِينٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِن سُلَالَةٍ مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ۔

خلاصۂ معنی یہ کہ :

"خدا نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور نطفہ اُس کی نسل کا آبِ خراب سے مقرر کیا۔"

جس کا دادا ذلیل و حقیر اور جس کا باپ ہر چیز کو نجس کرنے والا ہو کیا مرتبہ و منزلت اس کو حاصل ہو گی۔

(۳) یہ کہ اُن بزرگوں پر نظر کیجیے جن پر عُجب و افتخار کیا جاتا ہے اگر وہ نیک و صاحبِ مکارم اخلاق اور بزرگی و شرافت تھے تو کوئی شک نہیں کہ ان کا طریقہ ذلّت و شکستہ نفسی ہوگا۔ پس اگر اُن میں یہ صفت نیک تھی تو کس واسطے آپ میں وہ صفت نہیں ہے اور اُن کی پیروی نہیں کرتے اور اگر یہ صفتِ پسندیدہ اُن میں نہ تھی تو پھر کس واسطے اُن پر افتخار کیا جاتا ہے۔ جب کہ ان پر بھی وہی طعنِ عُجب عاید ہوتا ہے اور اگر وہ واقعی نیک تھے بلکہ یہی بزرگی ظاہری و شوکتِ مستعار اُن کو بھی حاصل تھی۔ مثلاً بادشاہ و حکّام ظالم اور امیرِ بے دیانت مثل صاحبانِ مناصبِ دنیویہ تو اُن پر افسوس ہے جو ایسوں پر افتخار کرتے ہیں اور اُن پر وائے ہو کہ ایسے اشخاص کو باعثِ بزرگی خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ بہ نسبت اُن کی قرابت کے چار پایوں اور کتّے اور سوّر کی قرابت بہتر ہے اور کیونکر ایسا نہ ہو۔ در آنحالیکہ وہ خداوندِ عظیم سے دور اور عذاب میں ہیں۔ اگر اُن کی صورت جہنّم میں دیکھیں۔ اگر اُن کی خرابی کو ملاحظہ کریں تو ضرور ان کی قرابت سے بیزاری اختیار کی جائے گی۔

اسی وجہ سے حضرتِ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ : "جو قوم اپنے باپ دادا پر فخر کرتی ہے، پس وہ اگر اہلِ جہنّم ہیں اور خدا کی درگاہ سے دُور ہیں تو اُن کو ترک کرنا چاہیئے۔"

مروی ہے کہ دو آدمی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے افتخار
کرتے تھے۔ ہر ایک کہتا تھا کہ میں فلاں شخص کا بیٹا ہوں۔ یہاں تک کہ
نو پشت تک ہر ایک کا نام بتلاتا تھا۔ خدا نے حضرت موسیٰؑ کو وحی کی کہ اُن سے
کہے کہ وہ تمام اہلِ جہنم سے ہیں اور تم بھی۔
اب حُسن و جمال پر عُجب کرنے کا علاج یہ ہے کہ سوچ لے کہ اس کو
بہت جلد زوال ہوتا ہے۔ تھوڑی سی بیماری و علّت میں جمال زائل اور حُسن
باطل ہو جاتا ہے۔ کون عاقل ایسی چیز پر عُجب کر سکتا ہے کہ جس کو ایک رات کا
بخار زائل کر دے یا ایک دنبل اور پھوڑا اُسے فاسد کر ڈالے اور اگر کوئی
بیماری و مرض بھی زائل نہ کرے تو کوئی شبہ نہیں ہے کہ جوانی کے جانے پر اور
پیری کے آنے پر اس بہارِ حُسن و جمال پر بھی خزاں آ جائے گی۔ وہ چاشنیٔ موت
جس کا ہر کسی کو چکھنا ضروری ہے اُس کو تباہ و برباد کرے گی۔
غور کیجیے جو صورتِ زیبا و قامتِ رعنا و بدنِ نازک ہے کیونکر خاک میں
خراب و بدبو ہو گا۔ جس سے ہر ایک نفرت کرے گا۔ علاوہ اس کے اپنے حُسن و
جمال پر نظر کیجیے کہ کونسی اخلاطِ بدبو جمع ہو کر خون اور پیپ بن کر ایک شکل حاصل
ہوئی ہے۔ جو کوئی اپنے حُسن و جمال پر ناز کرتا ہے عُجب و غرور سے کام لیتا ہے۔
اگر وہ نظرِ عقل سے دیکھے تو غرور کو ترک کر دے گا۔ اوّل خود اپنے کو دیکھے کہ
انسان کا کونسا عضو کثافت سے لبریز نہیں ہے۔ مُنہ ایک پانی کا چشمہ ہے اگر کوئی
چیز اس میں آلودہ ہو تو خود آپ اس سے نفرت کرتے ہیں۔ آپ کی ناک کثافت سے
بھری ہے۔ اگر ظاہر ہو تو خود شرمندہ ہوتے ہیں۔ اگر آپ کے جسم کے پوست کو کسی
جائے سے شگافتہ کریں یا کسی عضو کو کاٹیں تو خونِ نجس اور پیپ باہر آتی ہے
معدے اور انتڑیوں میں فُضلہ اور مثانہ پیشاب سے بھرا ہوا ہے۔ پیٹ میں کیڑے اور

پیتے میں صفرا اور باطن میں بلغم موجود ہے۔ روزانہ کم از کم دو وقت حاجت ضروری کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو ہاتھ اپنے حسن و جمال پر پھیرا جاتا ہے اسی ہاتھ سے نجاست کو پاک کرتے ہیں۔ جو کچھ باہر آتا ہے اس کے دیکھنے سے نفرت کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کو نہیں سونگھ سکتے یا ہاتھ میں نہیں لے سکتے۔ اگر ایک روز متوجہ نہ ہوں اور اپنے کو پاک نہ کریں تو میل اور بدبو جسم سے آتی ہے اور لباس میں جوئیں پڑ جاتی ہیں۔ یہ حال درمیانی ہے۔ آپ کی ابتدائی پیدائش تمام اشیائے کثیف اور نجس سے ہے۔ کیونکہ آپ کا مادۂ خلقت منی و خونِ حیض ہے۔ مقامِ گزر و قرار پیٹ اور عضوِ مخصوص و رحم ہے۔ اگر اپنے آخر کو معلوم کرنا چاہتے ہیں تو مردارِ گندیدہ اور تمام نجاسات سے مملو ہے۔ جس کے حسن و جمال کی حقیقت یہ ہو اس کو عجب و غرور سے کیا کام ہے۔

اب مال میں رفعِ عجب کا علاج یہ ہے کہ مال کی خرابیوں کو نظر میں لائیے اور فکر کیجیے کہ مال کو زوال و فنا ہے بقا نہیں ہے۔ کبھی ظلم و ستم سے چھین لیا جاتا ہے۔ کبھی آگ میں جلتا ہے۔ کبھی پانی میں ڈوبتا ہے۔ کبھی چور لے جاتے ہیں۔ کبھی کوئی دھوکا دے کر کھا جاتا ہے۔ سوائے ان کے آفتِ سماوی و ارضی سے مال غارت ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بہت سے یہود و ہنود مالدار ہیں۔ اس کی شرافت پر تف ہے جن کے باعث یہود ہنود زیادہ مالدار ہوں۔ جس کو چور لے جائے مالدار کو مفلس و ذلیل بنائے۔ علاوہ اس کے جو آیات و اخبار مذمتِ مال و حقارت میں مالداروں کے آئے ہیں۔ نیز ان کی فضیلت میں جو فقر و عسرت کے سبب سے روزِ قیامت مستحق بہشت ہوں گے۔ انہی کو ملاحظہ کیجیے۔ جیسا کہ اس کے بعد اس کے مقام پر بیان کیا جائے گا۔ کیونکہ عاقل دیندار مال سے شاد و خوشحال ہو سکتا ہے اور اس پر عجب کر سکتا ہے۔ درآنحالیکہ بہت سے حقوق منجانب پروردگار اس کے

متعلق ہیں اور ان تمام سے عہدہ برآ ہونا نہایت دشوار و مشکل ہے۔ اُس کے حلال میں لیستی مرتبۂ روزِ قیامت و طولِ حساب ہے۔ اُس کے حرام میں مواخذہ و عذاب ہے بلکہ مالدار جمع و خرچ کی فکر میں ہمیشہ مشغول رہتے ہیں۔ حقیقتاً قیمت مرد کی کمال و ہُنر سے ہے، سیم و زر سے نہیں ہے۔ بزرگی و شرف خداوندِ عالم کی بندگی سے ہے فوج و لشکر سے نہیں ہے۔

اسی طرح قوّت و قدرت پر عُجب کرنے کا علاج یہ ہے کہ خیال کیجیے کہ امراض و تکالیف کو خدا نے بدن پر مسلّط کیا ہے اور ایک رات کے بخار میں آپ کی قوّت ضعیف اور آپ کا بدن لاغر و نحیف ہو تا ہے۔ اگر بدن کی ایک رگ باہر آئے تو عاجز ہو جائیں گے۔ وہ شخص احمق ہے جو اپنی قوّت و قدرت پر ناز کرے۔ حقیقت یہ کہ اگر چیونٹی آپ کے کان میں داخل ہو تو رات دن فریاد کریں گے اگر کوئی کانٹا آپ کے پاؤں میں چبھے تو عاجز ہوں گے۔ اگر کچھ خاک آپ کی آنکھ میں پڑ جائے تو آپ بے چین ہوں گے۔ آپ کو جو کچھ قوّت دی گئی ہے۔ گدھے، گائے، اُونٹ سے زیادہ نہ ہوگی۔ کیا عُجب و افتخار اس میں ہو سکتا ہے جس میں گدھے، گائے آپ سے زائد و بہتر ہیں۔

علیٰ ہٰذا جاہ و منصب و قربِ بادشاہ و کثرتِ انصار و اولاد و خویشان و خدم حشم کے باعث عُجب کرنے کا علاج یہ ہے کہ یہ ایک مرض ہے کہ اہلِ دُنیا اس میں مبتلا ہیں۔ اسی وجہ سے زیر دست و مساکین ان کے غرور سے تکلیف میں ہیں۔ وُہ ماتحتوں کو نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں۔ ہر کسی سے امید، خوشامد و عاجزی رکھتے ہیں۔ اس امر سے غافل ہیں کہ تمام ریاستِ دنیوی فنا و زائل ہونے والی ہے۔ جو شخص عقل سے کام لے تو معلوم ہوگا کہ یہ جاہ و منصب مانند سراب کے ہے۔ جو جنگل کے پیاسوں کو فریب دیتا ہے۔ ایک پلک مارنے میں تخت و تاج و جاہ و ریاست

چھوٹ جائیں گے۔ خانۂ گور میں تنہا و ذلیل خاک پر سونا ہو گا۔ اُس وقت کوئی فریادرس نہ ہوگا۔ نہ مال نہ دولت نہ جاہ وحشم۔ فرزند و اقارب تھوڑی دُور آکر داخلِ قبر کرکے کیڑوں اور سانپ بچھو کے سپرد کر کے گھر کو واپس ہو جائیں گے۔ حالانکہ دنیا میں اُن کی خواہشات پورا کرنے میں کیسی کیسی تکالیف برداشت کی گئیں۔ روپے پیسے، جان و مال سے اُن کی اعانت و یاری میں مصروف رہے جب آپ نے اُن کو سالہا سال تک نعمت سے سرفراز اور ان کی تمام ضروریات کو مہیا کیا تو خوشامد کرتے رہے اور جب کسی روز اُن کی خواہش پوری نہ کی تو آپ کی اطاعت سے مُنہ موڑا بلکہ دشمنی پر آمادہ ہو کر ہر ایک سے آپ کی عیب جوئی اور غیبت کرنی شروع کر دی۔ جیسا کہ اس زمانے میں دیکھا جاتا ہے، پس ایسی چیزوں پر مغرور ہونا عاقل کا کام نہیں۔ ایسا ہی زیادتی عقل پر عُجب کرنا بھی علامتِ بے عقلی و بے وقوفی ہے۔ کیونکہ عاقل عُجب نہیں کرتا۔ بلکہ اپنی عقل کو حقیر سمجھتا ہے۔ اگر کسی مقام میں اُس کی تدبیر نیک اور پوری ہُوئی تو اس کو منجانبِ خدا سمجھتا ہے اُشکر کرتا ہے۔ اپنی رائے اور تدبیر پر عُجب کرنا بدترین اقسامِ عُجب ہے۔ صاحبانِ عقل و ہوش کے نزدیک اگر وہ رائے غلط بھی ہو تو اُس کی نظر میں بلحاظِ جہلِ مرکب ٹھیک اور صحیح دکھائی دیتی ہے۔ اس کا یہی سبب ہے کہ تمام اہلِ بدعت و ضلالت اپنی گمراہی و ضلالت پر مصر ہیں اور اپنی رائے فاسدہ پر عُجب و افتخار کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے بہت سی اُمتیں ہلاک ہوئی ہیں۔ اس لیے کہ ہر ایک نے اپنی رائے مختلف پیدا کی ہے اور ہر ایک عُجب سے کام لیتا ہے:

كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ۔

پیغمبرِ خداؐ نے خبر دی ہے کہ اس قسم کا عُجب اہلِ آخرالزّماں پر غالب ہوگا۔

اس کا علاج تمام اقسام سے زیادہ مشکل ہے۔ کیونکہ اس صفت والا اپنی غلطی سے غافل اور اپنی خطا سے جاہل ہوتا ہے ورنہ وہ ہرگز اُسے اختیار نہ کرتا۔ اب کوئی اپنے مرض کو ہی نہ جانے تو کیونکر اپنا معالجہ کرے گا۔ پس یہ مغرور اور خود پسند دوسروں کی بات ہی نہیں سُنتا۔ بلکہ ان پر تہمت رکھتا ہے۔ فی الجملہ علاج اس مرض کا یہ ہے کہ آدمی اپنے ذہن پر بہتان کرے۔ اُس پر مطمئن اور مغرور نہ ہو۔ جب تک کہ حجّتِ قوی عقل و شرع کے ماتحت نہ رکھتا ہو، اور دلائلِ قطعیہ کو عقل و شرع سے اور مقاماتِ سہو و خطا کو براہین سے نہ پہچان سکتا ہو اور یہ پہچاننا ملاحظۂ قرآن و حدیث و مصاحبتِ اہلِ علم و عقلِ کامل پر موقوف ہے۔ لیکن باوجود اس کے بھی خطا و غلطی ہوتی ہے۔ پس بہتر یہ ہے کہ آدمی اپنی فکر و اہلِ مذہبِ فاسد کی متابعت نہ کرے اور طریقۂ خاندانِ رسالتؐ سے قدم باہر نہ رکھے۔

فصل (۲)

اپنے کو ذلیل و حقیر سمجھنے کی شرافت

واضح ہو کہ صفتِ عُجب و خود نمائی کی ضد اپنے کو حقیر و ذلیل جاننا ہے۔ یہ صفت بہت بہتر ہے۔ اس کا فائدہ دُنیا و آخرت میں بے حساب ہے۔ یہ صفت مرتبۂ بلند پر پہنچاتی ہے۔ جس نے اپنے کو ذلیل سمجھا تو خدا نے اُس کو عزیز کیا۔ جس نے اپنے کو حقیر جانا تو خدا نے اس کو سرفراز کیا۔ خدا شکستہ دلوں میں ہے اور شکستہ دلوں کو دوست رکھتا ہے۔

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ ہر شخص کے ساتھ دو ملک ہوتے ہیں۔ اگر کسی نے اپنے کو بزرگ سمجھا اور سر اٹھایا تو وہ ملک کہتے ہیں کہ اے خدا! اس کو ذلیل کر اور اپنے کو حقیر و ذلیل سمجھا تو کہتے ہیں کہ اے خدا اس کو سرفراز و بلند کر۔

مروی ہے کہ خدا نے موسیٰؑ بن عمران کو وحی کی کہ اے موسیٰ تم کو کس واسطے برگزیدہ اور تکلم کے لیے انتخاب کیا۔

عرض کیا کہ تو ہی بہتر جانتا ہے۔

ارشاد ہوا کہ میں تمام بندوں کے ظاہر و باطن کو جانتا ہوں۔ میں نے کسی کو اس لائق نہیں سمجھا۔ بہ تحقیق کہ ہر وقت تو میری نماز پڑھتا ہے اور اپنے مُنہ کو خاک پر رکھتا ہے۔

بعض روایات میں وارد ہُوا ہے کہ جب خداوند عالم نے پہاڑوں پر وحی کی کہ میں نوحؑ کی کشتی کو کسی پہاڑ پر ساکن کروں گا تو تمام پہاڑوں نے اپنا سر بلند کیا مگر جودی پہاڑ جو اپنے کو حقیر سمجھا تھا۔ کہنے لگا کہ بمقابلہ اِن پہاڑوں کے کہاں وہ کشتی مجھ پر ٹھہرے گی۔ پس وہ کشتی اُس پہاڑ پر ساکن ہُوئی۔ شکستہ نفسی کا بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایسا شخص تمام آدمیوں کے نزدیک بزرگ و محترم رہتا ہے۔ سب اُس کو دوست رکھتے ہیں۔ بخلاف اُس شخص کے جو اپنے کو بزرگ سمجھتا ہے بالضرور اُس سے تمام آدمی نفرت کرتے ہیں۔

پندرھویں صفت

حقیقتِ تکبّر اور اُس کا فساد

واضح ہو کہ صفتِ تکبر تمام صفاتِ خبیثہ سے بُری ہے۔ اس صفت والا اپنے کو دوسرے سے بلند مرتبہ والا اور بہتر سمجھتا ہے۔ تکبر و عُجب کے درمیان فرق یہ ہے کہ صاحبِ عُجب محض خود پسند ہوتا ہے۔ وہ دُوسرے پر فوقیت کا خیال نہیں کرتا۔ لیکن صفتِ تکبر میں دوسرے پر فوقیت کا خیال ضرور ہوتا ہے اور وُہ اپنے کو دُوسروں سے بہتر اور بلند جانتا ہے۔ یہ صفت ایک حالتِ باطنی ہے جس کے چند علامات و ثمرات ہوتے ہیں۔ مثلاً دوسرے کو حقیر سمجھنا اپنے کو دوسرے پر بزرگ جاننا یا کسی کے ساتھ ہم نشینی نہ کرنا یا ایک جگہ نہ کھانا۔ کسی کے بازو نہ بیٹھنا یا رفاقت نہ کرنا۔ دوسرے کے سلام کا منتظر رہنا۔ کسی کے آگے چلنے میں سبقت اور بات کرنے میں بے التفاتی کرنا یا حقارت سے بات کرنا۔ کسی کی نصیحت کو بے وقعت سمجھنا اور خراماں خراماں چلنا۔ یہ تمام علاماتِ تکبّر ہیں۔ کبھی بعض افعال حسد و کینہ یا ریا بھی اُس سے صادر ہوتے ہیں۔ اگرچہ اپنے کو آدمی بسبب بعض حالت کے بلند مرتبہ والا نہیں سمجھتا۔ واضح ہو کہ اس صفت کی خرابیاں بے حد ہیں۔ بہت سے خاص و عام اس کے ذریعہ سے ہلاک ہوئے ہیں۔ بہت سے بزرگانِ دہر اُس کے سبب سے دامِ شقاوت میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ یہ ایک پردہ ہے کہ آدمی

کو حصولِ فیض و مشاہدۂ جمالِ سعادت سے باز رکھتا ہے۔ کیوں کہ یہ صفت اخلاقِ حسنہ سے مانع ہوتی ہے۔ جب اس صفت کے ذریعہ آدمی اپنے کو بڑے رتبہ والا سمجھتا ہے تو تواضع و حلم و قبولِ نصیحت و ترکِ حسد و غیبت سے باز رہتا ہے۔ اسی وجہ سے آیات و اخبار میں اس کی بیحد مذمت کی گئی ہے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے :

یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ

خلاصۂ معنی یہ ہے کہ : " خدا تکبّر کرنے والے کے دل پر مُہر لگا دیتا ہے۔"

اور فرماتا ہے کہ :

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُتَکَبِّرِیْنَ

"خدا تکبّر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے"

پھر فرماتا ہے :

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیَاتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ

"ہم تکبّر کرنے والوں کا مُنہ اپنے آیات سے جلد پھیر دیں گے۔"

پھر فرماتا ہے

اُدْخُلُوْآ اَبْوَابَ جَہَنَّمَ خَالِدِیْنَ فِیْھَا فَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَکَبِّرِیْنَ۔

"جہنّم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ۔ ہمیشہ اس میں رہو
بے شک تکبّر کرنے والوں کی جگہ بہت خراب ہے۔"

حضرتِ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ: "وہ شخص جو اپنے کو بزرگ سمجھے اور راستہ چلنے میں تکبّر کرے یعنی اکڑ کر چلے تو پروردگار اُس پر غضبناک ہوگا۔"

خداوندِ عالم نے فرمایا کہ کبریائی و بزرگی و عظمت و برتری میرے لیے سزاوار ہے۔ ان میں سے کسی چیز میں بھی جو کوئی میرے ساتھ برابری کرے گا تو اس کو جہنّم میں ڈالوں گا۔

فرمایا ہے کہ قیامت میں جہنّم سے ایک فرشتہ باہر نکلے گا جس کی گردن آگ سے بنی ہوگی۔ جو دو کان، دو آنکھ، ایک زبان آگ کی رکھتا ہوگا اور کہے گا کہ مَیں تین طائفوں پر مؤکل ہُوں:

۱ : جو تکبّر کرنے والے ہیں۔
۲ : وہ لوگ جو سوائے خدا کے دُوسرے کی پرستش کرتے ہیں۔
۳ : وہ لوگ جو صورت کو نقش کرتے ہیں۔

فرمایا کہ تین آدمی ہیں کہ خدا تعالیٰ قیامت میں جن کے ساتھ بات نہ کرے گا۔ اُن کا عمل پاک نہ کرے گا اور اُن کے لیے عذاب سخت ہوگا۔

۱ : بوڑھا زناکار۔
۲ : بادشاہِ جبّار و متکبّر۔
۳ : تکبّر کرنے والا۔

پھر انھیں حضرتؐ سے مروی ہے کہ وہ بندہ خراب ہے جو تکبّر کرے اور خدائے تعالیٰ کو فراموش کرے۔ وہ بندہ خراب ہے جو لہو و لعب میں زندگی بسر کرے اور قبرستان کو اور بدن کے بوسیدہ ہونے کو بھول جائے۔

نیز آں جناب سے روایت ہوئی ہے کہ میرے زیادہ دشمن آخرت میں اور مجھ سے زیادہ دُور رہنے والے فضول گو۔ نزاکت سے بات کرنے والے اور تکبر کرنے والے ہیں۔

نیز فرمایا کہ تکبر کرنے والے قیامت میں باریک چیونٹیوں کی صورت میں محشور ہوں گے۔ اُن کو تمام آدمی پامال کریں گے۔ کیوں کہ وُہ خدا کے نزدیک نہایت ذلیل و بے قدر ہیں۔

پھر فرمایا کہ جہنم میں ایک وادی ہے اس کو ہبہب کہتے ہیں۔ ہر جبار و متکبر کو اُس میں جگہ دی جائے گی۔

کلامِ عیسٰی ابنِ مریمؑ میں ہے کہ زراعت زمینِ نرم میں اُگتی ہے۔ سخت پتھر پر نہیں اُگتی۔

ایسا ہی دانائی و حکمت صاحبِ تواضع و فروتنی کے دل میں جگہ پکڑتی ہے اور تکبر کرنے والے کے دل میں نہیں پکڑتی۔ نہیں دیکھتے ہو کہ جو کوئی سر اٹھاتا ہے اُس کے سر کو چھت لگتی ہے۔ اور جو کوئی اپنے سر کو نیچے جھکاتا ہے۔ اُس کے سر پر چھت سایہ کرتی اور اُسے چھپا لیتی ہے۔

جب حضرتِ نوحؑ کا وقتِ رحلت قریب آیا تو اپنے فرزندوں کو طلب کیا اور کہا کہ تم کو :

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ

کہنے کا حکم دیتا ہوں اور شرکِ بخدا اور تکبر سے منع کرتا ہوں۔

ایک روز حضرت سلیمانؑ ابنِ داؤد علیہ السّلام نے مرغان و جن و انس کو حکم کیا کہ بساط پر بیٹھیں جن کے ہمراہ ہزار نفر بنی آدم اور ہزار نفر جن تھے۔

ن کی بساط اس قدر بلند ہوئی کہ ملائکہ کی تسبیح کی صدا آسمانوں سے اُن کے کان میں آتی تھی۔ پھر اس قدر نیچے آیا کہ اُن کے پاؤں دریا تک پہنچے۔ پھر ایک صدا بلند ہوئی کہ اگر تم میں سے کسی کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوتا تو بلند ہونے سے پہلے اُسے زمین میں غرق کر دیتا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ تکبر کرنے والوں کے لیے جہنم میں ایک وادی ہے۔ جس کو سقر کہتے ہیں۔ اس نے زیادتیٔ حرارت کی خدا سے شکایت کی اور اجازت چاہی کہ نفس لے۔ پس ایک سانس لیا۔ جس کے باعث جہنّم جل گیا۔

پھر فرمایا کہ آسمان میں دو ملک ہیں جو بندوں پر مؤکل ہیں جو کوئی تواضع کرتا ہے اس کا بلند مرتبہ کرتے ہیں۔ جو کوئی تکبر کرتا ہے۔ اُس کا مرتبہ پست کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ وہ شخص جبّار ملعون ہے جو خدا سے جاہل ہو اور آدمیوں کو حقیر سمجھتا ہو۔

فرمایا کہ کوئی بندہ نہیں ہے مگر یہ کہ اس کو حکمت و دانائی دی گئی ہے۔ یک ملک اُس حکمت کا نگہبان ہے۔ اگر اُس نے تکبر کیا تو وہ کہتا ہے کہ خدا تجھ کو ذلیل کرے۔ پس وہ اپنی نظر میں اپنے کو بزرگ سمجھتا ہے اور سب کی نظر میں حقیر ہوتا ہے۔ اور اگر کسی نے تواضع و فروتنی کی تو وہ فرشتہ کہتا ہے کہ خدا تیرا مرتبہ بلند کرے۔ پس جو اپنے کو سب سے حقیر سمجھتا ہے تو اُس کا مرتبہ آدمیوں کی نظر میں سب سے زیادہ ہوتا ہے۔

فصل (۱)

اقسام و مدارجِ تکبّر

واضح ہو کہ تکبّر کی تین قسمیں ہیں :-

پہلا خدا سے تکبّر کرنا :

جیسا کہ نمرود و فرعون نے کیا۔ یہ بدترین اقسام تکبّر ہے۔ بلکہ اعظم ترین کفر ہے۔ اس کا سبب جہل و نافرمانی ہے۔ اس قسم کی طرف خدائے تعالےٰ نے اشارہ فرمایا ہے :

اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دَاخِرِیْنَ۔

"بہ تحقیق میری بندگی سے جو لوگ تکبّر اور گردن کشی کرتے ہیں۔ وہ ذلّت و خواری کی حالت میں بہت جلد جہنّم میں داخل ہوں گے۔"

دُوسرے پیغمبرانِ خدا سے تکبّر کرنا : اپنے کو اُن سے بلند مرتبہ سمجھنا۔ اور اُن کی اطاعت سے باز رہنا۔

مثلاً ابوجہل ایسے ہی اشخاص کہتے تھے :

اَھٰؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنْ بَیْنِنَا

"کیا یہ وہی لوگ ہم میں کے ہیں، جن پر خدا نے
احسان کیا ہے۔"
اور کہتے ہیں :

أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا۔

"کیا ہم اپنے ہی جیسے آدمیوں پر ایمان لائیں۔"
یہ قسم بھی خدا سے تکبّر کرنے کی ہے۔

تیسرے۔ بندگانِ خدا پر تکبّر کرنا۔ اپنے کو اُن سے بزرگ سمجھنا اور اپنے مقابل اُن کو پست و حقیر جاننا۔ اگرچہ یہ قسم بُرائی میں پہلی قسم سے بہت کم ہے۔ لیکن یہ بھی مہلکۂ عظیمہ ہے۔ بلکہ اکثر ہوتا ہے کہ ایسا شخص خدا سے مخالفت کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس صفت والا جب کبھی امرِ حق کو کسی سے سُنتا ہے تو اپنے کو اُس سے بزرگ سمجھ کر اُس کی پیروی سے عار و ننگ کرتا ہے۔ حالانکہ عظمت و تکبّر و برتری و ناز و غرور ذاتِ پاکِ خداوندِ علی اعلیٰ کے واسطے مختص ہے۔ پس متکبّر گویا خدا سے منازعہ کرتا ہے اور اپنے کو اُس کا شریک گردانتا ہے اور جس طرح تکبّر کی تین قسمیں ہیں اُسی طرح اُس کے تین درجے بھی ہیں :

پہلا درجہ یہ ہے کہ :
یہ بُری صفت اس کے دل میں قائم ہو جائے۔ وہ اپنے کو دوسروں سے بہتر و بزرگ سمجھے اور اس کو اپنی گفتار و کردار میں ظاہر کرے۔ مثلاً مجلس میں مقامِ صدر پر بیٹھے اپنے کو دوسروں پر مقدم رکھے۔ اُن سے مُنہ پھر لے۔ تُرش روئی کرے۔ جو کوئی اس کی تعظیم میں کوتاہی کرے اُس سے ناراض ہو۔

فخر و مباہات سے کام لے۔ اُن پر مسائلِ علمیہ وافعالِ عملیہ میں غالب ہونے کی کوشش کرے۔ یہ درجہ بدترین درجات میں سے ہے۔ کیونکہ درختِ کبر کی جڑ اُس کے دل میں جگہ پکڑتی ہے۔ اُس کے شاخ و برگ بلند ہوتے ہیں۔ اور اس کے تمام اعضاء و جوارح کو گھیر لیتے ہیں۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ :

اس کے دل میں کبر ہو اور تکبر کرنے والوں کے افعال بھی اُس سے صادر ہوں لیکن وہ زبان پر نہ لائے۔ یہ ایک شاخہ درخت بہ نسبت پہلے درجہ کے کم درجہ رکھتا ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ :

دل میں اپنے کو بزرگ سمجھے۔ لیکن گفتار و کردار میں کچھ ظاہر نہ کرے اور تواضع و فروتنی میں نہایت کوشاں رہے۔ اس شخص نے درختِ کبر کے شاخ و برگ کو قطع کیا ہے۔ مگر اس کی جڑ اس کے دل میں موجود ہے ایسا شخص بھی ممکن ہے کسی نہ کسی وقت برتری کی طرف میل کر جائے لیکن اگر مقامِ مجاہدہ میں ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ خدا نجات کی توفیق کرامت فرماتا ہے۔

فصل (۲)

آپ کو معلوم ہُوا کہ کامل ترینِ مہلکات و مانعِ وصولِ سعادت کبر ہے۔

معالجۂ تکبّر

اس کا سبب حمق و سفاہت و بے خبری و غفلت ہے۔ کیونکہ آسمانوں اور زمینوں اور جو اُن کے درمیان موجود ہے بمقابل مخلوقات کے ہیچ و بے مقدار ہے ایسا ہی زمین بہ نسبت آسمان کے اور موجوداتِ زمین بمقابلِ زمین کے اور حیوانات بمقابل اُن کے جو زمین پر ہیں اور انسان بہ نسبت حیوانات کے۔ پھر یہ غریب بے چارہ تکبّر کرنے والا بمقابل افرادِ انسان کے کیا چیز ہے کہ اپنے کو بزرگ و برتر سمجھے۔ آپ اپنے قدر و مرتبہ کو پہچانیں اور دیکھیں کہ آپ کون ہیں؟ دوسروں پر کیا بزرگی رکھتے ہیں؟ انسان اپنی ہستی پر غور کرے تاکہ ظلم و تکبّر سے خلاصی ہو۔ آپ کی طرح خدائی میں بہت سے جانور ہیں۔ اپنی ابتداء و آخر کو دیکھئے اپنے باطن میں مشاہدہ کیجئے۔ ایک قطرۂ گندیدہ۔ ایک جسمِ نجس۔ ایک جانور متعفن ایک عاجز بے دست و پا جو ہزار ضرورتوں میں مبتلا ہے۔ آپ کہاں اور تکبّر کہاں۔ ایک جُوں آپ کا خواب و آرام لے لیتی ہے۔ چُوہا آپ کو اپنی جگہ سے اُٹھا دیتا ہے۔ ایک گھڑی کی بھوک آپ کو بے قرار کر دیتی ہے۔ اکثر ہوتا ہے کہ اندھیری رات میں آپ اپنے سایہ سے ڈرتے ہیں۔ آپ کو تکبّر کرنے کی کیا ضرورت ہے معالجہ میں اس مرض کے کوشش کیجیے۔

واضح ہو کہ اس کا علاج مانند معالجۂ عُجب کے ہے اس لیے کہ تکبّر عُجب کے

معنی ہی رکھتا ہے اور علاج مخصوص مرض تکبر کا یہ ہے کہ آدمی مذمت میں اس صفت کی نیز مدح و خوبی میں اس کی ضد کے جس کو تواضع کہتے ہیں جو آیات و اخبار آئے ہیں اُن کو ملاحظہ کرے۔ علاوہ اس کے غور کرے کہ دوسرے سے اپنے کو بہتر سمجھنا نہایت جہل و نادانی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اخلاق کریمہ وُہ بھی رکھتے ہوں اور آپ کو کیا معلوم کہ اُن کا مرتبہ خدا کے نزدیک بلند و بہتر ہو۔ صاحبِ بصیرت کیونکر جرأت کر سکتا ہے کہ اپنے کو دوسرے پر ترجیح دے۔ باوجود اس کے انجام سے مطلب ہے اور سوائے خدا کے کسی کا انجام کوئی نہیں جانتا۔ نیز تمام اشخاص ایک ہی کے پیدا کیے ہُوئے ہیں۔ ایک ہی درگاہ کے بندے ہیں۔ دریائے جود و کرمِ خداوندِ مجید کے تمام قطرے ہیں۔ پس لازم ہے کہ کسی کو نظرِ بد اور عداوت سے نہ دیکھے۔ بلکہ سب کو چشمِ خوبی و دوستی سے ملاحظہ کرے۔ اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ عالم پرہیزگار فاسق شراب خوار سے بہ ذلّت و انکساری پیش آئے۔ اُس کو اپنے سے بہتر سمجھے باوجود اس کے کہ فسق و فجور میں ظاہراً اُس کو مشغول دیکھے اور اُس کے زہد و تقویٰ کا یقین کرے یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ مردِ دیانت دار کسی گمراہ یا کافر یا فاسق و فاجر کو دوست رکھے حالانکہ اُس کو خدا دشمن رکھتا ہے۔ جس کی نسبت بغض عنداللہ میں احادیث متواتر آئے ہیں۔ کیونکہ تواضع و فروتنی اس کو نہیں کہتے کہ ہر مقام پر نہایت ذلّت و انکساری سے کام لیا جائے۔ اور نہ تواضع کے یہ معنی ہیں کہ اپنے کو کسی امر میں بھی دوسرے پر فضیلت نہ دیں۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی عاقل علم میں اپنے کو جاہل سے بہتر نہ سمجھے۔ بلکہ حقیقتِ تواضع یہ ہے کہ اپنے کو فی الواقع بہتر و خوب اور خدا کے نزدیک مقرب نہ جانے جس سے وہ دوسرے پر مستحقِ بہتری ہو اور اس سے تکبر کرنے والوں کے آثار ظاہر ہوں۔

کیونکہ مطلب حُسنِ انجام سے ہے اور کوئی شخص دوسرے کے انجام کو نہیں جان سکتا۔ شاید کافر بستر سال دنیا سے ایمان پر جائے اور عابدِ صد سالہ کا خاتمہ بخیر نہ ہو۔ حاصلِ کلام یہ کہ قربِ خداوند تعالیٰ و حُسنِ انجام ہی سعادت ہے نہ کہ وہ امور جو دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔

اب رہا بغض للّٰہ۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ ہر شخص کو اس حیثیت سے کہ وہ مخلوقِ خداوندِ عالم ہے دوست رکھنا چاہیئے۔ لیکن اگر اُس سے فسق و فجور سرزد ہو تو بوجہ فسق و فجور اُس سے دشمنی کرنا کچھ مضر نہیں رکھتا۔ کیونکہ یہ غصہ اور دشمنی خدا کے لیے ہے۔ نہ کہ اپنے واسطے اور اُسی نے اُس کا حکم دیا ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس کے ساتھ تکبّر کیا جائے اور اسے اہلِ جہنّم سے اور اپنے آپ کو اہلِ بہشت سے سمجھیں۔ بلکہ انسان کو سزاوار ہے کہ اپنے پوشیدہ گناہوں پر نظر کر کے ان سے خوف زدہ رہے۔

بغضِ للّٰہ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی بزرگ کے ایک بیٹا ہو، ایک غلام۔ وہ غلام کو اپنے فرزند پر معیّن کرے کہ اس کو ادب سکھائے۔ جب قاعدہ کے خلاف کوئی بات اس سے ظاہر ہو تو اس کو تادیب کرے اور مارے۔ پس اگر وہ غلام خیر خواہ و فرماں بردار ہے تو جس وقت اُس فرزند سے کوئی امر نالائق سرزد ہو گا تو بوجہِ اطاعتِ آقا اُس فرزند کو تادیب کرے گا، اور اُس پر برتری و تفوّق کا طالب نہ ہو گا۔ بلکہ تواضع و فروتنی سے پیش آئے گا اور اپنے مرتبہ کو بہ نسبت اُس فرزند کے مرتبہ کے بزرگ نہیں جانے گا۔

واضح ہو کہ مرضِ کبر کا علاج ایک یہ عمل بھی ہے جس کی عادت کرنا چاہیئے۔ جو اس کی ضد تواضع ہے اختیار کرے۔ خدا و خلق اللّٰہ سے فروتنی کرے۔ تواضع کرنے والوں کے اعمال کی پیروی کرے کہ تواضع کا ملکہ حاصل ہو

ور اس کے دل سے درختِ کبر کی جڑ اُکھڑ جائے

فصل (۳)

کبر و تواضع کے علامات

انسان کو سزاوار ہے کہ شیطان کا فریب نہ کھائے۔ اپنے آپ کو متواضع اور مرضِ کبر سے مبرا نہ سمجھے۔ جب تک امتحان اور آزمائش میں مبتلا نہ ہو۔ کیونکہ اکثر ہوتا ہے کہ آدمی کبر نہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ لیکن جب امتحان کا وقت آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرض اس کے نفس میں پوشیدہ ہے۔ اگر نفسِ امارہ کے فریب میں آگیا۔ اپنے کو متکبر نہ سمجھا تو معالجہ و مجاہدہ سے دستبردار ہو جاتا ہے۔

واضح ہو کہ کبر و تواضع کے لیے چند علامات ہیں جو وقتِ امتحان معلوم ہو سکتے ہیں۔

پہلی علامت یہ کہ :

جب اپنے ہم مرتبہ والوں کے ساتھ مسائلِ علمیہ میں گفتگو کرے اگر اُن کی زبان پر حق جاری ہو جس کا اقرار کرنا اس کو ناگوار تھا اس کا اقرار اور اُن کی شکرگزاری کرے جنھوں نے حق سے آگاہ کیا ہے اور غفلت سے نکالا ہے۔ پس یہ علامت تواضع کی ہے۔ اگر اُس کا قبول اور اقرار کرنا اُس پر گراں ہو تو معلوم ہوا کہ تکبر رکھتا ہے۔ اب اس کے نتیجہ کی برائی اور اپنے نفس کی خرابی میں بغور تامل کرنا اور

اُس کے معالجہ کے درپے ہونا چاہیئے۔ اپنی عاجزی و قصور کا قائل ہو۔ خداوند عالم سے دعا کرے کہ یہ صفتِ کبر اُس سے دور ہو اور جس نے آگاہ کیا ہے اس کا احسان مانے۔ اکثر ہوتا ہے کہ خلوت میں حق کو قبول کرتا ہے لیکن مجمع میں آدمیوں کے گراں ہوتا ہے تو اُس وقت تکبّر کرنے والا نہ سمجھا جائے گا لیکن مرضِ ریا میں مبتلا ہوگا۔ اس کا علاج اس طریقہ پر کرنا چاہیئے جو کہ صفتِ ریا میں بیان کیا جائے گا۔

دوسری علامت یہ کہ :

جب محفل و مجمع میں آئے تو اُس کو گراں نہ ہو کہ اس کے ہم مرتبہ والے مقامِ صدر میں بیٹھیں۔ وہ ان سے نیچے بیٹھے۔ اُس کی حالت میں ہرگز تفاوت ہو۔ ایسا ہی راستہ چلنے میں مضائقہ نہ کرے۔ سب کے پیچھے راستہ چلے۔ اگر ایسا کرے گا تو صفتِ کبر رکھنے والا نہ ہوگا۔ ورنہ تکبّر کرنے والا ہوگا۔ اپنا علاج کرنا چاہیئے۔ ہم مرتبہ والوں سے نیچے بیٹھے۔ اُن کے پیچھے راستہ چلے تاکہ اس مرض سے نجات حاصل ہو۔

حضرتِ صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ تواضع وہ ہے کہ آدمی دوسروں سے پست مقام پر بیٹھے۔ جس سے ملاقات ہو سلام کرے۔ اگرچہ وہ حق پر ہو لیکن مجادلہ نہ کرے اور اس امر کا خواہاں نہ ہو کہ تقویٰ و پرہیزگاری پر لوگ اس کی مدح کریں۔

بعض تکبّر کرنے والے مقامِ صدر کے خواہاں رہتے ہیں اور عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ مومن کو نہ چاہیئے کہ اپنے کو ذلیل کرے۔ بعض شبہ ڈالنے والے اہلِ علم بیان کرتے ہیں کہ علم کو خوار نہ کرنا چاہیئے۔ یہ شیطان کا فریب ہے کیونکہ اگر آپ مجلس میں اپنی ہم مرتبہ جماعت سے پست بیٹھ جائیں گے تو کونسی ذلّت ہوگی اور علم کی کیا خواری۔ کیونکہ وہ بھی مثل آپ کے ہیں۔ ہاں یہ عذر اگر مسموع بھی ہو تو اس وقت

ہو سکتا ہے کہ کوئی مومن مجمع اہلِ کفر میں یا کوئی عالم محفل میں بدکاروں اور ظالموں کے جائے علاوہ اس کے ایک مرتبہ پست مقام پر بیٹھ جانے سے اس قدر آپ کی حالت متغیر ہو جاتی ہے اور اُسے ذلّت و خواریٔ ایمان و علم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن ہزاروں مسلمان، مومن اور اہلِ علم ذلّت و خواری میں گرفتار ہیں۔ اُن کی اِس حالت سے آپ کو کوئی صدمہ لاحق نہیں ہوتا۔ پس آپ کا عذرِ مذکورہ قابلِ سماعت نہیں ہے بلکہ یہ شائبہ شرک و جہل ہے۔ جو آپ کے باطن میں پوشیدہ ہے۔ بعض تکبّر کرنے والے جب کسی مجمع میں آتے ہیں تو مقامِ صدر کی طرف رُخ نہیں کرتے۔ صفِ نعال میں بیٹھتے ہیں اور اپنے اور مقامِ صدر کے درمیان جو جگہ خالی رہتی ہے وہاں کمینہ لوگوں کو بٹھا لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ مقامِ صدر سے علیحدگی ہو جائے اور خود ان کی جائے نشست صدر قرار پا جائے اسی طرح راہ چلتے ہوئے اگر تقدم میسر نہیں ہوتا تو سب لوگوں سے اس قدر پیچھے ہو جاتے ہیں کہ دونوں کے درمیان فاصلہ رہ جائے۔ یہ تمام باتیں نتیجہ خبثِ نفس و تکبّر و اطاعتِ شیطان ہیں۔ ایسا شخص اپنے اعمال کو خراب کرتا ہے۔ وہ ان اعمال سے اپنی عزت کا طالب ہوتا ہے اور عقلمند ان اعمال سے اُس کی خرابیٔ نفس کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔

تیسری علامت یہ ہے کہ:

سلام میں سبقت کرنا اُس پر گراں نہ ہو۔ اگر اس میں کوتاہی کرے گا تو تکبّر کرنے والا ہوگا اور تعجب یہ ہے کہ بعض لوگ اپنے کو اہلِ علم میں سے سمجھتے ہیں وہ کوچہ و بازار میں سوار ہو کر پھرتے ہیں۔ پیادوں اور بیٹھنے والوں سے سلام کے طالب ہوتے ہیں۔ حالانکہ سزاوار یہ ہے کہ کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے پر، اور سوار پیادے پر سلام کرے۔ تُف ہے اُن لوگوں پر جو سُنّتِ پیغمبرِ آخر الزمان کو اپنے تکبّر کی علامت قرار دیتے ہیں۔

چوتھی علامت یہ ہے کہ :

جب کوئی فقیر و بینوا دعوت دے تو قبول کرے۔ وہ مہمانی یا کسی ضرورت میں بلائے تو بلا تکلف جائے اور کار و بارِ رفقا و احباب میں کوچہ و بازار میں آمد و رفت رکھے۔ اگر یہ امور اُس پر ناگوار ہوں تو تکبر کرنے والا ہوگا۔ ایسا ہی اپنے گھر کی ضروریات مثلاً پانی، لکڑی، گوشت، ترکاری وغیرہ بازار سے خرید کر کے خود گھر میں اٹھا لائے۔ اگر یہ امور اس پر گراں نہ ہوں تو تواضع کرنے والا ورنہ وہ متکبر سمجھا جائے گا اور اگر خلوت میں مضائقہ نہ کرے اور مجمع میں آدمیوں کے اس پر یہ امور گراں ہوں تو وہ ریاکار ہوگا۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ : "اپنی عیال کے واسطے کسی چیز کا اٹھا کر گھر میں لانا مرد کے کمال کو کم نہیں کرتا۔"

ایک روز آپ ایک درم گوشت خرید کر کے گوشۂ ردائے مبارک میں لپیٹ کر لے جا رہے تھے۔ بعض اصحاب نے عرض کیا کہ :

"یا امیرالمومنینؑ! مجھ کو عنایت کیجئے کہ مَیں لے چلوں۔"

فرمایا کہ :

"صاحب عیال کو سزاوار ہے کہ خود اٹھائے۔"

مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے کسی مرد اہلِ مدینہ کو ملاحظہ کیا کہ بازار سے خرید کر کے لے جانے میں حجاب کرتا ہے۔ حضرتؑ نے اس سے فرمایا کہ اپنے عیال کے واسطے خرید کر کے اٹھایا ہے۔ خدا کی قسم اگر اہلِ مدینہ نہ ہوتے تو مَیں بھی اپنے عیال کے لیے خرید کرتا اور اٹھاتا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس زمانہ میں اس بزرگ کے واسطے ایسا رواج نہ تھا۔ آدمی بُرا جانتے تھے اور اس کی غیبت و مذمت کرتے تھے۔ اسی وجہ سے

اس حضرت نے اس طرح ارشاد فرمایا - اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ جب کسی امر کا ارتکاب عرفاً قبیح ہو اور باعثِ غیبت ہو تو اُس کا ترک کرنا بہتر ہے۔ بلحاظ اہلِ شہر و زمانہ رواج مختلف ہوتے ہیں جس کا ہر شخص کو ملاحظہ کرنا چاہیئے اور جس امر سے برائی و مذمت پیدا ہوتی ہے اسے اپنی نگاہ میں رکھے اور اس کے ذریعہ سے مبتلائے تکبر نہ ہو۔

پانچویں علامت یہ ہے کہ :

اُس کو ہلکا، موٹا، پُرانا اور میلا لباس پہننا گراں نہ ہو۔ اگر کوئی شخص ملبوسِ نفیس اور جامۂ فاخرہ پہننے میں حریص ہو اور اُس کو شرف و بزرگی جانے تو وہ متکبر ہوگا۔

حضرتِ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ مَیں بندہ ہوں خاک پر بیٹھتا ہُوں۔ جامۂ پشمینہ پہنتا ہُوں۔ اُونٹ کو باندھتا ہُوں۔ بعد فراغتِ طعام اپنی انگلیوں کو چُوستا ہُوں۔ جب کوئی مومن دعوت دیتا ہے تو قبول کرتا ہُوں۔ جس نے میرے طریقہ کو ترک کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

مروی ہے کہ سیّد انبیاؐ جس لباس کو زیبِ جسم فرماتے ہُوئے تھے وفات کے وقت معلوم ہُوا کہ وہ بالوں کا تھا۔ اس میں بارہ پیوند تھے جس میں گوسفند کے بالوں کے چند پیوند تھے۔

سلیمانؑ سے پوچھا گیا کہ :

"کس واسطے نیا جامہ نہیں پہنتے ہو۔"

اُس نے کہا کہ :

"مَیں بندہ ہُوں۔ جس وقت آزاد ہُوں گا اُس وقت نیا لباس پہن لُوں گا۔"

حضرتِ رسولؐ نے فرمایا کہ : "کم قیمت اور ہلکا لباس پہننا اہلِ ایمان

کا طریقہ ہے۔"

سیدِ اولیا اپنے زمانۂ خلافتِ ظاہریہ میں لباسِ کہنہ زیبِ جسمِ مبارک فرماتے تھے۔ بعض اصحاب معترض ہوئے۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ :

" اس میں چند فائدے ہیں ایک یہ کہ مومنین میری پیروی کریں۔ دُوسرا یہ کہ یہ لباس دل کو تواضع کرنے والا بناتا ہے اور کبر سے پاک کرتا ہے۔"

چھٹی علامت یہ ہے کہ :

اپنی کنیزوں اور غلاموں اور خدمت گاروں کے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر غذا کھانا اس پر ناگوار نہ ہو۔ ایسا شخص تواضع کرنے والا ہے ورنہ تکبر کرنے والا ہوگا۔

ایک شخص بلخی روایت کرتا ہے کہ مَیں سفرِ خراسان میں علی ابنِ موسیٰ رضا علیہ السلام کے ہمراہ تھا۔ جب دسترخوان بچھایا گیا تو حضرتؑ نے اپنے تمام ملازمین اور غلاموں کو دسترخوان پر جمع فرمایا۔

عرض کیا کہ : " آپ پر فدا ہوں اگر دوسرا دسترخوان ان کے واسطے قرار دیا جاتا تو بہتر ہوتا۔"

فرمایا کہ : " خاموش رہ بہ تحقیق کہ سب کا ایک خدا، سب کا ایک دین، سب کے ایک ماں باپ ہیں۔ ہر کسی کے عمل کے مطابق جزا ملتی ہے۔"

واضح ہو کہ امتحان و آزمائشِ کبر و تواضع اُن پر منحصر نہیں ہے بلکہ اس کے لیے بہت سے آثار و اعمال ہیں۔ مثلاً یہ کہ کسی شخص کو اپنے آگے کھڑا کرے۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام نے فرمایا : " جو کوئی چاہتا ہے کہ اہلِ جہنم سے واقف ہو تو اُس مرد کو دیکھے جو بیٹھا ہُوا ہے اور اس کے مقابل میں

ایک جماعت کھڑی ہوئی ہے۔"

بعض اصحاب نے نقل کی ہے کہ اصحاب پیغمبرؐ کے نزدیک پیغمبرؐ سے زیادہ کوئی عزیز و محترم نہ تھا لیکن جس وقت آپ تشریف فرما ہوتے تو کوئی بھی اپنی جگہ سے نہ اٹھتا تھا۔ اس لیے کہ جانتے تھے کہ آنحضرتؐ اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔ کبر یہ ہے کہ انسان جب کوچہ و بازار کو جائے۔ تو دوسرا اُس کے ہمراہ ہو۔ چنانچہ اگر کوئی ہمراہی نہ ملے تو بعض متکبرین سوار ہو کر پھرتے ہیں۔

مروی ہے کہ جس شخص کے پیچھے کوئی راہ چلنے والا ہو تو جب تک اس کا یہ عمل رہتا ہے اُسے خدا سے دُوری ہوتی ہے۔

حضرتِ پیغمبرؐ بعض وقت اصحاب کے ساتھ چلتے تو اصحاب کو آگے رکھتے اور خود اُن کے بیچ میں راستہ چلتے۔ نیز علاماتِ کبر سے ایک یہ بھی علامت ہے کہ بعض کی ملاقات میں مضائقہ کرے۔ اگرچہ اس کی ملاقات میں اس کا فائدہ بھی ہو۔ فقیروں اور مریضوں کی ہم نشینی سے کوتاہی کرے۔

مروی ہے کہ ایک مرد کو آبلے نکلے تھے جن میں پیپ آگئی تھی، اُس کا پوست نکل گیا تھا۔ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس وقت آیا جب کہ حضرتؐ اصحاب کے ساتھ خاصہ نوش فرمانے میں مشغول تھے وہ جس کسی کی بازو میں بیٹھتا تھا تو وہ اس کے نزدیک سے اُٹھ جاتا تھا۔ جب حضرتؐ نے یہ دیکھا تو اپنے پہلو میں جگہ دی اس کے ساتھ خاصہ نوش فرمایا۔

ایک روز حضرتؐ اصحاب کے ساتھ خاصہ نوش فرماتے تھے کہ ایک مرد جس کو خراب بیماری تھی جس سے تمام آدمی نفرت کرتے تھے آیا تو حضرتؐ نے اس کو اپنے پہلو میں بٹھایا اور کھانے کا حکم فرمایا۔ دُوسری علامتیں کبر کی بہت سی ہیں جن سے کبر کی شناخت ہوتی ہے۔

سید انبیا کا طریقہ جامع علامات تواضع اور کبر سے پاک تھا۔ پس امت کو سزاوار ہے کہ اُن کی پیروی کریں۔

ابو سعید خدری جو اصحاب پیغمبر سے ہیں روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت خود اُونٹ کو گھاس ڈالتے تھے۔ اونٹ کو باندھتے تھے۔ گھر میں جھاڑو دیتے تھے۔ بکریوں کا دودھ دوھتے تھے۔ نعلین کو سیتے تھے۔ اپنے جامہ کو پیوند لگاتے تھے۔ خدمت گاروں کے ساتھ خاصہ نوش فرماتے تھے۔ جب خادم چکّی چلانے سے خستہ ہوتا تو آپ خود چکّی چلاتے۔ بازار سے آپ خود خرید فرما کر دستِ مبارک یا گوشۂ دامن میں رکھ کر گھر کو لاتے۔ ہر ایک چھوٹے بڑے، امیر و فقیر نماز گزار سے سلام کی ابتداء خود فرماتے۔ گھر کا اور باہر جانے کا ملبوس ایک ہی تھا۔ جو شخص حضرت کو دعوت دیتا اس کی دعوت قبول فرماتے۔ ہمیشہ پریشان و غبار آلود رہتے۔ جس چیز کی حضرتؐ کو دعوت دی جاتی اس کو حقیر نہ خیال فرماتے اگرچہ تھوڑا سا خرمہ ہی کیوں نہ ہو۔ صبح کو شام کے لیے اٹھا نہ رکھتے نہ شام کو صبح کے لیے ذخیرہ فرماتے۔ آپ کی ضروریاتِ معیشت آسان تھیں، خوش خلق و کریم الطبع کشادہ رو آدمیوں کے ساتھ زندگانی بسر فرماتے۔ تبسّم فرماتے خنداں نہ ہوتے۔ اندوہناک رہتے۔ ترش رو نہ ہوتے۔ دین میں مضبوط اور سخت رہتے۔ لیکن سختی نہ فرماتے۔ بغیر ذلّت و خواری کے آدمیوں کے ساتھ تواضع و فروتنی و بخشش فرماتے۔ بیجا صرف نہ فرماتے۔ خویش و اقارب اور تمام مسلمانوں پر مہربان رہتے۔ حضرتؐ کا دل رقیق تھا۔ ہمیشہ سر جھکائے رہتے۔ اس قدر خاصہ نوش نہ فرماتے کہ بدہضمی ہو اور کسی وقت میں کسی چیز کی طمع نہ فرماتے۔

فصل (۴)

فضیلتِ تواضع و فروتنی

صفتِ کبر کی ضد تواضع ہے اور وہ شکستہ نفسی ہے کہ آدمی اپنے کو بزرگ نہ سمجھے۔ اس کے چند لازمہ گفتار و کردار ہیں۔ جو دوسروں کی تعظیم و تکریم پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کی عادت کرنے سے مرضِ کبر کا معالجہ قوی ہوتا ہے۔ یہ صفت نیک ہے۔ اس کی فضیلت میں اخبار بے انتہا ہیں۔

حضرتِ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ :

"جس کسی نے تواضع کی۔ خدا نے اس کو بلند مرتبہ عطا فرمایا۔"

مروی ہے کہ خداوند عالم نے حضرت موسیٰؑ کو وحی کی کہ :

"مَیں اس کی نماز کو قبول کرتا ہُوں جو میری بزرگی پر تواضع کرے۔ اور میری مخلوقات پر تکبّر نہ کرے۔ اپنے دل میں میرا خوف رکھے۔ دن کو میرے ذکر میں بسر کرے اور میری وجہ سے اپنی خواہشاتِ نفسانی کا تابع نہ ہو۔"

ایک روز حضرتِ پیغمبرؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ : "مَیں تم میں کس واسطے عبادت کی حلاوت کو نہیں دیکھتا ہُوں۔"

عرض کیا گیا کہ :

"وہ کیا چیز ہے ؟"

فرمایا کہ : "تواضع۔"

انھیں حضرت سے مروی ہے کہ خدا جس کو دوست رکھتا ہے اس کو یہ چار چیزیں کرامت فرماتا ہے :

۱ : خاموشی ! یہ اوّل درجہ کی عبادت ہے۔

۲ : خدا پر توکّل کرنا۔

۳ : تواضع۔

۴ : دنیا میں پرہیز گاری۔

نیز آں جنابؑ سے مروی ہے کہ جو کوئی خدا سے فروتنی کرے۔ خدا اس کو بلند مرتبہ والا کرتا ہے۔ جو کوئی تکبّر کرے خدا اس کو گراتا ہے جو کوئی قناعت کرے خدا اس کو روزی دیتا ہے۔ جو کوئی اسراف کرے خدا اس کو محروم کرتا ہے۔ جو کوئی موت کو زیادہ یاد کرے خدا اس کو دوست رکھتا ہے جو کوئی خدا کو بہت یاد کرے خدا اس کو بہشت میں اپنے سایہ میں جگہ دیتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے کہا ہے کہ خوشا بحال تواضع کرنے والوں کا کہ اُن کو قیامت میں منبر ملے گا۔

خداوند عالم نے حضرتِ داؤد علیہ السّلام پر وحی کی کہ :

"مجھ سے زیادہ نزدیک تواضع کرنے والے ہیں۔ ایسا ہی تکبّر کرنے والے مجھ سے دُور ہیں۔"

مروی ہے کہ سلیمانؑ پیغمبر ہر صبح بزرگانِ اغنیا اور اشراف کے پاس سے گزرتے اور مسکین کے پاس آکر بیٹھتے اور کہتے کہ میں مسکین ہوں۔ مسکینوں کے ساتھ بیٹھتا ہوں۔

مروی ہے کہ ایک مومن اور اُس کا ایک لڑکا حضرت امیرالمومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرتؑ اٹھے اُن کو صدر میں بٹھایا۔ آپ اُن کے

برابر بیٹھے کھانا لانے کا حکم فرمایا۔ دستر خوان چنا گیا۔ قنبر نے سیلابچی آفتابہ حاضر کیا کہ اُن کا ہاتھ دھلائے۔ حضرتؑ اٹھے اور آفتابہ لیا کہ اس مومن کے ہاتھ دھلائیں۔ اُس نے عرض کیا میں خود ہاتھ دھوؤں گا۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ : "خاموش رہ کر ہاتھ دھو، کہ خدا دیکھتا ہے کہ مجھ میں اور تجھ میں فرق نہیں ہے اور چاہتا ہے کہ تیری خدمت کی وجہ سے اہلِ دنیا کے دس حصہ برابر بہشت میں جگہ کرامت فرمائے۔"

پس وہ مومن بیٹھا اس وقت حضرتؑ نے قسم دی کہ اگر قنبر تیرے ہاتھ پر پانی ڈالتا تو جس طرح اطمینان سے اپنا ہاتھ دھوتا۔ اسی طرح دھوئے۔ پس حضرتؑ نے اس کے ہاتھ دُھلائے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ تواضع اصل شرف و بزرگی پاک و مرتبۂ بلند ہے۔ اگر تواضع بیان کے لائق ہوتی اور آدمی سمجھتے تو حقیقتِ عاقبت پوشیدہ سے اُن کو آگاہی ہو جاتی ہے۔

واضح ہو کہ تواضع وہ ہے کہ جو خدا کے واسطے اور راہِ خدا میں کی جائے۔ سوائے اس کے تکبر میں داخل ہے۔ جو کوئی خدا کے لیے تواضع کرتا ہے خدا اس کو تمام بندوں پر شرف و بزرگی عطا کرتا ہے۔ اہلِ تواضع کے واسطے وہ ایک کسوٹی ہے جس کو ملائکہ و عقلمند پہچانتے ہیں۔ کوئی عبادت خدا کی نہیں ہے جس کو وہ پسند اور قبول کرے۔ مگر یہ کہ جس میں تواضع ہو۔ حقیقتِ تواضع کو کوئی نہیں پہچانتا ہے مگر وہ بندۂ مقرب جو خدا کی وحدانیت کا قائل ہے۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ :

"بندگانِ خدا وہ لوگ ہیں جو زمین پر تواضع کے ساتھ راستہ چلتے ہیں۔"

خدائے عزوجل نے اپنے محبوب کو تواضع کے لیے حکم فرمایا اور کہا:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

تواضع خضوع و خشوع و خشیت و حیا کی کھیتی ہے۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی دنیا میں اپنے بھائی مومن کے ساتھ تواضع کرے پس وہ خدا کے نزدیک صدیقوں میں سے ہے بلکہ وہ حقیقت میں علی ابن ابی طالب کے دوستوں میں سے ہے۔

فائدہ: مذمّت ذلّت و خواری

سابق میں ذکر کیا گیا کہ ہر فضیلت کے لیے وسط ضروری ہے اس کی زیادتی و کمی مہلک و مذموم ہے۔ پس تواضع کے لیے بھی حدِ وسط لازم ہے۔ اس کی زیادتی کبر جس کا ذکر کیا گیا۔ اس کی کمی ذلت و حقارت ہے۔ جیسا کہ کبر مذموم ہے۔ ویسا ہی اپنے کو ذلیل و خوار کرنا بھی مذموم و مہلک ہے۔ کیونکہ مومن کے لیے جائز نہیں کہ اپنے کو ذلیل و حقیر کرے۔ اگر کوئی عالم کے پاس جوتی سینے والا آئے تو عالم اپنی جائے سے اٹھتا ہے اُس کو اپنی جائے پر بٹھاتا ہے۔ درس و تعلیم کو بسبب اس کی حُرمت کے ترک کرتا ہے جب وہ رخصت ہو تو گھر کے دروازے تک اُس کے پیچھے جاتا ہے۔ وہ گویا اپنے کو ذلیل و خوار کرتا ہے۔ سیدھے راستہ سے تجاوز کرتا ہے۔ طریقۂ نیک و عدالت وہ ہے کہ اُس طریقہ پر جس کا ذکر کیا گیا اپنے برابر والوں اور ہم مرتبہ والوں سے تواضع کرے اور تواضع عالم کی عوام کے ساتھ یہ ہے کہ ان کے ساتھ خوشنودی ظاہر کرے۔ اچھی طرح اور مہربانی سے بات کرے۔ ان کی دعوت کو قبول کرے۔ اگر خواہش کی جائے تو اُن کی ضروریات میں کوشش کرے۔ اپنے کو خاتمہ میں اُن سے بہتر نہ سمجھے۔

واضح ہو کہ وہ تواضع و فروتنی جس کی تعریف کی گئی ہے۔ اُن اشخاص کے متعلق ہے جو متکبّر نہیں ہیں۔ لیکن جو لوگ متکبّر ہیں ان سے تواضع نہ کرنا بہتر ہے۔ کیوں کہ فروتنی و ذلّت ان کے لیے جو متکبّر ہیں۔ اپنی ذلّت و خواری کا سبب ہے۔ نیز تکبّر کرنے والے کی گمراہی اور اُس کے تکبّر کی زیادتی ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ اگر آدمی اُس کی تواضع نہ کریں بلکہ اس سے تکبّر کریں تو وہ متنبہ ہو اور تکبّر کو ترک کرے۔

اسی وجہ سے حضرتِ رسول صلعم نے فرمایا ہے کہ :

"میری امت تواضع کرنے والی دیکھے گی کہ مَیں اُن کے ساتھ تواضع کرتا ہُوں اور تکبّر کرنے والے دیکھیں گے کہ مَیں اُن کے ساتھ تکبّر کرتا ہُوں۔ بہ تحقیق کہ یہ باعث اُن کی ذلّت و حقارت کا ہے۔"

سولھویں صفت

فخر و مُباہات کی مذمّت

واضح ہو کہ فخر و مباہات یہ ہے کہ انسان اُس چیز پر جسے اپنے لیے کمال سمجھ رہا ہے افتخار کرے۔ حقیقت میں یہ صفت اقسام تکبّر سے ہے۔

پس جو کچھ برائی تکبّر کی نسبت ہے۔ وہ اس کی بھی بُرائی پر دلالت کرتی ہے اور جو کچھ علاج تکبّر کا ہے اس کا بھی وہی علاج ہے۔ یہ بھی مثل تکبّر کے جہل و نادانی سے پیدا ہوتا ہے۔

حضرت سیّد الساجدینؑ نے فرمایا کہ :

"تکبّر و افتخار کرنے والے سے تعجب ہے کہ کل وہ ایک نطفۂ گندیدہ تھا اور آئندہ مردار ہو گا۔"

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ فتحِ مکّہ کے روز رسالتؐ پناہ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ :

اے لوگو !

نخوتِ جاہلیت اور افتخارِ اب و جد کو خدا نے تم میں سے اٹھا لیا۔

آگاہ رہو کہ تم آدمؑ سے پیدا ہوئے ہو اور آدمؑ خاک سے ہیں۔

بہ تحقیق کہ بندگانِ خدا میں سے بندہ وہ ہے جو پرہیز گاری کو اپنا شعار بنائے۔

منقول ہے کہ :

ایک روز کفارِ قریش ایک دوسرے پر فخر کرتے تھے۔ سلمانؓ اس وقت موجود تھے۔

انھوں نے کہا کہ :

" مَیں نطفۂ نجس سے پیدا ہُوا ہُوں۔ ایک روز مُردار ہوں گا۔ نزدیک میزانِ اعمال کے جاؤں گا۔ اگر میری ترازوئے عمل سنگین ہو تو مَیں کریم ہوں گا۔ اگر سبک ہو گی تو مَیں لئیم ہوں گا۔"

ضد اس صفت کی یہ ہے کہ اپنی زبان اور قول سے اپنے کو حقیر سمجھے اور دُوسروں کو اپنے پر ترجیح دے۔

سترہویں صفت

بغاوت و سرکشی کی مذمّت

واضح ہو کہ بغاوت یہ ہے کہ جس کے فرمان کی اطاعت لازم ہے۔ اُس سے گردن کشی و سرکشی کرنا۔

یہ صفت کبر سے بدتر ہے۔ کیوں کہ جن لوگوں کی اطاعت واجب ہے مثلاً پیغمبرؐ۔ ان کی نافرمانی منجر بکفر ہوتی ہے۔ بہت سے طائفہ کفّار مانندِ یہود و نصاریٰ و کفّارِ قریش کفر پر باقی رہے اور ہلاک ہوئے۔

اور اغلب یہ ہے کہ:

مسلمانوں پر ظلم و تعدی کرنا نیز اس قسم کی اور برائیاں اسی صفتِ بد کا نتیجہ ہیں اور کوئی شک نہیں ہے کہ یہ تمام مہلکاتِ عظیم ہیں۔

اسی وجہ سے حضرتِ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ:

"بغاوت کی خرابی ہر برائی کی خرابی سے بہت جلد پہنچتی ہے۔"

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ:

بغاوت کرنے والے کو بغاوت آگ کی طرف کھینچتی ہے۔ پہلا شخص جس نے خدا سے بغاوت و گردن کشی کی وہ عناق دخترِ آدم تھی۔ اُس کے

بیٹھنے کی جگہ ایک جریب طول میں تھی اور ایک جریب عرض میں۔ اس کی بیس اُنگلیاں تھیں اور اُنگلی میں دو ناخن مانند دو عنر بال کے رکھتی تھی۔

پس خدا نے ایک شیر کو مثل ہاتھی کے، ایک بھیڑیے کو مثل اُونٹ کے اور ایک باز کو مثل خچر کے اُس پر مسلط کیا۔ جنھوں نے اس کو مار ڈالا۔ بہ تحقیق کہ خدا تکبر کرنے والوں کو جبکہ وہ نہایت امن و آرام میں تھے مار ڈالا۔

اس صفت کا علاج یہ ہے کہ:

اس کی خرابی کو اور اُس کی ضد کی مدح کا ملاحظہ کرے۔ آیات و اخبار جو خدا و پیغمبرؐ و ائمہؑ اُولوالامر و علماء و فقہاء جو زمانۂ غیبت امام میں نائب امام ہیں اور جن کی اطاعت کے وجوب میں آئے ہیں۔ اُنھیں دیکھے اور جن کی اطاعت کرنا واجب ہے۔ ان کی اطاعت کرنے ان کے ساتھ قول و فعل سے بخضوع وخشوع پیش آئے تاکہ اس کا ملکہ حاصل ہو۔

اٹھارھویں صفت

خودستائی کی مذمت

واضح ہو کہ جب آدمی اپنا کمال ثابت کرنے کے درپے ہو کر اپنے آپ کو عیوب سے مبرّا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اُسے خودستائی کہتے ہیں۔ یہ صفت عُجب کا نتیجہ ہے۔ اُس کی بُرائی ظاہر و بیّن ہے۔ کیونکہ جس نے اپنی حقیقت کو پہچانا اور قصور اور نقصان کو جو ذاتِ انسان کا لازمہ ہے معلوم کیا تو دوسرے وقت اپنی تعریف میں کیونکر زبان کھول سکتا ہے۔

علاوہ ازیں سب کی نظر میں یہ امر بُرا ہے جو کوئی خودستائی کرتا ہے وہ نظروں میں بے وقعت و حقیر و بے اعتبار ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے امیرِ مومنانؑ نے فرمایا کہ:

تَزْكِيَةُ الْمَرْءِ لِنَفْسِهٖ قَبِيْحَةٌ

اپنی تعریف کرنا بد ہے۔ حقارت انسان کے لیے وہی کافی ہے جو بیان ہو چکا پس ہر کسی کو سزاوار ہے کہ اس صفت بد سے دُوری اختیار کرے جو بات کرنا چاہے تو پہلے غور کرے کہ وہ خودستائی پر تو مبنی نہیں ہے۔

انیسویں صفت

طرفداری و عصبیّت

واضح ہو کہ جب اپنی حمایت یا اُس کی طرفداری میں جو از روئے دین و مال اور قبیلہ وطن و صنعت اپنے سے منسُوب ہے۔ قولاً یا فعلاً سعی کی جائے تو عصبیّت کہتے ہیں۔ یہ طرفداری دو قسم پر ہے۔ کیونکہ جس کی حمایت میں انسان کوشش کرتا ہے اور اُس سے برائی کو دفع کرنا چاہتا ہے۔ اگر اس کی حفاظت و حمایت لازم ہے اور اس حفاظت میں وہ حق سے بھی تجاوز نہیں کرتا۔ بلکہ انصاف سے کام لیتا ہے۔ تو یہ قسم نیک و پسندیدہ ہے۔ اس کو غیرت کہتے ہیں جیسا کہ بیان کیا گیا اور اگر ایسی چیز کی حمایت کی جاتی ہے جس کی حمایت کرنا شرعاً درست نہیں ہے یا اس کی حمایت میں حق و انصاف سے تجاوز کر کے انسان باطل میں داخل ہوتا ہے تو یہ قسم مذموم ہے اور اُن رذائلِ صفات میں سے ہے جو قوّتِ غضبیہ کے متعلق ہیں۔

حضرت سیّد الساجدین علیہ السّلام نے اس پر اشارہ فرمایا ہے جب کہ اُن سے پوچھا گیا تو ارشاد ہُوا کہ طرفداری کرنے والا اپنے قبیلہ کو دوست رکھنے کی وجہ سے گناہگار نہیں ہے لیکن ظلم میں ان کی اعانت کرنے سے گناہگار ہو جاتا ہے۔

پس جس عصبیّت کی مذمّت میں اخبار و احادیث آئے ہیں اُن سے یہی قسم مذموم مراد ہے جو ایک صفتِ مہلکہ ہے اور آدمی کو شقاوتِ ابدی میں گرفتار کر دیتی ہے۔

حضرتِ رسولؐ اللہ کا ارشاد ہے کہ جو کوئی تعصب کرتا ہے یا جس کے لیے تعصب کیا جائے وہ دائرۂ اسلام سے باہر ہوتا ہے۔

فرمایا کہ جو کوئی دل میں بقدر رائی کے دانہ کے عصبیت رکھتا ہو تو خدا اس کو اعراب جاہلیت میں محشور کرے گا۔

حضرت سید الساجدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ کوئی حمیت داخل بہشت نہ ہو گی۔ مگر حمیتِ حمزہؓ ابنِ عبد المطلب۔ کیونکہ جس وقت مشرکین مکہ نے اونٹ کے بچہ دان کو حالتِ سجودِ معبود میں سرِ مبارک پر سیدِ کائناتؐ کے ڈال دیا تو حمزہؓ کی حمیت اس قدر غالب ہوئی کہ دینِ اسلام قبول کر لیا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ فرشتے جانتے تھے کہ ابلیس ہم میں سے ہے۔ مگر خداوندِ عالم جانتا تھا کہ ابلیس فرشتوں میں سے نہیں ہے۔

پس حمیت و غضب ابلیس کا اس قدر ہوا کہ اپنی حقیقت کو ظاہر کیا اور کہا کہ مجھ کو آگ سے اور آدم کو خاک سے خلق کیا۔

بیسویں صفت

اخفائے حقوق کی مذمت

واضح ہو کہ حق کو پوشیدہ اور اس سے انحراف کرنے کا سبب طرفداری یا بزدلی ہے۔ کبھی اس کا سبب طمع بھی ہوتا ہے۔ اس صورت میں بھی اس کا منشا ضعفِ نفس و خمودِ قوتِ غضبیہ ہے۔ بہر حال یہ صفتِ بد قوتِ غضبیہ کے متعلق ہے۔ خواہ جانبِ افراط سے ہو یا جانبِ تفریط سے اور اس صفت کے ضمن میں بہت سے صفات خبیثہ آ جاتے ہیں۔ مثلاً شہادت کو چھپانا۔ ناحق شہادت دینا۔ اہلِ باطل کی تصدیق کرنا۔ حق کو جھٹلانا وغیرہ۔ اور ان میں سے ہر ایک کے باعث آدمی کی خرابی ظاہر ہے۔ اس کی مذمت میں احادیث و اخبار بے حد ہیں۔

پس ہر ایک اہلِ اسلام پر اپنی حفاظت لازم اور اُن سے پرہیز واجب ہے۔ جو کوئی ان میں سے کسی ایک صفت میں مبتلا ہو تو اسے اس کی خرابی پر غور کرنا چاہیئے۔ اس کی ضد یعنی انصاف و حق پر قائم رہنے کے فوائد کو ملاحظہ کرے۔ انصاف و حق اختیار کرے اور تمام حالتوں میں اس امر کی طرف متوجہ رہے کہ کوئی امر خلافِ حق اس سے ظاہر نہ ہو حتیٰ کہ اس بلا سے نجات پائے اور انصاف کا ملکہ حاصل ہو۔

فصل (۱)

شرافتِ انصاف

واضح ہو کہ طرفداری اور حق کے پوشیدہ کرنے کی ضد انصاف اور حق پر قائم رہنا ہے۔ یہ دو صفاتِ کمالیہ ہیں جن کا مالک دنیا و آخرت میں عزیز و محترم ہے۔ اور خالق اور خلق کے نزدیک مقبول و مکرم۔

حضرتِ پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ بندہ کا ایمان کامل نہیں ہے جب تک کہ یہ تین خصلتیں نہ ہوں :

۱ : باوجود تنگ دستی کے راہِ خدا میں خرچ کرنا۔

۲ : اپنے پر انصاف کرنا۔

۳ : سلام کرنا۔

نیز فرمایا کہ :

" تمام اعمال سے افضل و برتر یہ عمل ہے کہ آدمی اپنے بارے میں انصاف کرے۔"

اور فرمایا کہ :

" مومنِ حقیقی وہ ہے جو اپنے مال سے فقیروں کی غم خواری کرے اور آدمیوں میں انصاف کرے۔"

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو کوئی انصاف کرے

اور حق کہے تو خدا اس کی عزت زیادہ کرتا ہے۔"

یہی حدیث اُن لوگوں کے واسطے — جو بعض توہماتِ فاسدہ کے لحاظ سے حق سے چشم پوشی کرتے ہیں کافی ہے۔

حضرت صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ:

"مَیں اُن چیزوں کی خبر دوں جو سب سے زیادہ خدا نے واجب قرار دی ہیں۔"

چنانچہ اُن چیزوں کا ذکر کرتے ہوئے اوّل آپ نے انصاف کا نام لیا اور فرمایا کہ:

"جو شخص لوگوں کے مقابلہ میں اپنے ساتھ انصاف نہ کر سکے تو وہ دوسروں کے لیے حَکَم نہیں ہو سکتا۔"

نیز فرمایا کہ:

"جب دو شخص نزاع کریں اور ایک شخص اپنے مقابل کے لیے انصاف سے کام لے اور وہ اسے قبول نہ کرے تو یہ دوسرا خود بخود مغلوب ہو جاتا ہے۔"

اکیسویں صفت

قساوتِ قلب کی بُرائی اور نرم دلی کی تعریف

واضح ہو کہ قساوتِ قلب ایک ایسی حالت ہے کہ آدمی اُس چیز سے متاثر نہ ہو جس کے سبب سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اس صفت کا منشاء غلبۂ درندگی ہے۔ بہت سے افعالِ ذمیمہ مثلاً ظلم کرنا، ایذا دینا۔ مظلوموں کی فریاد کو نہ پہنچنا۔ فقیروں اور محتاجوں کی دستگیری نہ کرنا۔ اسی صفت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس صفت کی ضد رحمدلی ہے جس پر آثارِ حسنہ وصفاتِ قدسیہ مترتب ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس صفت کی فضیلت میں بہت سے اخبار وارد ہوئے ہیں۔

حضرت پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اُن بندوں سے جو مہربان ہیں۔ نیکی طلب کرو اُن کی پناہ میں زندگانی کرو۔ بہ تحقیق کہ مَیں نے اپنی رحمت اُن میں قرار دی ہے۔ اخبار واحادیث مذمت میں سخت دلی کے اور تعریف میں نرم دلی کے بے انتہا ہیں۔ اس صفتِ بد کا علاج قساوتِ قلب کا ازالہ رحم دلی کا حصول نہایت مشکل ہے۔

کیونکہ سخت دلی نفس کی ایک ایسی محکم صفت ہے جس کا دور ہونا آسانی سے میسر نہیں ہوتا۔ جو کوئی اس میں مبتلا ہو اس کو چاہیئے کہ اُن اعمال کے نتیجہ پر غور کرے جو قساوتِ قلب پر مترتب ہوتے ہیں اور اُن اعمال کی عادت ڈالے جن سے آثارِ رحمدلی حاصل ہوتے ہیں تاکہ نفس اس کا لائق ہو سکے اور رحمدلی کے حاصل کرنے اور سختیٔ دل کے دُور کرنے میں مستعد رہے۔

چوتھا مقام

وہ صفاتِ رذائل جو قوۂ شہویہ سے متعلق ہیں اُن کے معالجہ کی کیفیت و نیز فضائلِ ملکات اور اُن کے حصول کا طریقہ۔

واضح ہو کہ حدِ اعتدال ان قوتوں کا صفتِ عفّت ہے جس سے تمام صفاتِ کمالیہ متعلق ہیں اور قوّتِ شہویہ کی افراط کا نام شرہ ہے اور تفریط کا نام خمود اور تمام رذائل صفات انہی دونوں جنسوں سے تعلق رکھتے ہیں پس اوّلاً انھیں دونوں جنسوں نیز ان کی ضد (عفّت) کا بیان کیا جاتا ہے اور اس کے بعد اُن صفات کی تشریح کی جائے گی جو ان کے ضمن میں آجاتے ہیں۔ بیانِ مذکورہ دو مطلبوں میں ذکر ہوتا ہے۔

پہلا مطلب

اُن دو صفاتِ خبیثہ کا بیان جو قوّتِ شہویہ سے متعلق ہیں نیز اُن کی ضد کا ذکر تین فصلوں میں کیا جاتا ہے۔

فصل (۱)

مذمّتِ شرہ

واضح ہو کہ شرہ یعنی غلبۂ حرص قوّتِ شہویہ کی زیادتی کا نام ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی ہر چیز مثلاً شکم و زبان و حرصِ مال و جاہ و زینت میں قوّتِ شہویہ کا مطیع ہو اور بہت سے علمائے اخلاق صرف کھانے اور پینے اور جماع سے اسے مخصوص کرتے ہیں۔ پہلے معنی اگرچہ بایں اعتبار کہ یہ صفت تمام رذائل صفاتِ شہویہ کا جو حدِ افراط میں واقع ہو منشاء و مصدر ہوتی ہے انسب ہے۔ لیکن اکثر مقام میں چونکہ دوسرے معنی پر اکتفا کیا گیا ہے میں بھی اسی طریق پر بیان کرتا ہوں۔ کوئی شک نہیں کہ یہ صفت مہلکۂ عظیم ہے۔

اسی وجہ سے سیّدِ کائنات نے فرمایا کہ جو کوئی اپنی خرابی شکم و زبان و جماع سے محفوظ رہے تو وہ تمام خرابیوں سے محفوظ ہے۔

نیز فرمایا کہ میری اُمّت بواسطۂ شکم پرستی اور جماع زیادہ تر داخلِ جہنّم ہو گی۔

واضح ہو کہ جیسا کہ آں حضرتؐ نے خبر دی ہے ان دو چیزوں سے اکثر لوگ ہلاک ہوتے ہیں اور یہ صفات بہائم کے ہیں۔

اسی وجہ سے حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ آدمی نے کسی ظرف کو جو اس کے شکم سے بدتر ہو پُر نہیں کیا۔ آدمی کو زندہ رہنے کے لیے غذا کے چند نوالے کافی ہیں۔ اگر اس پر اکتفا نہ کرے اور زیادہ کھائے تو ثلث پیٹ غذا کے

واسطے ثلث پانی کے لیے اور ثلث آمد و رفتِ نفس کے لیے قرار دے۔

نیز فرمایا کہ اپنے دل کو زیادہ کھانے پینے سے مُردہ نہ کرو۔ کیونکہ دل مانند کھیت کے ہے۔ جب زیادہ پانی دیا جاتا ہے تو مر جاتا ہے۔

نیز فرمایا کہ خدا کے نزدیک تم میں سے بہتر وہ ہے جو زیادہ بھوکا رہے۔ اپنے احوال و صنائع آفریدگار میں فکر کرے اور خدا کے نزدیک وہ زیادہ دشمن ہے جو کہ بہت سوئے بہت کھائے بہت پیئے۔

اور فرمایا کہ خدا کے نزدیک زیادہ تر دشمن وہ لوگ ہیں جو اس قدر کھائیں کہ پیٹ بھر جائے اور بدہضمی ہو۔ جو بندہ غذا کا خواہشمند ہو اور اس کو پُورا نہ کرے تو اس کے لیے بہشت میں درجہ ملتا ہے۔

انھیں حضرتؐ سے مروی ہے کہ دشمن دین وہ ہے جو بزدل زیادہ کھانے والا اور عورتوں کی زیادہ خواہش رکھنے والا ہو۔

نیز اسی جنابؐ سے مروی ہے کہ اسرار ملک اس کے دل میں داخل نہیں ہوتے جس کا پیٹ غذا سے بھرا ہُوا ہو۔

توراۃ میں لکھا ہوا ہے کہ عالمِ فربہ کو خدا دشمن رکھتا ہے کیوں کہ فربہی غفلت و پُرخواری پر دلالت کرتی ہے۔

لقمان نے اپنے فرزند سے کہا کہ اے فرزند! جب معدہ بھر جاتا ہے۔ تو قوت فکر کی پست ہوتی ہے۔ حکمت و دانائی گم ہو جاتی ہے اور اعضاء و جوارح عبادت سے باز رہتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ جس وقت پیٹ بھرا ہُوا ہو تو اشیائے نامرغوب کی زیادتی ہے اور جس کا پیٹ خالی ہو وہ خدا کو بہت یاد کرتا ہے۔ خدا بندہ کو اُس حالت میں دشمن رکھتا ہے جبکہ اُس کا پیٹ بھرا رہے۔

نیز آں حضرت سے مروی ہے کہ آدمی کو اپنی زندگانی کے لیے بغیر غذا کوئی چارہ نہیں ہے لیکن جب کھائے تو کھانے کے لیے ثلث۔ پانی کیلئے ثلث اور آمد و رفتِ نفس کے لیے ثلث شکم کو قرار دے۔ اپنے کو فربہ نہ کرے مانند اُن سوروں کے جن کو کفار ذبح کرنے کے لیے فربہ کرتے ہیں۔ جو کوئی اپنے بدن کو فربہ کرتا ہے وہ اپنی روح کو لاغر کرتا ہے۔

نیز فرمایا کہ کوئی چیز مومن کے دل کو پُرخواری سے زیادہ نقصان پہنچانے والی نہیں۔ زیادہ کھانے سے دو چیزیں پیدا ہوتی ہیں :

۱ : قساوتِ قلب

۲ : ہیجانِ شہوت

اور گرسنگی مومن کی نان خورش روح کی غذا دل کا طعام اور بدن کی صحت ہے۔ کوئی شک نہیں ہے کہ زیادہ تر بیماریاں شکم پرستی سے پیدا ہوتی ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ ہر ایک درد و مرض بدہضمی سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ شکم پرستی سے تمام بیماریاں اور آفتیں اور خواہشات پیدا ہوتی ہیں۔ کیونکہ زیادہ کھانے سے جماع کی خواہش زیادہ ہوتی ہے جس سے تعددِ ازدواج کی طرف انسان مائل ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ کثرتِ عیال و اولاد ہے۔ انسان دنیا کے تعلقات میں مقید ہوتا ہے۔ ہر ایک حلال و حرام کی طرف رجوع کرتا ہے۔ مال و مرتبہ کی خواہش ہوتی ہے تاکہ اہل و عیال کے لیے فراغت کے سامان فراہم ہوں۔ اب اس سے بہت سے شعبہ مثلاً حسد، عداوت، ریا، کبر، تفاخر وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ اگر بندہ اپنے نفس کو گرسنگی سے ذلیل رکھے اور شیطان کا راستہ مسدود کر دے تو دنیا میں مشغول نہیں ہوتا اور ہلاکت کو نہیں پہنچ سکتا۔ اسی

وجہ سے گرسنگی کی فضیلت میں بہت سے اخبار آئے ہیں۔

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ اپنے نفس کے ساتھ گرسنگی و تشنگی سے جہاد کرو۔ کیونکہ اس کا اجر و ثواب مثل اس کے ہے جو راہِ خدا میں جہاد کرتا ہے اور کوئی عمل خدا کے نزدیک گرسنگی و تشنگی سے محبوب تر نہیں ہے۔

فرمایا کہ بہتر وہ لوگ ہیں جو کم کھائیں اور کم ہنسیں اور اپنے لباسِ ضروری پر راضی رہیں۔

فرمایا کہ کم غذا کھانا عبادت ہے اور خدا ملائکہ کے سامنے اس شخص پر فخر و مباہات کرتا ہے جس کی خوراک دنیا میں کم ہو۔

اور فرماتا ہے کہ میرے بندے کو دیکھو۔ میں نے اس کو خور و نوش میں مبتلا کیا ہے اور وہ اسے میری وجہ سے ترک کرتا ہے۔ اب تم گواہ رہو کہ میں غذا کے بدلے جسے وہ میرے لیے ترک کرتا ہے اسے بہشت میں جگہ دُوں گا۔

فرمایا کہ قیامت میں خدا کا مقرب بندہ وہ شخص ہے جو زیادہ گرسنہ و تشنہ رہے اور جو دنیا میں اکثر مبتلائے غم و اندوہ رہا ہو۔ طریقۂ سیّدِ کائنات علیہ افضل الصلوات پر غور کیجیے۔ حضرت کی ایک زوجہ فرماتی ہیں کہ حضرت رسول اللہؐ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا تناول نہیں فرمایا۔ اکثر اوقات حضرتؐ بھوکے رہتے تھے جس کے باعث میرا دل غمگین ہوتا تھا اور عرض کرتی تھی کہ اس قدر خاصہ تو تناول فرمائیے کہ قوت باقی رہے اور بھوک سے ضرر نہ پہنچے۔ اس وقت حضرتؐ فرماتے تھے کہ میرے بھائی پیغمبرانِ اولوالعزم نے اس سے زیادہ بھوک اور پیاس میں صبر کیا ہے۔ انھوں نے اسی حالت میں بسر کی اور دنیا سے گزر گئے۔ پس خدا نے اُن کو بزرگی عطا فرمائی اور ثوابِ بے انتہا دیا۔ میں اپنے کو دیکھتا ہوں اور شرم کرتا ہوں۔ اگر آرام سے گزاروں تو میرا رتبہ اُن سے پست ہوگا۔ پس میرے نزدیک بہ نسبت اس کے کہ کل آخرت

میں بے نصیب ہوں۔ آج سختی اٹھا؛ زر صبر کرنا بہتر ہے۔

مروی ہے کہ ایک روز حضرت فاطمہ علیہا السّلام ایک روٹی اپنے پدرِ بزرگوار کے واسطے لائیں۔

حضرتؐ نے فرمایا: "کیا چیز ہے؟"

عرض کی کہ: "روٹی ہے جس کو میں نے خود تیار کیا ہے۔ مجھ کو بغیر آپ کے تناول کرنا ناگوار ہوا۔"

حضرتؐ نے فرمایا کہ: "خدا کی قسم ہے کہ آج تین روز ہوئے کہ یہ پہلا طعام بہ دست ہوا ہے۔"

فوائد گرسنگی و کم خواری

واضح ہو کہ گرسنگی کے فوائد بے شمار ہیں۔ گرسنگی دل کو نورانی و روشن کرتی ہے صفائی و رقت حاصل ہوتی ہے۔ ذہن کو تیز کرتی ہے۔ اس کے ذریعہ سے آدمی کو لذتِ مناجاتِ پروردگار حاصل ہوتی ہے۔ بھوکا ذکر و عبادت سے خوش ہوتا ہے۔ صاحبانِ فقر و فاقہ پر خدا رحم کرتا ہے۔ بھوکا شخص روزِ قیامت کی بھوک کو یاد کرتا ہے۔ اس کو شکستہ نفسی حاصل ہوتی ہے۔ عبادت و طاعت کی عادت آسان ہو جاتی ہے۔ خواہشِ گناہ کم ہوتی ہے۔ گرسنگی نیند کو جو باعثِ خرابیٔ عمر و سببِ بد بختی طبع و مانعِ نمازِ شب ہے کم کرتی ہے۔ آدمی کو ہلکا اور سبک رکھتی ہے جسم کو صحت دیتی ہے۔ بیماریوں کو دفع کرتی ہے۔ کسی چیز کا فائدہ، فائدۂ گرسنگی کے مقابل نہیں ہو سکتا۔ پس زیادہ کھانے والوں کو لازم ہے کہ اپنا علاج کریں زیادہ کھانے کی مذمت اور گرسنگی کے فوائد میں جو اخبار و آیات ہیں ان کو ملاحظہ کریں۔ طریقۂ انبیاء و مرسلین و ائمۂ دین و علماء کی پیروی کریں۔ غور کیجئے کہ جس کسی کو جو مرتبہ حاصل

ہُوا ہے، بے تکلیفِ گرسنگی کے حاصل نہیں ہُوا۔ گرسنگی پر صبر کرنے کے بغیر خواہشات وملکاتِ خبیثہ سے چھٹکارا میسر نہیں ہوتا۔ پستیٔ ماکولات اوران کے مادہ پر غور کیجئے کہ آیا شرکت ومشابہت ملائکہ سے بہتر ہے یا بہائم وحیوانات سے۔ کیونکہ زیادہ کھانا چارپایوں کا شیوہ ہے اور وہ سوائے پیٹ بھرنے کے کچھ نہیں جانتے۔

چہ انساں نداند بجز خورد وخواب
کدامش فضیلت بود بر دواب

شکم پرستی سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان پر تامل کیجئے۔ ذلت وخواری و حمق وکند ذہنی اور قسم قسم کے امراض لاحق ہوتے ہیں۔ جس روز نہ ملے اس روز تکلیف ہوتی ہے۔ ہر وقت پیٹ بھرنے سے کیا فضیلت ہے۔ بیت الخلاء میں جاکر اس کو خالی کرتے ہیں اور پھر بھرتے ہیں۔ اپنی عمر کو جو مایۂ تحصیلِ سعادت ہے اس طرح صرف کی جاتی ہے پس کھانے کی زیادتی ترک کیجئے۔ چارپایوں کی شرکت سے باز رہنا چاہیئے حتیٰ کہ گرسنگی کی عادت ہوجائے۔ یہاں تک تو اکل وشرب کا بیان تھا۔ اب آئیے زیادتیٔ جماع کی طرف۔

مذمّتِ کثرتِ جماع

واضح ہو کہ جماع فی نفسہٖ ایک امرِ قبیح ہے اور عقلمندوں کی نظر میں قابلِ اعراض وانکار عقل جو مملکتِ بدن کی حکم فرما ہے اس کے ذریعہ سے بدحال وخراب ہوتی ہے۔ قوّۂ عاقلہ جو تمام قوتوں اور حواس کی مخدوم ہے۔ خادم ومغلوب ہوجاتی ہے۔ انجامِ کار انسان کی ہمت عورتوں اور لونڈیوں کی طرف مائل ہوجاتی ہے۔ جو طریقۂ سلوکِ آخرت سے دور ہے۔ بلکہ اکثر اوقات یہ قوت اس قدر غالب ہوتی ہے کہ دین کی قوت کو مضمحل اور خدا کے خوف کو دل سے زائل کرکے آدمی کو کارِ بد کی طرف

مائل کر دیتی ہے۔ اگر کسی کی قوتِ واہمہ غالب ہو تو یہ قوتِ شہوت عشقِ بہیمی کی طرف منجر ہو جاتی ہے۔ یہ بھی دل کی بیماریوں سے ایک بیماری ہے جو خدا کی محبت سے خالی اور بلند ہمتی سے بری ہے جو کوئی اپنا دشمن نہ ہو تو اس کو لازم ہے کہ زیادتیٔ شہوت سے جو فکر و نظر کرنے سے ہوتی ہے اپنی حفاظت اور پرہیز کرے۔ کیونکہ قوتِ شہویہ کے جوش میں آنے کے بعد اس کی حفاظت کرنا سخت مشکل ہے اور یہ امر شہوت ہی سے خصوصیت نہیں رکھتا۔ بلکہ ہر امرِ باطل کی محبت مثلاً جاہ۔ مال۔ اہل و عیال سے بھی متعلق ہے۔ اگر شروع میں آدمی ان سے دُوری کا خیال رکھے تو اس کے دفعیہ میں نہایت سہولت و آسانی ہوتی ہے اور اگر پہلے سے متوجہ نہ ہو اور شہوت کا غلبہ ہو جائے تو پھر اس کی حفاظت کرنی مشکل ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال اُس شخص کے مانند ہے جس نے گھوڑے کی باگ اپنے ہاتھ میں لی ہو۔ وہ گھوڑا چاہتا ہے کہ کسی مکان میں داخل ہو تو باگ کے ذریعہ سے اس کو آسانی سے روک سکتا ہے۔ لیکن جس نے شروع میں حفاظت نہ کی۔ مثل اس کے ہے کہ گھوڑے کو ہانکے تاکہ کسی مکان میں داخل ہو پھر دُم کو پیچھے سے پکڑے اور باہر کھینچے۔ شروع میں تھوڑی التفات سے روک ہو سکتی ہے۔ آخر میں جانکاہی سے بھی میسر نہیں ہوتی۔ جو کوئی اپنی نجات کا طالب ہو اس کو ابتداء میں احتیاط کرنا چاہیئے کہ اس کے نتیجہ میں مبتلا نہ ہو۔ وہ لوگ احمق ہیں، جو باوجود قوتِ قوائے شہویہ پھر غذائے لطیف و معجونِ مقوی باہ کھاتے ہیں تاکہ کثرت سے جماع کریں، حالانکہ زیادتیٔ جماع سے کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہوتا۔ تجربہ ہوا ہے کہ جو کوئی شہوت کا مطیع ہوتا ہے۔ عورتوں سے نکاح کرتا ہے۔ غذائے مقوی و معجونِ مشتہی کھا کر زیادتیٔ شہوت کی کوشش کرتا ہے۔ آخر بالضرور وہ لاغر و نحیف اکثر اوقات مریض و ضعیف و کم عمر ہوتا ہے۔ اکثر اس کے دماغ میں خلل اور اُس کی عقل خراب ہوتی ہے۔

اس زیادتیٔ شہوت کو اُس حاکم ظالم سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ جس کو بادشاہ مطلق العنان کر دے اس کو ظلم سے منع نہ کرے اور وہ آہستہ آہستہ رعایا کے اموال کو چھین کر فقر و فاقہ میں مبتلا کر دے تاکہ وہ تمام ایک دم ہلاک ہوں یا مملکتِ بادشاہ سے جدا ہو کر مملکت کو ویران چھوڑ دیں۔ جب اس طرح بادشاہِ عقل قوتِ شہوت کو مملکتِ بدن پر قبضہ دے دے۔ اس کو حدِ اعتدال پر نہ رکھے تو یہ تمام مادۂ نیک کو جو غذا سے حاصل ہو کر تمام اعضاء میں تقسیم اور بدلِ ما یتحلل ہونے کے قابل تھا۔ اپنے تصرّف میں لا کر منی بنا دیتی ہے اور تمام اعضاء بغیر غذا کے رہ جاتے ہیں۔ ان میں رفتہ رفتہ ضعف پیدا ہوتا ہے۔ بدن کے اجزا گھٹ جاتے ہیں۔ چونکہ یہ زیادتیٔ شہوت باعثِ ہلاکتِ دین و دنیا ہے۔ اس لیے اس کی مذمّت میں اخبار بہت آئے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ شدّتِ شبق کے وقت دو ثلث عقل جاتی رہتی ہے۔

قولِ خدا تعالیٰ :

وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ

کی تفسیر میں وارد ہُوا ہے یعنی شر سے ذَکر کے جس وقت اُٹھے یا داخل ہو۔

حضرتِ رسولؐ نے فرمایا کہ خدا نے کسی پیغمبر کو مبعوث نہیں کیا مگر یہ کہ شیطان کو اُمید ہوئی کہ اس کو عورتوں کے خیالات میں ڈالے اور ہلاک کرے جس قدر کہ مَیں عورت سے ڈرتا ہُوں کسی چیز سے نہیں ڈرتا ہُوں۔

فرمایا کہ دنیا اور عورتوں کے فتنہ سے پرہیز کرو۔ پہلے فتنہ بنی اسرائیل کا عورتوں کے واسطے سے تھا۔

مروی ہے کہ شیطان نے کہا کہ میرا آدھا لشکر عورتیں ہیں۔ وہ میرے

نزدیک مثل تیر کے ہیں جس جگہ پھینکتا ہوں خطا نہیں ہوتا۔ عورت میری محرمِ اسرار اور میری حاجتوں کو پورا کرنے والی ہے۔

کوئی شک نہیں ہے کہ اگر خواہش عورتوں کی نہ ہوتی تو عورتیں مردوں پر غلبہ نہ پاتیں۔ پس اس خواہش کی زیادتی فرزندانِ آدم کو ہلاک کرتی ہے۔ ہاں کہیں آپ یہ خیال نہ کریں کہ پیغمبر خداؐ نے زیادہ عورتوں سے نکاح فرمایا۔ اگر تمام دنیا بھی آن سے متعلق ہوتی تو بھی وہ ایک گھڑی اپنے دل کو مشغول نہ فرماتے اور کسی لحظہ ان کی فکر میں مبتلا نہ ہوتے کیونکہ اس قدر آتشِ شوق و محبتِ خدا سینۂ مبارک میں روشن تھی کہ اگر کبھی کبھی اس پر پانی نہ ڈالا جاتا تو آپ کا دل جل جاتا۔ جسمِ مبارک میں سرایت کرتا تمام اجزاء ایک دوسرے سے جدا ہوتے۔ آپ کا حصۂ تجرد اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اگر خار و خسِ مادیات آپ کے دامن کو نہ لگتے تو ایک بار عالمِ مادیات سے علیحدہ ہوتے اور طائرِ روح عالمِ قدس کی طرف پرواز کر جاتا۔ اسی وجہ سے اس جناب نے متعدد عورتوں سے نکاح فرما کر اپنے نفسِ مقدس کو آن کے ساتھ مشغول فرمایا کہ کسی قدر دنیا کی طرف ملتفت ہوں اور زیادتیٔ شوق کے باعث آپ کی روحِ مقدس مفارقت نہ کر جائے۔ یہی سبب تھا کہ جس وقت خدا کے شوق میں غشی طاری ہوتی تھی اور بادۂ محبت سے سرشار ہوتے تھے تو دستِ مبارک حضرت عائشہؓ کے زانو پر مارتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے عائشہؓ! مجھ سے بات کر، مجھ کو دنیا میں مشغول کر۔

یہی وجہ تھی کہ بعض زوجہ آں جنابؐ کی نہایت شقاوت رکھتی تھیں کہ بسببِ کثرتِ شقاوت آن کی دنیویت غالب ہو جو فی الجملہ آں حضرتؐ کے حصۂ قدسیہ کی برابری کر سکے۔ آپ کی روح کو دنیا کی طرف مائل کر دے۔

پس وہ جب حضرتؐ کو اپنی طرف مشغول کرتیں تو وہ حضرتؐ کسی قدر اس عالم کی طرف التفات فرماتے۔ چونکہ آں حضرتؐ کی جبلیت محبتِ پروردگار سے متعلق تھی اور التفاتِ خلق عارضی تھا۔ بلحاظِ بقائے حیات التفات فرماتے اور جس وقت ان کی صحبت و ہم نشینی طوُل کھینچتی تو دل تنگ ہوتے قرار نہ ہوتا اور فرماتے :

أَرِحْنَا يَا بِلَالُ

اے بلال! اذان دے اور مجھ کو شغلِ دنیا سے علیحدہ کر کے راحت میں ڈال دے۔

معالجۂ زیادتیٔ شہوت

واضح ہو کہ زیادتیٔ شہوت کا علاج یہ ہے کہ قوتِ شہوت کو گرسنگی سے ضعیف کیا جائے اور جن چیزوں سے شہوت جوش میں آتی ہے مثلاً عورتوں کا خیال، ان کا تصور، اُن سے باتیں کرنا، خلوت کرنا، اُن کو دیکھنا۔ ان چیزوں سے پرہیز کیا جائے۔ کیونکہ جوشِ شہوت کے یہی چار اسباب قوی ہیں اور ان چاروں میں سے دیکھنے اور خلوت کرنے کی تاثیر زیادہ ہے۔

اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے فرمایا :

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ

مومنوں کو حکم کرو کہ اپنی آنکھوں کو بند کریں۔"

حضرتِ رسولؐ نے فرمایا کہ نظر کرنا شیطان کے تیروں سے ایک تیر زہر آلود ہے۔ جو کوئی اپنے کو اُس سے بوجہ خوفِ خدا بچائے تو خدا اُس کو وہ ایمان

عطا فرماتا ہے جس کی حلاوت اس کے دل کو حاصل ہوتی ہے۔

یحییٰ بن ذکریاؒ سے پوچھا گیا کہ :

" ابتدائے زنا اور اس کا نشا کیا ہے ؟"

انھوں نے کہا کہ :

" نگاہ و آرزو کرنا یعنی خیال و تصور کرنا۔"

حضرتِ داؤدؑ نے اپنے فرزند سے کہا کہ اے فرزند! عقب میں شیر کے، تو چل لیکن عقب میں عورت کے راستہ نہ چل۔

ابلیس لعین نے کہا کہ نگاہ کرنا میری کمانِ قدیم ہے اور وہ ایک تیر ہے کہ ہرگز خطا نہیں کرتا۔

چونکہ نظر کرنا باعثِ ہیجانِ شہوت ہوتا ہے اس لیے شرع نے ہر ایک مرد و عورت کا ایک دوسرے پر نظر کرنا اور ایک دوسرے کی باتوں کی آواز کا سُننا سوائے حالتِ ضرورت کے حرام کیا ہے۔ ایسا ہی مردوں کا جوان لڑکوں پر از روئے شہوت نظر کرنا حرام ہے۔ اسی وجہ سے بزرگانِ دین جوان لڑکوں پر نظر کرنے سے پرہیز کرتے تھے۔ اسی سبب سے بادشاہانِ اسلام و حکامِ دیندار و علماء کا شہروں میں یہ حکم نافذ تھا کہ بغیر حاجت اور ضرورت کے عورتیں کوچہ و بازار و عیدگاہ و مساجد میں جب کہ مردوں پر نظر کرنے سے فتنہ و فساد کا گمان ہو تو آمد و رفت نہ رکھیں۔ پس جو کوئی اپنے دین و دنیا کی حفاظت چاہتا ہے تو اسے نامحرموں کو دیکھنے اور عورتوں سے گفتگو و خلوت کرنے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

فصل (۲)

مذمّتِ خمُود و فوائدِ نکاح

واضح ہو کہ خمُود یعنی کمیٔ قوّتِ شہوت سے یہ مراد ہے کہ قوّتِ شہوت کی بقدرِ ضرورت حاصل کرنے میں کوتاہی ہو اور نکاح کرنے میں اس قدر سُستی کی جائے کہ قوت شہوت برطرف ہو اور عیال ضائع و نسل قطع ہو۔ کوئی شک نہیں کہ یہ امر شرعاً مذموم و ناپسندیدہ ہے۔ کیونکہ حصولِ معرفتِ پروردگار و عبادتِ آفریدگار اور اکتسابِ فضائل و دفعِ رذائل قوّتِ بدن و صحتِ تن پر موقوف ہے۔ پس بدن کی ایسی غذا میں کوتاہی کرنا جس سے قوّت کی حفاظت ہو اور حصولِ سعادت سے نکاح میں دیری کرنا بہت سے فوائد سے محروم کرتا ہے۔ کیونکہ خداوند عالم نے اس قوّت کو بنی آدم پر مسلّط کیا ہے کہ نسل باقی رہے۔ اس سلسلہ کا وجود ہمیشہ ہو۔ پس جس نے اُس کو مہمل چھوڑا اور نکاح نہ کیا تو اس قوّت کے ثمرہ کو ضائع کیا اور بقائے نسل کے بہت سے فوائد سے محروم ہُوا۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ بقائے نسلِ انسان اور زیادتیٔ بندگانِ خدا ارادۂ الٰہی کے موافق ہے۔ نیز مرنے کے بعد فرزند صالح کی دعا ایک نعمت اور برکت ہے۔ کم سن بچے جو اپنے ماں باپ کے سامنے مر جاتے ہیں وہ ماں باپ کی شفاعت کرتے ہیں۔ ان فوائد کے علاوہ یہ بھی دیکھنا ہے کہ جو رشتہ حضرتِ آدم ابوالبشر سے متصل ہے اس کو قطع کرنا اور اس کو دُوسرے کے سپرد نہ کرنا کس قدر بُرا ہے۔ نیز نکاح و تزویج کے فوائد بہت ہیں۔ منجملہ اُن کے یہ ہے کہ اس ذریعہ سے شرِ شیطان سے حفاظت

ہوتی ہے۔ شہوت کا ہیجان کم ہوتا ہے۔ گھر کی درستی اور اسباب خانہ داری کی حفاظت سے نجات ملتی ہے کیونکہ یہی چیزیں ہیں جن میں مشغول رہنا آدمی کو تحصیلِ علم و عمل سے باز رکھتا ہے۔

اسی وجہ سے سیدِ رسل نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کو زبان ذکر کرنے والی اور دل شکر کرنے والا اور عورت پارسا رکھنا چاہیئے۔

نیز فوائدِ تزویج و نکاح میں سے یہ امور ہیں کہ آدمی اس کے سبب سے زحمت و رنج اٹھاتا ہے۔ ضروریات و اصلاحِ اہل و عیال اور تحصیل مالِ حلال میں کوشش کرتا ہے۔ اولاد کی تربیت میں مشغول ہوتا ہے۔ عورتوں کی بداخلاقی و بدخوئی پر صبر کرتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے لیے فضیلت بیحد اور ثواب بے انتہا ہے۔

اسی وجہ سے سردارِ عرب و عجم نے فرمایا کہ جو تحصیل نفقہ عیال میں تکلیف اٹھائے وہ مانند اس کے ہے کہ خدا کی راہ میں جہاد کرے۔

نیز فرمایا کہ جس کی نماز نیک جس کے عیال بہت جس کا مال کم ہو اور مسلمانوں کی غیبت نہ کرے تو وہ بہشت میں امن کے ساتھ رہے گا۔ مثل میری ان انگلیوں کے جو ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔

فرمایا کہ بعض گناہ ہیں کہ سوائے زحمتِ حصولِ معیشت کے ان کا کوئی کفارہ نہیں ہو سکتا۔

فرمایا کہ جس کی تین لڑکیاں ہوں ان کو نفقہ دے اُن پر احسان کرے۔ یہاں تک کہ وہ باپ کی تربیت سے مستغنی ہوں تو خدائے تعالیٰ اُس پر بہشت واجب کرتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ شہوت کا سرد ہونا اور نکاح کا ترک کرنا تمام فوائد سے محروم کرتا ہے۔

آفاتِ نکاح

واضح ہو کہ جو فوائد نکاح کے ہیں ان کے مقابل میں آفتیں اور بلائیں بھی بہت ہیں جیسا کہ احتیاجِ مال اور مشقتِ تحصیلِ مالِ حلال اور عورتوں کے حقوق میں خصوصاً ایک سے زیادہ ہونے کی صورت میں کوتاہی کرنا ان کے اخلاق و بدخوئی و ایذا دینے پر صبر کرنا ضروریاتِ مایحتاج کے سبب سے پریشانیٔ خاطر وغیرہ اسی وجہ سے اکثر اوقات صاحبانِ عیال دنیا میں پھنس کر خدا کی یاد سے غافل ہو جاتے ہیں اور جس کام کے واسطے پیدا کیے گئے ہیں اس سے باز رہتے ہیں۔ پس ہر کسی کو سزاوار یہ ہے کہ اپنے نفس کے لیے خود مجتہد ہو۔ اپنے احوال کا ملاحظہ کرے۔ جو فوائد اور خرابیاں بیان کی گئی ہیں۔ ان کو دیکھے کہ اس کے حق میں کونسا پہلو بہتر ہے۔ پس اسی کو اختیار کرے۔ لیکن افسوس جب تک کہ آدمی مبتلا نہیں ہوتا ہے اس کی خرابی کو معلوم نہیں کر سکتا اور جب اس میں گرفتار ہو گیا تو پھر کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔

فصل (۳)

فوائدِ عفّت وطریقہ اعتدالِ اکل وجماع

واضح ہو کہ قوّتِ شہویہ کی یہ دونوں جنسیں جن کا بیان کیا گیا اُن کی ضد عفّت ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قوّتِ شہوت ہر امر میں خصوصاً کھانے پینے اور نکاح وجماع میں قوّتِ عاقلہ کی فرمانبردار ہو۔ یہ ایک حدِ اعتدال ہے۔ جو شرعاً وعقلاً بہتر ہے۔ اُس کی کمی وزیادتی مذموم وناپسندیدہ ہے۔ پس ہرگز یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ گرسنگی کی فضیلت جو بیان کی گئی ہے تو اس میں افراط کرنا بھی ممدوح ہوگا۔ ہرگز ایسا نہیں۔ اس لیے کہ غرض خلقتِ انسان بندگی ہے جو قوّت وخوشش طبعی پر موقوف ہے اور گرسنگی ان چیزوں کو باطل کرنے والی ہے۔ پس گرسنگی سے اس قدر کمئ غذا مراد لی گئی ہے جو آدمی پر گراں نہ گزرے اور انسان کو غلبۂ حیوانیت سے بچائے۔ یعنی طلبِ غذا میں منہمک نہ ہو۔ نہ اس درجہ کہ قوّت زائل ہو اور مزاج کو خراب کردے۔ کیونکہ ایسی گرسنگی حدِ اعتدال سے خارج اور مقصودِ شارع کے خلاف ہے۔ واضح ہو کہ عفّت کی مدح میں بہت سے اخبار وارد ہوئے ہیں۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ افضلِ عبادات عفّت ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی عبادت عفّتِ شکم اور فرج سے افضل نہیں ہے۔

اس کے اعتدال کی نسبت جو اشارہ کیا گیا ہے وہ غذا کے متعلق ہے کہ

اس قدر کھائے کہ نہ گرانیٔ معدہ محسوس ہو نہ الم گرسنگی۔ کیونکہ کھانے کا مقصد زندگی و قوتِ عبادت ہے اور گرانیٔ طعام آدمی کو سُست کرتی ہے اور عبادت کی مانع ہوتی ہے۔ نیز المِ گرسنگی دل کو پریشان کرتا ہے اور کام سے باز رکھتا ہے۔ پس سزاوار یہ ہے کہ اس قدر کھانا کھائے کہ کھانے کا اثر اس میں پیدا نہ ہو تاکہ وہ ملائکہ کے مشابہ ہو کیونکہ وہ نہ گرانیٔ معدہ سے متاثر ہیں نہ المِ گرسنگی سے۔

اسی وجہ سے حق سُبحانہٗ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا

یعنی : "کھاؤ، پیو اور اس میں اسراف نہ کرو۔"

واضح ہو کہ مقدارِ غذا حسبِ اشخاص و احوال مختلف صورتیں رکھتی ہیں۔ لیکن اس کا معیار یہ ہے کہ جب تک پوری خواہش نہ ہو کھانا نہ کھائے اور جب کھانے کی کسی قدر خواہش باقی ہو تو غذا سے ہاتھ کھینچ لے۔ کھانا کھانے کی غرض حصولِ لذّت نہ ہو بلکہ عبادتِ خدا کے لیے قوت کا حاصل کرنا مقصود ہو۔ انواع و اقسام کے کھانے نہ کھائے۔ بلکہ صرف روٹی خواہ وہ گیہوں کی ہو یا جَو کی، کسی ایک پر اکتفا کرے۔ ہمیشہ گوشت کھانے کی عادت نہ کرے اور یک لخت اس کو ترک بھی نہ کر دے۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ جو کوئی چالیس روز تک گوشت ترک کر دیتا ہے تو اس کی خصلت خراب ہوتی ہے۔ جو کوئی چالیس روز تک برابر گوشت کھاتا ہے تو وہ سنگدل ہو جاتا ہے اور حدِّ اعتدالِ غذا یہ ہے کہ رات دن میں ایک دفعہ کھانا کھائے۔ اور بہتر یہ ہے کہ وقتِ سحر نمازِ شب سے فارغ ہونے کے بعد کھانا کھائے یا عشاء کی نماز کے بعد کھائے اور یہ نہیں ہو سکتا تو دو دفعہ ایک صبح، دوسرے عشاء کے وقت کھائے۔ کھانا کھانے کے وقت بسم اللہ کہے اس کے بعد خدا کا

شکر بجا لائے۔ شروع میں اور آخر میں ہاتھ دھوئے۔

حدیث میں وارد ہوا ہے کہ شروع میں ہاتھ دھونا فقر کو زائل کرتا ہے۔ کھانا کھانے کی ابتدا و انتہا نمک سے کی جائے۔ نیز اور بھی آداب ہیں جو احادیث میں موجود ہیں۔ اہلِ معرفت نے گرسنگی کی بہت ترغیب دلائی ہے اور تصریح کی ہے کہ اسرارِ الٰہیہ کا کھولا جانا اور مراتبِ عظیمہ پر پہنچنا گرسنگی پر موقوف رکھا گیا ہے۔ چند حکایتیں بھی گرسنگی پر صبر کرنے کے باب میں نقل ہوئی ہیں اور بعض کے ذکر میں لکھا ہے کہ انھوں نے ایک ماہ یا دو ماہ یا ایک سال تک کھانا نہیں کھایا۔ لیکن یہ ایک ایسا حکم ہے جو احادیث کے مفہوم سے جدا ہے۔ اگر یہ بہتر بھی ہو تو کسی خاص گروہ کے لیے ہوگا۔ ہر شخص اس کا مکلف نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر نفس کی سرکشی حد سے زیادہ گزر چکی ہو اور اصلاح شدتِ گرسنگی پر ہی موقوف ہو تو پھر سوائے اس کے چارہ نہیں ہے۔ اب رہا جماع۔ اس کی اعتدال یہ ہے کہ اس مقدار پر انسان کو کفایت کرے جس سے نسل منقطع نہ ہو۔ وسوسۂ شیطان سے فارغ ہو جائے اور خطراتِ شہوت اس کے دل سے نکل جائیں اور ضعفِ بدن اور اختلالِ دین کی طرف منجر نہ ہو۔

دُوسرا مطلب : ان صفات کے بیان میں جو قوتِ شہویہ سے متعلق ہیں اور ہر دو جنس مذکورہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

پہلی صفت : دُنیا کی محبّت

جس میں گیارہ فصلیں ہیں :

فصل (۱)

دنیائے مذمُوم کی حقیقت

واضح ہو کہ دنیا فی نفسہ ایک حقیقت رکھتی ہے اور حقیقتِ دُنیا خود زمین ہے۔ نیز وہ تمام چیزیں جو روئے زمین پر موجُود ہیں ؛ زمین سے مراد املاک و باغات و مکانات وغیرہ ہیں اور اشیائے روئے زمین معدنیات اور حیوانات اور نباتات ہیں۔ معدنیات کو انسان اپنے کاروبار کے آلات کے لیے حاصل کرتا ہے جیسے لوہے اور تانبے وغیرہ کو یا داد و ستد کے لیے جیسے سونا چاندی وغیرہ اور نباتات کا حصول اغلب اوقات غذا و دوا و لباس کے واسطے ہے۔

اب رہے حیوانات ان کی تحصیل یا تو خدمت گاری اور کارفرمائی کے لیے ہوتی ہے۔ جیسے اسپ و استر و غلام و کنیز یا لذت کے لیے جیسی حسین عورتیں یا ان سے امداد و تقویت حاصل کرنے کے واسطے یا ان کے قلوب کی تسخیر کی خاطر

بس یہی چیزیں ہیں جن سے دُنیا عبارت ہے۔
چنانچہ آیۂ ذیل میں ان کو جمع فرمایا ہے:

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔

یعنی: "خواہشاتِ نسوانی اولاد۔ سونے چاندی کے ڈھیر گھوڑے، چار پائے، زراعت ان سب کی محبت انسانوں کے لیے مزیّن کی گئی ہے پس یہی چیزیں متاعِ حیاتِ دُنیا ہیں۔"

ان سب کی محبت رذائلِ قوۂ شہویہ سے متعلق ہے مگر محبت تسخیرِ قلوب و غلبہ قوۂ غضبیہ سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ تو خود دنیا کی حقیقت تھی۔ اب بندوں کے حق میں مرنے سے پہلے جس چیز سے ان کا تعلق ہو اور جس چیز سے وہ لذّت حاصل کریں۔ وہی حقیقتِ دنیا ہے اور اُس چیز سے انسان کو دو قسم کا تعلق ہے:

- ایک تعلقِ قلبی جسے محبت کہتے ہیں۔
- دوسرا تعلقِ جسمانی یعنی حصولِ لذّت کی خاطر اس چیز کی اصلاح و تربیت میں مشغول ہونا۔

پس یہی محبتِ قلبی و تعلقِ جسمانی و لذّتِ نفسانی بندے کے حق میں حقیقتِ دنیا ہے نہ خود وہ چیز جس سے یہ محبت کرتا ہے۔ ہاں یہ بھی خیال نہ کرنا چاہیئے کہ مرنے سے قبل جس چیز سے انسان محبت رکھے وہ سب کی سب مذموم ہیں، ہرگز نہیں

کیونکہ آدمی کو اس عالم میں جن چیزوں کی خواہش ہوتی ہے وہ دو قسم پر ہیں :

ایک وہ کہ جن کا فائدہ مرنے کے بعد ملتا ہے اور ان کے حاصل کرنے کی غرض اور ان کے اثر و نتیجہ کی خواہش عالمِ آخرت میں ہوتی ہے. مثلاً علمِ نافع و عملِ صالح انسان ان سے بھی لذت اٹھاتا ہے. بلکہ بسا اوقات اس کے نزدیک یہ شے تمام چیزوں سے لذیذ و محبوب ہوتی ہے. اگرچہ ان چیزوں کا حصول اور ان سے لذت اٹھانا دنیا میں ہوتا ہے لیکن یہ دنیائے مذموم نہیں ہے کیونکہ اس کا عمدہ اثر آخرت میں ملتا ہے اور چونکہ ان کا حصول دنیا میں ہوتا ہے اس لیے ان کو دنیا میں شمار کرتے ہیں۔

اسی سبب سے پیغمبر صلعم نے نماز کو دنیا میں سے سمجھا ہے اور فرمایا ہے کہ :

حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلٰثٌ اَلطِّیْبُ وَالنِّسَاءُ وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ۔

تمہاری دنیا سے تین چیزیں مجھ کو محبوب ہیں :

۱ : بوئے خوش ۔

۲ : عورتیں۔

۳ : نماز میری آنکھ کی روشنی ہے ۔

باوجود اس کے کہ نماز اعمالِ آخرت سے ہے لیکن حضرتؐ نے اُسے دنیا میں شمار فرمایا ہے۔ پس دنیائے مذموم وہ لذت ہے جو آخرت میں دوسری لذت کا ذریعہ نہیں ہے۔ مگر گناہوں سے لطف اٹھانا اور زائد از ضرورت مباحات سے متنعم ہونا. لیکن دنیا سے اس قدر حاصل کرنا جو بقائے حیات و معاشِ عیال اور حفظِ آبرو کے لیے ضروری ہو وہ عملِ صالح و عبادتِ حسنہ ہے جیسا کہ احادیث میں

اس کی صراحت کی گئی ہے۔

حضرتِ رسول صلعم سے مروی ہے کہ عبادت کے ستّر جزو ہیں۔ اُن میں سب سے افضل طلبِ روزئ حلال ہے۔

نیز آنحضرت صلعم سے مروی ہے کہ وہ شخص ملعون ہے جو اپنی کُل ضروریات اور بوجھ کو دوسروں پر رکھے۔

حضرت سیّد سجاد علیہ السّلام سے مروی ہے کہ دنیا دو قسم پر ہے :

۱ : وہ دنیا جو بقدرِ کفایت و ضرورت حاصل کی جائے۔

۲ : وہ دنیا جو ملعون ہے۔

جناب امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ جو کوئی اپنی فراغتی و وسعتِ عیال اور ہمسایوں پر احسان کرنے کے لیے دنیا میں روزی طلب کرے تو وہ خدائے عزّ و جل سے اُس حالت میں ملاقات کرے گا جب کہ اس کا مُنہ مثل چودھویں رات کے چاند کے روشن ہوگا۔

حضرت صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جو کوئی عیال کے لیے روزی میں کوشش کرتا ہے تو گویا وہ راہِ خدا میں جہاد کرتا ہے۔ بہ تحقیق کہ جو کوئی طلبِ روزی میں غربت و سفر اختیار کرتا ہے۔ خدا اُس کو دوست رکھتا ہے۔

نیز فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو دنیا کو بسبب آخرت کے بسبب دنیا کے آخرت کو ترک کردے۔

انھیں حضرتؑ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ مَیں دنیا کو طلب کرتا ہوں اور دوست رکھتا ہوں کہ میری طرف متوجہ ہو۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ تیری اس سے کیا غرض ہے۔

اُس نے عرض کیا کہ مَیں اور میرے عیال اُس سے فائدہ اٹھائیں۔ صلۂ رحم

بجا لائیں۔ تصدق کریں۔ حج و عمرہ عمل میں لائیں۔

فرمایا کہ یہ دنیا کی طلب نہیں ہے بلکہ طلب آخرت ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ایک وقت زراعت کا کام کرتے تھے۔ اس طرح پر کہ قدمِ مبارک آپ کے پسینے میں بھر گئے تھے۔

ایک شخص نے عرض کیا آپ کے کام کرنے والے کہاں ہیں کہ آپ خود کام کرتے ہیں۔

فرمایا کہ زمین پر بیلداری انھوں نے کی ہے جو مجھ سے اور میرے باپ سے بہتر تھے۔

عرض کیا کہ کون اشخاص ہیں۔

فرمایا کہ رسول اللہ اور امیر المومنین علیہ السلام اور تمام میرے اجدادِ بزرگوار نے اپنے ہاتھ سے کام کیا ہے اور زراعت کی ہے۔ یہ عمل انبیاء و مرسلین و اوصیا و صالحین کا ہے۔

اس مضمون میں اخبار بہت سے ہیں۔ پس زیادتیٔ رزق و توسیع نفقۂ عیال و صرف راہِ خدا کے لیے کوئی کام کرنا دنیائے ممدوح میں سے ہے بلکہ ہر مومن کو لازم ہے کہ طریقۂ کسبِ حلال پیدا کرکے اس سے اپنی ضروریات کو حاصل کرے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے حضرتِ داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ وہ نیک بندہ ہے جس کی روزی بیت المال سے مقرر نہ ہو اور اپنے ہاتھ سے کوئی شغل کرے۔ پس حضرتِ داؤد علیہ السلام نے چالیس روز رات دن گریہ کیا۔ خدا تعالیٰ نے ان کے لیے لوہے کو نرم کیا۔ ہر روز ایک زرہ تیار کرتے تھے ہزار درہم کو فروخت کرتے تھے یہاں تک کہ بیت المال سے مستغنی ہوئے۔

حضرت صادق علیہ السلام سے عرض کیا گیا کہ ایک مرد کہتا ہے کہ میں گھر میں بیٹھتا ہوں۔ نماز اور روزہ بجا لاتا ہوں۔ عبادت پروردگار کی کرتا ہوں۔ روزی مجھ کو ضرور ملے گی۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ :

• منجملہ اُن تین آدمیوں کے یہ ایک شخص ہے جن کی دعا مستجاب نہیں ہوتی :

اِن اخبار سے پایا جاتا ہے کہ ہر ایک مومن کو سزاوار ہے کہ راہِ کسبِ حلال و طیّب پیدا کرے۔ اسی کا نام حرّیت اور آزادی ہے۔ کیونکہ علمائے اخلاق کے نزدیک آزادی کے دو معنی ہیں :

ایک تو یہی جن کا ذکر ہُوا۔

دوسرے ہوا و ہوس سے رہائی اور بندگی قوّتِ شہویہ سے خلاصی۔

جس کا نام عفّت ہے اس کی ضد بندگیٔ ہوا و ہوس ہے جو قوّتِ شہویہ کی زیادتی سے متعلق ہے اور امرِ اوّل یعنی طریقۂ کسبِ حلال کی رقیّت و بندگی بمعنی اخص ہے۔ یعنی لوگوں کا دست نگر ہونا، ان کے مال پر نگاہ کرنا اور اپنی اور اپنے عیال کی روزی لوگوں کے حوالے کرنا خواہ بطریقِ حرام مثل ظلم و تعدی و غصب و دزدی یا خیانت یا غیر حرام مثلاً صدقہ لینا اور مالِ مردم کو فضول حاصل کرنا بلکہ مطلقاً کوئی چیز لوگوں سے لینا۔ آزادیٔ نفس کو زائل اور آدمی کو گروہِ احرار سے خارج کر دیتا ہے اور کوئی شک نہیں کہ بندگی و رقیّت بایں معنی صفاتِ مذمومہ و حالاتِ خبیثہ میں سے ہے۔ کیونکہ اس کی ایک قسم یعنی بطریقِ حرام لوگوں کا مال حاصل کرنا علاوہ اس کے کہ موجبِ عذابِ اُخروی ہے۔ ایک قسم کی گدائی ہے جو بے شرمی اور بے حیائی کے ساتھ جمع ہوئی ہے اور ذلّت و پستی پر مشتمل ہے۔ بے شک اس سے زیادہ کونسی ذلّت اور پستی ہو سکتی ہے کہ انسان کسی فقیر اور بے نوا پر ستم کرے۔ جبر و تعدی و خیانت سے اُس کا مال اُڑائے اور اپنے اور اپنے عیال کے صرف میں لائے۔

اب رہی دوسری قسم یعنی طریق غیر حرام لوگوں سے لینا اگرچہ باوجودِ استحقاق

حرام نہیں ہے لیکن چونکہ انسان کو اس میں بھی دوسرے کے ہاتھ کی طرف دیکھنا پڑتا ہے۔ لہٰذا یہ بھی ذلت و انکساری سے خالی نہیں۔ آدمی خدا کے سوا دوسرے سے طمع رکھتا ہے اور اس سبب سے خدا پر اُس کا اعتماد کم ہوتا ہے۔ انجامِ کار صفتِ توکل سلب ہو جاتی ہے اور مخلوق کو خالق پر ترجیح دینے لگتا ہے اور یہ امر یقیناً مقتضائے ایمان اور معرفتِ خدائے منّان کے منافی ہے۔

فصل (۲)

دنیائے مذموم اور غیر مذموم کا فرق

بیانِ مذکور الصدر سے معلوم ہوا کہ خود حقیقتِ دنیا اور چیز ہے اور بندوں کے حق میں حقیقتِ دنیا دوسری شے ہے یعنی اشیائے مذکورہ سے دل بستگی رکھنا اور ان میں گرفتار رہنا۔ لیکن معلوم ہو چکا ہے کہ اس دل بستگی کی بھی دو قسمیں ہیں :

ایک قسم ہے کہ انسان ان چیزوں کو وسیلۂ آخرت بنائے، یہ قسم نیک ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ انسان اُن چیزوں کو امرِ آخرت کی درستی کے لیے حاصل نہ کرے۔ اسے سفرِ عالمِ قدس کے لیے توشہ نہ بنائے بلکہ محض حصولِ لذت اس کا مقصد رہے۔

یہی دنیا ہے جو تمام مذاہب میں بد ہے اور تمام پیغمبروں نے اسے حرام بتایا ہے۔ بد اور حرام سے مراد یہی لذتیں ہیں اور جو شخص ان سے

باز رہے۔ اُس کے لیے خدا نے بہشت کا وعدہ فرمایا ہے۔ یہی وہ تعلقات ہیں جن سے بہت امراض پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً ریا، حسد، عداوت، غرور، فخر، بدگمانی، طمع، حرص وغیرہ۔

یہی وہ گرفتاری ہے جو انسان کو آخرت سے باز رکھتی ہے۔ کیونکہ گرفتاری سے مراد یہ ہے کہ اشغالِ دنیویہ اور کاروبارِ دنیا میں انسان اس طرح مشغول ہو کہ خدا کو فراموش کرے اور جس کام کے واسطے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ اس سے غافل رہے۔ چونکہ لوگ دنیا میں آنے کی حکمت کو نہیں جانتے اور معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتے اس لیے ضرورت سے زیادہ اپنے کو مشاغلِ دنیویہ میں گرفتار کرتے ہیں اور یکے بعد دیگرے اشغالِ پیچیدہ میں گرفتار ہوتے چلے جاتے ہیں۔ دنیا کے اشغال کا سلسلہ ایسا لامتناہی ہے جس کی حد و انتہا نظر نہیں آتی گویا دنیا ایک باولی ہے جس کی تھاہ نہیں ہے۔ اس کے درجے بہت ہیں۔ کوئی درجہ اوّل پر ٹھہرے تو دوسرے درجہ پر پہنچتا ہے۔ اسی طرح ایک درجے سے دوسرے درجۂ مابعد پر پہنچتا رہتا ہے۔

غور کیجئے کہ انسان کو خوراک، پوشاک اور مکان کی ضرورت ہے۔ ان تین چیزوں کے تدارک کے لیے پانچ صنعتوں کا ظہور ہُوا یعنی زراعت، گلہ بانی، بُننا، معماری، شکار کرنا۔ انہی پانچ صنعتوں کے ماتحت بے شمار صنعتیں پیدا ہو گئیں جو آج نظر آ رہی ہیں۔ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو کسی ایک صنعت یا ایک سے زیادہ صنعتوں میں مشغول نہ ہو۔ غرض انہی تین چیزوں کے حاصل کرنے کے لیے تمام عالم مشغول ہے۔ مگر بے کار اور کاہل جو بچپن سے لغویات میں پرورش پائے ہیں وہ دوسروں کے دست نگر رہنے کے عادی ہیں اور ان لوگوں کے سبب سے چوری اور گدائی کا ظہور ہُوا۔

فصل (۳)

دنیا کی مذمت اور اس کی بے قدری اور بے اعتباری و زوال و بے وفائی

واضح ہو کہ دنیا خدا اور بندگانِ خدا کی دشمن ہے۔ خواہ وہ بندے خدا کے دوست ہوں یا دشمن۔

خدا سے دشمنی یہ ہے کہ اس کے بندوں کے راستہ کو مسدود کرتی ہے ان کو اپنی آرائشِ ظاہریہ پر فریفتہ کرتی ہے۔ اسی سبب سے جو روزی خدا نے ان کے لیے خلق کی ہے اس پر نظر نہیں کرتے اور دوستانِ خدا سے اس کی عداوت یہ ہے کہ اپنے کو ہر لحظہ آراستہ کرتی ہے۔ ان کی نظر میں جلوہ دیتی ہے اپنی نعمتوں کو اُن پر ظاہر کرتی ہے تاکہ اُن پر صبر دشوار ہو اور اس کا ترک کرنا اُن کو تلخ و ناگوار ہو۔

دشمنانِ خدا سے اس کی دشمنی یہ ہے کہ اپنے دام کو اُن کے راستہ میں بچھا کر مکر و فریب سے اپنی طرف کھینچتی ہے۔ ان کی گردن کو اپنے پھندے میں ڈالتی ہے۔ ان کے ساتھ محبت و دوستی کرتی ہے تاکہ ان کا دل اس کی طرف مائل ہو۔ اپنے مکر سے ان کو امین اور ان کے دلوں کو اپنے سے مطمئن کر کے ایک دم اپنے دامن کو ان کے ہاتھ سے چھڑا لیتی ہے۔ ان کو پشیمانی و ندامت اور اندوہ و حسرت میں چھوڑ دیتی ہے۔ وہ بدنصیب تمام سرمایہ کھو کر اپنی سعادت

ابدی سے محروم ہو کر آتش حسرت سینہ میں روشن کر کے فراق میں دنیائے غدار کے نالے کرتے ہیں۔ اس کے مکر و فریب سے آہ کھینچتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ۔

"یہ وہ لوگ ہیں جو متاعِ حیاتِ چندروزۂ دنیا کو نعمتِ آخرت کے بدلے خرید چکے ہیں اور عذابِ ابدی میں گرفتار ہوئے ہیں۔ نہ ان کا عذاب کم ہوتا ہے نہ کوئی ان کی اعانت اور یاری کرتا ہے۔"

پس دنیا کا فریب نہ کھائیے کہ یہ خدا اور اس کے بندوں کی دشمن ہے۔

اشعار مثنوی لقمۂ شیریں من تصنیفِ مترجم

عقد میں تو زالِ دُنیا کو نہ لا
ہے نہایت بیسوا یہ بے وفا
حبِّ دنیا دل سے تو اپنے نکال
زینتِ دُنیائے دون پر خاک ڈال
دیکھ مائل ہو نہ دُنیا کی طرف
حیف اعلیٰ جائے ادنیٰ کی طرف

حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ اگر دنیا کا مرتبہ خدا کے نزدیک ایک پرِ پشہ کے برابر ہوتا تو کافر کو اس سے ایک گھونٹ پینے نہ دیا جاتا۔

فرمایا کہ اگر کوئی شخص صبح کو اٹھتے ہی دنیا کے کام میں مشغول ہو تو کسی

طرح اس کو خدا کے نزدیک راہ نہیں ہے۔ خدا اس کے دل کو چار خصلتوں میں گرفتار کرتا ہے۔ غم و غصہ اور ایسی گرفتاری رہتی ہے کہ اس سے ہرگز فارغ نہیں ہوتا۔ اس کی جس قدر ضرورتیں اور آرزوئیں ہوتی ہیں کبھی وہ پوری نہیں ہوتیں۔ آپ نے گرفتارانِ دنیا کو دیکھا ہے کہ ان کی آرزوئیں پوری ہوئی ہوں یا ان کی ضرورتیں رفع ہوئی ہوں کسی روز ایسا نہیں ہے جو کسی نہ کسی امر میں گرفتار نہ ہوں۔ مفلسوں کو اگر غم ہے تو ایک غم مفلسی کا ہے۔ گرفتارانِ دامِ دنیا کو ہر گھڑی سو غم لگے ہوئے ہیں۔

انہیں حضرتؐ نے فرمایا کہ تعجب اور ہزار تعجب ہے اُس شخص سے جو خانۂ باقی و پائدار کو ترک کرے اور جو گھر فنا ہونے والا ہے اس کے متعلق عمل کرے۔

حدیثِ قدسی میں وارد ہوا ہے کہ اے فرزندِ آدم جو کچھ کہ مال ہے وہ میرا مال ہے اُس مال سے تجھے کچھ نہ ملے گا۔ مگر وہی جو تو نے تصدق کیا اور آگے بھیجا یا کھایا یا پہنا اور پرانا کیا۔

ایک روز سیدِ عالمؐ قبرستان پر گزرے اور کھڑے رہ کر فریاد کی کہ آؤ اپنے اہلِ دنیا کو جو پرانے کفن پہنے ہیں، جن کے استخوان بوسیدہ ہیں دیکھو۔

آں حضرتؐ سے مروی ہے کہ دنیا گھر اس کا ہے جو کوئی گھر نہ رکھتا ہو۔ دنیا مال اس کا ہے جو کوئی مال نہ رکھتا ہو۔ جو کوئی عقل نہیں رکھتا اس کو جمع کرتا ہے اس کی وجہ سے دشمنی کرتا ہے جو کوئی دانائی نہیں کرتا ہے۔ اُس پر حسد کرتا ہے۔ جو شخص بصیرت نہیں رکھتا اس کے حصول کی کوشش کرتا ہے۔ حالانکہ اس کے حاصل ہونے کا یقین نہیں رکھتا۔

فرمایا کہ جس روز سے خداتعالیٰ نے دنیا کو خلق کیا اس پر نظر نہیں کی۔ قیامت کے روز دنیا عرض کرے گی اے خدا مجھ کو اپنے دوستوں کے لیے جو کم درجہ

کے لیے مقرر کر۔

خطاب ہوگا کہ خاموش ہو کہ میں نے کبھی ان کے لیے دنیا میں تجھ کو پسند نہیں کیا۔ آج کیونکر اُن کے لیے پسند کروں۔

فرمایا کہ قیامت میں ایک طائفہ کو لائیں گے جن کے اعمالِ نیک تہامہ کے پہاڑ کے مثل ہوں گے پس خداوندِ عالم کا حکم ہوگا کہ ان کو جہنم میں لے جائیں۔

بعض نے عرض کیا کہ:

"یارسولؐ اللہ آیا یہ لوگ نماز پڑھنے والے نہ ہوں گے۔"

فرمایا کہ نماز پڑھنے والے اور روزہ رکھنے والے اور راتوں کو بیداری کرنے والے ہوں گے لیکن طالب دنیا ہوں گے۔

مروی ہے کہ ایک روز حضرت پیغمبرؐ نے دولت سرا سے نکل کر صحاب کو خطاب فرمایا کہ آیا تم لوگوں میں کوئی ایسا ہے کہ خدا جس کے اندھے پن کو زائل کرے اور اس کو بینا کر دے۔ آگاہ ہو کہ جو کوئی دنیا پر مائل ہو اور اس کے کاروبار نے دنیا میں طول کھینچا ہو۔ حق تعالیٰ اس کے دل کو اندھا کرتا ہے جس قدر دنیا کی خواہش زیادہ ہوتی ہے اُس قدر اس کے دل کا اندھاپن زیادہ ہوتا ہے۔ جو کوئی دنیا سے دُوری کرتا ہے اس کے علائق سے پرہیز کرتا ہے اپنی امید کو کم کرتا ہے حق تعالیٰ اس کو علم عطا کرتا ہے بغیر اس کے کہ دوسرا اس کی رہنمائی کرے۔

نیز اصحاب سے آپ نے فرمایا کہ مَیں تمھارے فقر سے نہیں ڈرتا ہوں بلکہ تمھاری مالداری سے خوف کرتا ہوں کہ دنیا تمھاری طرف رخ کرے جیسا کہ تم سے پہلوں کی طرف اس نے رُخ کیا ہے۔ پھر تم اس پر رغبت کرو جیسا کہ ان لوگوں نے اس کے ساتھ رغبت کی۔ پس یہ تم کو ہلاک کرے جیسا کہ ان لوگوں کو ہلاک کیا۔

ایک روز فرمایا میرے بعد قریب ہے کہ ایک قوم پیدا ہوگی جو پاکیزہ غذا کھائیں گے

اور خوبصورت عورتیں کریں گے۔ ملبوس نفیس پہنیں گے۔ خوش نما گھوڑوں پر سوار ہوں گے۔ اُن کا پیٹ کبھی نہ بھرے گا۔ ان کا نفس کبھی قناعت نہ کرے گا۔ رات دن دنیا کے کاموں میں مشغول رہیں گے۔ اس کی پرستش کریں گے اپنی خواہشات کی اطاعت کریں گے۔

پس محمد ابن عبداللہ سے ایک حکم لازمی یہ ہے کہ جو شخص ان زمانہ والوں کو دیکھے جو تمہارے فرزندوں کے فرزندوں سے ہوگا۔ ان کو سلام نہ کریں۔ ان کے مریضوں کی عیادت کو نہ جائیں ان کے جنازوں میں شریک نہ ہوں۔ ان کے بوڑھوں کا احترام نہ کریں۔ پس جو کوئی اس کی مخالفت کرے ان امور کو بجا لانے تو وہ گویا دینِ اسلام کے خراب کرنے میں اعانت کرنے والا ہے۔

فرمایا کہ مجھ کو دنیا سے کیا کام ہے۔ میری مثال دنیا کے ساتھ ایک سوار کی سی ہے جو موسم گرما میں نیچے درخت کے آئے۔ ایک ساعت اس کے سایہ میں آرام لے اور چھوڑ کر چلا جائے۔

حضرت عیسیٰؑ کے کلام میں ہے کہ وائے ہو صاحب دنیا پر کہ وہ کیونکر مرے گا اور اس کو چھوڑے گا کس طرح اس کو عزیز رکھتا ہے اس پر اعتماد کرتا ہے اور مطمئن ہوتا ہے۔ آخرکار دنیا اس کو خراب کرتی ہے اس سے جدا ہوتی ہے اُن پر افسوس ہے جو دنیا پر فریفتہ ہوتے ہیں اور نہیں دیکھتے کہ کیونکر ان کے ساتھ دنیا سلوک کرتی ہے۔ وہ پھندا ان کے گلے میں ڈالتی ہے جسے وہ مکروہ سمجھتے ہیں یعنی موت۔ اور ان چیزوں سے جدا کرتی ہے جنھیں وہ دوست رکھتے ہیں اور جو وعدے خدا نے کیے ہیں ظاہر ہوتے ہیں وائے اس شخص پر جو ایسی حالت میں صبح کرے کہ دنیا کی فکر اس کے دل میں ہو اور عمل اس کا گناہ ہو وہ کیونکر قیامت میں اپنے گناہوں سے رُسوا نہ ہوگا۔

ایک روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ابابیل کو دیکھا کہ اپنے واسطے مکان بناتی ہے فرمایا کہ اس حیوان کے لیے تو مکان ہے مگر میرے پاس مکان نہیں۔

حواریین نے عرض کیا کہ اگر آپ کو مکان کی خواہش ہے تو ہم بھی آپ کے لیے مکان تیار کرتے ہیں۔

حضرتؑ انھیں دریا کے کنارے لائے اور کہا کہ دریا میں میرے واسطے مکان تیار کرو۔

سب نے عرض کیا۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔

فرمایا کہ نہیں جانتے ہو کہ دنیا مثل دریا کے ہے اس میں ہر روز کشتیٔ حیات ٹوٹتی اور غرقاب ہوتی ہے۔ لیکن کسی تختہ کا نشان پیدا نہیں ہوتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ اے موسیٰ تجھے اس مکان سے کیا تعلق جو ظالمین کا ملجا و ماوا ہے۔ یہ مکان تیرا نہیں ہے اپنے دل کو اس سے فارغ کر اور اپنی ہوس کو اس سے الگ کر دے کہ یہ بہت برا گھر ہے مگر اس شخص کے لیے ہے جو اس پر عمل کرے۔ اے موسیٰ میں کمین گاہ میں ظالم کے بیٹھا ہوں تاکہ مظلوم کے حق کا اس سے بدلہ لوں۔ اے موسیٰ محبت دنیا کی اختیار نہ کر کیونکہ کوئی گناہ کبیرہ میرے نزدیک اس سے بدتر نہیں ہے۔

ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی مرد کو راستہ میں دیکھا کہ خوف سے روتا ہے بعد واپسی بھی اس کو روتے دیکھ کر درگاہ خداوند عالم میں مناجات کی کہ اے خدا تیرے خوف سے تیرا بندہ روتا ہے حق تعالیٰ کا اس وقت خطاب ہوا کہ اے پسر عمران اگر وہ اس قدر گریہ کرے کہ اس کا دماغ آنسوؤں میں شریک ہو کر اس کی آنکھوں سے بہہ جائے اپنے ہاتھوں کو میری درگاہ میں اس قدر بلند کرے کہ خشک ہوں تو بھی اس کو نہ بخشوں گا۔ اس وجہ سے کہ وہ دنیا کو دوست رکھتا ہے۔

ایک شخص نے سردارِ اولیاءؑ سے عرض کیا کہ دنیا کی تعریف بیان فرمائیے۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ کیا تعریف کروں۔ اگر کوئی یہاں تندرست ہو تو بے فکر نہیں ہے۔ اگر بیمار ہے تو پشیمان ہے۔ جو محتاج ہیں وہ غمگین۔ جو مالدار ہیں وہ مبتلا و مفتون ہیں۔ اگر حلال سے پیدا کریں تو اس کا حساب دینا ہوگا۔ اگر حرام سے پیدا کریں تو اس کے لیے عذاب ہے۔ دنیا سانپ کی مانند ہے کہ جس کا ظاہر نرم اور جس کے باطن میں زہر ہے۔

انھیں حضرتؑ کی بعض نصیحتوں میں ہے کہ دنیا سے ہاتھ اٹھاؤ کہ اس کی محبت آدمی کو اندھا، بہرا، گونگا کرتی ہے اور ذلیل و خوار کرتی ہے۔

پس اپنی عمر کو معلوم کر کے گزرے ہوئے زمانہ کا عوض ادا کرو آج کے کام کو کل پر نہ رکھو۔ جو لوگ ہلاک ہوئے اسی طرح ہلاکت کو پہنچے ہیں وہ اپنی زندگی کو آرزو میں صرف کرتے رہے۔ تاخیر سے کام لیا۔ یکایک حکمِ خدا پہنچا کوچ کا وقت آیا در آنحالیکہ وہ بسترِ غفلت پر سوتے تھے۔ پھر یکایک خوشنما محلوں سے قبر کی تاریکی میں لے گئے۔ نجات کا دروازہ ان پر بند کیا گیا ان کے جو رونے تھے ان سے کنارہ کش ہوئے ان کا مال و اسباب آپس میں تقسیم کر لیا گیا۔

امیرالمومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ دنیا کی زندگانی چند روزہ کہیں تم کو فریب دے کہ دنیا رنج و بلا کا گھر ہے۔ اس کی ناپائدار آرائش ہے اس کے حالات متزلزل ہیں اور اس کے رہنے والے مشوش و مضطرب۔ اس کا عیش ناگوار ہے اور اس کی راحت ناپائدار۔ اہلِ دنیا ہدفِ تیرِ بلا اور ہزار ہا بلیّات میں مبتلا ہیں۔ بندگانِ خدا خوب جان لو کہ تم اس منزل میں ہو کہ جس میں تم سے پہلے بھی ایسے لوگ تھے جن کی عمر بہت بڑی تھی۔ جن کی جماعت بہت زیادہ تھی۔ ان کے شہر خوب آباد تھے اور ان کا شہرہ بہت دُور دُور تھا۔ ہزاروں آرزوؤں کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر بیٹھتے تھے اور آپس میں

عہدِ شادی و خرمی کیا کرتے تھے لیکن جب رات آخر ہوئی دن نکل آیا توان کی زبان خاموش ہو گئی۔ ان کے منہ میں خاک تھی ان کے مکانات خالی رہ گئے۔ ان کا نام و نشان صفحۂ روزگار سے مٹ گیا۔ ان کے قصرِ زرنگار تنگیٔ قبر سے ان کا فرشِ زریں خاکِ گور سے بدل گیا۔ اہلِ قبور ایک دوسرے سے پریشان و دور ہیں۔ تمام ہمسایہ دار ہیں لیکن ایک دوسرے سے آمدورفت نہیں رکھتے۔ گو ان کے گھر ملے ہوئے ہیں مگر کوئی کسی کو نہیں دیکھ سکتا۔ گو ایک شہر والے ہیں مگر ایک دوسرے کو نہیں پہچان سکتے اور آپس میں محبت نہیں رکھتے۔ قبروں پر بھاری پتھر رکھا ہوا ہے کہ ان میں بحسرت آرام کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے کیونکر آمدورفت ہو سکے۔ حالانکہ سنگِ بلا ان کے وجود کو کھا گیا ہے۔ قبر کی خاکِ مصیبت ان کی ہڈیوں اور بدن کو کھا گئی ہے۔ صفحۂ روزگار نے ان کے دفترِ زندگانی کو درہم و برہم کیا ہے۔ ان کی عیش و عشرت ناکامی و گرفتاری سے بدل گئی ہے۔ ان کو خاک پر بٹھایا گیا ہے۔ ان کے دوست خاکِ ماتم اپنے سر پر ڈالے ہیں۔ انھوں نے ایسا سفر کیا ہے جہاں سے واپسی کی امید نہیں ہے ایسے بھنور میں غرق ہوئے ہیں۔ جس سے خلاصی کی امید نہیں۔

كَلَّا ۚ إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا

واپسی کا نام ہی نام اُن کی زبان پر ہو گا۔ مگر واپسی کہاں۔

وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝

ان کے پیچھے ایک مقامِ برزخ ہے کہ اُس جا قیامت تک گرفتار ہوں گے۔

پھر فرمایا کہ تم اس طرح تصور کرو کہ گویا تم ان کے ہم نشیں تھے ہم پیالہ تھے ناگاہ ان کی زندگانی کا زمانہ گزر گیا۔ پیغامِ موت آگیا۔ قبر کی خواب گاہ میں تنہا جا سوئے، اب تمہارا کیا حال ہوگا جب تم دیکھو گے کہ مُردے قبروں سے باہر نکل رہے ہیں۔ راز ہائے پوشیدہ ظاہر ہو رہے ہیں۔ بادشاہ جلیل کے روبرو کھڑا کیا گیا ہے تو اُس وقت دل کی کیا حالت ہوگی گویا دل سینہ سے خوف کے مارے اڑے گا اور ہر شخص اپنے اعمال میں گرفتار رہے گا۔ دنیا سے ہاتھ اٹھاؤ ورنہ بالضرور دنیا تم سے ہاتھ اٹھائے گی۔ تمہارے بدن کو کہنہ و بوسیدہ کرے گی۔

حضرت نے فرمایا کہ جو شخص آنکھیں رکھتا ہے وہ اس امر کو محسوس کرے گا۔ چہ جائیکہ عقل رکھتا ہو کہ بادشاہ ہو یا گدا۔ نیک ہو یا بد۔ غریب ہو یا غنی۔ اگر اس نے تھوڑے روز دنیا میں زندگی بسر کی اور اپنی قوت کے مطابق اسباب فراہم کرنے لگا تو اس کی یہ خواہش ابھی انجام کو نہ پہنچی تھی کہ دنیا سے گزر گیا اور دوسرے لوگ اس کے کاروبار میں دخیل ہو گئے۔ وائے اس دل پر جو لذتِ فانی کے کرشمہ پر فریفتہ ہو۔ خاک اُس عقل پر جو طفل کے تسلیوں پر مفتون ہو جائے۔ افسوس اس پر جو کوئی اپنی نقدِ حیات کو اس کے طلب کے بازار میں تلف کرے اور قوتِ جوانی کو اس کے حصول کی زحمت میں ضائع کرے۔ حضرت سیّد الساجدین علیہ السّلام نے فرمایا کہ دنیا منہ پھیرے ہوئے جا رہی ہے اور آخرت متوجہ ہے کہ آرہی ہے، ہر ایک شخص پر لازم ہے کہ صاحبِ آخرت ہونے کی کوشش کرے اور دنیا سے دل اٹھائے۔

اشعار مثنوی لقمۂ شیریں من تصنیفِ مترجم

عاقلوں نے خوب یہ دی ہے مثال
زندگی کو اس طرح کر تو خیال

آیا ہے دنیا میں تو جس روز سے

پیٹھ دنیا سے ہے تو پھیرے ہوئے

گویا منہ تیرا طرف عقبیٰ کے ہے

کر رہا ہے منزلِ عقبیٰ کو طے

ساتھ رکھ لے کچھ تو زادِ آخرت

تاکہ حاصل ہو مفادِ آخرت:

واضح ہو کہ جو کوئی دنیا سے دل اٹھاتا ہے اور دنیا سے پرہیز کرتا ہے۔ وہ اپنی بساط کو زمین اور اپنے فرش کو خاک سمجھتا ہے اس نے دنیا سے قطع تعلق کیا ہے، جو کوئی دنیا سے ہاتھ اٹھاتا ہے اس کے نزدیک تمام تکالیف دنیا کے سہل اور آسان ہو جاتے ہیں۔ خدا کے ایسے بندے بھی ہیں جو گویا اہلِ بہشت کو بہشت میں اور اہلِ دوزخ کو دوزخ میں دیکھتے ہیں۔ تمام اشخاص ان کے شر سے بے فکر ہیں، ان کا دل غمگین ہے ان کا بوجھ دنیا میں ہلکا ان کا کام دنیا میں تھوڑا دو دن روز کی تکلیف کو اپنے پر گوارا کر کے مقامِ ہمیشگی میں راحتِ ابدی کے ساتھ پہنچے۔ جب رات ہوتی ہے خدمتِ پروردگار میں کھڑے ہیں۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ آتشِ جہنم سے نجات طلب کرتے ہیں۔ جب دن نکلتا ہے تو آدمیوں سے حلم و دانائی و نیکی و پرہیزگاری کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں۔ خوف و عبادت سے چوبِ تراشیدہ کے مانند لرزاں ہیں۔ جو کوئی ان کو دیکھتا ہے تو گمان کرتا ہے کہ بیمار و مریض ہیں۔ حالانکہ ان کو کوئی مرض نہیں ہے نہ ان کی عقل پریشان ہے بلکہ ان کو پریشانی خوفِ اعمالِ عبادتِ خدا کے باعث ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے جابر انصاری سے فرمایا کہ اے جابر دنیا سوائے غذا یا جامہ یا عورت کے دوسری کیا چیز ہے یا کیا ہو سکتی ہے۔ اے جابر اہلِ ایمان

دنیا سے دل نہیں لگاتے۔ اے جابر آخرت دارِ قرار و دارِ بقا ہے دنیا منزلِ زوال و فنا ہے۔ لیکن اہلِ دنیا غفلت میں ہیں جو عقبیٰ کو یاد نہیں کرتے۔

حضرتِ صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ دنیا آبِ دریا کے مانند ہے جو کوئی پیاسا اس کو پیتا جاتا ہے اس کی تشنگی اور زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ مرجاتا ہے۔

فرمایا کہ جب خدا نے حضرتِ موسیٰؑ و ہارونؑ کو حکم کیا کہ فرعون کو دعوت دینے کے واسطے جائیں تو ان کو وحی کی کہ اگر میں چاہوں تو زینت دنیا کی اس قدر تمھیں دوں کہ جب فرعون تم کو دیکھے تو اپنی عجز و بیچارگی کو پہچانے۔ لیکن میں نے دنیا کو تم سے لے لیا ہے۔ تم پر دنیا کو تنگ کیا ہے۔ میں اپنے دوستوں کے ساتھ اس طرح سلوک کرتا ہوں۔ دنیا کی نعمتوں کو ان سے دور کرتا ہوں جیسے کہ مہربان چرواہا اپنی بکریوں کو جائے خطرناک و گیاہِ زہرناک سے دور کرتا ہے۔ میرے نزدیک یہ ان کی پستی نہیں ہے بلکہ اس سبب سے ان کے نصیب کو اپنی کرامت سے کامل کرتا ہوں۔

لقمان نے اپنے فرزند کو نصیحت کی اور کہا کہ اے فرزند دنیا کو آخرت کے لیے بیچ ڈال کہ دونوں سے فائدہ حاصل کیا جائے اور آخرت کو دنیا کے لیے نہ بیچ، تاکہ دونوں کو نقصان پہنچے۔ اے فرزند! تیرے سامنے آدمی اولاد کے واسطے بہت سا مال جمع کرتے ہیں مگر نہ مال ان کے واسطے باقی رہا اور نہ اولاد۔ اے فرزند! بہ تحقیق کہ تو ایک بندۂ مزدور ہے تجھ کو ایک کام کا حکم دیا گیا ہے اور مزدوری کا وعدہ کیا گیا ہے پس اپنا کام کر اور مزدوری لے۔ دنیا میں مثل گوسفند کے بسر نہ کر کہ کھیت میں گرے اس کو کھائے اور موٹا ہو آخر اس کا موٹاپن اس کے ذبح کا سبب ہو جائے دنیا کو ایک پُل جان جو ایک نہر پر ڈالا گیا ہے جو کوئی اس پر سے گزرتا ہے۔ دوسرے وقت ہرگز اس پر سے نہیں گزر سکتا۔ پس ہرگز یہاں نہ ٹھہر اور اس کی تعمیر میں مشغول نہ ہو، کیونکہ تجھ کو اس کی نسبت حکم نہیں دیا گیا ہے۔ اے فرزند! تجھ کو پروردگار کے روبرو

چار چیزوں کا حساب دینا ہوگا :

۱ : جوانی کو کن چیزوں میں صرف کیا۔

۲ : عمر کو کس میں برباد کیا۔

۳ : مال کہاں سے پیدا کیا۔

۴ : مال کو کس طرح خرچ کیا۔

پس آمادہ ہو اور جواب کے لیے مستعد ہوجا ۔ دنیا کا غم نہ کھا کہ غم کھانے کے لائق نہیں ہے۔ کیا یہ اچھا مقولہ ہے کہ دنیا کی کوئی چیز تیرے ہاتھ نہیں لگتی مگر یہ کہ تجھ سے پہلے بھی کوئی اس کا مالک تھا اور تیرے بعد بھی کوئی نہ کوئی اس کا مالک ہوگا۔ یہاں صبح و شام کے کھانے کے سوائے کوئی چیز تجھ کو حاصل نہیں ہوتی لہٰذا صرف کھانے کے لیے اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈال۔ دنیا میں مثل روزہ دار کے بسر کر کہ آخرت میں افطار کرے۔ کوئی شک نہیں ہے یہ زمین وہی زمین ہے جس پر دوسرے بھی چلے ہیں۔ یہ سامان وہی سامان ہے جس کو گزشتگان اپنے صرف میں لائے۔ اگر تو بادشاہ ہے تو اس کو بہت سے بادشاہ چھوڑ گئے ہیں۔ اگر تو مزارع ہے تو خیال کر کہ بہت سے زراعت کرنے والے اس میں تخم بو چکے ہیں۔

اشعارِ مثنوی لُقمۂ شیریں من تصنیف مترجم

بے وفا ایسی عروسِ دہر ہے
مہر جس کا شوہروں کو قہر ہے
ایک حالت پر نہیں دنیائے دُوں
طالب دنیا کی حالت ہے زبوں

ہے یہ دنیا عرصہ گاہِ امتحاں
شادی و غم ہے ہمیشہ تواماں
ہر گھڑی ہے موت تیری تاک میں
ایک دن جانا ہے تجھ کو خاک میں
یہ نہیں ہوتی ہے ہرگز صبح و شام
زندگانی ہو رہی ہے اختتام

بعض حکمانے کہا ہے کہ دنیا حق میں نہیں تھا وہ رہے گی میں نہ رہوں گا۔ پس کس طرح دل اس سے لگایا جائے۔ کس لذت کی اس سے توقع کی جائے۔ حقیقت میں اس کا عیش ناگوار اس کی روشنائی تیرہ و تار ہے۔ اہلِ دنیا ہمیشہ اس خوف اور اندیشہ میں کہ کس روز یہ نعمت ہاتھ سے جاتی ہے یا کونسا حادثہ واقع ہوتا ہے یا کونسا ایسا وقت آتا ہے کہ موت آجاتی ہے بسر کرتے ہیں۔ دنیا میں کونسی چیز ایسی ہے کہ آدمی جس سے خوش ہوتا ہے جس کے ساتھ کوئی غم نہ ہو۔ دنیا شیطان کی ایک دکان ہے۔ اس دکان سے کوئی چیز نہ لے کہ تیری طلب میں دنیا نکلتی ہے۔ تجھ کو پکڑتی ہے اور جو کچھ تُو نے لیا ہے۔ اس کو واپس لے لیتی ہے۔ کہا گیا ہے کہ اگر دنیا طلا ہوتی اور آخرت سفال تو بھی عاقل سفال کو جو باقی رہنے والی ہے۔ بمقابل اس طلا کے جو فنا ہونے والا ہے اختیار کرتا۔ حقیقتاً دنیا سفال فانی اور آخرت طلائے باقی ہے۔ اگر سفال نہ ہوتی تو خدا اپنے دشمنوں کو نہ دیتا۔

ایک پیغمبر کو وحی ہوئی کہ آدمیوں کے ساتھ دشمنی کرنے سے پرہیز کرو ورنہ میری نظر سے گر جاؤ گے اور اُس وقت میں دنیا کی نعمتیں تم پر نازل کروں گا۔

مروی ہے کہ جب خاتم انبیا مبعوث ہوئے تو ابلیس کا لشکر اس کے اطراف جمع ہو کر کہنے لگا کہ خدا نے ایک پیغمبر کو بھیجا ہے جس کی ایک امت قرار دی گئی ہے

ابلیس نے کہا کہ کیا اس کی امت دنیا کو دوست رکھے گی ؟
انھوں نے کہا کہ ہاں۔
اس وقت ابلیس نے کہا۔ کوئی پرواہ نہیں۔ وہ بت پرستی نہیں کرتے نہ کریں میں رات دن ان کو اسی شغلہ میں لگاؤں گا کہ مال خلافِ حق حاصل کر کے بیجا طور پر صرف کریں اور حقدار کو نہ دیں۔ پس ان میں اسی وجہ سے تمام خرابیاں پیدا ہو جائیں گی۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ عقلمند تین گروہ ہیں :

۱ : وہ جو دنیا سے ہاتھ اٹھاتا ہے قبل اس کے کہ دنیا اس سے ہاتھ اٹھالے۔
۲ : وہ کہ اپنی قبر کی تعمیر کرے قبل اس کے کہ اس جگہ جائے۔
۳ : خدا کو اپنے سے راضی رکھے قبل اس کے کہ ملاقات کرے۔

ایک امیر نے کسی سن رسیدہ سے جس کی عمر ایک سو بیس برس کی تھی سوال کیا کہ آپ نے دنیا کو کیوں کر دیکھا۔

اس نے جواب دیا کہ چند سال سختی و بلا میں اور چند سال آسانی و سہولت میں گزرے اور یہ قلتِ مال دنیا کے ساتھ بھی گزر جاتے ہیں۔ کیونکہ ایک دنیا میں آتا ہے دوسرا دنیا سے جاتا ہے۔ اگر کوئی دنیا میں نہ آتا تو آدمی تمام ہو جاتے اور اگر آدمی نہ مرتے تو آدمیوں کے لیے دنیا کی جگہ تنگ ہوتی۔
اس امیر نے کہا۔ "مجھ سے کسی چیز کی خواہش کر"۔
تو اس نے کہا کہ میری عمر گزشتہ کو واپس دے اور آنے والی موت کو دور کر۔
امیر نے جواب دیا کہ یہ میری قدرت میں نہیں ہے۔
پس اس نے کہا کہ مجھ کو بھی تجھ سے کوئی کام نہیں ہے۔
بزرگانِ دین میں سے ایک بزرگ کا قول ہے بہشت ایک مقام ہے اور اس سے زیادہ اس شخص کا دل آباد ہے جو اسے آباد کرے اور دنیا ایک مکان

خراب و برباد ہے اور اس سے زیادہ اس شخص کا دل خراب و برباد ہے جو دنیا کو آباد کرنا چاہتا ہے۔ بہت سے احادیث مذمت و بے وفائی دنیا میں وارد ہوئے ہیں حضرتِ رُوح الامینؑ نے حضرت نوحؑ سے جن کو دو ہزار پانسو سال کی عمر عطا ہوئی تھی پوچھا کہ آپ نے دنیا کو کس طرح پایا؟

حضرتؑ نے جواب دیا۔ دنیا کو مثل ایک مکان کے پایا جس کے دو دروازے ہوں ایک دروازے سے داخل ہوں اور دوسرے دروازے سے باہر نکل جائیں۔

مذمتِ دنیا میں سے ایک یہ ہے کہ خدا نے اس کو اپنے کسی دوست کے واسطے پسند نہیں کیا بلکہ ان کو اس سے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان لوگوں نے بھی اس سے دل اٹھایا اور بقدرِ ضرورت حاصل کر کے باقی کو آگے بھیج دیا۔ لباس اتنا ہی لیا جو بدن کو ڈھانک لے اور غذا اتنی ہی حاصل کی جس سے حیات باقی رہے اور بس۔

اشعار مثنوی لقمۂ شیریں من تصنیف مترجم

کیجیو دنیا کو حاصل اس قدر
جس سے عقبیٰ کو نہ پہنچے کچھ ضرر
ہاتھ سے دنیا کو کھو کر تو نہ بیٹھ
مفلس و محتاج ہو کر تو نہ بیٹھ
آخرت کو کھو نہ دنیا کے لیے
پُر معاصی ہو نہ دنیا کے لیے
لے کے دنیا کو عقبیٰ کے عوض
منتفع دونوں سے ہو تو الغرض

دوستانِ خدا نے دنیا کو منزل گزرگاہ سمجھا ہے ان سے سوائے توشہ کے کچھ نہیں چاہا۔ اپنی دنیا کو خراب و ویران کیا اور آخرت کو معمور و آباد کیا۔

صَبَرُوا قَلِیْلًا وَ نَعِمُوا طَوِیْلًا

تھوڑی مدت زحمت پر صبر کرنے سے ہمیشہ کے لیے راحت و نعمت حاصل کر گئے۔

لہٰذا آپ بھی ان کی پیروی کیجیے۔ اس دنیائے فانی سے دل کو اٹھائیے واضح ہو کہ دنیا کے لیے بقا نہیں۔ شاہانِ عرب و عجم کو دیکھئے کہ اپنی سلطنت و لشکر سے قبر میں کیا لے گئے۔ سلاطینِ ترک و دیلم کو ملاحظہ کیجیے کہ سوائے روٹی کے ایک نوالے کے دنیا میں سے اور کیا کھا گئے۔

اشعار لقمۂ شیریں من تصنیف مترجم

گر نہ ہو دنیا موافق کر نہ رنج
ہاتھ سے ہرگز نہ کھو عقبیٰ کا گنج

تارکِ دنیا یہی کہتے ہیں سب
ہے یہ جیفہ فائدہ اس سے ہے کب

گذرے کیسے کیسے شاہانِ سلف
ہو گئی ہے سلطنت اُن کی تلف

خسرو و نوشیرواں و کیقباد
کس کو دُنیا سے ہُوا آخر مفاد

عرصۂ عالم میں جو تھے پہلواں
خاک میں وہ مل گئے کیا کیا جواں

سام و زال و رستم و افراسیاب
مر مٹے یہ ہو گیا ہے انقلاب

پُرجگر اشجع بہادر صف شکن
ہو گئے ہیں خاک ان سب کے بدن
کیسے کیسے دہر سے اُٹھے حکیم
رکھتے تھے جو حکمت و عقلِ سلیم
کس جگہ ڈھونڈیں کہاں پائیں پتا
بُوعلی سینا و جالینوس کا
وہ حکومت وہ شرف کس جا ہے آج
بادشاہوں کا کہاں ہے تخت و تاج
زیبِ تن کرتے تھے جو شاہ و وزیر
اطلس و کمخواب و دیبا و حریر
ٹانکتے تھے جو گہر پوشاک میں
اُن کو دنیا نے ملایا خاک میں
سو رہے ہیں سب کے سب زیرِ زمیں
پُوچھنے والا کوئی اُن کا نہیں
ہو گئے ہیں خاک سارے استخواں
قبر کا باقی نہیں نام و نشاں

فصل (۴)

دنیا کی مثالیں اور تشبیہات

واضح ہو کہ دنیا کے چند صفات و حالات ہیں۔ ہر ایک صفت کو دوسری چیز سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اسی وجہ سے بہت سی مثالیں دنیائے غدار کی ہیں۔

مثال ۱ :

خداوند عظیم نے کتاب کریم میں دنیا کی بے ثباتی و سرعت زوال کو ایک گھاس سے تشبیہ دی ہے جو زمین سے اُگتی ہے۔ بسبب بارش کے اس میں چندے تر و تازگی پیدا ہوتی ہے۔ پھر جب آفتاب اس پر چمکتا ہے تو وہ خشک ہو جاتی ہے اور اس کو ہوا متفرق و پریشان کر دیتی ہے نیز اسی صفت سرعت زوال کے متعلق بعض احادیث میں اس کی تشبیہ پل سے دی گئی ہے جس پر سے بہت جلد گزر جانا چاہیئے۔

مثال ۲ :

اس کی حقیقت و اصلیت کے متعلق ہے۔ وہ یہ کہ دنیا ان خیالات کے مانند ہے جن کو انسان خواب میں دیکھتا ہے اور جب ہوشیار ہوتا ہے تو ان کا کوئی اثر نہیں پاتا۔ حقیقتاً دنیا مثل خواب کے اور موت مثل بیداری کے ہے۔ جب یہ خواب ختم ہو جائے گا تو اس وقت آدمی دیکھے گا کہ اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں بلکہ مرنے کے قبل بھی یہی رنگ پایا جاتا ہے۔ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ جب عیش و لذت یا رنج و مصیبت کے دن ختم ہو جاتے ہیں تو وہ مثل خواب کے

معلوم ہوتے ہیں۔ بلکہ بعض امور میں شک ہوتا ہے کہ آیا وہ خواب میں دیکھے گئے یا بیداری میں۔ پس اس چیز کا کیا اعتبار و مرتبہ ہے جس پر خواب کا اشتباہ ہو بلکہ گزر جانے کے بعد اس میں اور خواب میں کوئی فرق نہیں۔

مثال ۳ :

اس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ دنیا کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ یہ ہے کہ دنیا اس بوڑھی ناپاک عورت کے مانند ہے کہ جس نے اپنے ظاہر کو آراستہ کیا ہو اور طرح طرح کے زیور سے مزیّن ہو تاکہ آدمی اس پر عاشق ہوں اس کا فریب کھا کر اس کو آغوش میں لیں۔ جب اس کے چہرے سے نقاب اٹھائیں۔ اس کے باطن سے آگاہی ہو اس کو دیکھیں تو وہ ایک عورت بدصورت و بدخصلت نظر آئے۔

مروی ہے کہ قیامت میں دنیا کو مثل ایک بوڑھی عورت کے جس کے بال نیلے اور آنکھیں سبز اور دانت لانبے رخسار چپکے ہوئے ہوں گے لائیں گے تمام آدمیوں سے ملائیں گے اور کہیں گے کہ اس کو پہچانتے ہو اس وقت سب کہیں گے کہ نعوذ باللہ ہم اس کو نہیں پہچانتے۔ خطاب ہوگا کہ یہ وہ دنیا ہے جس پر تم فخر کرتے تھے جس کے واسطے سے ایک دوسرے پر رشک و دشمنی قطع رحم کرتے تھے۔ پس دنیا کو جہنّم میں ڈالیں گے۔ دنیا فریاد کرے گی کہ خداوندا میری پیروی کرنے والے اور دوست کہاں ہیں۔ پس خداوند عالم ان کو بھی جہنم میں ڈالے گا۔

بعض نے اس خصوص میں دنیا کو سانپ سے تشبیہہ دی ہے کہ اس کا ظاہر نرم ملائم ہے اور اس کے باطن میں زہر قاتل بھرا ہوا ہے۔ جس نے اس کے ظاہر و باطن کو پہچانا وہ اس تشبیہہ اور اس کی حقیقت کو پہچان لیتا ہے۔

مثال ۴ :

کوتاہی عمر دنیا کے بارے میں یہ ہے کہ دنیا ہر کسی کے لیے مثل اُس ایک قدم کے ہے جو اٹھایا جائے۔ کوئی شک نہیں ہے کہ جو شخص اپنے وجود سے پہلے ازل الآزال پر اور اپنے جانے کے بعد ابد الآباد کی مدت پر غور کرے تو یہ چندروزہ زندگی دنیا اسے بقدر ایک قدم بلکہ اس سے بھی کم معلوم ہوگی۔ پس جو کوئی اس میں تامل کرتا ہے اور اس نظر سے دنیا کو دیکھتا ہے وہ دوسرے وقت دنیا سے دل نہیں لگاتا۔ جس طریقہ سے یہ دو روز گزریں گزارتا ہے۔ اور کوئی اندیشہ وخوف نہیں کرتا۔ وہ اینٹ پر اینٹ نہیں رکھتا۔ یعنی مکان نہیں بناتا۔ ایسا ہی سید رسلؐ دنیا سے سدھارے۔ لیکن دنیا سے دل نہیں لگایا۔ اینٹ پر اینٹ نہیں رکھی۔

مثال ۵ :

دنیا اور آخرت کے تقابل کا لحاظ کرتے ہوئے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دریا میں اُنگلی ڈبوئے اور اس پر کچھ رطوبت باقی رہ جائے تو یہ رطوبت گویا دنیا ہے اور آخرت دریائے ذخّار۔

پس جو شخص حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے دنیا کی قدر بمقابل آخرت کے بہت کم جانتا ہے لیکن یہ دیدۂ بینا کہاں ہے۔

مثال ۶ :

اس امر کے متعلق کہ دنیا کا کام انتہا کو نہیں پہنچتا یہ ہے کہ دنیا ایک دریائے شور ہے۔ پیاسا آدمی جس قدر اس سے پانی پیتا ہے اس کی پیاس زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ پیتے پیتے ہلاک ہو جاتا ہے۔ یہ امر شاہد ومحسوس ہوتا ہے کہ دنیا سے وہی شخص سیر ہوتا ہے جس کی خواہش دنیوی کم اور جس کا

علاقہ دنیا سے تھوڑا ہو اور جس کا مال و تجمل زیادہ ہو اس کے لیے اسی قدر دردِ سر ہے اور اس کی گرفتاریاں بہت بڑھی ہوئی ہیں جن کی انتہا نہیں ہے۔

مثال ۷ :

گرفتاریٔ دنیا کے متعلق یہ ہے کہ اہلِ دنیا ریشم کے کیڑے کے مانند ہیں۔ یہ بے چارہ جس قدر اپنے گرد ریشم کا جال تنتا ہے اسی قدر نجات کا دروازہ اُس کے لیے بند ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ غم و غصّہ سے ہلاک ہوتا ہے۔ اکثر ابنائے روزگار اسی حالت میں مبتلا ہیں۔

مثال ۸ :

اس امر کے لحاظ سے کہ دنیا کی ابتدا لطیف ہے اور انجام خبیث و کثیف غذائے لذیذ سے دی گئی ہے جو ابتداءً یعنی کھانے کے قبل لطیف و پاکیزہ ہے۔ جب کھانے کے تھوڑی دیر بعد وہ تمام غذا ایسی کثیف و نجس ہو جاتی ہے کہ آدمی اس کو دیکھنے سے نفرت کرتا ہے بلکہ طعام جتنا لذیذ ہو گا اسی قدر اس کی ثقالت و کثافت زیادہ ہو گی۔ اسی طرح خواہشاتِ دنیویہ جو زیادہ مرغوب و محبوب ہیں موت کے وقت ان کی اذیت و مصیبت زیادہ ہو گی۔ ان کا فتنہ اور فساد زیادہ ہو گا اور یہ امر دنیا میں بھی معائنہ و محسوس ہوتا ہے کہ جس شئے کی محبت زیادہ ہو اس کے حصول کی لذت بھی زیادہ ہوتی ہے اور اس کی جدائی و فراق کا درد و الم و مصیبت و ماتم زیادہ ہوتا ہے۔ پس موت نہیں ہے مگر دنیا سے جدا کرنے والی۔

مثال ۹ :

دنیا کو ایک ایسے مکان سے مثال دی گئی ہے جو طرح طرح کے رنگا رنگ پھولوں سے آراستہ ہو اس مکان میں یکے بعد دیگرے ترتیب سے آدمیوں کی آمد ہو۔

جب اس مکان میں داخل ہوں تو ان پھولوں کو دیکھیں خوش ہوں سونگھیں اور دوسروں کے واسطے جو بعد کو آنے والے ہیں چھوڑ کر چلے جائیں نہ یہ کہ اُن پھولوں کو اٹھا کر اپنے ساتھ لے جائیں۔ پس وہ اشخاص جو گمان کریں کہ یہ سب ہم کو دیے گئے ہیں اس لیے ان کے ساتھ محبت کریں شاد و خوش ہوں لیکن جب وہ مکان سے باہر لے جانا چاہتے ہیں تو ان سے واپس لے لیے جاتے ہیں اس وقت وہ رنجیدہ و غمگین ہوتے ہیں ان کی خوشی غمی سے بدل جاتی ہے جو کوئی اس حقیقت کو جانتا ہے وہ ان سے نفع اٹھاتا ہے۔ مالکِ مکان کی شکر گزاری کرتا ہے اور خوش خوش اس جگہ سے باہر جاتا ہے۔ ایسا ہی جس نے دنیا کو پہچانا، اپنے آنے کے مقصد کو معلوم کیا تو جانتا ہے کہ وہ اس گھر کا مہمان ہے جس کو عالمِ آخرت کے مسافروں کے واسطے مہیا کیا گیا ہے۔ پس جب اس منزل پر پہنچیں تو فائدہ اٹھا کر اسے چھوڑ دیں اور مقصد کی طرف روانہ ہوں۔ جو کوئی نادان و جاہل ہے، حقیقتِ امر سے غافل ہے وہ گمان کرتا ہے کہ یہ مال میرا ہے اس کے ساتھ محبت کرتا ہے جب اس کو باہر کرتے ہیں جو کچھ اُس نے جمع کیا ہے اس سے واپس لیتے ہیں تو اس کی مصیبت سخت اور اس کی تکلیف بے انتہا بڑھ جاتی ہے۔

مثال ۱۰ :

دنیا کو ایسے جنگلِ وسیع لق و دق سے تشبیہ دی گئی ہے جس میں نہ پانی ہو نہ کوئی گھاس۔ ایک جماعتِ بے توشہ و سواری ہو وہ لوگ اس جنگل میں وارد ہو کر راستہ بھول گئے ہوں اور حیران و سرگرداں قریبِ ہلاکت ہوں اس اثنا میں ایک مرد آئے اور کہے کہ جب تم کو کسی سبزہ زار میں پہنچاؤں تو تم میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟ جواب دیں کہ ہم تیری اطاعت سے باہر نہ ہوں گے اس پر اقرار لے کر اُن کو ایک ایسے چشمہ پر جس میں تھوڑا پانی اور جس کے اطراف کچھ سبزہ زار بھی ہو لائے۔

وہ لوگ اُس سے پانی پئیں اور تھوڑی دیر آرام لیں۔ اتنے میں وہ شخص پھر کہے بسم اللہ کوچ کرو کہ تم کو دوسری آبادی و باغ کی طرف لے جاؤں۔ یہ لوگ کہیں کہ یہی پانی و سبزہ زار کافی ہے۔ یہی ہم کو بہتر ہے ہم نہیں آئیں گے۔ ایک گروہ اس کے قول کو قبول کرکے کہتا ہو کہ تم نے اس کے ساتھ اقرار نہیں کیا تھا کہ اس مرد کے قول کو رد نہیں کریں گے۔ یہ جنگل رہنے کی جائے نہیں ہے۔ جب رات آئے گی تو راہزن اور درندے آکر نیست و نابود کریں گے۔ پس اس جماعت میں سے ایک گروہ اس مرد کے قول کو قبول کرکے اپنے مقصد پہ پہنچیں اور باقی وہیں رہ جائیں۔ پس جب رات ہو تو چور آئیں۔ بعض کو مار ڈالیں اور بعض کو قید کریں۔

مثال ۱۱:

وہ ہے جس کو صدوق رحمہ اللہ علیہ نے کتاب اکمال الدین میں بعض حکماء سے نقل کیا ہے۔ خصوص اُن لوگوں کی حالت میں جو دنیا پر مغرور ہو کر موت سے غافل ہیں اور لذاتِ فانیہ دنیویہ میں مشغول رہیں۔

اشعار مثنوی لقمہ شیریں من تصنیف مترجم

طالبِ دنیا کی یہ ہے اک مثال
موت کا جس کو نہ ہو ہرگز خیال

اس طرح سے اس کا ہے حالِ خراب
ہو کمر میں اس کے گویا اک طناب

اس کنویں میں ہو وہ آویزاں و خوار
اژدہا کرتا ہو جس میں انتظار

موش دو ہوں ایک کالا اک سفید
کرتے ہوں رسّی کو وہ قطع و برید

شہد تھوڑا ہو لگا اُس چاہ پر
مکھیاں ہوں جمع اس پر سربسر
کی نظر نیچے تو کیا ہے دیکھتا
اژدہا بیٹھا ہے منہ کھولا ہوا
دیکھتا ہے پاس سے اُوپر اگر
چُوہے رسّی کو کترتے ہیں اُدھر
باوجود اس کے ہے راغب شہد کا
چاہتا ہے حلق ہو میٹھا ذرا
چاہ ہے گویا کہ دہرِ بد صفات
اور وُہ رسّی ہے انسان کی حیات
جس کو اژدر ہے کہا وہ ہے اجل
زندگی میں ڈالتی ہے جو خلل
موش وہ دو رنگ کے ہیں صبح و شام
عمر کی ڈوری کترتے ہیں مدام
شہد میں دنیائے دوں کی لذتیں
جن میں صد ہا رنج صد ہا آفتیں
طالب دنیا ہے وہ ہر اک مگس
کچھ نہیں ہے جن کو فکرِ پیش و پس

مثال ۱۲ :

اہلِ معرفت نے دنیا کے فضول اشغال اور ان کی حسرت و ندامت کو جو بعد مرنے کے واقع ہو گی اس طرح ذکر کیا ہے اور اہلِ دنیا کو اس طائفہ

سے مثال دی ہے جو کشتی میں بیٹھ کر جزیرہ کو قضائے حاجت کے لیے جائیں باوجود یہ جاننے کے کہ کشتی کنارۂ جزیرہ پر انتظار نہ کرے گی جلد واپس ہونا چاہیئے پس اس جزیرہ میں داخل ہو کر متفرق ہوں۔ ان میں سے بعض ضرورت سے فارغ ہو کر کشتی پر آئیں۔ جائے وسیع پا کر آرام لیں۔ ایک طائفہ سیر میں جزیرہ کے مشغول ہو۔ بعد ایک ساعت کے فکر کرے اور اپنے کو کشتی تک پہنچائے لیکن ان کو جائے تنگ بڑی زحمت سے حاصل ہو۔ دوسری قوم پتھر کے ٹکڑوں اور حیوانات کے ساتھ دل بستگی اختیار کرے۔ اس جائے سے ان کے بغیر نہ نکلے اور ان کو کاندھے پر اٹھا کر ایسے وقت میں پہنچے کہ تھوڑی سی جگہ ان کو بڑی زحمت و تکلیف سے ملے اور جو کچھ اٹھا کر لائے ہیں، نہ اس کو کاندھے پر سے رکھ سکتے ہیں اور نہ کسی جگہ پھینک سکتے ہیں۔ تنگیٔ جائے اور ان کے بوجھ سے ایک مصیبت میں ہیں اور پشیمان ہیں۔ دوسری جماعت ایسی مشغولِ سیر ہو کہ کشتی و دریا اور نیز اپنے مقصد کو بھول جائیں اسی جائے رہ جائیں کہ رات اور اندھیرا ہو جائے درندے جھاڑیوں سے نکل کر بعض کو کھا جائیں۔ بعض اُن کی محبت میں ہلاک ہوں۔ بعض غصہ و گرسنگی سے تلف ہوں جو لوگ اس جزیرے سے بوجھ اٹھا کر لائے ہوں وہ بوجھ ان کے کاندھے پر رہ جائے۔ اہلِ کشتی کے طرح طرح کے الفاظِ بے ہودہ سنیں، ان حیوانات کو جو اٹھائے ہوں مر جائیں۔ ان کے مردے کاندھے پر رہ کر بدبو ہو جائے ان کی بدبو سے۔ بیمار ہوں اور کشتی میں مر جائیں یا بیمار ہو کر وطن کو پہنچیں اور ہمیشہ بیمار رہیں، یا ایک عرصے کے بعد مر جائیں۔ وہ لوگ جو بہت دیر میں آئے ہوں لیکن کوئی چیز نہیں اٹھائے ہوں۔ مگر کشتی میں بسبب تنگیٔ جائے کے تکلیف اٹھائیں گے۔ کشتی سے باہر آنے کے

بعد راحت و آرامی میں بسر ہو گی ۔ جو لوگ شروع میں آئے ہوں اور انھیں کشادہ جگہ ملی ہو وہ ہمیشہ آرام میں ہوں گے تاکہ صحت و سلامتی کے ساتھ اپنی منزل پر وارد ہوں ۔

فصل (۵)

وہ دُنیا جس سے آخرت کی اعانت ہوتی ہے

سابق میں ذکر کیا گیا کہ دنیا دو قسم پر ہے ۔ ایک بہتر ۔ دُوسری خراب ۔ اس کا بیان یہ ہے کہ مراتبِ سعادت و تقرّبِ بارگاہِ احدی اس وقت تک میسّر نہیں ہوتے جب تک کہ صفائی دل و محبتِ خدا نہ ہو ۔ صفائی دل کا سبب خواہشاتِ دنیویہ سے نفس کو باز رکھنا ہے اور عبادت و طاعت کرنا سبب محبت خدا و معرفتِ خدا کے ہے اور یہ بات اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ ہمیشہ عجائبات و غرائباتِ پروردگار میں فکر نہ کی جائے ۔ محبت زیادتی یادِ خدا ہے جو ہمیشہ رہے ۔ یہی تین صفتیں آدمی کو نجات اور مراتبِ سعادت پر پہنچاتی ہیں ۔ یہی باقیات الصّالحات ہیں ۔ کوئی شک نہیں کہ جو کوئی ان تین صفتوں یا ان کے اسباب کے حاصل کرنے میں مشغول ہو تو وہ سالکِ راہِ آخرت ہے اور یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ ان کے حاصل کرنے کے لیے صحتِ بدن کی ضرورت ہے جو غذا پر موقوف ہے جس سے انسان کی حیات باقی رہتی ہے ۔ اسی طرح لباس اور جائے سکونت کی بھی ضرورت پائی جاتی ہے ۔ پس جو کوئی دنیا سے اسی قدر

حصولِ آخرت کے لیے حاصل کرے وہ اہلِ دنیا سے نہ ہوگا بلکہ دنیا اس کے حق میں آخرت کی کھیتی ہوگی لیکن اگر حظِ نفس و خوشگزرانی کے قصد سے دنیا میں اس سے بھی کم حاصل کیا جائے تو وہ دنیا دار کہلائے گا۔ اب حظِ نفس و خوشگزرانی دنیا میں دو قسم پر ہے:

ایک وہ کہ جس کے حاصل کرنے والے کو آخرت میں عذاب میسر ہوگا۔ اس کو حرام کہتے ہیں۔

دوسرا وہ کہ اس کے سبب سے عذاب تو نہیں ہوتا لیکن وہ سبب طولِ حساب ہے اور اس کے سبب سے انسان آخرت میں درجاتِ بلند سے محروم رہتا ہے۔ اس کو حلال کہتے ہیں۔

پس صاحبِ بصیرت جانتا ہے کہ زیادہ دیر محشر میں حساب کے لیے ٹھہرنا بھی ایک عذاب ہے بلکہ اگر حساب بھی نہ لیا جائے وہی درجاتِ بلند جو بہشت میں میسر نہ ہوں گے اس کی حسرت اور ندامت بھی ایک سخت عذاب ہے اس کا اندازہ اس طرح کر لیجئے کہ اگر آپ کے برابر والے مراتبِ دنیویہ پر آپ سے زیادہ رتبہ میں بڑھ گئے ہوں اور آپ بسبب اپنی کوتاہی و تقصیر کے پستی میں رہیں تو کس قدر حسرت و ندامت آپ کو حاصل ہوگی باوجود اس کے آپ جانتے ہیں کہ ان مراتب کو کوئی بقا نہیں ہے۔

پس غور کیجئے کہ آپ کا حال کس طرح ہوگا جب کہ وہ مرتبہ و سعادتِ آخرت آپ کو حاصل نہ ہو کہ اگر اہلِ زمانہ اس کی بزرگی کا وصف بیان کرنے میں اپنی عمر صرف کر دیں تو پوری تعریف نہ کر سکیں گے۔ پس جس کو دنیا میں کوئی نعمت حاصل ہو یا کوئی لذت پائے اگرچہ وہ بلبل کی آواز ہی کیوں نہ ہو یا کسی باغ کی سیر کی جائے یا پانی سرد خوشگوار پئے تو اس کے مقابلہ میں آخرت کی لذت اس کے ہاتھ سے

نکل جائے گی۔ اس کو خوف و خطرِ محاسبہ اٹھانا ہوگا اور وہ ذلت و انکساری دیکھے گا۔ پس دنیا حلال ہو یا حرام و ملعون ضرور موجبِ نقصان ہے مگر یہ کہ وہ دنیا جو آدمی کی تحصیلِ آخرت پر معین ہو بلکہ وہ حقیقت میں دنیا ہی نہیں ہے۔ پس جس کی معرفت بڑھی ہوئی ہے اس کا اجتناب بھی دنیا سے بڑھا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ منقول ہے کہ زاہدِ مطلق حضرتِ عیسٰی ابن مریمؑ نے جب استراحت کے لیے اپنے سر کے نیچے ایک پتھر رکھ لیا تو شیطان نے آکر کہا کہ آخر دنیا کی طرف رغبت کی۔ آپ نے اُس پتھر کو دُور پھینک دیا۔

سلیمان ابن داؤدؑ باوجود سلطنت و بادشاہی کے دوسروں کو عمدہ عمدہ کھانا کھلاتے تھے۔ خود نانِ جو نوش فرماتے تھے اور اسی وجہ سے دنیا کو خداوندعالم نے سیدِ آخر الزماںؐ سے دور رکھا۔ یہاں تک کہ اکثر ایام حضرت بھوکے رہتے تھے اور بھوک کی شدت سے شکمِ مبارک پر پتھر باندھتے تھے۔ اسی وجہ سے خدا نے سختی محنت و بلا کو انبیاء و اولیاء و اربابِ دین کے واسطے قرار دیا۔ جو کوئی اس بزم سے قریب ہو اس کو جامِ بلا کا زیادہ دیتے ہیں۔ یہ تمام ازراہِ محبت و مہربانی ہے کہ یہ لوگ آخرت میں مراتبِ قرب و سعادت پر فائز ہوں۔ جیسا کہ پدرِ مہربان اپنے فرزند کو غذائے چرب و شیریں سے منع کرتا ہے جس سے فصد و حجامت کا اندیشہ ہو یہ عداوت نہیں ہے بلکہ ازراہِ مہربانی و شفقت ہے تامل کیجئے کہ اگر آپ کوئی غلام زنگی خراب رکھتے ہوں وہ عمدہ عمدہ مختلف کھانے اور حلوے آپ کے سامنے کھائے تو آپ متعرض نہ ہوں گے بلکہ اگر آپ کو زیادہ ہم دست ہو تو خود بھی آپ اس کو دیں گے لیکن آپ جس لڑکے کو عزیز رکھتے ہوں اس کے ہاتھ میں ایک دانہ خرما کا دیکھیں گے تو اس سے چھین کر پھینک دیں گے۔ اس کی آزردگی کی پروا نہ ہوگی بہ نسبت اس کے کہ کھانے سے

خرابی پیدا ہو۔ پس اپنی قدر و منزلت کو جو خدا کے نزدیک ہے معلوم کیجئے۔

بیانِ صدر سے ظاہر ہوا کہ جو کچھ خدا کے واسطے ہے وہ دنیا نہیں ہے۔

اب واضح ہو کہ دنیا میں جو کچھ چیزیں ہیں وہ تین قسم پر ہیں :-

۱ : وہ جو خدا کے واسطے نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ وہ ازروئے حقیقت اور صورتِ دنیا ہیں جیسے کہ معاصی و محرمات و تنعم بمباحات۔ پس یہ وہ دُنیا ہے جو علی الاطلاق مذموم ہے۔

۲ : یہ کہ صورت کے لحاظ سے تو وہ چیزیں دنیا ہیں لیکن ازروئے حقیقت وہ دنیا کے واسطے بھی ہو سکتی ہیں اور خدا کے واسطے بھی۔ مثلاً کھانا، پینا اور نکاح وغیرہ۔

۳ : یہ کہ اُن چیزوں کی صورت تو خدا کے لیے ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ ان کی حقیقت خدا کے لیے بھی ہو اور دنیا کے لیے بھی۔ مثلاً علم و عمل اور طاعت و عبادت یہ چیزیں صورت کے لحاظ سے دنیا نہیں ہیں لیکن اگر ان کو خدا کے لیے بجا لائیں تو اس وقت ان کا تعلق دنیا سے نہ ہوگا اور اگر اُن سے غرض جاہ و منصب و شہرت ہے تو اُن کے دُنیائے ملعونہ ہونے میں شک نہیں۔

فصل (۶)

مال دُنیا کی ایک شاخ ہے

معلوم ہو چکا ہے کہ ہر اُس چیز کو دنیا کہتے ہیں جس میں موت کے قبل انسان کا حصّہ ہو خواہ وہ نعمت و مال ہو یا منصب و جاہ یا شکم پرستی و متابعت زنان یا طلبِ رتبۂ بلند اور تکبّر وغیرہ۔ حاصل کلام دنیا کے کیے بیحد شعبے ہیں۔ لیکن اعظمِ آفات جس کا تعلق قوتِ شہویہ سے ہے وہ مال ہے کیونکہ ہر انسان کو اس کی ضرورت ہے۔ مال کے لیے بہت سے فوائد ہیں اور اُس میں بہت سی آفتیں، اور خرابیاں بھی ہیں۔ اُس کی خوبی اور بہتری میں تمیز حاصل کرنا نہایت مشکل ہے۔ کیونکہ مال کے نہ ہونے سے صفتِ فقر و احتیاج پیدا ہوتی ہے اور اس کے وجود سے مالداری و ثروت حاصل ہوتی ہے اور یہ وہ دو صفتیں ہیں جن سے خدا اپنے بندوں کا امتحان فرماتا ہے۔ اب فقر کے لیے دو حالتیں ہیں:

ایک حرص ۔ دوسری قناعت

ان میں سے ایک بہتر ہے اور دوسری بد۔ اسی طرح حریص بھی دو قسم پر ہے ایک وہ جو کسب و صنعت میں حرص کرے۔ دوسرا وہ جو ظلم و زور اور عداوت سے آدمیوں کے اموال کو حاصل کرے۔ یہ دونوں گروہ خراب ہیں۔ گو گروہِ آخر بہ نسبت اوّل کے بدتر ہے۔ علیٰ ہذا غنا کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک بخشش دوسری بخل۔ پہلا امر بہتر دوسرا بد ہے۔ پھر بخشش کی بھی دو قسم ہیں :- ایک میانہ روی جو درجۂ اوسط پر ہو وہ نیک ہے۔

دوسرا اسراف جو درجۂ افراط پر بیہودہ بد ہے۔
یہ تمام امور ایسے ہیں جن کا سمجھنا نہایت مشکل ہے۔ اب جو شخص مال کی خواہش رکھتا ہے اس کو چاہیئے کہ پہلے ان حالاتِ نیک و بد کی تمیز حاصل کرے طریقۂ نیک اختیار کرے کہ نجات حاصل ہو۔

فصل (۷)

مذمتِ مال اور روزِ قیامت کا محاسبہ

جب آپ نے جانا کہ ایک سورت دنیا کی مال ہے تو واضح ہو کہ قرآن و حدیث میں مال کی مذمت اور اس کی محبت کی خرابی کثرت سے بیان کی گئی ہے۔
خداوندِ عالم فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَالِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ۔

یعنی: "اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو تمہارے مال و اولاد تم کو مشغول نہ کریں یادِ خدا کو نہ بھلائیں۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ خسارے میں ہیں۔"

پھر فرماتا ہے :

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَه

یعنی : " تمھارے مال و اولاد امتحان ہیں۔ ان سے تمھارا امتحان کیا جاتا ہے۔"

اشعارِ مثنویٔ مذکور

دشمنی ہے مال و زر کی دوستی
اور زوجہ کی پسر کی دوستی
اس سے سرزد ہوتے ہیں فسق و فجور
اور فکرِ عاقبت رہتی ہے دُور
نقل ہے تھا ایک عارف باخدا
نزع میں بیہوش جس دم وہ ہُوا
جورو بچے دوست سب رونے لگے
آنسوؤں سے اپنا منہ دھونے لگے
شور و غل سُن کر ہُوا وہ ہوشیار
پوچھا تم سب روتے ہو کیوں زار زار
زوجہ بولی اس لیے روتی ہوں مَیں
ہائے بیوہ اس گھڑی ہوتی ہوں میں
کھانا کپڑا کون اب دے گا مجھے
مثل تیرے کون چاہے گا مجھے

کی توجہ پھر جو لڑکے کی طرف
اس سے پوچھا روتا ہے کیوں اے خلف
تب یہ اُس نے اس سے رو رو کر کہا
سر سے اُٹھ جاتا ہے سایہ آپ کا
عیش میں گزریں گے کیونکر روز و شب
شفقتیں مجھ پر کرے گا کون اب
پھر رفیقوں سے مخاطب وہ ہُوا
پوچھا ان سے باعثِ گریہ ہے کیا
بولے وہ چھٹتا ہے تو یارِ قدیم
ہائے کیا کیا تھے ترے فیض عمیم
حال سب کا سُن کے عارف نے کہا
مَیں نے اپنی زیست کو ضائع کیا
ہے ہر اک اپنے لیے اندوہ گیں
واسطے میرے کوئی روتا نہیں
نے کسی کو بھی نہیں آتا خیال
نزع میں اس وقت کیا میرا ہے حال
پہلی منزل قبر کی درپیش ہے
کس طرح راہِ عدم ہوئے گی طے
کچھ نہیں ہے ساتھ میرے زادِ راہ
عمر غفلت میں گزاری مَیں نے آہ

مال دنیا سے جو کچھ پیدا کیا
وہ تمھاری نذر سب کچھ کر دیا
میری الفت کا یہی ہے کیا عوض
سچ ہے دنیا میں ہیں سب اہلِ غرض
مر گیا یہ کہہ کے قصہ مختصر
کچھ نہ آئے کام زوجہ نہ پسر

حضرتِ رسولؐ نے فرمایا کہ دو گرگِ شکاری اگر منڈے میں بکروں کے داخل ہوں تو وہ اس قدر بکروں کو فاسد نہیں کرتے جس قدر کہ دوستیٔ مال و جاہِ دینِ مسلمان کو فاسد کرتی ہے۔

اور فرمایا کہ میری اُمت میں بدترین لوگ مالدار ہیں۔

اور فرمایا کہ فرزندِ آدم کے دوست تین چیزیں ہیں۔

- ایک مرنے کے وقت تک ساتھ دیتا ہے وہ مال ہے۔
- دوسرا قبر تک ساتھ آتے ہیں وہ اہل و عیال ہیں۔
- تیسرا جن کی ہمراہی محشر تک ہوتی ہے وہ اعمال ہیں۔

فرمایا کہ جب قیامت ہوگی تو مالدار کو لائیں گے بحکمِ خدا جو مال خرچ کیا گیا ہے وہ اس کے آگے آگے آئے گا۔ جب اس مالدار کا صراط پر گزرنا مشکل ہوگا اور ٹھہر جائے گا تو وہ مال کہے گا کہ تُو نے راہِ خدا میں مجھ کو صرف کیا ہے بے خوف گزر کر۔ پھر اس مالدار کو لائیں گے جو طاعتِ خدا بجا نہیں لایا ہے اس کا مال اُس کے پیچھے آئے گا جب وہ صراط پر پہنچے گا جس جگہ وہ ٹھہر جائے گا اس کا مال کہے گا کہ وائے ہو تجھ پر کہ تُو نے مجھ کو راہِ خدا میں صرف کرنے سے کوتاہی کی پس وہ ایسا کہتا رہے گا یہاں تک کہ وہ جہنم میں گرے گا اور ہلاک ہوگا۔

انھیں حضرت سے مروی ہے کہ قیامت میں اس کو لائیں گے جس نے طریقۂ حرام سے مال کو جمع کیا ہے اور حرام میں صرف کیا ہے پس حکم ہوگا کہ اس کو جہنم میں ڈالیں۔ دوسرے کو لائیں گے کہ جس نے مال طریقۂ حلال سے جمع کیا اور حرام میں خرچ کیا ہے۔ خطاب ہوگا کہ اس کو بھی جہنم میں لے جاؤ۔ تیسرے کو لائیں گے جس نے طریقۂ حرام سے جمع کیا اور حلال میں خرچ کیا ہو اس کو بھی جہنم میں ڈالیں گے۔ بعد اس کو لائیں گے جس نے مال کو طریقۂ حلال سے حاصل کیا اور حلال میں خرچ کیا ہو خطاب ہوگا اس کو مقام محاسبہ میں کھڑا کرو شاید اس مال کے حصول میں جو امر واجب تھا اس کو نقصان پہنچا ہو مثلاً وقت پر نماز نہ پڑھا ہو یا رکوع و سجود میں کوتاہی کی ہو یا وضو نہ کیا ہو وہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار میں نے اسے کسبِ حلال سے پیدا کیا اور حلال میں خرچ کیا اور اپنے واجبات کو ضائع نہیں کیا۔ خطاب ہوگا کہ شاید اس مال کے سبب سے اپنے برابر والوں پر یا اپنی سواری پر یا لباس پر فخر کیا ہو۔ وہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار ایسا کوئی عمل بھی مجھ سے سرزد نہیں ہوا۔ خطاب ہوگا کہ شاید سادات و یتیماں و مساکین اور ابن السبیل کے حق میں کوتاہی یا منع کیا ہو۔ پھر عرض کرے گا کہ اے پروردگار جن کی نسبت تیرا حکم ہے ان کے حق کو ضائع نہیں کیا۔ اس وقت ایک جماعت بطورِ مخاصمہ حاضر ہوگی اور عرض کرے گی کہ اے خداوند تو نے اس کو مالدار کیا اور تو نے اس کو حکم فرمایا کہ ہم کو دے۔ اگر اس جماعت کے جواب میں پورا اُترا اور معلوم ہوا کہ ان کے حقوق کو ادا کیا ہے۔ کوئی فخر و مباہات نہیں کیا ہے۔ کوئی واجب اس سے ضائع نہیں ہوا ہے تو خطاب ہوگا کہ ٹھہرجا اور شکر اُن نعمتوں کا جو تجھ کو عطا کی گئیں تھیں بجالا۔

واضح ہو کہ جس کسی کی آمدنی و خرچ طریقۂ حلال سے ہو اور اس نے اپنے تمام واجبات کو وقت پر بجالایا ہو اور حقوقِ الٰہی ادا کیے ہوں یہ دقتیں اس کے حساب میں

پیش آتی ہیں۔ پس آیا کیونکر ہمارا حال ہو گا ہم امورِ دنیا میں رات دن مشغول ہیں اپنے کو حرام و حلال میں آلودہ کیا ہے نہ شبہات سے پرہیز کرتے ہیں نہ خواہشات کو چھوڑتے ہیں۔ بہت سے بھوکے ہمارے ہمسایہ میں رہتے ہیں۔ ہم ان کی خبر نہیں رکھتے طرح طرح کے کھانے کھاتے ہیں۔ اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔ آہ آہ ہماری مصیبت و بلا کس قدر شدید ہو گی۔ کس قدر حسرتیں و پشیمانیاں ہم کو ہوں گی۔ کس قدر اندوہ و ماتم ہمارے واسطے ہو گا۔ اس وقت ہم کو کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ نہیں معلوم یہ دنیا ہمارے ساتھ کیا کرے گی۔ کل کے روز حضوری میں اُس بادشاہِ قہار کے ہم کو کیا جواب سُوجھے گا۔ وہ لوگ خوش نصیب ہیں جو دنیا سے محروم و بے نصیب ہیں۔ اسی وجہ سے بعض اصحاب سیدِ مختارؐ نے کہا کہ مَیں ہرگز ہزار مثقال طلا سے راضی نہیں ہوں جو روزانہ کسبِ حلال سے پیدا کر کے راہِ خدا میں صرف کیا جائے باوجود اس کے کہ اس سے کسی عبادت میں فرق نہ آئے اس کا سبب پوچھا گیا تو کہا کہ قیامت سے ڈرتا ہوں کہ مجھ سے پوچھیں گے کہ کہاں سے پیدا کیا اور کس میں صرف کیا۔

اشعارِ مثنوی مذکور

حیف ہے کچھ بھی نہیں تجھ کو خیال
حشر میں پوچھے گا تجھ سے ذوالجلال
عمر کی تُو نے بسر کس کام کی
تُو نے کیا تعمیل کی احکام کی
کس جگہ سے تُو نے زر پیدا کیا
تُو نے پھر خرچ اس کو کس کس جا کیا

پس مومن کو سزاوار ہے کہ اپنے کو دنیا کے کاموں میں مشغول نہ کرے۔ ضرورت

کے مطابق دنیا حاصل کرے۔ اگر زیادہ اس کو حاصل ہو تو اس کو اپنے لیے آگے بھیج دے۔

مال و زر سے کوئی امر خیر ہو
تا جناں کی تجھ کو حاصل سیر ہو

اگر بعد مرنے کے مال رہ جائے گا تو بہت سے فساد پیدا کرے گا۔

اشعار مثنوی مذکور

گر ہے عاقل یاد رکھ تو یہ سخن
مالِ دنیا سے ملے گا اک کفن
جمع کر رکھنے سے ہے کیا فائدہ
اک نہ اک دن چھوڑ کر مر جائے گا
کر ذرا تو اپنے دل میں فکر و غور
کون سا یہ عقلمندی کا ہے طور
جمع زر کرنے میں تو آفت اٹھائے
خرچ کرکے دوسرا راحت اٹھائے

مروی ہے کہ ایک مرد نے حضرت پیغمبرؐ سے عرض کیا کہ مَیں موت کا مشتاق ہوں۔
حضرتؐ نے فرمایا کہ: آیا کوئی مال رکھتا ہے۔
عرض کیا کہ: "ہاں"
فرمایا کہ اپنے مال کو اپنے آگے بھیج دے۔ کیونکہ ہر کسی کا دل مال میں لگا رہتا ہے۔ اگر آگے بھیج دے گا تو تجھ کو جلد مل جائے گا۔ اگر دنیا میں چھوڑے گا تو اس کے ساتھ رہنا چاہے گا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ جس روز سکۂ درہم و دینار تیار ہوا تو شیطان نے اس کو

اپنے منہ پر رکھا چوما اور کہا :

"جو کوئی تجھ کو دوست رکھے گا وہ میرا بندہ ہوگا"

اشعار مثنوی مذکور

درہم و دینار کو روزِ ازل
دیکھ کر شیطان نے ازراہِ حِیَل
چوما اور آنکھوں پہ رکھ کر یہ کہا
عشق میں سب اس کے ہوں گے مبتلا
کچھ نہ حکمِ حق عمل میں لائیں گے
میرے دامِ مکر میں آ جائیں گے

واضح ہو کہ آیات و اخبار میں جس قدر مال کی مذمت کی گئی ہے اسی قدر اس کی تعریف بھی کی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کو نیکی سے یاد فرمایا ہے۔ نیز پیغمبرؐ نے فرمایا کہ مالِ نیک مردِ نیک کے لیے خوب چیز ہے۔ صدقہ، مہمانی، سخاوت، حج کے حصول کے ثواب میں جو مال سے متعلق ہیں۔ تمام اخبار اس کی خوبی پر دلالت کرتے ہیں۔ توفیقِ مال سے ممکن ہے کہ وسیلۂ سعادتِ آخرت اور درجۂ عالی پر فائز ہوں اور ہو سکتا ہے کہ اس کے واسطے سے مقاصد خراب حاصل ہوں علم و عمل کا سدِ باب اور سعادتِ ابدیہ کا حجاب ہو۔ پس جو مال طریقۂ اوّل پر صرف کیا جائے وہ ممدوح و نیک ہے۔ جو مال طریقۂ دوم پر خرچ کیا جائے وہ مذموم و بد ہے۔ چونکہ مال کے واسطے سے طبیعت انسان کی اکثر پیروی خواہشاتِ نفسانیہ پر مائل ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ضرورت سے زیادہ کے لیے اندیشۂ خوف و خطر ہے۔ انبیاء و اولیاء نے اُس کے شر سے پناہ مانگی ہے۔ یہاں تک کہ پیغمبرِ آخر الزماںؐ نے

فرمایا کہ اے پروردگار قوت آلِ محمد بقدر ضرورت کے عطا کر اور میری زندگی مسکینوں کی زندگی کے مثل ہو۔

فصل (۸)

خرابیٔ مال اور اُس کا فائدہ

جو کچھ بیان کیا گیا اس سے معلوم ہوا کہ مال مانند سانپ کے ہے۔ اُس میں زہر بھی ہے اور تریاق بھی۔ اُس کے زہر میں خرابیاں اور اس کے تریاق میں فوائد ہیں، جو کوئی ان کو جانتا ہے وہ خرابیٔ مال سے پرہیز اور خوبیٔ مال کو حاصل کرتا ہے اس کی توضیح یہ ہے کہ خرابیٔ مال کی دو قسم پر ہے :

ایک خرابی دنیا کی۔

دُوسری خرابی آخرت کی۔

خرابی دنیا کی ظاہر ہے یعنی وہ تکالیف اور زحمتیں جو مالداروں کو حصولِ مال میں یا سارق و ظالم و حاسد کی نگاہوں سے حفاظت کرنے میں درپیش ہوتی ہیں وہ ظاہر و عیاں ہیں۔ اب رہی آخرت کی خرابیاں وہ تین قسم پر ہیں :۔

۱ : مال کے باعث انسان گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے گناہوں پر قدرت پانے میں آسانی ہوتی ہے۔ جس وقت خواہش گناہ حرکت میں آتی ہے اور انسان اپنے کو اُس پر قادر پاتا ہے تو آسانی سے اس گناہ کو کر گزرتا ہے۔ برخلاف اس کے اگر انسان اس گناہ میں داخل ہونے کی قدرت

ہی نہ رکھتا ہو تو اس پر اقدام کا خیال بھی نہیں کرتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ گناہ سے بچنے کی وجہ عدم مال بھی ہے۔ پس جو کوئی اس کے واسطے سے گناہ پر قادر ہو کر گناہ کا مرتکب ہوا تو وہ ہلاک ہو گیا اور باوجود قدرت کے اگر مرتکب ہوا اور صبر سے کام لیا تو بہتر ہے لیکن صبر کرنا بھی نہایت تکلیف دہ و مشکل ہے۔

۲: یہ کہ مال کے سبب سے خوشگزرانی کے خیالات پیدا ہوتے ہیں اکثر مالدار ناز و نعمت سے زندگی بسر کرنے کی عادت کرتے ہیں۔ جب کسی ایک لذت کو پاتے ہیں تو دوسری لذت کی خواہش ہوتی ہے پھر جب اس کی عادت ہو جائے اور مالِ حلال میسر نہ ہو تو مالِ مشتبہ پر ہاتھ دراز کرتے ہیں۔ اس سے ترقی کر کے آہستہ آہستہ مالِ حرام حاصل کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے طرح طرح کے اخلاقِ رذیلہ مثلاً جھوٹ، دشمنی، ریا، حسد میں مبتلا ہوتے ہیں۔ بہت کم اتفاق ہوتا ہے کہ صاحبِ مال و ثروت نے خوشگزرانی کی عادت نہ کی ہو اور اس کی کوشش میں نہ ہو۔ جس کو عمدہ کھانے اور لباسِ نفیس میسر ہوں تو کہاں ہو سکتا ہے کہ وہ ان سب کو چھوڑ کر جو کی روٹی اور پرانے کپڑوں پر قناعت کرے۔ ہاں یہ شان اس کی ہے کہ جو صاحبِ نفسِ قدسیہ رکھتا ہو مانند حضرت سلیمان ابن داؤدؑ کے۔ علاوہ اس کے جب آدمی کا مال زیادہ ہوتا ہے تو نوکر اور چاکر کی ضرورت لاحق ہوتی ہے جن سے کاروبار لیا جائے اور جس شخص کا معاملہ اہلِ دنیا کے ساتھ ہو اس کے لیے سوائے اس کے چارہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ ان کے ساتھ نفاق اور دوروئی کے ساتھ معاملہ کرے۔ حالانکہ اہلِ دنیا سے سروکار رکھنا ہی باعثِ عداوت و کینہ و حسد و کبر و ریا و غیبت و بہتان و سخن چینی ہوتا ہے اور مال کی حفاظت و اصلاح کے لیے ان تمام چیزوں کی ضرورت واقع ہوتی ہے۔

۳ : وہ خرابی ہے کہ کوئی مالدار اُس سے خالی نہیں ہے۔ یعنی اس کی حفاظت اور اس کے متعلقہ امور کو انجام دینے میں آدمی یادِ خدا سے باز رہتا ہے۔
بہرحال جس کے سبب سے انسان یادِ خدا سے غافل ہو وہ خسران و وبالِ آخرت ہے اور فوائد مال کے بھی دو قسم پر ہیں :

(۱) دنیائی (۲) آخرتی

فائدہ دنیائی وہ ہے جس کا فائدہ مرنے کے قبل ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً ذلتِ سوال و شرمندگیٔ عیال سے خلاصی پانا۔ دوسروں میں عزت و بزرگی اور دوست و احبا میں وقعت و اعتبار حاصل کرنا۔

اور فوائد اخروی بھی تین قسم پر ہیں :-

۱ : عبادت بجا لانے کے لیے اپنے صرف میں لانا اور قوتِ طاعت حاصل کرنا۔ اپنا جسم ڈھانپنا اور حج و جہاد وغیرہ کرنا۔

۲ : دوسروں کو صدقہ یا خیرات یا بطورِ استحقاق کے دینا۔ جس کا ثواب ظاہر اور روشن ہے یا کسی کی مہمانی کرنا یا بطور ہدیہ کے دینا، یا آدمیوں کی اعانت کرنا جس میں بیحد ثواب ہے اور ان امور میں فقر و استحقاق کی شرط نہیں ہے۔ صرف نیتِ قربت شرط ہے یا اپنی حفاظت آبرو۔ مثلاً ظالم کے شر کے دفعیہ اور بیہودہ بکنے والوں کی زبان بندی کے لیے اعانت کی جائے تو اس میں بھی ثواب ہے۔ حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ جس مال کو آدمی اپنی حفاظتِ آبرو کے لیے صرف کرے تو وہ حکم صدقہ کا رکھتا ہے یا کسی کو اس غرض سے دیا جائے کہ اس کی خدمت کرے جو شغل سپرد کیا جائے اس کو انجام کو پہنچائے تو کوئی شک نہیں ہے کہ یہ امور بھی متعلقہ آخرت ہیں۔ کیونکہ انسان کی زندگی کو جن کاموں کی ضرورت ہے وہ بہت ہیں۔ اگر تمام کی طرف وہ متوجہ ہو تو اس کا

وقت ضائع اور اس کی زندگی بیکار صرف ہوگی وہ آخرت کے کام سے باز رہے گا۔

۳ : وہ کہ خیراتِ جاریہ میں صرف کرے باقیات الصالحات یعنی مسجد و مدرسہ و پل و مسافر خانہ و نالہ وغیرہ بنائے اور قرآن و کتاب لکھے اور باغ لگائے جو بعد مرنے کے باقی رہتے ہیں جن کا ایک مدت تک روز بروز ثواب حاصل ہوتا ہے۔ تمام بندگانِ خدا و نیکانِ و صالحان دعا دیتے ہیں۔ آدمی کا نیکی سے نام لیا جاتا ہے۔

فصل (۹)

مال کی خرابی سے نجات کا طریقہ

جو کوئی خرابیٔ مال سے نجات چاہتا ہے تو اس کو لازم ہے کہ چند چیزوں کی رعایت ملحوظ رکھے۔

۱ : غرض و فائدۂ مال رکھنے کا اس کے سبب پیدائش اور اس کی علتِ احتیاج کو معلوم کرے۔ تاکہ اس کی زیادتی کی طلب میں کوشش نہ کرے۔

۲ : یہ کہ سبب آمدنی کو ملاحظہ کرے حرام سے بلکہ مالِ مشتبہ سے بھی پرہیز کرے ایسا ہی مداخلِ مکروہ یا جو باعثِ نقصِ مروت و زوالِ حریت ہو اس سے اجتناب کرے۔

۳ : یہ کہ طریقۂ خرچ کی رعایت رکھے اور اس میں کمی یعنی میانہ روی اختیار کرے میانہ روی کی نسبت حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے میانہ روی اختیار کی وہ کبھی محتاج نہیں ہوا۔

طریقۂ میانہ روی میں خوراک و پوشاک و مکان کے تین درجہ ہیں :

(۱) ادنیٰ (۲) اوسط (۳) اعلیٰ

ظاہر ہے کہ ادنیٰ کی طرف خواہش کرنا بہتر و اولیٰ ہے تاکہ قیامت میں اُس کا بوجھ ہلکا ہو۔

۴ : یہ کہ ضرورتِ واجبی میں خرچ کرے۔ باطل میں صرف نہ کرے۔ باطل میں خرچ کرنا اور کسبِ حرام کرنا، دونوں کا گناہ مساوی ہے۔

۵ : یہ کہ اپنی نیّت کو کسب و خرچ و میانہ روی میں تمام وجوہ سے خالص رکھے پس جو کچھ کہ وہ بوجہ اعانتِ امرِ آخرت کے حاصل کرے گا کوئی ضرر اس کو نہیں پہنچائے گا۔

اسی وجہ سے حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ جو کوئی شخص تمام اموال روئے زمین کے جمع کرنے میں نیّت قربت کی رکھتا ہو تو وہ زاہدوں میں سے ہے اور اگر تمام کو ترک کرے اور نیّتِ قربت نہ ہو تو وہ زاہد نہیں ہے۔

پس مومن کو لائق یہ ہے کہ جو کام کرے خدا کے واسطے ہو، تاکہ وہ کام اس کے لیے عبادت ہو جو کوئی مال میں سے بقدر ضرورت اپنے یا اپنی عیال کے خرچ کے لیے اٹھا رکھے اور باقی اپنے برادر مومن کو صرف کے لیے دے تو اُس نے مال کے تریاق کو حاصل اور اس کے زہر کو دُور کیا ہے۔ زیادتیٔ مال اس کو نقصان نہیں پہنچاتی ہے لیکن یہ کام ہر کسی کا نہیں ہے۔ تمام اشخاص کو یہ میّسر نہیں ہے بلکہ یہ اُس کی شان ہے کہ جس کو دیدۂ بینا و دلِ دانا و قوّتِ دین اور کمالِ یقین حاصل ہو۔ ایسے شخص کے پاس اگر تمام عالم کا مال جمع ہو تو اُس کو یادِ خدا سے غفلت نہیں ہوتی اور دنیا اسے ہلاک نہیں کرتی۔ اب اگر کوئی عامی مالداری میں اپنے آپ کو اس شخص کا شبیہہ بنانا چاہے تو اس کی مثال یہ ہے۔

جیسے کہ کوئی فسوں گر کسی سانپ کو پکڑے اور دفعتاً وہ سانپ اس کو کاٹے۔ اب سانپ کا کاٹے ہوئے اور مال کے کاٹے ہوئے یعنی تکلیف پہنچائے ہوئے میں فرق یہ ہے کہ سانپ کا کاٹا ہوا اسی وقت سمجھ جاتا ہے کہ سانپ نے کاٹا ہے لیکن مال کا ایذا پایا ہوا نہیں جانتا ہے کہ اس کو مال سے ایذا پہنچی ہے مگر ایسے وقت میں معلوم کرتا ہے کہ جب کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اندھا آنکھ والوں کی طرح دریا کے کناروں اور پہاڑوں اور جنگلوں میں کہیں راستہ چل سکتا ہے۔ کہیں عوام جاہل جن کے پاس مال زیادہ ہو اس عالم دیندار کامل کے مانند اس کی خرابی سے نجات پا سکتے ہیں۔

فصل (۱۰)

فضیلتِ زہد اور بعض زاہدوں کی حکائتیں

واضح ہو کہ محبت دنیا و مال کی ضد کو زہد کہتے ہیں اور زہد دنیا سے دل اٹھا لینے اور بقدرِ ضرورت کے حفاظتِ بدن کے لیے اکتفا کرنے یا دنیا سے پیٹھ پھیر کر آخرت کی طرف متوجہ ہونے سے مراد ہے۔ بلکہ سوائے خدا کے دوسروں سے قطع نظر کرنا اور خدا کی طرف متوجہ ہونا یہ زہد کا بہت بلند درجہ ہے جو کوئی ہر چیز سے بجز خدا کے دل اٹھائے۔ یہاں تک کہ بہشت و قصور و غلمان و حور کی بھی خواہش نہ ہو وہ زاہد مطلق ہے۔ اگر بہشت سے اور اگر ان چیزوں کی طمع میں جو بہشت میں ہیں۔ ان سے اور خوفِ جہنم سے دل دنیا سے اٹھائے تو

وہ بھی زاہد ہے لیکن اس کا مرتبہ زاہد مطلق سے پست ہے۔ جو کوئی بعض لذاتِ دنیویہ سے دستبردار ہو مثلاً یہ کہ مال کو ترک کرے۔ لیکن جاہ کو طلب کرے یا تھوڑا کھانے پر اکتفا کرے۔ لیکن لباسِ فاخرہ میں زینت دے تو اُس کو ہرگز زاہد نہیں کہیں گے۔ اس کو زاہد کہنا روا نہیں ہے۔ بیانِ صدر سے معلوم ہُوا کہ مرتبہ زہد کا اس وقت حاصل ہوتا ہے کہ دنیا کو ترک کرنے کا سبب اس کی پستی و حقارت ہو اور اس کے مقابلہ میں آخرت یا قربتِ خدا کا طالب ہو اور جو کوئی دنیا پہ قابو نہ پانے کے سبب سے یا نام نیک یا آدمیوں کے دل کو ہاتھ میں لینے یا شہرتِ جود و سخاوت و جوانمردی کی غرض سے یا اپنا بوجھ کم کرنے کی نیّت سے دنیا کو ترک کرے تو وہ زاہد نہیں ہے۔ اس کو ہرگز مرتبہ زہد کا حاصل نہ ہو گا۔ واضح ہو کہ صفت زہد کی ایک منزل راہِ دین و مقامِ بلند سالک ہے۔

حضرت رسولِ خدا صلعم سے مروی ہے کہ جو کوئی صبح ہوتے ہی دنیا کے کام کی فکر میں مشغول ہو اس کی ہمّت دنیا پانے کی ہو تو خدا اس کے کام کو مضطرب و متفرق کرتا ہے۔ اس کے شغل کو پریشان کرتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں فقر و احتیاج کو رکھتا ہے جو کچھ اس کے لیے دنیا سے مقدر کیا گیا ہے اس سے زیادہ اس کو نصیب نہیں ہوتا جس کسی کی صبح امرِ آخرت کی فکر و ہمّت میں ہو تو خدا اس کے کاموں کو جمع اور اس کے شغل کو اس کے لیے حفاظت کرتا ہے۔ اس کے دل کو غنی اور بے نیاز کرتا ہے۔ دنیا کو اس کے نزدیک خوار و ذلیل کر دیتا ہے۔

فرمایا کہ جس بندہ کو دیکھو کہ اس کو خدا نے خاموشی و زہد دنیا میں عطا کیا ہے اس سے نزدیکی کرو۔ کیونکہ یہ وہ شخص ہے کہ اس پر حکمت و دانائی کا مبادی فیاضہ سے القا ہوتا ہے۔

نیز آں حضرت نے فرمایا کہ میرے بعد ایک گروہ ہو گا جن کو بادشاہی نہ ملے گی مگر

قتل و جبر کے سبب سے اور تونگری ان کو نہ ملے گی مگر بخل و دل تنگی کے ساتھ۔ وہ ایک دوسرے کی محبت نہ رکھیں گے۔ مگر متابعت ہوا و ہوس کے سبب سے۔ آگاہ ہو کہ جو شخص اس زمانہ کو پائے تو فقر میں بسر کرے باوجود اس کے کہ مال جمع کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ آدمیوں کی دشمنی پر صبر کرے۔ باوجود اس کے کہ ان سے محبت رکھنے کی قدرت رکھتا ہو اپنی ذلت و خواری پر صبر کرے حالانکہ وہ حصول عزت پر قادر ہو، اور یہ تمام خوشنودی خدا کے واسطے بجا لائے تو خدا تعالیٰ اس کو پچاس صدیقوں کا ثواب عطا کرتا ہے۔

پھر فرمایا کہ جس وقت نور داخل قلب ہوتا ہے تو سینہ کشادہ و وسیع ہوتا ہے۔

عرض کیا گیا کہ اس کی کوئی نشانی ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ ہاں دارِ غرور سے پہلو تہی کرنا دار السرور کی طرف متوجہ ہونا اور موت آنے سے پہلے موت کے لیے آمادہ رہنا۔

ایک روز فرمایا کہ خدا سے جیسا کہ چاہیئے ویسی ہی شرم کرو۔

عرض کیا گیا کہ ہم خدا سے شرم کرتے ہیں۔

تو فرمایا کہ پھر کس واسطے یہ مکانات بناتے ہو جن میں تم سکونت نہیں کرتے اور کس واسطے اتنا جمع کرتے ہو جس کو کھا نہیں سکتے۔

ایک جماعت حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی ہم صاحب ایمان ہیں۔

حضرتؑ نے فرمایا تمہارے ایمان رکھنے کی علامت کیا ہے؟

عرض کیا گیا کہ جب کوئی ہم پر بلا نازل ہوتی ہے تو ہم اس پر صبر کرتے ہیں۔ جب کوئی نعمت حاصل ہوتی ہے تو اس کا شکر کرتے ہیں۔ حکم خدا پر راضی ہیں۔ جب اپنے دشمنوں پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اس پر شماتت نہیں کرتے۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ اگر یہ امر ہے تو پھر اس کو جمع نہ کرو جس کو تم نہیں کھاتے اور

وہ مکانات نہ بناؤ جن میں تم نہیں رہتے اور ان چیزوں کے سبب سے ایک دوسرے پر حسد نہ کرو جنھیں آخر کار چھوڑ کر جانا ہے۔

مروی ہے کہ ایک روز حضرت رسول صلعم کی کوئی زوجہ بوجہ زیادتی گرسنگی کے حضرتؐ کے سامنے رونے لگی اور عرض کی کہ یا رسول اللہؐ خدا سے طعام طلب کیجیے کہ وہ عطا کرے۔

حضرتؐ نے فرمایا کہ وہ خدا جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر اس سے سوال کروں تو تمام دنیا کے پہاڑوں کو طلا کر دے اور جس جائے جاؤں میرے ساتھ ساتھ انھیں ضرور روانہ کرے لیکن میں نے گرسنگی دنیا کو اس کی امیری پر اور فقر دنیا کو اس کی مالداری پر اور غم والم دنیا کو اس کی شادی و خوشی پر اختیار کیا ہے۔ بہ تحقیق کہ دنیا محمدؐ و آلِ محمدؐ کیلئے سزاوار نہیں ہے۔ خدا پیغمبرانِ اولوالعزم سے اس وقت تک راضی نہیں ہوا جب تک کہ انھوں نے دنیا کی ناخوشی پر صبر اور اس کی لذات سے کنارہ کشی نہیں کی۔ پس میرے لیے بھی راضی نہیں ہے۔ جب تک کہ ان کی طرح میں بھی تکلیف نہ اٹھاؤں۔

اور فرمایا :

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ

یعنی : صبر کر جیسا کہ پیغمبرانِ اولوالعزم نے صبر کیا۔

خدا کی قسم ہے کہ بجز اس کی اطاعت کے کوئی چارہ نہیں رکھتا ہوں اپنی توانائی و طاعت کے مطابق صبر کرتا ہوں جیسا کہ انھوں نے صبر کیا۔

اور فرمایا کہ جو پیغمبر میرے آگے ہوئے ہیں بعض ان میں فقر میں مبتلا ہوتے تھے یہاں تک کہ سوائے عبا کے ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا اور بعض جوؤں میں

مبتلا ہوتے تھے اور ان کو دوست رکھتے تھے۔

پھر فرمایا کہ بندے کا ایمان کامل نہیں ہے جب تک کہ وہ گمنامی کو شہرت و شناسائی سے اور مفلسی کو مالداری سے زیادہ دوست نہ رکھے۔

آں حضرتؐ سے مروی ہے کہ حضرت سے پروردگار نے فرمایا کہ اگر چاہتے ہو تو مکہ کے پہاڑوں کو تمہارے لیے طلا کر دوں۔

اس وقت حضرتؐ نے عرض کیا کہ اے خدا میں چاہتا ہوں کہ ایک روز بھوکا اور دوسرے روز سیر رہوں تاکہ جس روز بھوکا رہوں تیری عبادت و تضرع میں بسر کروں، جس روز سیر رہوں اُس روز تیرا حمد و سپاس بجالاؤں۔

خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بہترین دوستوں میں سے وہ مرد ہے جو سبک بار رہ کر اپنی نماز سے لذت اٹھائے اور اپنے پروردگار کی عبادت بجالائے اور آدمیوں میں وہ گمنام ہو۔ روزی بقدرِ کفاف و قناعت حاصل کر کے اس پر صبر کرے۔ جب وہ مرجائے تو اس کی میراث بھی کم ہو اور اُس پر رونے والے بھی کم ہوں۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ آدمیوں کے تین طائفے ہیں:

(۱) زاہد (۲) صابر (۳) راغب

زاہد وہ ہے جو دنیا کی تمام غم و خوشی اس کے دل کو نہ ہو۔ دنیا کی کوئی چیز حاصل ہو تو خوشی نہ ہو اور اس کے نکل جانے کا کوئی غم نہ ہو تو وہ شخص ہمیشہ آرام میں رہتا ہے۔

صابر وہ ہے جو دنیا کو چاہتا ہے اور اس کی رغبت رکھتا ہے لیکن جب اس کو میسر ہو تو اس سے اپنے کو بچاتا ہے۔ کیونکہ اس کی خرابی کو جانتا ہے۔ اگر کسی کو اس کے دل پہ آگاہی ہو تو وہ اس کی فروتنی و خودداری و بینش میں پر متعجب ہوگا۔

اور راغب وہ ہے۔ جو دنیا کو خواہ حلال سے ہو یا حرام سے حاصل کرتا ہے اور کسی طرح مال اور دنیا کی طلب میں کوتاہی نہیں کرتا۔ اگرچہ اس کا نفس ہلاک ہو یا اس کی عزت چلی جائے۔

نیز ان حضرتؐ سے مروی ہے کہ طالبِ آخرت کی یہ علامت ہے کہ دنیائے فانی چند روزہ سے رغبت نہ رکھے۔

واضح ہو کہ دنیا سے دل اٹھانا نیز کسی زاہد کا زہد اس کی قسمت کو کم نہیں کرتا ہے اور کسی حریص دنیا کی حرص جو کچھ اس کے لیے مقدر کیا گیا ہے اس کو زیادہ نہیں کرتی ہے وہ شخص اپنا نقصان کرتا ہے جو اپنے نصیب میں آخرت سے محروم رہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنی عزت و جلال کی قسم کہ کسی بندے نے میری خواہش کو اپنی خواہش پر امورِ دنیا میں اختیار نہیں کیا۔ مگر یہ کہ میں اس کے دل کو غنی و بے نیاز کرتا ہوں۔ اس کے شغل و فکر کو آخرت میں منحصر کرتا ہوں اور آسمان اور زمین کو اس کی روزی کا ضامن کرتا ہوں۔ اس کے لیے بہترین تجارت کرتا ہوں۔

نیز ان حضرتؐ سے مروی ہے کہ خدا کے نزدیک بلند مرتبہ والا وہ شخص ہے جس کو اس کی پرواہ نہ ہو کہ دنیا جس کو چاہے نصیب ہو۔ پس جس کسی کا نفس کرامت و عزت رکھتا ہے۔ دنیا اس کے آگے ذلیل و خوار ہے اور جس کسی کا نفس خوار و ذلیل ہے دنیا اس کی نظر میں اعتبار رکھتی ہے۔ زاہد وہ شخص ہے جو کہ آخرت کو دنیا پر۔ ذلت کو عزت پر عبادت کی کوشش کرنے کو راحت پر اور گرسنگی کو سیری پر۔ یادِ خدا کو غفلت پر اختیار کرے گویا وہ دنیا میں ہو لیکن اس کا دل آخرت میں لگا ہو۔ فضیلت زہد کی یہ ہے کہ تمام انبیاء و اولیاء اس صفت میں موصوف تھے۔ بلکہ ان کے صفات مشہور ہیں۔

ہر ایک پیغمبر زہد کے ساتھ مبعوث ہوا اگر اس طرح نہ ہوتا تو قرب پروردگار نہ ملتا اور دنیا سے نجات نہ ہوتی۔

احوالِ کلیم اللہ موسیٰ بن عمرانؑ کو ملاحظہ کیجئے کہ ہمیشہ خدا سے گفتگو کرتے تھے اور نُورِ تجلی ان پر چمکتا تھا وہ کس طرح دنیا میں بسر کرتے تھے۔ ان کی اکثر غذا گھاس اور درختوں کے پتے تھے۔ کثرتِ ریاضت و زحمت سے اس قدر لاغر و ضعیف تھے کہ ان کے شکمِ مبارک سے گھاس اور پتوں کی سبزی ظاہر ہوتی تھی۔

طریقہ عیسیٰ بن مریمؑ کو ملاحظہ کیجئے کہ وہ لباس بالوں کا پہنتے تھے ان کی خوراک درختوں کے پتے اور گھاس تھی۔ نہ ان کا کوئی فرزند تھا نہ ان کا کوئی گھر تھا۔ جس کی خرابی سے وہ اندیشہ کرتے تھے۔ نہ مرنے سے وہ ڈرتے تھے۔ کسی روز کل کے لیے اپنی غذا اٹھا کر نہ رکھی۔ ان کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ جس جائے شام ہوتی آرام کرتے۔ ایک روز بارش و رعد و برق نے ان کو گھیرا اس وقت پناہ لینے کے لیے ہر طرف روانہ ہوئے۔ اپنے کو ایک خیمہ میں پہنچایا جہاں ایک عورت موجود تھی۔ اس کو دیکھ کر شرم کی اور وہاں سے پہاڑ کے کسی غار میں داخل ہوئے تو ملاحظہ کیا کہ ایک شیر اس میں رہتا ہے۔ اس غار میں بیٹھے اور ہاتھ اس شیر پر پھیرا اور فرمایا کہ الٰہی تُو نے ہر کسی کو رہنے کے لیے جائے دی ہے۔ میرے لیے کوئی جائے مقرر نہیں فرمائی۔

خطاب ہوا کہ تیری جگہ میری رحمت میں ہے۔ جب قیامت ہوگی تو اُن حُوروں سے جن کو مَیں نے پیدا کیا ہے جن کی عمر کا ہر روز دنیا کے چار ہزار سال کے برابر ہوگا ان سے تیری تزویج کروں گا اور آدمیوں کو تیری عروسی میں کھانا کھلاؤں گا اور منادیوں کو حکم دوں گا کہ ندا کریں کہ کہاں ہیں زاہدانِ دنیا کہ عروسی زاہدِ مطلق عیسیٰ بن مریمؑ کو دیکھیں۔

حضرتِ یحییٰؑ کا حال سُنیے کہ سوائے پوستین کے کوئی چیز نہیں پہنتے تھے۔ پوستین کی سختی سے ان کا بدن چھِل گیا تھا۔ ایک روز اُن کی والدہ نے چاہا کہ جبہ بالوں کا پہنائیں کہ

اس سے کسی قدر آرام ہو۔ جب حضرت یحییٰ نے اس کو زیب تن کیا تو وحی ہوئی کہ اے یحییٰ تُو نے دنیا کو اختیار کیا۔ پس گریہ کیا اور جبّہ کو اتار دیا اور پوستین کو پہن لیا۔

پیغمبر آخر الزماں جن کے باعث سے زمین و آسمان پیدا کیے گئے اس جناب کے زہد کو ملاحظہ کیجیے کہ بعثت کے بعد جس عرصہ تک دنیا میں زندگی بسر فرما وہ اور ان کی اہلِ بیتؑ کسی روز سیر نہ ہوئے۔ کبھی شام کو نوش فرماتے تو صبح کو گرسنہ رہتے۔ کبھی صبح کو نوش فرماتے تو شام کو بھوکے رہتے۔ آں حضرتؐ اور اہلِ بیتؑ نے کبھی سیر ہو کر خرما نوش نہیں فرمایا مگر بعد فتح خیبر کے وہ بزرگوار عبا کو دو تہہ کر کے استراحت فرماتے تھے۔ اتفاقاً ایک رات کو وہ عبا چار تہہ کی گئی اور حضرتؐ نے آرام فرمایا۔ جب بیدار ہوئے تو فرمایا کہ اس نے مجھ کو رات کی بیداری سے باز رکھا۔ پس عبا کو اٹھاؤ اور دو تہہ کرو۔ اکثر اتفاق ہوا کہ اس برگزیدۂ خدا نے اپنے جامہ کو جسم سے اتارا کہ دھوئیں بلال نے نماز کے لیے اذان دی اُس وقت حضرتؐ دوسرا کوئی جامہ نہیں رکھتے تھے کہ زیب تن فرمائیں اور نماز کے لیے باہر تشریف لے جائیں۔

حضرت علی ابن ابی طالبؑ کا زہد مشہور ہے اور محتاجِ بیان نہیں ہے کہ حضرتؑ نے کبھی پیٹ بھر کر غذا نوش نہ فرمائی۔ روٹی کے ٹکڑوں کو چن کر نوش فرماتے تھے۔ ہمیشہ روٹی کو نمک اور سرکہ سے تناول فرماتے تھے۔ اگر اس سے زیادتی کا کبھی خیال ہوتا تو تھوڑا دودھ نوش فرماتے۔ آں حضرتؑ کے پاس ایک کیسہ تھا جس میں جو کی روٹی کے ٹکڑے رہتے تھے۔

دوسری روایت میں ہے کہ بھوسا جو کا تھا اس کو ایک مٹھی سے زائد روزانہ نوش نہ فرماتے تھے۔ ہمیشہ جامۂ درشت و کہنہ جس پر زیادہ پیوند ہوتے تھے زیب جسم مبارک فرماتے تھے کبھی اپنے جامہ کو لیف خرما سے کبھی پرانے چمڑے

کے ٹکڑوں سے پیوند لگاتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ علیؑ کو دنیا کی زینت سے کیا کام ہے۔ اپنے کو کس طرح اُن لذاتِ فانی اور نعمتِ غیر باقی پر راضی کرے۔ ایسا ہی ائمۂ راشدینؑ و اکابرِ اصحاب و بزرگانِ دین و علماء و صالحین کا زہد کتبِ احادیث و تواریخ میں مذکور ہے۔ حالانکہ ان کی عمر پچاس یا ساٹھ سال کی تھی۔ کبھی عمدہ لباس نہیں پہنا۔ کوئی فرش زمین پر نہیں بچھایا۔ اپنے اہلِ خانہ کو کسی طعام کی تیاری کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ راتوں کو خدا کی عبادت میں بیدار رہتے تھے۔ اپنے رخساروں کو زمین پر رکھتے تھے اور گریہ و مناجات میں بسر کرتے تھے بعض کا یہ طریقہ تھا کہ راتوں کو گرم مقام میں عبادت کرتے تھے تاکہ نسیمِ سحر کی خنکی ان کو آرام نہ دے۔ بعض شکستہ برتن میں پانی رکھتے تھے۔ دھوپ سے نہیں اٹھاتے تھے۔ آبِ گرم پیتے تھے اور کہتے تھے کہ جو کوئی سرد پانی پیئے گا اس کو دنیا سے مفارقت مشکل ہے۔ پس ہوا و ہوس کی غفلت سے ہوشیار رہیئے۔ دنیا کو جو آخرت کی ضد ہے پہچانئے جو لوگ اس کی حقیقت سے آگاہ ہیں۔ ان کی متابعت کیجئے۔ دنیا کی لذاتِ فانیہ سے دُور رہیئے۔ اگرچہ کہ یہ آپ پر ناگوار ہوتا ہے لیکن یہ چندروزہ زمانہ چشم زدن میں گزر جائے گا۔ ملاحظہ کیجئے کہ تمام گزشتگانِ خاک کے نیچے سوتے ہیں جو کچھ انھوں نے جمع کیا تھا۔ ان میں سے اپنے ساتھ کیا لے گئے۔ وہ کس کو سپرد کر گئے۔ عیش و خوشی کا کیا ثمرہ حاصل کیا۔ آپ ضرور کہیں گے کہ وہ ایک خواب تھا۔ پس اس تھوڑے زمانۂ زندگی کی تکلیف کو برداشت کیجئے۔ کیونکہ عاقل زحمتِ چندروزہ کو بمقابلۂ راحتِ دائمی کے اپنے پر گوارا کرتا ہے۔

فصل (۱۱)

مدارج واقسام وعلاماتِ زہد

واضح ہو کہ زہد کے تین درجے ہیں :-

(۱) ادنیٰ (۲) اوسط (۳) اعلیٰ

پہلا درجہ ادنیٰ وہ ہے کہ آدمی کے دل کو خواہش ومحبت دنیا کی ہو لیکن اس کو مجاہدہ ومشقت سے ترک کرے۔

دوسرا درجۂ اوسط وہ ہے کہ اگرچہ اس کی نظر میں دنیا کسی قدر مرتبہ رکھتی ہو لیکن اس کو بمقابلۂ نعمت آخرت کے حقیر سمجھتا ہو۔ باوجود رغبت کے دنیا کو ترک کرتا ہے۔ تو یہ اس شخص کے مانند ہے جس کو ایک درہم نقد ہاتھ لگا ہو اور امید رکھتا ہو کہ کل دو درہم ملیں گے۔ اس مرتبہ والے کو دنیا کا ترک کرنا آسان نہیں ہے۔ مگر پھر بھی ایسا جانتا ہے کہ جس چیز کو ہاتھ میں اٹھایا ہے وہ معاوضہ ہے۔ بلکہ حصولِ آخرت کے واسطے کسی قدر انتظار ضروری ہے لہذا اپنے اس فعل پر کبھی عُجب بھی کرتا ہے۔

تیسرا درجۂ اعلیٰ وہ ہے کہ جس کی نظر میں دنیا کوئی رتبہ نہیں رکھتی وہ اس کو ہیچ جانتا ہے۔ اسے کوئی چیز نہیں سمجھتا۔ اس لیے بشوق ورغبت اس سے کنارہ کرتا ہے۔ یہ اس شخص کے مانند ہے جو دانۂ پشکل سے ہاتھ اٹھائے اور دانۂ یاقوتِ رمانی ہاتھ میں لے۔ ایسا شخص کبھی یاقوت کو اس کا معاوضہ نہیں سمجھ سکتا۔ یہ مرتبہ حقیقتِ دنیا وآخرت کو جاننے کے باعث حاصل ہوتا ہے کیونکہ صاحبِ معرفت

یقینِ کامل رکھتا ہے کہ دنیا جو چارپایوں کی غلاظت ہے بمقابلہ آخرت کے جو یاقوت ہے بہت کم درجہ رکھتی ہے۔ صاحبانِ معرفت نے کہا ہے کہ جس نے دنیا کو آخرت کے واسطے ترک کیا۔ وہ اس شخص کے مثل ہے جو گھر میں بادشاہ کے داخل ہونا چاہتا ہو اور دروازے کا کتا اندر جانے سے منع کرے تو روٹی کے ایک ٹکڑے میں مشغول کر کے اندر چلا جائے اور اپنے کو خلوتِ خاص میں پہنچائے ایسا شخص اُس روٹی کے ٹکڑے کو جو کتے کو دیا ہے اس کو بھی بادشاہ کے خوانِ احسان سے جانتا ہے تو کیا وہ بادشاہ سے اس کے عوض کی امید رکھ سکتا ہے۔ پس دنیا روٹی کے ٹکڑے کے مانند ہے۔ اگر اس کو کھاتا تو اس کے منہ میں ہی رہ جاتا اور تھوڑی لذت ملتی اگر اس کے بعد معدہ میں جاتا تو ثقالت ہوتی اور اس کا نتیجہ آخر نجاست ہوتا بلکہ دنیا اس شخص کے لیے جس کی عمر ہزار سال کی ہو نعمتِ آخرت کے مقابلہ میں روٹی کے ایک ٹکڑے سے بھی بہت کم ہے۔ یہ تو زہد کے درجات تھے۔ اب زہد کی قسمیں سات ہیں جو حسب ذیل ہیں :-

۱ : زہدِ فرض

۲ : زہدِ سلامت

۳ : زہدِ فضل

۴ : زہدِ معرفت

۵ : زہدِ خائفین

۶ : زہدِ راجین

۷ : زہدِ عارفین

پہلی قسم :

زہدِ فرض وہ ہے کہ جن چیزوں کو خدا نے حرام کیا ہے ان کو ترک کرے۔

دُوسری قسم :

زہدِ سلامت وہ ہے کہ تمام اُمورِ مُشتبہ سے بھی اجتناب کرے۔

تیسری قسم :

زہدِ فضل کی دو قسمیں ہیں :

۱ : وہ ہے کہ امرِ حلال سے پرہیز کرے۔ مگر بقدرِ ضرورت طعام و لباس و اثاث البیت و عورت اور جو کچھ ذرائع مال و جاہ کے ہوں ان کو ترک نہ کرے بلکہ ان سے فائدہ اٹھائے۔

۲ : وہ ہے کہ جن چیزوں سے نفس کو نفع و لذّت حاصل ہوتی ہو ان کو ترک کرے۔ اگرچہ وہ بقدرِ ضرورت کے ہو۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ بالکلیہ ان کو ترک کرے کیونکہ ایسا کرنا ممکن نہیں ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ جن کا وہ مرتکب ہوتا ہے لذت پانے کے خیال سے نہ ہو بلکہ اضطرار و توقفِ حیات کے لحاظ سے ہو مانند اکلِ میتہ کے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس قسم کے زہد پر اشارہ فرمایا ہے کہ دنیا میں زاہد وہ ہے کہ دنیا کے حلال کو حساب کے خوف سے اور اس کے حرام کو گناہ کے خوف سے ترک کرے۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ تمام زہد قرآن کے دو کلموں میں ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے :

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ۔

یعنی : " جو کچھ دنیا سے ضائع ہو جائے اُس پر افسوس

نہ کرو جو کچھ ہمدست ہو اس پر خوش نہ ہوں۔"

چوتھی قسم :

زہدِ معرفت وہ ہے کہ تمام ماسوا اللہ کو ترک کرے اور اس سے قطعِ تعلق کرے یہاں تک کہ اپنی جان و بدن کو توکل و اکراہ پر قائم رکھے۔

اس مرتبہ کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اشارہ فرمایا کہ زہد آخرت کے دروازے کی کنجی ہے اور آتشِ جہنم سے نجات میسر ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہر اُس چیز کو جو خدا سے غافل کرتی ہے ترک کر دے۔

واضح ہو کہ بعض ماسوا اللہ سے جو التفات کی جاتی ہے وہ تمام ضروریات ہیں۔ مثلاً کھانا، لباس، آدمیوں کی آمد و رفت، اُن سے گفتگو، درستیٔ مسکن اور مثل ان کے یہ مرتبۂ زہد کے منافی نہیں ہیں۔ کیونکہ ترکِ علاقہ دنیا سے خدا کی طرف متوجہ ہونا مقصود ہے اور یہ بغیر حیات و زندگی متصوّر نہیں ہے اور حیات چند ضروریات پر موقوف ہے۔

پس جو کوئی ان ضروریات کو بندگی و عبادتِ پروردگار کے لیے بقصدِ حفاظت اور اعانتِ بدن کمی کے ساتھ اختیار کرے تو وہ شخص سوائے خدا کے دنیا میں مشغول نہ سمجھا جائے گا۔ جیسا کہ کوئی سفرِ حج میں اپنے مرکب کو گھاس دے اس غرض سے کہ اس کو مکّہ کو پہنچائے۔ بدن کو راہِ خدا میں اپنا مرکب جاننا چاہیئے جیسا کہ راستہ میں حج کے ضروریاتِ مرکب کا لحاظ کیا جاتا ہے۔

پس بدن کو پرورش کرنے اور لذّت حاصل کرنے کا بھی یہی مقصود رکھتا ہو کہ بدن کی اس قدر حفاظت کی جائے جس پر بندگی و عبادتِ خدا موقوف ہے نہ یہ کہ تن پروری و خوش گزرانی مقصود ہو۔ اگر اس سے کوئی لذّت حاصل ہو جائے تو کوئی ضرر نہیں ہے لیکن اس کا مقصد لذّت حاصل کرنے کا نہ ہو۔

واضح ہو کہ کوئی شک نہیں کہ ضرورت سے زیادہ حاصل کرنا اور زیادتی کا ذخیرہ کرنا جس سے رفعِ احتیاج ہوتی ہو وہ منافی زہد ہے۔ مگر جن چیزوں کی مثلاً کھانے، پینے، لباس، مکان، اسبابِ خانہ، عورت اور اس قدر جاہ جس سے ظلم و ستم دفع کیا جاسکے تو یہ زہد کے منافی نہیں ہے۔ لیکن ان کے واسطے بھی چند مراتب ہیں۔

بعض علمائے اخلاق نے کہا ہے کہ انتہائے زہد خوراک میں یہ ہے کہ قوتِ شبانہ سے زیادہ نہ رکھتا ہو۔ اگر زیادہ ہو تو مستحقوں کو بخشش کرے۔ اگر اپنی خوراک جو کی روٹی قرار دے تو نہایت زہد ہے لیکن بعض وقت گیہوں کی روٹی کھانا بلکہ کھانے کے ساتھ روٹی کھانا بشرطیکہ بہت سی چیزیں مزہ دار نہ ہوں بلکہ بعض وقت گوشت کھانا زہد کے منافی نہیں ہے۔ لباس میں روئی یا بالوں کا ملبوس اختیار کرے جس سے بدن پوشیدہ اور سردی و گرمی کی حفاظت ہو اگر دو جامے بلکہ تین جامے بھی ہوں ایک کو پہنے دوسرے کو دھلوائے۔ یہ بھی زہد کے منافی نہیں ہے ایسا مکان ہو کہ خود اپنے عیال کو گرمی و سردی سے اور نامحرموں کی نظر سے بچائے۔ فرش، برتن، دیگ، کوزہ مثل ان کے اسبابِ خانہ اس قدر جو ضرورت کے لیے کافی ہو اور ضرورت سے زیادہ نہ ہو۔ محض خیال یا گمان جس کی سال میں ایک بار ضرورت ہوتی ہے اٹھا نہ رکھے۔ ایسی عورت جس سے خواہش نفسانی رفع ہو سکے اور جس سے اشغالِ ضروریہ پورے ہو سکیں تزویج کرے۔ خصوصاً مال میں اگر کسب کرنے والا ہے تو بقدرِ ضرورت ایک شبانہ کے لیے کسب کرے۔ من بعد امرِ دین کی طرف مشغول ہو۔ اگر کوئی ملک یا مستقل آمدنی رکھتا ہو تو اس کو چھوڑ دینا شرطِ زہد نہیں ہے ہاں مقتضائے زہد یہ ہے کہ اس کی آمدنی قوتِ سالانہ سے زائد ہو تو اس زیادتی کو جمع نہ کرے۔

بعض نے کہا ہے کہ ایسا شخص جو اپنی آمدنی سالانہ کی احتیاط کرتا ہے۔ وہ زاہد نہیں ہے اور زاہدین کے درجۂ بلند سے اس کو بہرہ وحظ نہیں ہے۔ زاہد وہی ہے جو قوتِ شبانہ پر اکتفا کرے اور باقی کو اٹھا نہ رکھے جیسا کہ انبیاء و اصفیاء و اتقیاء کا طریقہ تھا۔

جامع السعادت میں ہے کہ زہد کا حکم بلحاظِ اختلافِ اشخاص و اوقات مختلف ہوتا ہے۔ اس لیے جو شخص مجرّد ہے اس کی شان اور ہے اور صاحبِ عیال کی شان اور ہے۔ جو شخص کسب کر سکتا ہے اس کی حالت اور ہے اور جو شخص کاسب نہیں ہے اور تحصیلِ علم و عمل میں ہی مصروف ہے اس کی حالت اور ایسا ہی اوقات و مکانات بھی مختلف ہیں۔ بعض شہروں میں اور بعض اشخاص کے لیے ضرورت ہر روزہ کے مطابق حاصل کرنا ممکن ہے اور بعض جگہ ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا ہر شخص کو سزاوار یہ ہے کہ اپنے نفس سے اجتہاد کرے۔ وقت و حال و مکان کو دیکھے اور غور کرے کہ امرِ آخرت کی درستی و اطمینانِ دل و جمعیتِ خاطر کس چیز میں ہے۔ جس چیز کی کمی سے آخرت حاصل نہیں ہوتی ہے۔ اس کو اختیار کرے اور اس سے زیادہ کو ترک کر دے ایسا شخص اس قدر اختیار کرنے کے بعد اپنے ارادے کو خدا کے لیے خالص کرے تو وہ زہد سے خارج نہ ہوگا۔ اگرچہ اس سے کم پر بھی اکتفا کر سکتا ہے۔

چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اُس حدیث میں فرمایا ہے۔ جو سفیان اور اس کے اصحاب سے آپ نے گفتگو کی ہے۔ جس کو کلینی نے جامع کافی میں روایت کی ہے اس کی مراجعت یہ ہے کہ سلمان فارسیؓ اپنے حصۂ قوتِ یکسالہ کو بیت المال میں جمع رکھتے تھے اور ابوذر کے پاس چند اونٹ اور چند گوسفند تھے اس کے محاصل سے زندگی بسر کرتے تھے۔

اُسی حدیث میں ہے کہ انصار کے پاس چند غلام تھے ان کو مرنے کے وقت

آزاد کیا۔ حضرت رسولؐ کو جب معلوم ہُوا تو فرمایا کہ اگر پہلے سے اطلاع ہوتی تو اس کو مسلمانوں کے مقبرہ میں دفن نہ کرتا۔ اس نے اپنے غلاموں کو آزاد کیا اور چھوٹے چھوٹے بچّوں کو چھوڑا کہ بھیک مانگیں لیکن خصوص جاہ یعنی وہ شے جس کے سبب سے لوگوں کے دل میں اس کی وقعت ہو۔ پس معلوم ہو چکا ہے اور اس کا اس قدر حصّہ جو انتظامِ امرِ معیشت اور دفعِ شرِ اشرار کے لیے ہو منافیٔ زہد نہیں ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ اگرچہ بقدرِ ضرورت زہد کے منافی نہیں ہے۔ لیکن اس سے آدمی کی ہلاکت واقع ہونے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا بہتر و مناسب یہ ہے کہ آدمی وقعت و اعتبار اور آدمیوں کی نظر میں مرتبہ قائم کرنے کی کوشش نہ کرے۔ ہاں وہ مرتبہ جن کو بغیر کوشش کے خدا نے بعض کو بہ سبب دین کو رواج دینے یا بعض کو بوجہ صفاتِ کمالات کے عطا کیا ہو وہ زہد کے منافی نہیں ہے۔ ایسا ہی پیغمبرِ آخرالزماںؐ کا مرتبہ تمام اشخاص سے بہت بلند اور ان کا زہد تمام عالم سے زیادہ تھا۔ حق یہ ہے کہ جاہ مانند مال کے ہے۔ اکثر ہوتا ہے کہ آدمی کو کسی شہر یا کسی وقت میں اتفاق ہوتا ہے کہ اس کی امرِ معیشت تھوڑی سی جاہ و مرتبہ پر موقوف ہوتی ہے۔ پس اس درجہ سے کوئی ہرج نہیں ہے اور زہد کے منافی نہیں، جیسا کہ احادیث و روایات سے پایا جاتا ہے۔

مروی ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمانؑ کو احتیاج واقع ہوئی کہ اپنے کسی دوست سے کچھ قرض لیں اس نے قرض نہیں دیا۔ حضرتؑ غمگین واپس ہوئے وحی ہوئی کہ اگر اپنے خلیل سے سوال کیا جاتا تو آیا وہ تجھ کو عطا نہ کرتا۔ عرض کیا کہ اے پروردگار مَیں جانتا ہوں کہ تُو دنیا پر غضبناک ہے اس لیے تجھ سے سوال کرنے کو ڈرا۔

خطاب ہوا کہ ضرورت کے مطابق حاصل کرنا دنیا نہیں ہے۔

پس معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حفاظت جس کے لیے آدمی کو احتیاج ہے۔ وہ دین سے ہے، دنیا سے نہیں ہے۔ ہاں اس سے زیادہ دنیا و وبالِ آخرت ہے۔ بلکہ دنیا میں بھی مالداروں کی حالت پر تامل کرنے سے یہ بات اس پر ظاہر ہوتی ہے اور دیکھتا ہے کہ کس قدر حصولِ مال میں رنج و محنت و بلا کھینچتے ہیں۔ اس کی جمع و حفاظت میں طرح طرح کی خواری و ذلت اٹھاتے ہیں کہ ہرگز اس زحمت و ذلت کا دسواں حصہ بھی فقر و تہیدستی کی حالت میں نہیں پہنچتا ہے۔ مالداروں کو مال سے جو سعادت حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اسے اپنے وارثوں کے لیے چھوڑ جاتے ہیں تاکہ وہ کھائیں اور خدا کی معصیت کریں۔ اسی وجہ سے ریشم کے کیڑے سے اس شخص کو تشبیہہ دی گئی ہے جو اپنی عمر کو اموالِ دنیا کے جمع کرنے میں صرف کرے وہ ہمیشہ اپنے اطراف ریشم کا دَور کرتا ہے۔ یہاں تک کہ راہ خلاصی مسدود ہوتی ہے۔ جب باہر آنا چاہتا ہے تو خلاصی نہیں پاتا ہے۔ اسی جگہ مر جاتا ہے۔ اپنے عمل کے سبب سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی دنیا کا حریص ہے کہ ہر روز کوشش کرتا ہے کہ طرح طرح کے تعلقات پیدا کرے جن سے کسی طرح چھٹکارا نہ ہو یہاں تک کہ ملک الموت اس کے اور اس کی خواہشات اور اس کے جمع کیے ہوئے میں جدائی ڈالتا ہے اس کے مرنے کے وقت وہ تعلقات اس کے دل پر سے اور ان سے جن کو اس نے جمع کیا ہے۔ اس کو دنیا کی طرف کھینچتے ہیں اور ملک الموت کا پنجہ جو اس کے دل کے رگ و ریشہ میں ہے اس کو آخرت کی طرف جذب کرتا ہے اس وقت میں یہ امر اس پر زیادہ سہل و آسان ہے کہ کوئی شخص اس کے اعضاء کو ایک دوسرے سے جدا کرے، یہ پہلا عذاب ہے کہ دنیا سے جانے کے وقت اہلِ دنیا کو پہنچتا ہے جو کچھ اس کے بعد آتا ہے اس کی شرح نہیں بیان کی جاسکتی۔

پانچویں قسم :

زہدِ خائفین ہے کہ وہ بسبب فکرِ عذاب آخرت وغضبِ پروردگار کے ہو۔

چھٹی قسم :

زہدِ راجین ہے کہ وہ امید ثواب خدا و نعمتِ جنّت کے باعث ہو۔

ساتویں قسم :

زہدِ عارفین کہ وہ بالاترینِ اقسامِ زہد ہے وہ یہ ہے کہ جس کو بجز قربِ پروردگار اور اس کے دیدار کے کوئی خواہش نہ ہو، نہ اس کو عذابِ جہنّم کا خوف ہو نہ بہشت کا شوق بلکہ وہ لقائے پروردگار کے اشتیاق میں رات دن محو ہو۔ چنانچہ فقراتِ مناجاتِ حضرت امیر المومنین علیہ السلام میں اس کی صراحت ہوئی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جس نے خدا کو پہچانا اس کی ملاقات کی لذّت کو پایا اور معلوم کیا تو اس کے نزدیک نعمت حور و قصور لقائے پروردگار کے مقابلہ میں ہیچ ہے وہ سوائے لقائے پروردگار کے کوئی چیز نہیں چاہتا بلکہ بعض نے کہا ہے کہ اس لذّت کے پانے کے بعد اس کے دل میں حور و قصور کی لذّت باقی نہیں رہتی کیونکہ لذّت نعمتِ بہشت بمقابلۂ لذّتِ لقائے الٰہی کے ایسی ہی ہے جیسی کہ تسخیرِ عالم کے مقابلہ میں ایک چڑیا کے پکڑنے کی لذّت۔

فائدہ :

واضح ہو کہ جو کوئی دنیا کے مال کو ترک کرے وہ زاہد نہیں ہے۔ کیوں کہ مال کا ترک کرنا اور کمئ معاشں و اکل و لباس کی تکلیف کا سہنا بہ نسبت جاہ و شہرت و مدح و منزلت کے زیادہ آسان ہے۔ بہت سے اہلِ دنیا مالِ دنیا سے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ تھوڑی غذا پر اکتفا کرتے ہیں۔ مقامِ ویران پر قناعت کرتے ہیں تاکہ تمام لوگ ان کو زاہد جانیں ان کی تعریف کریں۔ لذّتِ بلند کی طمع میں کم درجہ کی لذّت کو ترک کرتے ہیں۔ ایسے شخصوں نے دنیا کے لیے دنیا کو ترک کیا ہے۔

بلکہ زاہدِ حقیقی وہ ہے کہ مال وجاہ بلکہ تمام لذاتِ نفسانیہ کو ترک کرے۔

اس کی علامت یہ ہے کہ فقیری و مالداری و عزت و ذلت و مدح وذم اس کو برابر ہو ایسی حالت کا سبب غلبۂ محبتِ خدا ہوتا ہے۔ کیونکہ جس وقت تک خدا کی محبت اس کے دل پر غالب نہ ہو اس وقت تک بالکلیہ دنیا کی محبت دل سے دُور نہیں ہوتی ہے۔ خدا کی محبت اور دنیا کی محبت دل میں پانی و ہوا کے مانند ہے ان میں سے کوئی ایک جب پیالہ میں داخل ہو تو دوسری باہر نکل جاتی ہے جو دل محبتِ دنیا سے بھرا ہُوا ہے تو دوستیٔ خدا سے خالی ہے۔ جو دل محبتِ خدا میں مشغول ہے۔ دوستیٔ دنیا سے فارغ ہے۔ ان میں سے کوئی چیز جس قدر کم ہو اُسی قدر دُوسری چیز زیادہ ہوتی ہے۔

دُوسری صفت

غنا و بے نیازی و اقسامِ غنا

جس میں

چار فصلیں ہیں

وہ اوصافِ رذائل جو قوتِ شہویہ سے متعلق ہیں ان میں وہ صفت مالداری اور بے نیازی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جس نے تمام مال کو جمع کیا ہو وہ ان کی احتیاج رکھتا ہے۔ اس صفت کے مراتب کی انتہا نہیں ہے۔ لیکن ایسا نہیں کہ ہر مالداری و ثروت خراب اور صفاتِ رذیلہ میں سے ہو۔ کیونکہ مالداری کے لیے چند اقسام ہیں :-

۱ : وہ کہ مال کے جمع کرنے میں انتہا درجہ کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے حاصل کرنے میں تکلیف اٹھاتا ہے اور جس وقت اس کے ہاتھ سے وہ مال نکل جائے تو محزون و غمگین ہوتا ہے۔

۲ : وہ کہ مال کے جمع کرنے میں سختی و زحمت نہیں کھینچتا۔ لیکن اس کو خدا نے ایک ثروت دی ہے جس پر وہ شاد و خوشحال ہے۔ جب کوئی چیز اس سے تلف ہو جائے تو مغموم ہوتا ہے۔

۳ : وہ ہے کہ مال کے جمع کرنے میں کوئی زحمت نہ کھینچی ہو نہ اس کے ہونے

سے خوش نہ اس کے جانے سے غمناک ہو لیکن اس کو خدا نے ایک دولت دی ہے۔ اس پر شاکر و راضی ہے اس کا وجود و عدم دونوں مساوی ہے یا اس کا وجود اس کی نظر میں بہتر ہے لیکن نہ اس طرح کہ جب وہ مال تمام ہو جائے تو اس کو اندوہ والم ہو اور نیز وہ شخص جو غنی ہے یا اس کا تمام مال حلال ہے یا اس میں حرام بھی موجود ہے اور حقوقِ واجب وغیرہ کے ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے یا نہیں کرتا۔

پس جو اقسام کہ بیان کیے گئے بعض ان میں سے مذموم وصفاتِ رذیلہ ہیں بعض دوسرے ایسے نہیں ہیں۔ ہاں اغلب وہ ہے کہ جو لوگ نفوسِ پاک و قوی نہیں رکھتے ہیں۔ وہ اس مقام پر خوف وخطر سے مامون نہیں۔

اسی وجہ سے حق سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے : كَلَّآ

إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰٓ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰٓ

"جب کہ آدمی اپنے کو غنی و بے نیاز دیکھتا ہے تو سرکشی و نافرمانی کرتا ہے۔"

حضرت رسولؐ نے بلالؓ سے فرمایا کہ خدا سے حالتِ فقیری میں ملاقات کر اور حالتِ مالداری میں ملاقات نہ کر۔

فرمایا کہ میری امت سے جو لوگ فقیر ہیں وہ مالداروں سے پانسو سال پہلے داخل بہشت ہوں گے۔

اور فرمایا کہ :

مَیں نے اہلِ بہشت کو اکثر فقرا اور اہلِ دوزخ کو اکثر مالدار پایا۔

مروی ہے کہ کوئی روز ایسا نہیں ہے کہ ایک ملک زیرِ عرش ندا نہ کرتا ہو کہ

اے فرزندِ آدم جس چیز کی کمی تجھ کو کفایت کرتی ہے وہ اس زیادتی سے بہتر ہے کہ تجھ کو سرکش و طاغی بنائے۔

فصل (۱)

اقسامِ فقر

واضح ہو کہ مالداری کی ضد فقر ہے اور وہ دو قسم پر ہے :-

پہلا فقرِ حقیقی کہ :

وہ احتیاج سے مراد لی گئی ہے۔ یہ فقر سوائے واجب الوجود کے سب کے لیے ثابت ہے۔ اس کے مقابلہ میں غنائے مطلق ہے جو ذاتِ احدیت کے لیے مخصوص ہے اس فقر و غنا پر کتابِ خدا میں اشارہ ہوا ہے :

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ

دوسرا فقرِ اضافی :

وہ بعض ضروریاتِ مال کے احتیاج سے مراد لی گئی ہے۔ جس کا بیان اس جگہ کیا جاتا ہے۔ اس معنی پر فقر کی تین قسمیں ہیں :-

۱ : وہ کہ مالِ دنیا کو دوست رکھے۔ اس سے نہایت درجہ رغبت ہو نہایت سختی و رنج اس کے طلب میں اٹھائے جس طریقے سے کہ حاصل ہو اس کی پروا نہ کرے لیکن اس کو کچھ نہیں ملتا۔ ایسے فقیر کو حریص کہتے ہیں۔

۲ : وہ کہ مالداری کو تہیدستی سے زیادہ دوست رکھتا ہو لیکن اس کی محبت مال سے اس قدر نہیں ہوتی کہ اپنے کو مشقت و زحمت میں ڈالے اور حرام سے مضائقہ نہ رکھتا ہو۔ بلکہ اگر بے زحمت یا تھوڑی طلب میں جو اس کی عبادت سے مانع نہ ہو مل جائے تو وہ خوشحال ہوتا ہے ایسے فقیر کو قانع کہتے ہیں۔

۳ : وہ کہ مال سے کچھ بھی رغبت و محبت نہ رکھتا ہو۔ اس کی خواستگاری نہ کرے بلکہ اس سے اذیت پانے والا اور بھاگنے والا ہو۔ اگر کوئی مال اس کو ہمدست ہو تو اس کو واپس کر دے اس کو فقیر زاہد کہتے ہیں۔

۴ : وہ کہ مال سے نہ کوئی محبت رکھتا ہو نہ کوئی کراہت نہ مالداری سے خوش ہو نہ فقر سے ناخوش۔ اگر کوئی مال ملے تو واپس نہ کرے بلکہ اس کے نزدیک مال کا عدم وجود برابر ہو۔ مالداری و فقیری پر راضی رہے۔ مالداری سے منہ نہ پھیرے اور فقر و احتیاج سے خائف و ترساں نہ ہو۔ اگر مال پائے تو ہوا و ہوس میں مشغول نہ ہو۔ نہ پائے تو پریشان خاطر نہ ہو اور شکایت نہ کرے۔ ایسے شخص کے پاس اگر تمام دنیا کا مال ہو تو کوئی ضرر نہیں ہے اس کے آگے مال مثل ہوا کے ہوگا جو اس کے مکان کو گھیرے ہوئے ہے اور اس کو ضرر نہیں پہنچاتی۔ نہ اس سے خوش ہے نہ کراہت رکھتا ہے۔ بلکہ سانس لینے کی ضرورت کے مطابق اس سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔ اس میں بخل سے کام نہیں لیتا۔ اپنے کو اور سوائے اپنے سب کو اس میں برابر جانتا ہے۔ ایسے شخص فقیر کا نام مستغنی فقیر عارف رکھنا چاہیئے۔ ایسے شخص کا مرتبہ مرتبۂ زاہد سے بڑھا ہوا ہے۔ یہ زاہد ابرار ہے۔ ایسا شخص مقربین میں سے ہے۔ کیونکہ زاہد دنیا سے کراہت رکھتا ہے۔ لہٰذا اس کا دل دنیا کی کراہت میں مشغول ہے۔ ویسا ہی حریص کا دل اس کی محبت میں مشغول ہے اور جس چیز میں دل مشغول ہو تو وہ بندہ اور خدا کے بیچ میں

حجاب ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ دل جو کہ دنیا کے بغض میں مشغول ہو بہتر ہے۔ بہ نسبت اُس دل کے جو دنیا کی محبت میں مشغول ہے۔ دوسرا شل اس شخص کے ہے کہ راہ مقصود کے خلاف چلے اور مقصد سے غافل ہو۔ پہلا مثل اُس شخص کے ہے کہ راہِ مقصود کو طے کرے لیکن مقصود سے غافل ہو بغیر غفلت کے زائل ہونے کے یہ حالت میسر نہیں ہوتی۔ بخلاف اوّل کے کہ اگر اُس کی غفلت زائل ہو تو اس نے مدتوں جو راستہ چلا ہے تو اس کو واپس ہونا پڑے گا تاکہ مقصد کا راستہ ملے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ انبیاء و اولیاء فقر کے طالب تھے اور مالداری سے کراہت رکھتے تھے۔ دنیا کے مال سے دُور رہتے تھے جیسا کہ اخبار سے پایا جاتا ہے۔ پس ان کا مرتبہ فقیر مستغنی کے مرتبہ سے نازل تر اور ان کا دل مشغول ہونا چاہیئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے زیادہ اخبار سے نہیں پایا جاتا کہ یہ لوگ دنیا کے مال سے نفرت و کنارہ کرتے تھے نہ یہ کہ اس سے بغض و عداوت رکھتے تھے۔ ان کا دل اس کی کراہت میں اس شخص کے مانند مشغول تھا جو کوئی پیاس کے موافق نہر سے پئے اور باقی کی پروا نہ کرے نیز دنیا و مال کی کراہت و نفرت کو آدمیوں کی تنبیہ کے لیے ظاہر کرنا فرض تھا جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ باپ حوض کے کنارہ سے دوسرے کنارہ پر کود جاتا ہے تاکہ اس کا طفل ڈرے اور خوف کرے۔ افسوں گر اپنی اولاد کے ساتھ سانپ سے بھاگتا ہے کہ وہ بھی ڈرے مگر خود کوئی خوف سانپ سے نہیں رکھتا۔ واضح ہو کہ بعض اقسام فقر کے جو ذکر کیے گئے، ممدوح اور بعض مذموم ہیں اور ان احادیث کے اختلاف کا سبب جو خصوص فقر میں آئے ہیں۔ اختلاف اقسامِ فقر ہے اور بعض میں اس کی برائی بیان کی گئی ہے اور بعض میں مدح۔

فصل (۲)

شرافتِ فقر اور فقیروں کی فضیلت

واضح ہو کہ اقسامِ فقر اگرچہ مختلف ہیں لیکن صفتِ فقر فی نفسہٖ بہ نسبت مالداری کے افضل ہے۔ اس کی تعریف میں اخبار بہت آئے ہیں۔ حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ اس امت کے فقرا بہترین اس امت کے ہیں۔

اور فرمایا کہ پروردگار مجھ کو فقیروں کی زندگی عطا کر ان کے زمرہ میں مجھ کو محشور کر۔

فرمایا کہ مومن کو زینت فقر کی اس لگام سے جو گھوڑے کے منہ میں ہو بہتر ہے جیسا کہ لگام گھوڑے کو جائے خطرہ و ہلاکت سے روکتی ہے۔ اسی طرح فقر مومن کی فتنہ و فساد سے حفاظت کرتا ہے۔

ایک شخص نے حضرت رسول صلعم سے فقر کی نسبت سوال کیا۔

حضرتؐ نے فرمایا کہ وہ خدا کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

دوبارہ پوچھا گیا تو فرمایا کہ خدا کی ایک کرامت ہے۔

تیسری بار پوچھا گیا تو فرمایا کہ ایسی چیز ہے کہ خدا کسی کو نہیں دیتا ہے۔ مگر پیغمبرِ مرسل کو یا اس مومن کو جو خدا کے نزدیک کریم ہو۔

فرمایا کہ بہشت میں ایک دانۂ یاقوت سرخ کا ایک غرفہ ہے جس کو اہلِ بہشت اس طرح دیکھتے ہیں جیسا کہ اہلِ زمیں ستاروں پر نظر کرتے ہیں اس جا میں سوائے پیغمبر فقیر یا مومن فقیر کے کوئی داخل نہیں ہوتا ہے۔

آنحضرت سے مروی ہے کہ قیامت میں میری امت کے فقرا عمامہ سبز پہن کر قبر سے نکلیں گے ان کے گیسو یاقوت و مروارید سے آراستہ ہوں گے۔ ان کے ہاتھ میں نور کا عصا ہوگا۔ وہ منبر پر بیٹھے ہوں گے جب پیغمبر اُن کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہ ملائکہ ہیں۔ ملائکہ ان کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہ پیغمبر ہیں۔

یہ لوگ جواب دیں گے کہ ہم نہ پیغمبر ہیں نہ ملک بلکہ ہم امتِ محمدؐ کے فقرا ہیں۔

پوچھیں گے کہ تم کس عمل سے اس مرتبہ پر پہنچے۔

یہ لوگ جواب دیں گے کہ ہم زیادہ اعمال نہیں رکھتے تھے ہمیشہ دن کو روزہ اور رات کو عبادت نہیں کرتے تھے۔ لیکن نمازِ پنجگانہ ادا کرتے تھے اور جب محمدؐ کا نام سنتے تھے تو اپنے رخسار پر آنسو جاری کرتے تھے۔

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ خدا نے مجھ سے تکلم کیا اور فرمایا کہ اے محمدؐ میں جس بندے کو دوست رکھتا ہوں تو تین چیزیں عطا کرتا ہوں :-

۱ : اس کے دل کو محزون کرتا ہوں۔

۲ : اس کے بدن کو بیمار کرتا ہوں۔

۳ : اس کے ہاتھ کو مالِ دنیا سے خالی کرتا ہوں۔

جس بندے کو میں دشمن رکھتا ہوں اس کو تین چیزیں دیتا ہوں :-

۱ : اس کے دل کو شاد و مسرور کرتا ہوں۔

۲ : اس کے بدن کو صحیح رکھتا ہوں۔

۳ : مالِ دنیا سے اس کا ہاتھ بھرتا ہوں۔

فرمایا کہ تمام آدمی مشتاق بہشت کے ہیں اور بہشت فقرا کا مشتاق ہے۔

مروی ہے کہ قیامت کے دن تمام زاہد و عابد اپنے گناہوں سے عذر خواہی کریں گے اور حق تعالیٰ فقرا سے عذر خواہی کرے گا اور فرمائے گا اے میرے بندے

مَیں نے تجھ کو مالِ دنیا نہیں دیا۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ دنیا تیرے لیے حیف ہو بلکہ اس سبب سے تھا کہ تُو دنیا کے لیے حیف تھا۔ اٹھ اہلِ قیامت کی صفوں پر گزر کر جس کسی کو دیکھے کہ وہ تجھ پر کوئی حق رکھتا ہو جس نے تجھے دنیا میں کچھ عطا کیا ہو، اس کو پکڑ اور اپنے ساتھ بہشت میں لے جا۔

فرمایا کہ فقرا کے ساتھ زیادہ آشنائی کرو۔ ان پر اپنا حق ثابت کرو کیونکہ ان کا ایک زمانہ خوشی کا آئے گا۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ ان کو کیا خوشی حاصل ہوگی۔

فرمایا کہ قیامت میں ان کو خطاب ہوگا کہ دیکھو کہ جس نے تم کو روٹی یا پانی یا کپڑا دیا ہو اُس کو بہشت میں لے جاؤ۔ فرمایا کہ بادشاہانِ اہلِ بہشت کو دیکھنا چاہتے ہو تو دیکھو کہ جو لوگ ضعیف و خوار، بال پریشان و غبار آلودہ، پرانا لباس پہنے ہیں۔ ان کو کوئی پہچانتا نہیں ہے نہ وہ کسی کو پہچانتے ہیں۔

آں حضرتؐ سے مروی ہے کہ جب وہ زمانہ آئے کہ آدمی فقرا کو ذلیل و دشمن جانیں اور دنیا کی تعمیر میں مشغول ہوں اور درہم و دینار کو جمع کریں تو ان کو خدا چار چیزوں میں مبتلا کرتا ہے۔

(۱) قحط (۲) بادشاہ کا خوف

(۳) حاکموں کی خیانت (۴) دشمنوں کا غلبہ

اہلِ بیتؑ سے مروی ہے کہ جب خدا بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کو فقر میں مبتلا کرتا ہے اور جب اس کی محبت زیادہ ہوئی تو اہل و عیال اور دولت و مال کو اس سے لے لیتا ہے۔

حضرتِ صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہمارے دوستانِ خالص کے لیے اہلِ باطل کی دولت نہیں ہے۔ اگر وہ مشرق سے مغرب تک پھریں تو ان کو بقدرِ قوت

ہی میسر ہو گا۔

نیز آں حضرتؐ سے مروی ہے کہ فقرائے مومنین کو مالداروں سے چالیس ہزار سال پہلے روضہ ہائے بہشت کی سیر کرائیں گے۔ ان کی مثال یہ ہے کہ خالی گھر کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا اور جو گھر مال سے بھرا ہُوا ہو اس پر پہرا لگا دیا جاتا ہے

آں حضرتؐ نے فرمایا کہ جب قیامت ہو گی تو خدا تعالیٰ فقرائے مومنین کے پاس کسی کو عذر خواہی کے لیے بھیجے گا اور پیغام دے گا کہ اپنی عزت کی قسم ہے کہ مَیں نے تم کو دنیا میں خواری و بے قدری کے سبب سے فقیر نہیں کیا البتہ تم دیکھو گے کہ تمھارے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوں۔ پس اس کو دیکھو جس نے تمھارے ساتھ دنیا میں نیکی کی ہے اس کو لے کر داخلِ بہشت ہو۔

ایک شخص عرض کرے گا کہ اے پروردگار اہلِ دنیا نے دنیا میں متعدد عورتیں رکھی ہیں۔ عمدہ عمدہ لباس پہنتے ہیں اور اچھے اچھے کھانے کھاتے ہیں۔ وہ بلند مکانوں میں بیٹھتے ہیں اور گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ مجھ کو بھی آج ان کی طرح عطا کر۔

پروردگار کا خطاب ہو گا کہ آج تجھ کو اور تم میں سے ہر ایک کو جو چیز اہلِ دنیا کو دی گئی ہے۔ اس کے ستر برابر ہر ایک چیز عطا کرتا ہوں۔

ایک روز آں حضرتؐ نے بعض اپنے اصحاب سے فرمایا کہ آیا تم بازار کو جاتے ہو اور میوہ یا کوئی چیز جس کو بیچتے ہیں تم ان کو خرید کرنا چاہتے ہو لیکن اس کے خریدنے کی قدرت نہیں رکھتے ہو۔

عرض کیا گیا کہ ہاں۔

فرمایا کہ آگاہ ہو کہ تمھارے واسطے اس کے عوض میں جو دیکھتے ہو اور نہیں خرید سکتے ہو ایک حسنہ ہے۔

حضرت کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے مالدار کو اس سبب سے مالدار نہیں کیا کہ وہ میرے نزدیک کوئی کرامت رکھتا تھا اور فقیر کو اس لیے فقیر نہیں کیا کہ وہ میرے نزدیک ذلیل و خوار تھا بلکہ مالداری و فقر ایسی چیز ہے کہ اُس سے مالداروں کا اور فقیروں کا امتحان کرتا ہوں۔ اگر فقیر نہ ہوتے تو مالدار مستوجب بہشت نہ ہوتے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی فقیر مسلم سے ملاقات کرے اور اس پر مالداروں کے خلاف سلام کرے تو خدا قیامت میں اس پر غضبناک ہوگا۔

لقمان نے اپنے فرزند کو نصیحت کی کہ کسی کو پرانے جامہ میں حقیر نہ سمجھ کر خدا تیرا اور اس کا ایک ہے۔

منقول ہے کہ ایک شخص کسی بزرگ دین کی خدمت میں گیا اور کہا کہ کوئی دعا میرے حق میں کیجئے کہ میں محتاج اور صاحب عیال ہوں۔ میرے عیال مجھ کو ایذا پہنچاتے ہیں۔

اُس بزرگ نے کہا کہ جس وقت تیرے عیال کسی قوت کا نہ ہونا بیان کریں تو اس وقت خدا کی درگاہ میں دعا کر اُس صورت میں میری دعا سے تیری دعا بہتر ہوگی۔ پس اے فقیر مسکین اس صفت کو جان اور غمگین نہ ہو کہ دنیا ئے دو روزہ فانی کس طرح گزرے گی۔ ایک چشم زدن میں کوچ کے وقت فقیر و غنی یکساں ہیں۔ دنیا اس بجلی کے مانند ہے جو آنکھوں کی بصارت کو گم کرنے والی ہے۔ ہر وقت گزر رہی ہے کوئی لحظہ اس کے لیے توقف نہیں ہے۔ ایک لقمۂ نان سیری کیلئے اور ایک گھونٹ پانی سیرابی کے لیے کافی ہے۔ یہی خیال کر لو کہ عمر گزشتہ میں تم تمام اموالِ دنیا کے مالک تھے اور ایک فقیر نے جَو کی روٹی پر قناعت کی تھی اب اس میں اور آپ میں کیا فرق ہے اور آئندہ تم نہیں جانتے کہ کس طرح گزرے گی۔

بلکہ فقیر کو چاہیئے کہ نہایت خوشنود و شاد رہے کیونکہ خرابی مال و مالداری سے دور اور حساب روز شمار سے فارغ البال ہے۔ خداوند عالم خود اُس سے عذر خواہی کرے گا۔ اخبار میں وارد ہے کہ خدا کے نزدیک اُس کے بندوں میں زیادہ دوست فقیر ہے جو اپنی روزی پر قناعت کرنے والا اور اپنے خدا سے راضی ہو۔

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ :

"اُس فقیر سے کوئی افضل نہیں ہے جو کہ خدا سے راضی ہو۔"

انھیں حضرتؐ سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ قیامت میں فرمائے گا کہ میرے برگزیدگانِ خلق کہاں ہیں۔

ملائکہ عرض کریں گے کہ اے پروردگار یہ لوگ کون ہیں۔

خطاب ہو گا کہ یہ فقرائے مسلمین ہیں جو کہ میرے دیے ہوئے پر قناعت کرنے والے اور میری قضا پر راضی تھے۔ ان کو داخل بہشت کرو۔

پس یہ لوگ بہشت میں داخل ہوں گے اور عیش و عشرت میں بسر کریں گے اور باقی تمام لوگ اپنے حساب میں گرفتار رہیں گے۔

فرمایا کہ کوئی غنی و فقیر نہ ہو گا جو قیامت میں آرزو نہ کرے گا کہ کاش دنیا میں بطورِ جائز اپنی قوت سے زیادہ پیدا نہ کرتا۔ یہ فائدہ فقر و مرتبہ فقرا ہو گا۔ جو ان کو معلوم ہو گا بلکہ وہ فقیر جو اپنے فقر پر راضی ہو جو کچھ اس پر گزرے اس پر شاکر ہو۔ وہ دنیا میں بھی آرام سے گزارتا ہے۔ اس کو بادشاہ و وزیر کا کوئی خوف نہیں ہے۔ نہ مال جمع کرنے کی تکلیف نہ اس کے حفاظت کرنے کی زحمت ہے۔ وہ گدا کی صورت میں ایک بادشاہ ہے اور حقیقت میں بادشاہ ایک گدا ہے۔

فصل (۳)

فقرِ صبر کے ساتھ اُس مالداری پر جو شکر کرتا ہو ترجیح رکھتا ہے

کوئی شبہ نہیں ہے کہ فقر رضا و قناعت کے ساتھ اس فقر سے جو حرص و شکایت کے ساتھ ہو افضل و بہتر ہے لیکن دو مقام پر خلاف ہے :-

(۱) یہ کہ فقیر صابر راضی جو کہ تھوڑی چیز پر قناعت کرنے والا ہو اپنے فقر سے ناراض نہ ہو بہتر ہے یا وہ مالدار سخی جو کہ اپنے مال کو راہِ خدا میں بخشش کرے بعض نے اوّل کو اور بعض نے دوسرے کو ترجیح دی ہے۔ مگر یہ بات اس صورت میں ہے کہ وہ مالدار بھی مال سے دلبستگی نہ رکھتا ہو۔ مال کا وجود و عدم اس کو مساوی ہو۔ اس کی علامت یہ ہے کہ جو کچھ وہ رکھتا ہے اگر اس کے ہاتھ سے نکل جائے تو ذرا بھی اس کے دل میں کوئی فرق نہ واقع ہو کوئی غم اس کو حاصل نہ ہو۔ علیٰ ہذا یہ فقیر بھی اگر کوئی ثروت اس کو ملے تو اس کو ناچیز سمجھے لیکن باوجود علاقہ و محبت مال کے اگر مالدار سخاوت کرے تو اس سے فقیر راضی افضل ہے۔

غرض غنی سخی اور فقیر راضی کا تقابل اس وقت کیا جائے گا۔ جب ان میں سے کوئی بھی مالِ دنیا کی محبت نہ رکھتا ہے لیکن حق یہ ہے کہ فقیر راضی غنی سخی سے بمراتب افضل ہے جیسا کہ مروی ہے ایک روز پیغمبرؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ :

"کونسا آدمی بہتر ہے۔"

عرض کیا گیا کہ وہ مالدار جو خدا کے حق کو ادا کرے۔
حضرتؑ نے فرمایا کہ وہ آدمی خوب ہے لیکن اُس سے میری مراد نہیں ہے۔
عرض کیا گیا کہ پھر کونسا آدمی بہتر ہے۔
فرمایا کہ وہ فقیر ہے جو اپنی قدرت کے مطابق عطا کرے۔
مروی ہے کہ ایک روز کسی کو فقرائے اصحاب نے حضرتِ رسولؐ کی خدمت میں بھیجا وہ حاضر ہُوا اور عرض کہ میں فقیروں کا بھیجا ہُوا ہُوں۔
حضرتِ رسولؐ نے فرمایا کہ تجھ پر اور اُن لوگوں پر جن کی طرف سے تُو آیا ہے مرحبا ہو کہ میں اُن لوگوں کو دوست رکھتا ہُوں۔
پس اس شخص نے عرض کیا کہ فقرا کہتے ہیں کہ مالداروں نے بہشت کو ہم سے لے لیا وہ حج کرتے ہیں ہم اس کی قدرت نہیں رکھتے ہیں۔ وہ عمرہ بجا لاتے ہیں ہم بجا نہیں لا سکتے وہ زیادتی مال کو اپنے آگے بھیجتے ہیں ہم مال نہیں رکھتے کہ بھیجیں۔
حضرتؑ نے فرمایا کہ میری طرف سے فقرا سے کہو کہ جو فقیر خدا کے لیے صبر کرے تو تین خصلتیں اس کو حاصل ہوتی ہیں جو مالداروں کو نصیب نہیں ہوتیں:

1: یہ کہ بہشت میں ایک کھڑکی ہے جس کو اہلِ بہشت دیکھتے ہیں جیسا کہ اہلِ زمین ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ اس میں کوئی داخل نہیں ہوتا، مگر پیغمبر فقیر یا مومنِ فقیر۔

2: یہ کہ پانسو سال پہلے مالداروں کے فقیر داخلِ بہشت ہوتے ہیں۔

3: یہ کہ جو کوئی مالدار:- سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ۔ کہے اور فقیر بھی یہی کلمات کہے تو فقیر کے ثواب کے برابر مالدار کو ثواب نہیں ملتا ہے۔

اگرچہ دس ہزار درہم راہِ خدا میں اس کے ساتھ بخشش کرے۔

ایسا ہی تمام اعمالِ خیر ہیں۔

یہ شخص واپس ہوا اور فقرا سے کہا۔ انھوں نے کہا کہ ہم راضی ہوئے۔

مالداری پر فقر کی ترجیح اسی قدر کافی ہے کہ بہترین موجودات و خاتمِ پیغمبرانؐ نے مالداری پر باوجود قدرت کے فقر کو اختیار فرمایا تھا۔

اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ

یعنی : "فقر میرا فخر ہے۔"

فرمایا کہ اے خدا مجھ کو فقرا میں محشور کر۔

سیدِ ابرار نے اپنے کو مسکین و فقیر نامزد فرمایا تھا۔ جو فراغت و اطمینان دلِ فقیر کو حاصل ہے مالدار کو ہرگز میسر نہیں ہے۔ جو چیز مالدار کو ہے وہ راہِ خدا میں عطا و بخشش کا ثواب ہے اور معلوم ہے کہ خود صفتِ فقر کا ثواب اس سے کم نہیں ہے علاوہ اس کے فقیر کی ہر عبادت کا ثواب مالدار کی عبادت کے ثواب سے جیسا کہ آپ نے معلوم کیا بہت بڑھا ہوا ہے۔ اگر کوئی دوسری فضیلت فقیر کو مالدار پر نہ ہوتی تو یہی بس ہے کہ قیامت میں ذلتِ محاسبہ و معطلیِ حساب اس کو حاصل نہ ہوگی۔

(۲) فقیر حریص کہ جس کا دل دنیا کی طرف مائل ہو وہ بدتر ہے یا مالدار حریص جو بخیل ہو۔ یہ ذکر اس فقیر کا ہے جو طالبِ حرام نہ ہو اور اس مالدار کا ہے جو اپنے حقوق کو ادا کرے ورنہ ہر ایک یا دونوں حرام کے مرتکب ہوں تو بدتر ہیں۔

پس کلام اس فقیر کے بارے میں ہے جس کی حرص حصولِ مال پر بطریق مباح ضرورت سے زیادہ ہو اور مالدار بھی ایسا ہی ہو۔ پس بیانِ صدر سے معلوم ہوا کہ مالدار بدتر ہے ایسے فقیر سے اور ایسا فقیر مالدار سے بہتر و افضل ہے۔

فصل (۴)

فقیر اور گدا کا فرق اور سوال کی برائی اور اُس کے جواز کا وقت

جب فضیلت وفائدۂ فقر کو آپ نے معلوم کیا تو ہر گدا کو فقیر نہ جانیے کیونکہ گدا دوسرا شخص ہے اور فقیر دوسرا۔ گدا وہ ہے کہ دنیا نے اس سے ہاتھ اٹھایا ہے پس فقیر کے واسطے چند شرائط ہیں۔ اگر فقیر ان سے متصف ہو تو فضیلت فقر کی اس کو حاصل ہوگی۔ پس واضح ہو کہ فقیر کو سزاوار یہ ہے کہ اپنے فقر و تہی دستی پر راضی ہو اور اگر اس سے کراہت رکھتا ہو تو مثل اس شخص کے ہو جو حجامت وفصد کو مکروہ سمجھتا ہے لیکن درد کے زائل کرنے کے لیے اُس پر راضی ہو جاتا ہے۔ پس وہ فقیر بھی اسی طرح فقر سے خوشنود رہے۔ اس کو خدا کی طرف سے جانے۔ اس وجہ سے اُس پر شاد و فرحناک ہو۔ باطن میں خدا پر توکل کرے اور اسی پر اعتماد و وثوق رکھے۔ یہ سمجھے کہ خدا بقدرِ ضرورت اس کو دیتا ہے۔ مال کے حاصل کرنے کی حرص نہ رکھتا ہو، اپنے فقر پر صابر و شاکر ہو۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ بعض کے لیے فقر عقوبتِ خداوندی ہے اور بعض کے لیے کرامت اور علامت اس فقر کی جو کرامت من اللہ ہے یہ ہے کہ وہ خوش خلق و مطیعِ پروردگار ہوتا ہے۔ ایسا فقیر اپنے حال کی شکایت نہیں کرتا۔ اپنے فقر پر خدا کا شکر کرتا ہے اور علامت اس کی جو عقوبت ہے یہ ہے کہ وہ اس کو

بد خلق کر دیتا ہے وہ پروردگار کا گناہ اور اس کی شکایت کرتا ہے۔ وہ قضائے الٰہی پر راضی نہیں ہوتا۔ اس حدیث سے پایا جاتا ہے کہ ہر فقیر کو فقر کا ثواب حاصل نہیں ہوتا بلکہ ثواب وفضیلت اس فقیر کے لیے ہے جو راضی و شاکر ہو۔ مطابق کفاف کے قانع ہو۔ طولِ امل نہ رکھتا ہو۔ لیکن جو کوئی راضی نہ ہو زیادہ مال کی طرف مائل ہو۔ ذلتِ حرص و طمع میں آلودہ ہو تو طمع و حرص کے ذریعہ سے اس کے اخلاق بد ہو جاتے ہیں۔ وہ اُن اعمال کا مرتکب ہوتا ہے جو طریقۂ اہلِ مروّت و آبرو کے خلاف ہیں لہٰذا اس کو کوئی ثواب بھی حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہ گنہگار ہے پس فقیر کو سزاوار یہ ہے کہ اظہارِ استغنا کرے اور اپنے کاموں کو پوشیدہ کرے۔ حدیثِ نبوی میں وارد ہے کہ جو کوئی اپنے فقر کو پوشیدہ کرے خداوندِ عالم اسکو اس شخص کا اجر عطا کرتا ہے جس نے تمام دن روزوں میں بسر کیے ہوں اور تمام راتوں کو عبادت کی ہو۔ نیز فقیر کو سزاوار یہ ہے کہ اپنے کو مالداروں میں نہ ملائے۔ ان کے ہم صحبت نہ ہو۔ بسبب مال کے ان کی تواضع نہ کرے بلکہ ان کے ساتھ ایسا کرنے سے تکبّر کرے۔

مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام و حضرتِ خضر میں ملاقات ہوئی۔ حضرتؑ نے حضرتِ خضر سے پوچھا کہ بہترین اعمال کیا ہیں۔

انھوں نے کہا کہ خوشنودئ خدا کے لیے مالداروں کا فقراء پر بخشش کرنا۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ مالداروں پر فقرا کا ازراہِ اعتماد و وثوق خدا ناز و تکبّر کرنا بہتر ہے

حضرتِ خضر نے کہا کہ یہ نکتہ ہے اس کو حور کے صفحۂ رخسار پر نور سے لکھنا چاہیئے۔

نیز فقیر کو چاہیئے کہ حق بات کہنے سے مضائقہ نہ کرے۔ مالداروں سے ازراہِ طمع اور مدارات سچی بات کو نہ چھپائے اور بے اعتنائی نہ کرے۔ فقر و تہیدستی سے عبادتِ خدا میں سستی نہ کرے۔ اگر اس کے قوت سے تھوڑا ہی بچ رہے تو اس کو راہِ خدا میں بخشش

کرنے۔ اس کو جہد مقل کہتے ہیں۔ جو مالدار اپنا بہت سا مال بخشش کرتا ہے اس سے
اس کا ثواب زیادہ ہے۔ ایک روز حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ ایک درہم کا صدقہ
کرنا بمقابلہ سو ہزار درہم کے افضل ہو سکتا ہے۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ کیونکر۔

فرمایا کہ جو شخص اپنے اُس مال کے منافع سے جس کے سو ہزار درہم ہوں،
تصدق کرتا ہو اور جو مرد سوائے دو درہم کے کوئی چیز نہ رکھتا ہو اور اُن دو سے
ایک کو راہِ خدا میں دے دے تو اُس ایک درہم کا بخشش کرنے والا ایک ہزار درہم
کے بخشش کرنے والے سے افضل ہے۔ نیز فقیر کو اپنی ضرورت سے زیادہ اٹھا نہ رکھنا
چاہیئے۔ اگر کوئی شخص ایک شبانہ روز سے زیادہ قوت کو ذخیرہ نہ کرے تو وہ صدیقوں
میں سے ہوگا۔ اگر چالیس روز سے زیادہ کی قوت کو ذخیرہ نہ کرے تو وہ متقیوں میں
سے ہوگا۔ اگر ایک سال کے قوت سے زیادہ کا ذخیرہ کرے تو وہ زمرۂ فقرا سے خارج
اور وہ فضیلتِ فقر سے محروم ہے۔ جو کسی فقیر کو کوئی ایسی چیز عطا کرے جو حرام مؤبد
ہو تو اس کا رد کرنا واجب اور اس کا قبول کرنا حرام ہے۔ اگر وہ چیز مشتبہ ہو تو
اس کا رد کرنا سنت ہے اس کو قبول نہ کرے۔ اگر وہ حلال ہو اور بعنوانِ ہدیہ عطا
کیا جائے تو اس کا قبول کرنا۔ اگر بے منت کے ہو تو مستحب ہے کیوں کہ حضرت
رسول صلعم ہدیہ کو قبول فرماتے تھے۔ اگر اس میں منت ہو تو اس کا ترک کرنا بہتر ہے
اگر بعنوانِ صدقہ یا زکوٰۃ یا اسی طرح پر ہو اور وہ فقیر اس کا مستحق و اہل ہو تو اس کو
قبول کرنا چاہیئے ورنہ رد کر دے۔ اگر معلوم ہو کہ دینے والے نے اس فقیر کو جس صفت
کا گمان کر کے دیا ہے مثلاً اس کو سید یا عالم یا سوائے ان کے جانا ہے اور فی الحقیقت وہ
ویسا نہیں ہے تو اس کو رد کرنا چاہیئے اور اگر بطور ہدیہ کے نہ ہو اور نہ صدقہ ہو بلکہ بسبب
شہرت و ریا و خود نمائی کے دیا ہو تو بہتر یہ ہے کہ قبول نہ کرے اور رد کر دے بلکہ بعض علماء

اس کے قبول کو حرام اور اس کے رد کرنے کو واجب جانتے ہیں۔

واضح ہو کہ جو کچھ فقیر کو دیا جاتا ہے اگر وہ اس کا محتاج ہو اور وہ ضرورت سے زیادہ نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ اس کو قبول کرے بشرطیکہ خرابیٔ مذکور الصدر سے بری ہو۔

حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ دینے والے کا ثواب لینے والے سے زیادہ نہیں ہے بشرطیکہ وہ اُس چیز کا محتاج ہو۔ بلکہ بعض حدیث میں رد کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اگر ضرورت سے زیادہ ہو اور وہ فقیرِ راہِ آخرت کا طالب ہو تو اس زیادتی کو رد کرے۔ کیونکہ خدا نے اس کے لیے بغرضِ امتحان و آزمائش بھیجا ہے تاکہ دیکھے کہ وہ کیا کرتا ہے ضرورت کے مطابق کو بسبب مہربانی اور رحمت کے اس کو عطا کیا ہے۔ پس اس کے لینے میں ثواب ہے لیکن زیادتی سے گناہ میں مبتلا ہوتا ہے یا اس کے حساب میں گرفتار ہوتا ہے۔ پس طالبِ سعادت کو سزاوار یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ کو قبول نہ کرے کیونکہ نفس لے جبکہ موقع پایا تو عہد و پیمان کو توڑتا ہے اور اس پر عادت کرتا ہے۔
بعض مجاورینِ مکہ نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے چند درہم جمع کر رکھے تھے کہ راہِ خدا میں بخشش کریں۔ ایک روز ایک فقیر کو دیکھا کہ طواف سے فارغ ہو کر آہستہ آہستہ کہتا تھا: جَائِعٌ كَمَا تَرٰى عُرْيَانٌ كَمَا تَرٰى فِيمَا تَرٰى تَرٰى كَمَا تَرٰى يَا مَنْ تَرٰى مَا لَا تُرٰى۔

یعنی: "اے خدا بھوکا ہوں اور ننگا ہوں جیسا کہ تُو دیکھتا ہے"

پس کیا دیکھتا ہے اس نسوص میں کہ تُو دیکھتا ہے اے اُس چیز کے دیکھنے والے جس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ پس میں نے دیکھا کہ پُرانا لباس

بدن میں ہے وہ بھی بدن کو نہیں ڈھانپ سکتا۔ مَیں نے اپنے دل میں کہا کہ وہ درہم اس کو دینا چاہیئے۔ اُن درہموں کو اس کے پاس لے گیا تو اُس نے ان پر نگاہ کی اور پانچ درہم اٹھائے اور کہا کہ ان میں سے چار درہم کے دو جامے خرید کروں گا اور ایک درہم راستہ میں خرچ کروں گا۔ باقی کو واپس کیا اور کہا کہ ان کی ضرورت نہیں رکھتا ہوں۔ دوسری رات کو اس کو دیکھا کہ دو جامے نئے پہنے تھا مَیں اُس کے قریب گیا۔ وہ میری طرف متوجہ ہُوا اور میرا ہاتھ پکڑا جب ہم دونوں طواف میں مشغول ہوئے یہاں تک کہ سات طواف تمام کیے۔ ہر ایک طواف میں دیکھا کہ ہمارے پاؤں ہر قسم کے جواہر پر تھے پہلے وقت یاقوت پر دوسرے وقت موتی پر تیسرے وقت زمرد پر چوتھے وقت سونے پر راستہ چلتے تھے۔ ہمارے پاؤں اُس میں ٹخنے تک دھنستے تھے۔ پس اُس مرد نے مجھ سے کہا کہ خدا نے مجھ کو یہ تمام دیا ہے مگر مَیں نے قبول نہیں کیا۔ مَیں دوسروں سے طلب کر کے اپنی معاش حاصل کرتا ہوں کیونکہ ان تمام سے گرانی اور بلائیں گرفتاری ہوتی ہے خلاصہ یہ کہ ضرورت کے مطابق لینا افضل ہے اور اُس شخص کو جو دیتا ہے اُس کو بھی ثواب حاصل ہوتا ہے کیونکہ ثواب کی اعانت کرنا بھی ثواب ہے۔

حضرت موسیٰؑ کو حکم ہُوا کہ ہر رات بنی اسرائیل کے پاس افطار کریں۔

انھوں نے عرض کیا کہ الٰہی کس واسطے میری روزی تُو نے بنی اسرائیل پر متفرق کی ہے کہ ایک شخص صبح کو کھانا کھلائے اور دوسرا شخص شام کو۔

وحی ہوئی کہ مَیں اپنے دوستوں سے ایسا ہی کرتا ہوں۔ ان کی روزی کو بندگانِ باطل کے پاس مقرر کرتا ہوں تاکہ یہ لوگ بھی اس وجہ سے ثواب حاصل کریں لیکن ضرورت سے زیادہ کو بہتر یہ ہے کہ قبول نہ کرے اگر قبول کیا تو اس کو فقرا پر بخشش کر دے۔ ایسی صورت میں زیادہ لینا کوئی ضرر نہیں رکھتا ہے۔ زیادتی کو فوراً فقرا پر

بخشش کردے اٹھا نہ رکھے کہ مبادا نفس کے فریب میں آجائے۔ چنانچہ ایک گروہ فقرا مالدار وں سے مال حاصل کرتے اور دوسروں کو خیرات کرتے تھے۔ آخر کار اُن کے نفس کو شیطان نے فریب دیا انھوں نے اس مال کو وسیلہ نعمت سمجھا اور ہلاک ہوئے۔

مومن کو سزاوار ہے کہ جب تک ممکن ہو کسی چیز کی کسی سے خواہش اور سوال نہ کرے کیونکہ یہ خدا کے شکوہ پر دلالت اور اپنے کو خوار و ذلیل کرتا ہے اور سبب ایذا اس شخص کا ہوتا ہے جس سے خواہش کی جاتی ہے کیونکہ اکثر ہوتا ہے کہ خاطر خواہ وہ کوئی چیز نہیں دے سکتا۔ ظاہر کرنے کے بعد اس سے شرم کرتا ہے یا خجل ہوتا ہے یا اپنی آبرو کی حفاظت کرتا ہے یا ظاہراً اور ریا سے کوئی چیز دیتا ہے۔ ہاں اس طرح حاصل کرنا مذموم نہیں ہے جو شرعاً حلال ہو۔

اسی وجہ سے حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ سوال کرنا خراب ہے۔

اور فرمایا کہ جو کوئی اپنی قوت تین روز کی رکھ کر سوال کرے قیامت میں خدا سے وہ اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اس کے منہ پر کسی قدر بھی گوشت نہ ہوگا اور استخوان ہی استخوان ہوں گے۔

فرمایا کہ جو بندہ ایک دروازہ پر سوال کرے تو خدا ستر دروازے فقر کے اس پر کھولتا ہے۔

پھر فرمایا کہ سوال حلال نہیں ہے مگر اس حالت میں جب کہ وہ ہلاکت کو پہنچا ہو یا اس قرض کی ادائگی کے لیے کہ جس سے رسوائی ہوتی ہو۔

ایک روز ایک گروہ انصار خدمت میں اس بزرگوار کی حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ ایک حاجت ہم آپ سے رکھتے ہیں۔

حضرتؐ نے فرمایا کہ بیان کرو۔

عرض کیا کہ حاجت بہت بڑی ہے۔

فرمایا کہ کہو۔

عرض کیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے لیے آپ بہشت کے ضامن ہوں۔

حضرتؐ نے سرِ مبارک جھکایا بعد ازاں سر اٹھا کر فرمایا کہ میں ضامن ہوتا ہوں اس شرط سے کہ تم کسی چیز کا مجھ سے بھی سوال نہ کرو۔

انھوں نے وعدہ کیا اور وعدہ پر قائم رہے چنانچہ جب اُن کا سفر میں تازیانہ کسی کے ہاتھ سے گر جاتا تو دوسرے اس رفیق سے جو پیادہ ہوتا تھا اُس سے سوال نہیں کرتے تھے کہ تازیانہ اٹھا کر دے۔ خود آتے تھے اور اٹھا لیتے تھے۔ اگر دسترخوان پر بیٹھتے تھے اور پانی دوسرے کے نزدیک رہتا تو اُس رفیق سے خواہش نہیں کرتے تھے کہ اس کو پانی دے۔

پھر فرمایا کہ اگر کوئی تم میں گٹھا لکڑیوں کا اٹھالے اور بیچے اور اپنی عزت کا خیال رکھے تو سوال کرنے سے بہتر ہے۔

حضرت سیّد الساجدین علیہ السّلام نے عرفہ کے روز عرفات میں ایک جماعت سوال کرنے والی کو ملاحظہ کیا اور فرمایا کہ یہ بدترین خلقِ خدا ہیں۔ آدمی خدا کی طرف متوجہ ہو کر دعا و تضرّع کرتے ہیں۔ یہ لوگ آدمیوں سے متوجہ ہو کر سوال کرتے ہیں۔

حضرت صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ اگر سائل کو معلوم ہو کہ ذرکس قدر خرابی پیدا کرتا ہے تو کوئی کسی سے ہرگز سوال نہ کرے گا۔ اگر کوئی جس سے سوال کیا جاتا ہے ردِ سوال کی خرابی معلوم کرے گا تو کسی سائل کے سوال کو رد نہ کرے گا۔ واضح ہو کہ سوال سے جو منع کیا گیا ہے اُس صورت میں ہے کہ ناچار و مضطر نہ ہو لیکن حالتِ اضطرار و احتیاج میں اس کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں ہے جو کچھ ترغیب عطائے سائل کی نسبت ہے اس پر دلالت کرتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ یعنی: "اپنے سے سائل کو محروم واپس نہ کرو۔"

حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ سائل کو رد نہ کرو اور کوئی چیز ان کو دو اگرچہ کہ وہ نصف خرما ہو۔

پھر فرمایا کہ سائل کو سوال کا ایک حق ہے اگرچہ کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو۔

پھر فرمایا کہ سائل کو رد نہ کرو اگرچہ کہ جلا ہوا سُم ہو۔

واضح ہو کہ احتیاج آدمی کی چند قسم پر ہے:

ایک یہ کہ بیحد پریشان ہو مثلاً بھوک جس سے ہلاکت واقع ہوتی ہو اور بے لباسی جس سے بدن نہ ڈھانپا جاتا ہو سردی وگرمی سے خوف تلف ہونے کا ہو۔

دوسرا یہ کہ اس حد تک نہ پہنچا ہو لیکن اس کی ضرورت بہت ہو مثلاً بالا پوش یعنی شیروانی کی اس شخص کو ضرورت ہوتی ہے جو جاڑے میں سردی کی تکلیف اٹھائے اگرچہ ضرورت کی حد تک نہ پہنچا ہو یا مثلاً گاڑی کے کرایہ کی ضرورت اس شخص کو جو تکلیف اٹھا کر پیادہ پا منزل پر پہنچ سکتا ہے۔

تیسرے یہ کہ احتیاج جزئی رکھتا ہو اور اس کی اہتمام کی چنداں ضرورت نہ ہو جیسے کہ روٹی موجود ہو مگر سالن موجود نہ ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ سوال کی تینوں صورتیں جائز ہیں اور حرام نہیں ہیں۔ لیکن پہلی صورت سوال راجح ہے۔ دوسری مباح ہے تیسری مکروہ بشرطیکہ شکوہ خدا اور اپنی ذلت اور دوسروں کی تکلیف کی حد تک نہ ہو اور بہتر یہ ہے کہ اپنی ضرورت کا اظہار کنایتاً کرے، صراحت سے نہ کرے۔ اپنے دوستوں سے اور اس شخص سے جو کوئی جود وسخاوت میں مشہور ہو اظہار کرے بلکہ بہتر یہ ہے کہ ایک ہی معیّن آدمی سے خواہش نہ کرے۔ اگر شخص معیّن سے تمام آدمیوں میں طلب کرے تو اس سے کوئی چیز معیّن نہ طلب کرے۔ اس کی خواہش کے ساتھ صراحت بھی نہ کرے بلکہ قسم بیان کرے اگر وہ نہ دینا چاہے تو عذر نافہمی کا کر سکتا ہے۔ اگر سوائے بیانِ صدر کے

سوال کیا جائے اور وہ شخص حیا و خجالت یا خوفِ ملامت سے کوئی چیز دے تو
وہ حرام ہوگی۔

یہ جو کچھ بیان کیا گیا اس صورت میں ہے کہ اس کو اسی وقت اس کی
ضرورت ہو لیکن سوال کرنا ایسی چیز کا جس کی بالفعل ضرورت نہیں ہے من بعد
ضرورت واقع ہوگی۔

جیسا کہ ایک سال تک اس کی ضرورت نہ ہو اور بعد سال کے اس کی
ضرورت ہو تو کوئی شک اس کے سوال کی حرمت میں نہیں ہے۔ اگر مدتِ سال
میں اس کی ضرورت ہو تو ظاہر یہ ہے کہ اس کا سوال کرنا مباح ہے۔ لیکن اگر
جانتا ہو کہ ضرورت کے وقت بھی سوال کرنے سے وہ شے ہمدست ہو سکتی ہے
تو بہتر یہ ہے کہ بالفعل سوال نہ کرے اور ضرورت کے وقت کا انتظار کرے
اور بعض نے زمانۂ ضرورت کے قبل سوال کرنے کو حرام جانا ہے۔ جس قدر
ضرورت کا زمانہ دُور ہو اسی قدر سوال کرنا سخت کراہت رکھتا ہے۔

ہر بندہ کو چاہیئے کہ اپنے نفس کا مجتہد ہو اور ضرورت کے وقت کو ملاحظہ
کرے اور خدا کے وثوق کو ہاتھ سے نہ دے۔

پس اے صاحبو!

اپنے کو بلندیٔ عزت و مرتبۂ توکّل و اعتمادِ خدا سے مقامِ ذلّت و خوف
اور اضطراب میں نہ ڈالیے۔

شیطانِ لعین کے ڈرانے کو نہ سنیے۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ

تم کو شیطان فقر سے ڈراتا ہے اعمالِ خراب کا حکم دیتا ہے۔

وعدۂ پروردگار پر اطمینان رکھیے :

وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۔

"خدا وعدۂ بخشش و فضل تم کو دیتا ہے۔"

جب تک ہو سکتا ہے اپنے مقابل والوں کے سامنے ہاتھ دراز نہ کیجئے۔ لئیمانِ روزگار کے آگے روٹی کے ایک نوالے کے واسطے اپنی عزت کو ضائع نہ کیجئے۔

ہاں جس نے لذت کو آبرو کی نہیں پایا، اپنی شکم پروری کی عادت کی وہ ہر کسی کے دروازے پر دوڑتا ہے کہ شکم پلید کو پرورش کرے۔ اگر قناعت کرتا تو کس واسطے دوسرے کا دست نگر ہوتا اپنی سوکھی روٹی اور پیاز دوسروں کی بریانی سے ہزار مرتبہ بہتر ہے۔

تیسری صفت

حرص اور اُس کی مذمّت

صفتِ حرص کے متعلق قوّتِ شہویہ ہے وہ ایک ایسی صفتِ نفسانیہ ہے کہ آدمی ضرورت سے زائد ہر ایک چیز کو جمع کرتا ہے۔ یہ صفت حُبِّ دنیا کی ایک شاخ ہے جو تمام صفاتِ مہلکہ و اخلاقِ بد میں سے ہے۔ بلکہ یہ صفتِ بد ایک بیابانِ وسیع ہے۔ جس طرف اس میں جائیں اس کے آخر کو نہ پائیں۔ جو بے چارہ اس میں گرفتار ہوا وہ گمراہ و ہلاک ہوا۔ جو مسکین اس جنگل میں آیا دوسرے وقت اس کو خلاصی نہیں ہوئی کیونکہ حریص کی حرص کسی طرح انتہا کو نہیں پہنچتی، اور ایک حد پر قائم نہیں رہتی۔ وہ اگر دنیا کے اموال کو زیادہ سے زیادہ جمع کرے تو پھر بھی باقی کے حاصل کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔ جو کچھ ہاتھ آئے پھر طلب کرتا ہے۔ وہ بے چارہ بیمار ہے مگر نہیں سمجھتا ہے۔ وہ احمق ہے مگر نہیں جانتا ہے کیونکر ایسا نہ ہو۔ حالانکہ دیکھا جاتا ہے کہ حریص کی ستّر سال کی عمر ہو اور کوئی فرزند نہ ہو اور اس قدر اموال و املاک و آمدنی رکھتا ہو کہ اگر فراغت سے زندگی بسر کرے تو اور سو سال تک اس کو کافی ہو سکتا ہے۔

پھر یہ بھی یقین رکھتا ہے کہ اور بیس سال سے زیادہ اس کی عمر نہیں ہے۔ لیکن اس پر بھی مال کی زیادتی کی کوشش کرتا ہے۔ اور غور نہیں کرتا کہ اس کا کیا فائدہ ہے اور کیا ثمرہ۔ اگر خرچ کے لیے ہے تو اس کا منافع مدت العمر

کے خرچ کو کافی ہے۔ اگر احتیاطاً ہے تو جو کچھ وہ رکھتا ہے اور جو کچھ کر حاصل کرتا ہے اس پر احتمالِ تلف ہے۔ اگر یہ مرض یا حماقت نہیں ہے تو کیا بلا ہے۔ جو کوئی اس مرض میں مبتلا ہوتا ہے۔ اُس کی رہائی اس سے نہایت مشکل ہے۔

اسی وجہ سے حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ جب آدمی کو خانہ طلا د کی دو ندیاں مل جائیں تو پھر تیسری ندی کی طلب رہتی ہے۔ اب اس کے شکم کو کوئی چیز سوائے مٹی کے نہیں بھر سکتی۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ دنیا کا حرص کرنے والا مثل ریشم کے کیڑے کے ہے جس قدر اپنے اطراف دور کرتا ہے اسی قدر اس کی خلاصی نہیں ہو سکتی۔ یہاں تک کہ غصہ سے مر جاتا ہے۔

بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ عجیب بات یہ ہے کہ اگر آدمی کو مطلع کریں کہ تو ہمیشہ دنیا میں رہے گا تو وہ مال جمع کرنے کی حرص نہ کرے گا لیکن جب کہ یہ جانتا ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ تک اسے دنیا میں زندہ رہنا ہے تو اس کے جمع کرنے کی کوشش میں رہتا ہے۔ غور کیا جائے تو ہر کسی پر یہ ظاہر و روشن ہو جاتا ہے۔

فصل (۱)

قناعت اور اس کی فضیلت

صفتِ حرص کی ضد ملکہ قناعت ہے اور وہ ایک حالت ہے نفس کی کہ جس کے باعث بقدر ضرورت وحاجت آدمی اکتفا کرتا ہے اور مالِ فضول کے حاصل کرنے کی زحمت نہیں اٹھاتا۔ یہ صفت اعلیٰ ترین صفاتِ فاضلہ و اخلاقِ حسنہ ہے اور تمام فضائل اسی سے متعلق ہیں بلکہ دنیا و آخرت کی راحت اسی میں ہے۔ صفتِ قناعت ایک مرکب ہے جو آدمی کو مقصد پر پہنچاتا ہے۔ سعادتِ ابدی کی طرف لے جاتی ہے کیونکہ جو کوئی ضرورت کے مطابق قناعت کرے اس کا دل زیادتی میں مشغول نہیں ہوتا وہ ہمیشہ فارغ البال و مطمئن ہے اس کے حواس قائم اور حصولِ آخرت اس کو سہل و آسان ہے اور جو شخص اس صفت سے محروم اور حرص و طمع و طولِ امل میں مشغول رہتا ہے وہ دنیا پر مائل رہتا ہے۔ اس لیے اس کا دل پریشان اور اس کے کام متفرق ہوتے ہیں۔ پس باوجود اس کے کیونکر وہ تحصیلِ آخرت کر سکتا ہے۔ درجۂ اخیار و ابرار پر پہنچ سکتا ہے۔ اسی وجہ سے قناعت کی تعریف میں اخبار بے شمار آئے ہیں۔

حضرتِ رسول صلعم سے مروی ہے کہ خوشا بحال اس کا کہ جس نے دینِ اسلام کی ہدایت پائی ہو۔ ضرورت کے مطابق اس کو ملے تو وہ اس پر قناعت کرے۔ فرمایا کہ آدمی دنیا کی طلب میں زیادہ کوشش نہ کرے کیونکہ کسی کو مقدر سے زیادہ نہیں ملتا اور کوئی شخص دنیا سے نہیں جاتا ہے جس کو مقدر

کے مطابق حاصل نہ ہوا ہو۔

حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے کہ اے فرزند آدم اگر تمام دنیا تیری ہو تو بھی تیرے قوت سے زیادہ تجھ کو نہیں ملتا۔ پس جو کچھ تیرے قوت کے مطابق تجھ کو دیتا ہوں اس کا حساب دوسروں سے لیتا ہوں۔ تجھ پر میرا یہ احسان ہے۔

مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام نے حق تعالیٰ سے سوال کیا کہ کون شخص زیادہ غنی ہے۔

فرمایا کہ جو کوئی زیادہ قناعت کرنے والا ہو۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام نے فرمایا کوئی فرزند آدم اگر دنیا سے اس قدر طالب ہو کہ کفایت کرے تو تھوڑی چیز اس کو سیر کرتی ہے اور اگر وہ کفایت سے زیادہ طلب کرتا ہے تو تمام دنیا کی چیزیں اس کو کافی نہیں ہو سکتیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ جو چیز اپنے سے بلند زیادہ ہو اس پر اپنی آنکھ نہ ڈالو۔ اس پر نگاہ نہ کرو۔ پیغمبر خدا کی معیشت پر نظر کرو۔ آپ کی خوراک جو، آپ کی شیرینی تمر تھی۔ آپ کے جلانے کی لکڑی پوست درخت خرمہ تھی جو ہمدست ہوتی۔

حضرتؑ سے مروی ہے کہ خدا نے جو کچھ دیا ہے اس پر جو کوئی قناعت کرے وہ غنی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ جو کوئی تھوڑی معاش پہ خدا سے راضی رہتا ہے خدا بھی اس کے تھوڑے عمل پر راضی ہوتا ہے۔

آں حضرتؑ سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں جب کسی بندۂ مومن کو تنگدست کرتا ہوں تو وہ غمگین ہوتا ہے حالانکہ یہ تنگدستی اسے مجھ سے قریب کرتی ہے۔ جب کسی کی معاش کو وسعت دیتا ہوں تو فرحناک ہوتا ہے

حالانکہ یہ وسعت اس کو مجھ سے دُور کرتی ہے۔

فرمایا کہ جس قدر ایمان بندہ کا زیادہ ہوتا ہے اسی قدر اس کی معاش میں تنگی ہوتی ہے۔ فضیلتِ قناعت میں بے حدو حساب اخبار آئے ہیں۔ یہی خبر مشہور کافی ہے :

عَزَّ مَنْ قَنَعَ وَذَلَّ مَنْ طَمَعَ

یعنی : "جس نے قناعت کی اس کو عزت حاصل ہوئی۔ جس نے طمع کی اس نے ذلت اٹھائی۔

فصل (۲)

مرضِ حرص کا مُعالجہ اور قناعت کی تحصیل کا طریقہ

مرضِ حرص کے زائل کرنے اور صفتِ قناعت کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ابتداً مال جمع کرنے کی زحمت و تکلیف و آفاتِ دنیویہ پر جو حادثات اس کے بعد واقع ہوتے ہیں ان پر تامل کرے۔ ضرورت سے زیادہ دنیا کا حاصل کرنا کیا نتیجہ اور کیا فائدہ رکھتا ہے۔ اگر آپ اولاد کے واسطے ذخیرہ کرتے ہیں تو معلوم کیجئے کہ آپ کا اور آپ کی اولاد کا خدا ایک ہے۔ جس نے آپ کو روزی دی ہے اس کو

بھی وہ دے گا۔ آپ اپنے اس فرزند کا غم کھاتے ہیں جو آپ کے نطفہ سے حاصل ہوا جس نے اس کو پیدا کیا ہے۔ اس کا غم کس طرح اس کو نہ ہوگا وہ آپ سے زیادہ مہربان ہے۔ آپ کی قدرت سے اس کی قدرت زیادہ ہے۔ اگر آپ کا فرزند ایسا ہو جس کو تنگی سے گزارنا چاہیئے تو آپ تمام عالم اس کے لیے چھوڑ جائیں تو بھی وہ اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔

اے صاحبو! فرزند کو مال کی احتیاج اس کی حیات میں ہوتی ہے۔ جبکہ آپ اس کی عمر کا علاج نہیں کر سکتے ہیں اور تھوڑی زندگی اس کے لیے ذخیرہ نہیں کر سکتے ہیں تو کس واسطے اس کی روزی کی فکر میں زحمت اٹھاتے ہیں۔ تھوڑی دیر زانوئے فکر پر سر رکھیے اور زمانہ کی حالت پر نظر ڈالیے اور غور کیجئے کہ اس زمانہ میں کس قدر ایسے اشخاص صاحب ثروت و دولت و جاہ و حشمت ہیں کہ جن کے باپ نے ان کے لیے کوئی ذخیرہ نہیں کیا اور کس قدر ایسے اشخاص پائے جاتے ہیں کہ وہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہیں حالانکہ بہت سا مال ان کے باپ نے ان کے لیے چھوڑا۔ بہت سے مکانات بنائے۔ وہ دوسرے شہروں میں حالتِ خراب میں مر گئے۔ بہت سے گاؤں اور زراعت جن کے لیے چھوڑے گئے۔ انھوں نے ایک روٹی کے لیے دوسرے شہر میں فاقوں سے جان دی۔ آپ کو حادثاتِ زمانہ کی کیا خبر اور گردشِ افلاک سے کیا اطلاع ہے کہ چند روز میں عالم کی کیا حالت ہوگی۔ اگر آپ اپنے واسطے مال جمع کرتے ہیں تو پہلے اپنی عمر کو معین کیجئے۔ کیا آپ جان سکتے ہیں کہ آپکا نام ایک سال میں مُردوں کے دفتر میں لکھا جائے گا یا زندوں کے۔ جب آپ ایک سال کی قوت رکھتے ہیں تو اُس پر اکتفا کیجئے۔ اپنے حساب کو زیادہ نہ کیجئے۔ علاوہ ان کے اس پر بھی تامل کیجئے کہ جس وقت میں مال کا غنی ہو جائے تو پھر مال کے

جمع کرنے کی کوشش نہ کیجیے جو کچھ جمع کیا جاتا ہے تو پھر اس کی زیادتی کی فکر رہتی ہے۔ پس ایک مرتبہ قناعت کیجیے اور تمام زحمتوں سے فارغ ہو جائیے۔
جب آپ نے غور کیا تو آدمیوں کی حالت پر نظر کیجیے اور پیغمبران مرسل و اولیاء اور بزرگانِ دین کے طریقہ کو ملاحظہ کیجیے کہ انھوں نے کیونکر تھوڑی سی دنیا پر اکتفا و قناعت فرمائی ہے۔ ضرورت سے زیادہ کو جمع نہیں کیا۔ مشرکین و کفار اور ہنود و نصاریٰ و اراذل کے شیوہ کو ملاحظہ کیجیے کہ کیونکر مال جمع کرتے ہیں۔ پونجی اور املاک کو زیادہ کرتے ہیں بلکہ جو کوئی تھوڑا شعور رکھتا ہو تو جانتا ہے کہ جو کوئی لذت ہائے دنیویہ مثلاً اکل و شرب وحظ نفس کی حرص رکھتا ہے وہ دائرۂ انسان سے خارج اور زمرۂ بہائم میں داخل ہے کیونکہ یہ لوازمات بہائم اور چارپایوں کے ہیں۔ جو کوئی ان میں مرتبۂ اعلیٰ کو پہنچتا ہے اس کی لذت چارپایوں سے زیادہ نہیں حریص اور شکم پرست بیل اور گدھے کے مانند ہے۔ پس ظاہر ہے کہ ایسی صفت کیا اثر رکھتی ہے لہٰذا قناعت کی عزت و فارغ البالی پر غور کیجیے۔ حرص کے معالجہ میں کوشش کیجیے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی امرِ معیشت میں میانہ روی حاصل کیجیے۔ جس قدر ممکن ہو خرچ کو بند کیجیے۔ اپنے خرچ کے جزو و کل کو ملاحظہ کیجیے۔ جو کچھ ضروری معیشت بغیر اس کے ممکن ہو اس کو چھوڑ دیجیے کیونکہ باوجود زیادتیٔ خرچ کے قناعت ممکن نہیں ہے اگر تنہا ہیں تو ہلکے جامہ پر اکتفا اور جو غذا مل جائے اس پر قناعت کیجیے ایک روٹی سے زیادہ نہ کھائیے۔ ایسا ہی باقی اور چیزوں میں جن کی ضرورت ہے اپنے کو اس طریقہ پر رکھیے کہ عادت و ملکہ حاصل ہو۔ اگر صاحب عیال ہوں تو ہر ایک کو اسی طرح پر رکھیے تھوڑا تھوڑا خرچ جو چاہتے ہیں کیجیے۔ جن پر زندگی موقوف نہیں ہے ان کو چھوڑ دیجیے جو کوئی اس طریقہ کو اختیار کرے گا اور اپنے کاموں کی اس طرح پر بنا رکھے گا اور قناعت کو اپنا پیشہ بنائے گا تو گزران میں اس کو کوئی تکلیف واقع نہ ہوگی۔ ایسا شخص

صاحبِ عیال ہونے پر بھی خلق کا محتاج نہیں ہوتا ہے۔ اس خصوص میں اخبار بصراحت آئے ہیں:

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ وہ محتاج نہ ہوا جس نے میانہ روی کو اختیار کیا۔ فرمایا کہ اپنے کام کی تدبیر آدھی معیشت ہے۔ اور فرمایا کہ جو کوئی قناعت کرتا ہے خدا اس کو بے نیاز کرتا ہے جو کوئی اسراف کرتا ہے خدا اس کو فقیر کرتا ہے۔ کوئی شک نہیں ہے کہ جس نے قناعت کی بنا ڈالی وہ آدمیوں کی ضرورت سے رہائی پاتا ہے۔ ہر کسی کی خوشامد سے فارغ ہوتا ہے وہ خالق و خلق کے درمیان عزیز ہوتا ہے۔

انھیں حضرتؐ سے مروی ہے کہ میانہ روی، خاموشی بجا، رہنمائی نیک اجزائے نبوت میں سے ایک جزو ہے۔

حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ میانہ روی کو خدا دوست رکھتا ہے۔ اور فضول خرچی کو خدا دشمن۔ یہاں تک کہ خرمہ کی ہڈی کو دور پھینکنا بھی اسراف ہے۔ کیونکہ وہ بھی وقت پر کام آتی ہے۔ یہاں تک کہ پینے سے بچا ہوا پانی پھینکنا بھی اسراف میں داخل ہے۔ فرمایا کہ میں اس کا ضامن ہوں جو میانہ روی اختیار کرے وہ ہرگز فقیر نہ ہوگا اور جبکہ بالفعل اس کی معیشت درست ہوگئی تو آئندہ کے لیے وہ مضطرب نہ ہو بلکہ خدا کے فضل و کرم پر اعتماد کرے اور جانے کہ جو روزی اس کے لیے مقرر کی گئی ہے اس کو ملے گی۔ اگرچہ کہ وہ حرص نہ کرے اور اپنی آمدنی کو نہ جانے کیونکر ایسا نہ ہو حالانکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا

یعنی: "کوئی جاندار نہیں ہے جس کا رزق خدا پر نہ ہو۔"

پھر فرماتا ہے: وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔

یعنی: جو کوئی پرہیزگاری کرتا ہے خدا اس کو ہر ایک غم سے نجات دیتا ہے۔ اس کی روزی اس جگہ سے پہنچاتا ہے جس کا گمان نہ رکھتا ہو۔

ہر ایک شخص اپنے سے بلند مرتبہ والے کی معیشت پر نگاہ نہ کرے بلکہ اپنے سے پست مرتبہ والے پر نظر کرے اور شیطان کی اطاعت نہ کرے کیونکہ وہ ہر کسی کی نظر کو دنیا میں اپنے سے بلند مرتبہ والے پر ڈالتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ فلاں کو دیکھ کہ کیونکر نعمت حاصل کی ہے اور کیسے کیسے عمدہ کھانے کھاتا ہے اور کیسا لباس عمدہ پہنتا ہے اپنے کو اُن سے پست مرتبہ والا نہ کر۔ دنیا کی طلب میں سستی نہ کر اور دین کے کام میں اپنے سے پست درجہ والے پر نگاہ ڈلواتا ہے اور کہتا ہے کہ کس واسطے اپنے کو زحمت دیتا ہے اور سختی کھینچتا ہے اور اس قدر خدا سے ڈرتا ہے کہ دیکھ فلاں فلاں تجھ سے زیادہ جاننے والے ہیں مگر اس قدر نہیں ڈرتے۔

چوتھی صفت

طمع اور اُس کی بُرائی میں

واضح ہو کہ دوسروں کے مال میں امید رکھنے کو طمع کہتے ہیں وہ ایک محبتِ دنیا ہے جو رذائلِ مہلکہ وصفاتِ خبیثہ میں سے ہے۔ حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ ہرگز طمع نہ کر کیونکہ وہ تیرا فقر حاضر ہے۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ جس کا مثل ونظیر ہونا چاہتا ہے تو اس سے استغنا کر اور جس کا بندہ واسیر ہونا چاہتا ہے تو اس سے طمع رکھ اور جس پر بزرگی چاہتا ہے اس کے ساتھ احسان کر۔ طمع کرنے والے کی بندگی وخادمی ظاہر ہے جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ صاحبانِ ہمت اور بلند طبیعت نہ بادشاہ کی خوشامد کرتے ہیں نہ کسی امیر سے تملق کرتے ہیں نہ وزیر سے۔ لیکن طمع کرنے والے صاحبانِ جاہ ودولت کی خدمت میں دوڑتے ہیں۔ اہلِ دنیا کے سامنے ہاتھ باندھتے ہیں۔ اگر کوئی خدمت مل جائے تو اس کی سرانجامی اور حصولِ مال کی کوشش میں کبھی آرام نہیں لیتے۔ یہ خادمی وبندگی نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

ایک شخص نے دو لڑکوں کو راستہ میں دیکھا کہ ہر ایک کے پاس ایک ایک روٹی ہے مگر ایک لڑکا اپنی روٹی پر تھوڑا شہد رکھتا ہے۔ جب دوسرے نے اس سے شہد مانگا تو اس نے کہا کہ تو میرا کتا بن کہ تجھ کو شہد دوں۔ اُس نے جواب دیا کہ مَیں تیرا کتا بنا۔ وہ لڑکا جو شہد رکھتا تھا اس نے ایک ڈوری اُس کے

منہ میں دی وہ اسے دانتوں میں پکڑ کر اس کے پیچھے دوڑتا تھا اور کتے کی آواز کرتا تھا۔ اگر وہ لڑکا اپنی روٹی پر قناعت کرتا تو کیوں اس کا کتا ہوتا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ بندہ بہت خراب ہے جو طامع ہو یہ طمع ہر ایک مکان پر اس کو لے جاتی ہے اور وہ بندہ خراب ہے جو ایسی خواہش رکھے جس کے سبب سے ذلت حاصل ہوتی ہے۔

مذمت میں طمع کے اخبار و آثار بیحد و بیشمار ہیں۔ اسی قدر اس کی مذمت میں کافی ہے کہ طمع کرنے والا ذلیل و خوار اور دوسروں کی نظر میں خفیف و بے اعتبار ہوتا ہے۔ ایک روٹی کے ٹکڑے کے واسطے اس کے دروازے پر جاتا ہے۔ درہم و دینار کے لیے اس کے گھر پر دوڑتا ہے۔ کبھی اپنے کو کسی نالائق کا بندہ بناتا ہے کہ اس کا بچا ہوا کھائے۔ کبھی اپنے کو کسی کمینہ کا غلام بناتا ہے کہ اس سے کوئی چیز حاصل کرے۔ جھوٹی خوشامد سے جھوٹ کہتا ہے اور ہزاروں باتیں بناتا ہے کہ کسی چیز کی سرفرازی ہو۔ کسی کافر کو سجدہ کرتا ہے کہ سرفراز ہو۔ کسی فاسق کے آگے کمرِ خدمت باندھتا ہے کہ ممتاز ہو۔ عجب ذلت و حقارت ہے۔ ایسا شخص مثل اس کے ہے جس نے حصول مال کے لیے طمع کو زینا پیشہ بنایا ہو کہ جس طرح سے ممکن ہو کوئی چیز حاصل کرے۔ یہ دہقان کی اُس عورت کے مانند ہے جس نے ایک پیراہن پہنا ہو اور دُوسرا کوئی لباس نہ رکھتی ہو۔ کوئی نامحرم سامنے آجائے تو اپنے پیراہن کے دامن کو اٹھائے اور منہ کو پوشیدہ کرے اور یہ نہ جانتی ہو کہ اگر منہ ڈھانپا جائے گا تو کوئی اور چیز ظاہر ہوگی۔ طمع کرنے والا زیادتی تحصیلِ اموال میں اپنے کو خوار و ذلیل کرتا ہے اور اپنے کو اُن اشخاص سے بلند رتبہ والا سمجھتا ہے جو نفس کو روکنے والے ہیں اور ہمت بلند رکھتے ہیں اور زیادتی مالِ دنیا کے لیے ہر کسی کے

دروازے پر نہیں جاتے اور اپنی روٹی کو دوسروں کی طرح طرح کی نعمت سے بہتر جانتے ہیں۔ جامۂ بہتر کی طمع میں اپنی عزت کو خراب نہیں کرتے ہیں۔ طمع کرنے والے کا بھروسہ آدمیوں پر بہ نسبت خدا کے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ اگر اُس کا بھروسہ خدا پر زیادہ ہوتا تو سوائے اس کے دوسرے سے طمع نہ رکھتا۔ یہ مذمت تمام مذمتوں سے بڑھی ہوئی ہے۔

ایک روز ایک درویش تنگدست ایک مالدار کے دروازے پر گیا اور کہا کہ سُنا ہے تُو نے راہِ خدا میں کوئی مال درویشوں کو دینے کے لیے نذر کر رکھا ہے۔ مَیں بھی درویش ہُوں۔

خواجہ نے کہا کہ مَیں نے اندھوں کے لیے نذر کیا ہے تُو اندھا نہیں ہے۔

درویش نے کہا کہ اے خواجہ! حقیقت میں اندھا مَیں ہُوں کہ درگاہِ خدا کو چھوڑ کر تیرے دروازے پر گدائی کے لیے آیا ہُوں۔ یہ کہا اور واپس ہوگیا۔ خواجہ پر اس بات نے اثر کیا۔ اس کے پیچھے دوڑا ہر چند کوشش کی کہ کوئی چیز اس کو دے مگر اس نے قبول نہیں کیا۔

سچ ہے کہ جب کوئی درگاہِ خدا سے مُنہ پلٹائے تو کیونکر وہ اندھا نہ ہوگا۔ جو کوئی اس کی درگاہ کو بھول گیا ہو کیونکر وہ بہرا نہ ہوگا۔ حالانکہ آیہ کریمہ :

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ

کو کیا نہیں سُنا ہے۔ یعنی : "آیا خدا اپنے بندے کے واسطے کافی نہیں ہے" اگر سُنا ہو اور باور نہ کیا ہو تو کافرِ مطلق ہے۔

نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْہُ

فصل (۱)

استغناء و بے طمعی کی شرافت

طمع کی ضد صفتِ استغنا و بے نیازی ہے۔ یہ وہ فضیلت ہے کہ جس کے باعث قربِ پروردگار حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ جو کوئی سوائے خدا کے دوسروں سے طمع نہیں کرتا تو اس کو خدا دوست رکھتا ہے۔

غنائے حقیقی سے مراد یہ ہے جیسا کہ سیدِ رسل صلعم نے فرمایا کہ جو شخص مال زیادہ رکھتا ہو تو وہ غنی نہیں ہے بلکہ غنی وہ ہے جس کا نفس بے نیاز ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ سوال و احتیاج بُری چیز ہے خواہ کوئی چیز رکھتا یا نہ رکھتا ہو بلکہ چیز رکھنے کی صورت میں اور زیادہ بد ہے۔

ایک اعرابی نے حضرت پیغمبر صلعم سے عرض کیا کہ کوئی نصیحت فرمائیے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ تو نماز پڑھتا ہے تو اس طرح نماز پڑھ کہ دُنیا کو رخصت کرتا ہو کیونکہ تُو کیا سمجھ سکتا ہے کہ دوسری نماز تک زندہ رہے گا ایسی بات کہہ کہ جس کا عذر نہ کیا جائے اور جو کچھ دوسروں کے اختیار میں ہے اس سے مایوس رہ۔

حضرت سید الساجدین علیہ السلام نے فرمایا کہ آدمیوں سے طمع نہ رکھنے میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ جو کوئی کسی سے امید نہ رکھتا ہو اور اپنے کاموں کو خدا پر چھوڑ دے تو اس کے تمام کام پورے ہوتے ہیں۔

حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ شرف و بزرگی مومن کی

رات کی بیداری میں ہے۔ اس کی عزت آدمیوں سے استغنا و بے نیازی میں ہے۔

فرمایا کہ :

تین چیزیں فخرِ مومن اور دنیا و آخرت میں اس کی زینت ہیں :-

۱ : عبادت میں شب بیداری کرنا۔

۲ : دوسروں کے جو اختیار میں ہو اُس سے مایوس رہنا۔

۳ : جو امام آلِ محمد صلعم سے ہو اس سے محبت و دوستی رکھنا۔

پھر فرمایا کہ :

اگر کوئی خدا سے طلب کرتا ہے تو خدا اس کو عطا کرتا ہے۔ وہ تمام آدمیوں سے ناامید ہوتا ہے۔ سوائے خدا کے کسی سے امید نہیں رکھتا ہے۔ جب خدا اس کو اس طرح پاتا ہے تو اس کو ہر ایک چیز دیتا ہے۔

پانچویں صِفت

بخل کی مذمّت

جس میں چار فصلیں ہیں!

واضح ہو کہ جس مقام میں جس قدر بخشش کرنا چاہیئے اس میں کوتاہی کی جائے یا اس قدر نہ دیا جائے تو اس کو بخل کہتے ہیں۔ یہ مقامِ تفریط ہے۔ اس کی افراط اسراف ہے یعنی جس قدر خرچ کرنا نہ چاہیئے اس قدر خرچ کریں تو اس کو اسراف کہتے ہیں۔ ان کا ہر دو جانب مذموم ان کا اوسط صفتِ جود و سخا ہے جو پسندیدہ و نیک ہے۔ صفتِ بخل محبتِ دنیا کا نتیجہ و ثمرہ ہے۔ یہ صفتِ بخل صفاتِ خبیثہ و اخلاقِ رذیلہ میں سے ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے :

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

خلاصۂ معنی یہ کہ :

" وہ لوگ جنھیں خداوند عالم نے اپنے فضل سے مال عطا فرمایا ہے۔ اس میں بخل کرنے کو اچھا نہ سمجھیں بلکہ وہ نہایت

ہی بد ہے اور یہی مال جس کے بارے میں اس قدر بخل کیا جاتا ہے روزِ قیامت ان کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا۔"

حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ ہرگز بخالت نہ کرو۔ جو لوگ تمھارے قبل ہوئے ہیں اس بخل نے انھیں ہلاک کیا۔ وہ اسی کے سبب سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے اور جو شے اُن کے لیے حرام تھی اس کو حلال سمجھے۔

انھیں حضرتؐ سے مروی ہے کہ بخیل بہشت سے دور اور دوزخ سے نزدیک ہے، خدا کے نزدیک جاہل سخی، عابد بخیل سے زیادہ محبوب ہے۔

فرمایا کہ بخل ایک درخت ہے کہ جس کی جڑ درختِ زقوم میں ملی ہوئی ہے اور بعض اس کی ڈالیاں دنیا میں لٹکتی ہیں۔ جو کوئی اس کی ڈالی پر ہاتھ مارتا ہے تو گویا اپنے کو دوزخ کی آگ میں داخل کرتا ہے۔ آگاہ رہو کہ بخل کفر سے پیدا ہوتا ہے اور عاقبتِ کفر دوزخ ہے۔

نیز اُس سرورؐ سے مروی ہے کہ ممکن ہے تم میں سے کوئی کہے کہ بخیل سے ظالم بہتر ہے۔ مگر خدا کے نزدیک بخل سے بڑھ کر کونسا ظلم ہو سکتا ہے وہ اپنی عزت و جلالت کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ بخیل ہرگز داخلِ بہشت نہ ہو گا۔

ایک شخص جہاد میں آنحضرتؐ کے ہمراہ مارا گیا۔ اس کی عورت گریہ کرتی تھی، اور وائے شہید کہتی تھی۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ تو کیا جانتی ہے کہ وہ شہید ہے ممکن ہے کہ بے فائدہ باتیں کرتا ہو یا بخیل ہو۔

ایک روز آن بزرگوارؐ نے ایک مرد کو دیکھا کہ کعبہ کے پردہ کو پکڑ کر کہتا ہے کہ اے خدا اس گھر کی حرمت کا واسطہ میرے گناہ کو بخش دے۔

حضرتؐ نے فرمایا کہ تو نے کیا گناہ کیا ہے۔

عرض کیا کہ میرا بڑا گناہ ہے کیا عرض کروں۔

فرمایا کہ : تیرا گناہ بڑا ہے یا زمین۔
اس نے عرض کیا کہ : میرا گناہ۔
پھر فرمایا کہ : تیرا گناہ بڑا ہے یا دنیا کے پہاڑ۔
اس نے کہا کہ : میرا گناہ۔
پھر فرمایا کہ : گناہ بڑا ہے یا عرش۔
اس نے کہا کہ : میرا گناہ۔
پھر فرمایا کہ : تیرا گناہ بڑا ہے یا خدا۔
اس نے عرض کیا کہ : خدا بہت بڑا اور اعلیٰ ہے۔
پھر حضرتؐ نے فرمایا کہ : اپنا گناہ بیان کر۔
عرض کیا کہ : یا رسول اللہؐ میں صاحب ثروت ہوں جب کوئی فقیر آتا ہے اور مجھ سے کسی چیز کا طالب ہوتا ہے۔ گویا ایک شعلہ آگ کا میرے منہ کی طرف لپکتا ہے۔

حضرتؐ نے فرمایا کہ دور ہو اور مجھ کو اپنی آگ سے نہ جلا۔ اس خدا کی قسم ہے جس نے مجھ کو ہدایت و کرامت کے لیے پیدا کیا ہے کہ اگر درمیانِ رکن و مقام کھڑے رہ کر دو ہزار سال نماز پڑھے اور اس قدر گریہ کرے کہ تیری آنکھوں سے نہریں جاری ہوں جس سے درخت سرسبز ہوں اور اسی حالت میں مرجائے تو بھی لئیم ہوگا اور خدا تجھ کو جہنم میں اوندھا ڈالے گا۔

مروی ہے کہ دو فرشتے ہیں کہ ہر صبح کو ندا کرتے ہیں کہ خداوندا بخیل کے مال کو تلف کر جو کوئی تیری راہ میں بخشش کرتا ہے اس کا عوض اس کو کرامت کر۔ صفتِ بخل کی مذمت میں اخبار بہت آئے ہیں جس کی انتہا و شمار نہیں ہے۔ حتیٰ یہ کہ تجربہ ہوا ہے کہ بخیل کو دیکھنے سے دل کو آزردگی و تیرگی حاصل ہوتی ہے۔ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ جو کوئی لئیم و بخیل ہے وہ نظروں میں خوار و ذلیل ہے۔

جیسا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بخالت بخیل کو حقیر اور بے قدر کرتی ہے۔ بخالت سے آدمی کی ناموس و آبرو برباد و فنا ہوتی ہے۔ بلکہ آنحضرتؑ نے اس کی صراحت فرمائی ہے اور دیکھا بھی گیا ہے کہ بخیل کی اولاد اس کے ساتھ دشمنی کرتی ہے۔ کسی بخیل کا دنیا میں کوئی دوست نہیں ہوتا۔ اس کے اہل و عیال اس کی موت کے خواہاں، اس کے فرزند اس کی موت کے نگراں رہتے ہیں۔ وہ مسکین و بے چارہ باوجود وسعت کے تنگی و سختی سے گزارتا ہے۔ اس کی زندگی دنیا میں مثل زندگی فقرا کے ہے اور اس کا محاسبہ و مواخذہ عقبیٰ میں مالداروں کی طرح ہے وہ دنیا میں ذلیل و خوار ہے۔ عقبیٰ میں عذاب الیم میں گرفتار۔

فصل (۱)

سخاوت کی فضیلت اور اس کے مراتب

صفتِ بخل کی ضد سخاوت ہے۔ وہ ثمرۂ زہد ہے اور مشہور ترین صفاتِ پیغمبرانِ خدا و اخلاقِ اصفیاء و اولیاء میں سے ہے۔ یہ ایک خُلقِ اعلیٰ ہے اور اس کا صاحب پسندیدۂ اہلِ آفاق ہے۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ:

مَنْ جَادَ سَادَ یعنی جس نے بخشش اختیار کی وہ بزرگ ہوا۔

حضرتِ پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ سخاوت بہشت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کی ڈالیاں زمین پر پھیلی ہوئی ہیں۔ پس جو کوئی اس کی ڈالی کو پکڑتا ہے وہ ڈالی اس کو بہشت میں کھینچتی ہے۔ فرمایا کہ سخی خدا کے نزدیک ہے اور جہنم کی آگ سے دور ہے۔ فرمایا کہ جب کوئی آدمیوں کو کھانا کھلاتے تو خداوند کریم ملائکہ

سے فخر ومباہات کرتا ہے۔

پھر فرمایا کہ چند ایسے بندے خدا کے ہیں کہ جن کا ارادہ مخصوص ہوتا ہے کہ بندگانِ خدا کو نفع پہنچائیں۔ پس جو کوئی ان میں سے اس منافع میں بخالت کرے تو خدا اُس نعمت کو دوسرے پر منتقل کرتا ہے۔

فرمایا کہ بہشت اہلِ سخاوت کا گھر ہے۔ جوان سخی گناہگار خدا کے نزدیک بوڑھے عابدِ بخیل سے زیادہ محبوب ہے۔

آں حضرتؐ سے مروی ہے کہ سخی کو اہلِ آسمان وزمین دوست رکھتے ہیں۔ اس کی طینت خاکِ پاک سے خمیر کی گئی ہے۔ اس کی آنکھ کا پانی آبِ کوثر سے خلق کیا گیا ہے۔ بخیل کو اہلِ آسمان وزمین دشمن رکھتے ہیں۔ اس کی خلقت خاکِ خراب و چرک آلود سے خلق کی گئی ہے۔ اس کی آنکھ کا پانی آبِ عوسیج سے بنایا گیا ہے۔

ایک جماعت اہلِ یمن کی، خدمت میں حضرتِ رسول صلعم کی حاضر ہوئی۔ ان میں ایک شخص سب سے زیادہ لسّان اور مباحثہ کرنے والا تھا اور جناب پیغمبر صلعم کی حجت بھی سب سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ اُس شخص نے بحث میں اس قدر مبالغہ کیا کہ حضرتؐ کو غصّہ آگیا۔ رنگِ مبارک متغیر ہوا۔ جبیں پُرچیں ہوئے اور نیچے ملاحظہ فرمانے لگے کہ حضرت جبرائیلؑ نازل ہوئے اور کہا کہ آپ کا خدا آپ کو بعد سلام کے کہتا ہے کہ یہ مرد سخی ہے۔ پس حضرتؐ کا غصّہ فرو ہوا۔ سرِ مبارک بلند کر کے فرمانے لگے کہ: جبرائیلؑ نے مجھ کو خبر دی ہے کہ تو اہلِ سخاوت میں سے ہے۔ اگر یہ نہ معلوم ہوتا تو تجھ کو اپنے سے اس قدر دُور کرتا کہ دوسروں کو عبرت ہوتی۔

اُس مرد نے عرض کیا کہ آپ کا خدا سخاوت کو دوست رکھتا ہے۔

حضرتؐ نے فرمایا کہ ہاں۔

اُس مرد نے کلمۂ شہادت زبان پر جاری کیا اور مسلمان ہوا اور قسم کھائی کہ میں نے

کسی کو اپنے مال سے محروم نہیں پلٹایا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو سامری پر قابو ہوا تو خطاب ہُوا کہ اس کو قتل نہ کرنا کیونکہ وہ سخی ہے۔ حاصلِ کلام فضیلت اس صفت کی ظاہر و روشن ہے۔ وہ خالق و مخلوق کے نزدیک محبوب اور دنیا میں ممتاز ہے اور عقبیٰ میں سرفراز۔ کونسا عقلمند ہے کہ سرفرازیٔ دو جہاں کو ہاتھ سے دے۔ سخاوت کا بلند مرتبہ ایثار ہے اور وہ یہ ہے کہ باوجود اپنی احتیاج و ضرورت کے دوسروں کے ساتھ بخشش و جُود سے کام لے۔ یہ مرتبۂ بلند ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتا ہر شخص اس مرتبہ کا لائق و سزاوار نہیں ہے۔ اس جماعت کی مدح میں خلاقِ عالم فرماتا ہے:

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

حالتِ درویشی و احتیاج میں آپ صرف نہ کر کے دوسروں کو دے دیتے ہیں۔

حضرت پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ جس کو کسی چیز کی خواہش و ضرورت ہو وہ آپ اپنی ضرورت میں نہ لا کر دوسروں کو دے دے تو وہ بخشا جاتا ہے۔ یہ شیوہ پسندیدہ ہے۔ یہ صفتِ جلیلہ پیغمبر آخر الزمانؐ کی ہے۔ یہ طریقۂ اہلِ ایمان و امیر مومنانؑ و آئمۂ معصومین علیہم السّلام کا ہے۔ بعض حرم محترم پیغمبر صلعم نے کہا کہ اُس سرورؐ نے پے درپے تین روز کوئی چیز کبھی اپنے زمانۂ حیات میں پیٹ بھر کر نوش نہیں فرمائی حالانکہ جس وقت چاہتے سیر ہو کر نوش فرما سکتے تھے لیکن جو کچھ کہ رکھتے تھے وہ دوسروں کو دے دیتے تھے اور بھوکوں کو اپنے پر مقدم جانتے تھے۔

مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار محمد صلعم اور ان کی اُمّت کے بعض درجوں کو مجھے دکھا دے۔

خطاب ہوا کہ اے موسیٰ! ان کے درجوں کے دیکھنے کی تجھ کو طاقت نہیں ہے۔ لیکن ایک منزل پیغمبرِ آخر الزماںؐ کی تجھ کو بتلاتا ہوں۔ جس کے سبب سے اسے تجھ پر اور تمام مخلوقات پر فضیلت دی گئی ہے۔

پس پردے آسمانوں کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں پر سے اٹھا دیئے گئے تو ایک منزل دیکھی کہ جس کے انوار اور اس کی قربت حریم خاص کو دیکھ کر قریب تھا کہ شدتِ شوق سے موسیٰؑ کی جان نکل جائے۔

حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار کس وجہ سے یہ کرامت حاصل ہوئی۔

فرمایا کہ وہ صفتِ مخصوص ایثار ہے اور یہ منزل اس کے لیے ہے۔ جو اپنی اور اپنے عیال کی ضرورت سے فقرا کی ضرورت کو مقدم جانتا ہے۔ اے موسیٰ اس کی امت میں سے کوئی میرے نزدیک اس صفتِ ایثار کو لے کر آتا ہے تو اس سے حساب لینے میں شرم کرتا ہوں اور وہ جس جگہ کی خواہش کرتا ہے اس کو بہشت میں جگہ دیتا ہوں۔

کتبِ تواریخ میں حیدر کرارؑ کی حکایات بہت مشہور و معروف ہیں۔ اس بزرگوارؑ کا ایثار اس حد تک پہنچا تھا کہ حضرتِ پیغمبر صلعم کے بستر پر جاں نثاری کی غرض سے آرام فرمایا۔ اسی سبب سے خداوند عالم نے ملائکہ سے فخر و مباہات کیا یہ آیہ نازل ہوا:

وَمِنَ النَّاسِ
مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ

ایسا ہی آئمہ طاہرینؑ نے اس طریقہ کو اختیار فرمایا اور اس فضیلت کے حاصل کرنے میں بہت کوشش فرمائی۔

فصل ۲

مرضِ بخل کا مُعالجہ

واضح ہو کہ مرضِ بخل کے مُعالجہ کے لیے علم و عمل کی ضرورت ہے۔ علم یہ ہے کہ اس کی خرابی کو جاننے اور جود و کرم کے فائدہ کو پہچاننے بعد اس کے اس مرض کے علاج کی ابتدا کرے جو اخبار و آثار مذمت میں بخل کی اور تعریف میں سخاوت کی آئے ہیں ان کو ملاحظہ کرے۔ ان وعدہ و وعید کو جو ان دو صفت میں کیے گئے ہیں ان کو دیکھئے، بخیلوں کی ذلت اور ان سے نفرت کرنے والوں کی طبیعت کو مشاہدہ کرے اور معلوم کرے کہ اس کے لیے دوسرا امکان اس کے سوا بھی ہے کہ خواہ مخواہ اس کو وہاں جانا ضرور ہے۔ پس اس جائے بھی بلحاظِ ضرورت آگے بھیج دینا اور ذخیرہ کرنا چاہیئے تا کہ عاجزی کے روز کام آئے۔ اپنے فرزند پر اعتماد نہ کرے۔ غور کیجئے کہ آپ نے اپنے ماں باپ کے لیے کیا کیا ہے۔ جو آپ کے فرزند آپ کے لیے کریں گے۔ جب آپ نے ان مراتب کو معلوم کیا تو خواہ مخواہ عطا و بخشش کی عادت ہوگی۔ دل سے مال کی محبت کو اٹھائیے اور فقرا کے ساتھ احسان کیجئے یہاں تک کہ آپ کی طبیعت صفتِ احسان و بخشش پر راغب ہو۔ صفتِ سخاوت کے طالب کو چاہیئے کہ جب ارادہ عطا کا کرے تو اس میں دیری نہ کرے کہ شیطانِ لعین وسوسہ میں ڈالے گا۔ فقیر و مفلس ہو جانے سے ڈرائے گا۔ اگر بخل کا مرض پیدا ہو گیا ہو تو اپنے نفس کو سمجھائے کہ تیری شہرت بخالت و تعریفِ سخاوت بہت دور دور تک پہنچے گی تا کہ وہ

بذل وعطا پر مائل ہو۔ اس کا نفس کسی قدر بخشش کا مطیع ہو اگرچہ اس قصد سے عطا کرنا بھی برا ہے اور حقیقت میں سخاوت نہیں ہے چنانچہ بیان کیا جائے گا لیکن یہ مثل اس کے ہے کہ جب بچہ کا دودھ چھڑانے اور اس کو پستان کی یاد بھلانے کے لیے چڑیا پکڑنے کے کھیل میں مشغول کریں۔ کوئی شک نہیں کہ چڑیا کا کھیل بچہ کے لیے کمال نہیں رکھتا ہے لیکن یہ ایک علاج ہے جو اس وقت کیا جاتا ہے۔ پس ایسے شخص کو کوئی ضرر نہیں ہے کہ ابتدا میں اپنے دل کو ان ارادوں میں خوش کرے تاکہ اس کا دل مال سے متعلق نہ ہو بعدازاں ارادہ و نیّت کی صحت میں کوشش کرے۔

واضح ہو کہ اس صفتِ بخل کا علاج عمدہ یہ ہے کہ اس کے سبب کو قطع کر دینے اور سبب اس کا دوستی مال ہے۔ ان تمام سے بڑھ کر جن پر احسان مترتب ہوتا ہے اور سبب دوستی مال یا اُن لذات وخواہشاتِ دنیویّہ کی محبت ہے جو مال سے حاصل ہو سکتی ہیں یا طول امل کی وجہ سے یا اپنی اولاد کے لیے ذخیرہ کرنے کی غرض سے یا بغیر سبب کے مال کو دوست رکھتا ہو جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض سن رسیدہ اس قدر مال رکھتے ہیں جو اُن کی عمر کو کفایت کرے اور پھر بھی زیادہ مال جمع کرتے ہیں حالانکہ ان کی کوئی اولاد نہیں ہے کہ اس کی احتیاط کر سکے باوجود اس کے رات دن مال کے جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور خود تکلیف میں بسر کرتے ہیں بلکہ خمس وزکوٰۃ تک نہیں دیتے اور اپنی بیماری کے علاج میں ایک پیسہ خرچ نہیں کرتے۔ ایسے اشخاص درہم ودینار کے عاشق ہیں۔ ان کو مال جمع کرنے کی لت ہو گئی ہے باوجود اس کے کہ وہ جانتے ہیں کہ ایک دن مرنا ہے۔ ان کے دشمن ان کے مال کو غارت کریں گے جو کوئی ایک پیسہ دنیا وآخرت کے لیے نہیں خرچ کرتا ہے۔ اس کو ایک مرض ہے جس کا علاج نہایت مشکل ہے خصوصاً

بڑھاپے میں جبکہ اس کا مرض پرانا ہو گیا ہو اور قوت کم ہو۔ اس کا جسم ضعیف ہو اور مرض کا مقابلہ نہ کر سکتا ہو ایسا شخص نہایت گمراہ ہے اور خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہے بلکہ جو کوئی ضرورت سے زیادہ مال کا متلاشی ہو وہ جاہل و احمق اور نادان ہے۔ ایسے شخص کو غور کرنا چاہیئے کہ جس مال کو وہ خرچ نہیں کرتا ہے وہ اس کے کام نہیں آتا۔ وہ مثل خاک و پتھر کے ہے۔ جب تہ خانوں میں سونا اور چاندی مدفون ہو جس کو آپ صرف نہیں کر سکتے تو اس میں اور خاک میں کیا فرق ہے حالانکہ اگر آپ اس کو ہزار طرح سے پتھر کے نیچے پوشیدہ کریں تو اس کو کسی نہ کسی دن زمانہ برباد کرے گا اور اگر اس کا سبب محبت خواہشات و طول امل ہو اس کا معالجہ اس طریقہ پر جیسا کہ حرص و قناعت اور طولِ امل میں بیان کیا گیا ہے کرنا چاہیئے اگر مال کا جمع کرنا اولاد و فرزند کے واسطے ہو تو وہ بے اعتقادی و بے خبری کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ ان کو پروردگار نے پیدا کیا ہے تو روزی بھی ان کے لیے مقرر کی ہے۔ دیدۂ عبرت کو کھولیے کہ کیسے کیسے باپ بزمانۂ طفلی میں اپنے لڑکوں کے سر سے اٹھ گئے۔ مگر کوئی مال ان کے واسطے نہیں چھوڑا باوجود اس کے بہ نسبت ان لڑکوں کے جن کے باپ بہت سا مال چھوڑ گئے۔ ان سے وہ بہتر و خوشحال و صاحبِ ثروت و مال ہوئے ہیں۔ اگر فرزند صالح اور پرہیزگار ہو تو خدا اس کی روزی کو نیک و کفایت کرتا ہے۔ اگر وہ فاسق و بدکار ہو تو اس مال کو جس کو تو نے زحمت و تکلیف سے جمع کیا ہے اور نہیں کھایا ہے وہ لہو و لعب اور معصیتِ خدا میں صرف کرے گا اور اس کا مظلمہ بھی تجھ پر عائد ہو گا۔

فصل ۳

حدِ وسطِ بخل واسراف

جب آپ نے خرابیٔ بخل اور اس کے معالجہ کو پہچانا اور صفتِ فضیلتِ سخاوت کو معلوم کیا کہ وہ حدِ وسطِ بخل واسراف کی ہے۔ یعنی مال کا اس طرح صرف کرنا جو واجب و مستحسن ہو۔

واضح ہو کہ واجبات و مستحبات میں صرف کرنا عام ہے۔ اس لیے کہ وہ واجب یا مستحسنِ شرعی ہو یا طریقۂ مروّت وعرف وعادت میں لازم یا مستحسن ہو۔ پس سخی وہ ہے کہ مصرفِ جائز میں جس کا ترک کرنا شرعاً مذموم ہو یا عند العقلا صرف کرنے سے مضائقہ نہ کرے۔ اور اگر ان میں سے ایک میں بھی صرف نہ کرے تو وہ بخیل ہوگا۔ اگرچہ مصرفِ شرعی میں صرف کرنے والا زیادہ بخیل ہے۔ اب رہا وہ مصرف جس کا ترک کرنا عقلمندوں کے نزدیک بد ہے وہ حالات و اشخاص و اوقات کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ مالداروں کے اخراجات میں بعض طریقے قبیح ہیں جو فقرا کے لیے بُرے نہیں ہیں۔ اس طرح اپنے قوم خاندان میں جو کچھ صرف نہ کرنا بد ہے وہ دوسروں میں بد نہیں ہے۔ علیٰ ہذا جو بیگانوں کے لیے صرف نہیں کر سکتے ہیں اس کا ہمسایوں میں صرف نہ کرنا بد ہے ایسا ہی تنگی و کمیٔ خرچ کا خرید و فروخت میں کوئی ضرر نہیں لیکن مہمانی میں مضائقہ کرنا بد ہے۔ غرض خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ خرچ کرنے میں مالدار و فقیر، امیر و رعیت، عالم و جاہل طفل و کامل مساوی نہیں ہیں۔ لہٰذا سخی وہ ہے کہ جو کچھ اس کے لائق ہے خواہ

شرعاً یا حسبِ مروت وعادت خرچ کرے اور بخیل وہ ہے کہ منجملہ ان کے کسی ایک میں بھی کمی کے ساتھ خرچ کرے یا بالکل خرچ نہ کرے اور خرچ کا اندازہ معیّن نہیں ہو سکتا یہ ہر شخص کی حالت پر موقوف ہے۔ اب جو شخص بہت سا سامان رکھتا ہو اور حسبِ شرع و عرف وعادت بقدرِ لازم وواجب خرچ کرے۔ مستحبات و مستحسناتِ عقلیہ سے منہ پھرائے اور اپنے مال کو بخیالِ فقر وحوادثِ زمانہ ذخیرہ کر رکھے۔

پس ایسا شخص اگرچہ عوام کے نزدیک بخیل نہ کہلائے گا۔ لیکن خاص لوگوں کی نظر میں بخیل ہو گا۔ اس کو سخی و کریم نہیں کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک صفت جود وسخاوت کی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب مقدار سے زیادہ بخشش کرے۔ نیز صفتِ جود وسخاوت کے لیے شرطِ حصول یہ ہے کہ مال کے بخشش کرنے میں کوئی غرضِ دنیوی نہ رکھتا ہو اور جو کوئی بخیالِ مدح وثنا و شہرت و نیک نامی و تالیف القلوب عطا و بخشش کرے وہ ہرگز سخی و کریم نہیں ہے بلکہ وہ اہلِ معاملہ ہے کہ شہرت و مدح وغیرہ کو خرید کرتا ہے۔

فصل (۴)

فضیلتِ اقسامِ عطائے واجبہ و مستحبہ

اور اُن کے آدابِ نکتۂ باطنیہ

واضح ہو کہ صفتِ جود وسخا کا لازمہ بذل وعطا ہے وہ چند امور پر مشتمل ہے جن میں بعض واجب و مستحب ہیں۔ خصوصاً ہر ایک کی فضیلت و ثواب

میں اخبار آئے ہیں۔ ہر ایک کے لیے آداب و شرائط ظاہریہ و نکتۂ دقائق باطنیہ ہیں۔ شرائطِ ظاہریہ وہ ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ پس اس مقام پر ہم بعض آداب و نکتۂ باطنیہ کو بیان کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ عطائے واجبہ کے اقسام حسب ذیل ہیں :

پہلا زکوٰۃ

زکوٰۃ وہ تمام عطا و صدقہ سے اہم و مقدم ہے۔ وہ گلشن دولت و ثروت کا آبِ جاری ہے۔ وہ زراعتِ آمالِ اہلِ زراعت و تجارت کی نسیم بہار ہے۔ وہ خزانۂ مال کا چوروں سے پاسبان ہے۔ وہ دیوارِ غنا و بے نیازی کا صدمۂ احتیاج و پریشانی سے پشتی بان ہے۔ زکوٰۃ دینے والوں کی تعریف میں اور نہ دینے والوں کی مذمت میں آیات و اخبار بہت سے آئے ہیں۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے کلامِ مجید کے اکثر مقامات میں اسے قریب قریب نماز کے بیان فرمایا ہے۔ زکوٰۃ نہ دینے والوں کی نسبت فرمایا ہے :

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ
وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ
جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ
وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ

فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۔

اس کے مجملاً معنی یہ ہیں کہ:

" جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے ان کو بشارت دو کہ ان کے لیے سخت عذاب ہے ایک روز ان کو آگ میں لال کر کے ان کی پیشانی، پہلو، پیٹھ کو داغ دیں گے اور کہیں گے کہ یہ وہ چیز ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھی تھی۔"

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ جب آدمی زکوٰۃ نہیں دیتے تو زمین بھی اپنی برکت ظاہر نہیں کرتی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جو کوئی زکوٰۃ نقد نہ ادا کرے تو قیامت کے روز خداوند عالم اس کو ایسے صحرا میں محبوس فرمائے گا۔ جس میں ایک بہت بڑا سانپ ہو گا جو اس کے پیچھے دوڑے گا۔ وہ شخص اس سے بھاگے گا۔ جب وہ دیکھے گا کہ اس سے خلاصی ممکن نہیں ہے تو اپنا ہاتھ اس کے منہ میں دے گا وہ سانپ اس کے ہاتھ کو مثل مولی کے چبائے گا بعد ازاں وہ اس کی گردن میں مثل طوق کے ہو جائے گا۔ پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

جو کوئی چوپایا مثلاً اونٹ یا گوسفند یا گائے رکھتا ہو اس کی زکوٰۃ نہ ادا کرے تو خدا تعالیٰ اس کو قیامت کے دن صحرائے ناہموار میں محبوس کرے گا جس میں ہر ایک جانور سمدار اس کو پامال کریں گے اور نیشدار جانور اس کو کاٹیں گے۔ جس صاحب زراعت

نے مُحرّما یا انگور یا غلہ کی زکوٰۃ نہ دی ہو تو خدا تعالیٰ اُس کی زمین کے ساتوں طبقوں کو اس کی گردن میں طوق بنا کر ڈالے گا۔

نیز آں حضرتؐ نے فرمایا کہ جو کوئی ایک قیراط اپنی زکوٰۃ نہ ادا کرے تو وہ نہ مومن ہے نہ مُسلمان۔ فرمایا کہ کوئی شخص مالدار فقیر و محتاج نہ ہُوا اور نہ بھوکا نہ برہنہ ہُوا جبکہ اس نے زکوٰۃ دی ہو۔ جو کوئی خدا کے حق کو اپنے مال سے ادا نہ کرے تو خدا اپنی رحمت کو اُس سے منع کرتا ہے۔ جو کوئی اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے تو اس کا مال صحرا یا دریا میں ضائع نہ ہو گا۔

فرمایا کہ زکوٰۃ دینا ایسی چیز نہیں کہ جس کی تعریف کی جا سکے بلکہ اس کے ذریعہ سے وہ اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ اس کا خون محفوظ ہوتا ہے۔ اس طریقہ کی تہدید زکوٰۃ نہ دینے والوں کی نسبت قرآن و احادیثِ آئمہ ہدا میں بکثرت موجود ہے باوجود معلوم ہونے کے زکوٰۃ کے ادا نہ کرنے کو اس مالِ چند روزہ سے جو کسی کے تصرف میں بطورِ امانت کے رہنے والا ہو حقیر جاننا اور تھوڑا سا اُس کے مالکِ حقیقی کو نہ دینا دعویٰ مُسلمان کے لائق نہیں ہے۔ اس سے زیادہ کیا بے شرمی اور بدبختی ہے کہ وہ جانتا ہے کہ جب وہ وجود میں آیا تو کوئی ملک و مال دنیا کا نہیں رکھتا تھا اور اب جو کچھ وہ رکھتا ہے اپنے کو اس کا مالک سمجھتا ہے حالانکہ یہ تمام خدا کا دیا ہُوا ہے۔ اس کے حصُول میں اس کی صرف کوشش ہے۔ وہ بھی اُس کی توفیق و یاری سے ہُوئی ہے۔ تخمِ بیجان کی کیا قدرت ہے کہ بغیر اس کی مدد کے خاک سے اُگے۔ ابر کو کیا قدرت ہے کہ بغیر اُس کی اجازت کے ایک بوند پانی کی برسائے۔ زراعت کرنے والے سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی کوشش سے ایک دانہ سے دس دانے حاصل کرتے ہیں۔ تجارت کرنے والے اپنے بازار کی رونق کو اپنا حُسنِ کارگزاری جانتے ہیں۔ انسان اپنے کو کیا سمجھا ہے کہ اس قدر مغرور ہے۔ حالانکہ

تمام خداوند عالم نے عطا کیا ہے اُس میں سے تھوڑا سا فقرا کے واسطے مقرر فرمایا ہے اور اس کے اضعاف کا وعدہ کیا ہے۔ تاہم ان کو دینا نہیں چاہتے ہیں۔ عجب بے حیائی و بے شرمی ہے جس کو دس حصّے دیئے گئے اس میں سے ایک حصّہ وہ کسی کو دینے سے بخل کرتا ہے۔

اسرارِ وجوب زکوٰۃ

واضح ہو کہ اسرارِ وجوب زکوٰۃ تین ہیں :-

اوّل یہ کہ توحیدِ کامل یہ ہے کہ آدمی کے لیے سوائے خداوند عالم کے اور کوئی محبوب نہ ہو۔ یہاں محبت شراکت کو گوارا نہیں کرتی اور توحیدِ زبانی چنداں فائدہ نہیں دیتی۔ کسی کے ساتھ محبت کا اندازہ اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ تمام اشیائے محبوبہ سے ہاتھ اٹھا کر اُس کی طرف متوجہ ہو جائے اور چونکہ مال لوگوں کی نظر میں حصولِ نفع کی وجہ سے محبوب ہے اور اس لیے موت سے کراہت ہوتی ہے۔ پس خداوندِ عالم نے ان کے دعوئ محبت کی آزمائش اسی مال سے کی ہے۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ فرماتا ہے :

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۔

خلاصۂ معنی یہ کہ : " خدا تعالیٰ نے نفوس و اموالِ مومنین کو خرید کیا ہے جس کے عوض میں بہشت کرامت فرمائے گا۔"

کوئی شک نہیں کہ لذاتِ بہشت میں سے دیدارِ پروردگار کا مرتبہ بہت بلند ہے اور اس خصوص میں آدمی تین قسم پر ہیں :-

ا : وہ لوگ جو محبت و توحید میں صادق اور اپنے عہد پر ثابت قدم ہیں۔ وہ اپنے دل میں اس کی دوستی کے سوا کسی کی دوستی نہیں رکھتے اور دنیا کے مال و متاع سے ہاتھ اٹھائے ہیں وہ تارک الدنیا ہیں۔ یہ لوگ تعداد وجوب زکوٰۃ پر التفات نہیں کرتے اگر کوئی ان سے سوال کرے کہ ایک سو درہم کے لیے کس قدر زکوٰۃ واجب ہے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ حسب شرع عوام کے لیے پانچ درہم لیکن ہمارے لیے تمام مال ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے زکوٰۃ مال کے وجوب کی نسبت سوال کیا گیا تو فرمایا کہ ہزار درہم میں پچیس درہم زکوٰۃ واجب ہے اور در اصل یہ ہے کہ اپنے برادر مومن کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم سمجھے۔

۲ : وہ لوگ جو مالِ دنیا کو بقدرِ ضرورت جمع اور باقی کو خیرات و مبرّات میں صرف کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ بمقابلہ صورتِ اوّل کے مرتبہ میں پست ہیں لیکن بقدرِ واجب پر اقتصار نہیں کرتے بلکہ تمام نیکیوں کو بجا لاتے ہیں۔

۳ : وہ لوگ جو صرف واجبات کو بجا لاتے ہیں۔ مگر ان میں کبھی کوتاہی بھی نہیں کرتے۔

دوم : اسرارِ وجوب زکوٰۃ میں سے یہ ہے کہ مال کی بخشش کی ترغیب سے صفتِ رذیلہ بخل سے نفس پاک ہوتا ہے اور مال کے ہر وقت دینے سے بذل و عطا کی نفس کو عادت ہوتی ہے یہاں تک کہ ملکہ ہو جاتا ہے۔

سوم : شکرِ نعمتِ خدا بجا لانا کیونکہ بندہ پر حقِ نعمتِ بدن و نعمتِ مال کا بجا لانا ایک امرِ واجب ہے۔ عبادتِ بدنی شکرِ نعمتِ بدن اور مال کا بخشش کرنا شکرِ نعمتِ مال ہے۔ کس قدر مذموم ہے کہ کوئی مسلمان فارغ البال اسلام کا مدعی ہو اور کسی فقیرِ بے نوا کو پریشان و مضطر دیکھے تو پروردگار کا شکرِ نعمت نہ بجا لائے۔

آدابِ بخشش

واضح ہو کہ جو کوئی شخص خدا کی راہ میں مال کو بخشش کرتا ہے اس کے چند آداب ہیں :-

۱ : یہ کہ جب کوئی مال راہِ خدا میں دینے کا کسی کے دل میں خیال پیدا ہو جائے تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ شیطان اس سے غافل اور فرشتہ نے اس کے دل میں گزر کیا ہے ۔ اس موقع کو غنیمت جان کر اپنے ارادے کو فوراً پورا کرے توقف میں بہت سی خرابیاں ہیں اور بلحاظِ حالتِ زمانہ واقعات کے تغیر کا اندیشہ لگا ہوا ہے۔

۲ : یہ کہ جب کسی کو ضرورت مند پائے یا قبل اس کے کہ وہ ظاہر کرے ۔ اس شخص کو اس کی ضرورت کا گمان ہو تو فوراً اس کو بخشش کر دے ۔ اس کی آبرو کی حفاظت کرے تاکہ وہ سوال کرنے پر مستعد نہ ہو جائے کیونکہ اگر سوال کے بعد دیا جائے گا تو وہ اس آبرو کی قیمت ہوگی جو لی گئی ہے ۔ احسان کامل نہ ہوگا ۔

۳ : یہ کہ وقت و زمانۂ نیک میں صدقہ دیا جائے جو مقرر کیا گیا ہے مثلاً روزِ عیدِ غدیر ماہِ ذوالحجہ خصوصاً دہۂ اوّل یا ماہِ رمضان المبارک خصوصاً دہۂ آخر۔

مروی ہے کہ پیغمبرِ خدا صلعم سب سے زیادہ سخی تھے ۔ ماہِ رمضان المبارک میں کوئی چیز اٹھا نہ رکھتے تھے ۔

۴ : یہ کہ زکوٰۃ اور باقی حقوقِ مالیۂ واجبہ کا پوشیدہ دینے سے علانیہ و آشکارا دینا اور عطائے سنتی کا پوشیدہ دینا بہتر و افضل ہے ۔ جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ اگر کوئی مرد زکوٰۃ کو اپنے دوش پر رکھ کر فقرا کو پہنچائے تو اس کے لیے ایک حُسنِ جمیل ہے لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ شائبہ و تشویشِ ریا سے مطمئن ہو اور لینے والا بھی اس اظہار سے شرم و حیا نہ کرے ورنہ چاہیئے

کو بھی پوشیدہ دیا جائے تو بہتر و افضل ہے۔

۵ : یہ کہ فقیر پر منت رکھنے اور اس کو تکلیف دینے سے اجتناب کرے۔ جو چیز عطا کی جائے اس کو دل سے بھلا دے تاکہ دفترِ حساب میں اس کا ثواب درج کیا جائے کیونکہ یہ صفتِ بد اُس کے صدقہ کو باطل اور حلیہ صحت کو ضائع کرتی ہے۔ چنانچہ حق سبحانہٗ تعالیٰ فرماتا ہے :

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى۔

یعنی : اے مومنین اپنے صدقہ کو منت رکھنے اور ایذا دینے سے باطل نہ کرو۔

سید انامؐ سے مروی ہے کہ اگر کوئی اپنے برادر مومن سے نیکی کرتا ہے اور اُس پر منت رکھتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے عمل کو درجۂ اعتبار سے ساقط کرتا ہے وہ گنہگار ہوتا ہے اور اس کی نیکی کو قبول نہیں کرتا۔ یہ منت رکھنا اس وقت کہا جاتا ہے جبکہ یہ خیال پیدا ہو جائے کہ اس نے فقیر پر احسان کیا ہے۔ اس کی علامتِ ظاہری یہ ہے کہ دوسروں سے اس کا اظہار و بیان کرے اور اُس فقیر سے اپنی ثنا و تعظیم و فرماں برداری کی امید رکھتا ہو۔ اُس کی علامتِ باطنی یہ ہے کہ اگر بعد عطا اُس فقیر سے خلافِ ادب کوئی امر یا کوئی خیانت واقع ہو تو اس سے کشیدہ خاطر اور بددل ہو جائے اور ایذا دہی اس وقت سمجھی جاتی ہے جبکہ اس کو سرزنش و ملامت اور اس کے راز کو افشا کرے۔ اس کو دیکھ کر بُری صورت بنائے۔ اس کو خفیف کرے اس کی صحبت سے عار رکھے اپنے کو اُس سے بلند مرتبہ والا جانے۔ جو شخص اس مرض میں مبتلا ہو اُس کے لیے اس سے نجات حاصل کرنا ضرور ہے۔ احسان رکھنے کے

مرض کا علاج یہ ہے کہ معلوم کرے کہ حقیقتاً فقیر نے اُس پر احسان کیا کہ صدقہ کو قبول کیا جو اس کی رستگاری کا سبب ہوا۔ پس عطا کنندہ کو ممنونِ فقیر ہونا چاہیئے۔

جیسا کہ حدیث میں وارد ہُوا ہے کہ فقیر کا ہاتھ صدقہ لینے کے وقت گویا نائبِ دستِ خدا ہے کیونکہ جو کچھ فقیر کو دیا جاتا ہے وہ خدا کو پہنچتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ امرِ سنّت ہے کہ جو شخص صدقہ دیتا ہے وہ اپنے ہاتھ کو بوسہ دے۔ اپنے ہاتھ کو فقیر کے ہاتھ سے بلند نہ کرے بلکہ اپنا ہاتھ نیچے کھلا رکھے تاکہ فقیر خود اُٹھا لے۔ چونکہ اس کا ہاتھ نائبِ دستِ خدا ہے بلند رہنا چاہیئے یا صدقے کو فقیر کے سامنے رکھ دیا جائے کہ وہ خود لے لے۔ علاوہ اس کے خدا نے دنیا و آخرت میں صدقہ کے عوض کا وعدہ فرمایا ہے۔ اگر اس کی توقع و امید نہیں رکھی جاتی ہے تو عجب حماقت ہے کہ اپنے مال کو عبث ضائع کرتے ہیں اور اگر امید رکھی جاتی ہے تو پھر کس سبب سے فقیر پر احسان رکھا جاتا ہے۔ اس کی مثال بعینہٖ ایسی ہے کہ بکر کوئی چیز آپ کو حوالہ کرے کہ آپ زید کو دیں وہ اس کا عوض آپ کو مضاعف دے گا۔ آپ وہ چیز زید کو دیتے ہیں مگر اس پر احسان رکھتے ہیں اور ایذا دہیِ فقیر کا علاج یہ ہے کہ آپ کی نظر میں اس کا سبب اگر عزت مال ہے جو فقیر کو دیا جاتا ہے تو عجب نادانی و جہالت ہے۔ یہ چیز کم مقدار اور فنا ہونے والی ہے اُس کے مقابلہ میں ایک ایسا بڑا عوض جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے حاصل کیا جاتا ہے تو پھر کیونکر اس چیز کو بزرگ سمجھتے ہیں اور ایسا جانتے ہیں کہ کوئی چیز دی گئی ہے اور اگر اس ایذا دہی کا سبب یہ ہے کہ وہ فقیر آپ کی نگاہ میں بہت ذلیل معلوم ہوتا ہے تو آپ عجب مغرور ہیں کہ اپنے کو اُن چند ٹکڑوں کے سبب جو مالِ دنیا سے ہیں۔ دوسروں پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ حسبِ بیانِ گزشتہ مرتبۂ فقر غنا سے بلند ہے اور فقیر خدا کا عزیز اور حقوق کے حاصل کرنے میں نائبِ پروردگار ہے۔ خدا بتوسطِ فقیر اُس سے عذر خواہی کرے گا۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ بعض فقیر بے نوا کی

طبیعت غنی ہے کہ تمام دنیا کا مال اس کی نظر میں نہیں سماتا۔ کہیں آپ فقیر کے پرانے کپڑوں کو حقارت سے نہ دیکھئے۔ بہت سے فقرا ہیں کہ جن کے سر پر نہ دستار ہے نہ پاؤں میں نعلیں۔ ان کے بال پریشان ہیں اور لباس پھٹا ہوا مگر اُن کا سر تاجِ شاہی سے عار اور اُن کا پاؤں تختِ کیانی سے ننگ رکھتا ہے۔ اسی قدر فقیر کی فضیلت میں کافی ہے کہ خدا تعالیٰ نے مالداروں اور صاحبِ دولت کو ان کا مطیع و فرماں بردار بنایا ہے کہ مال کے حصول میں تکلیف و زحمت اٹھا کر بحفاظتِ تمام مطابق ضرورت کے فقیر کو پہنچائیں۔ اگر دینے میں کوتاہی کی جاتی ہے تو مستحقِ عذابِ الٰہی ہوتے ہیں حقیقتاً مالدار فقیر کا خادم ہے۔

۶ : صدقہ دینے کے وقت فقیر سے تواضع و فروتنی سے پیش آئے۔

۷ : جو چیز فقیر کو دی جائے اس قسم کی ہو کہ اس کو لینے میں خفت و خواری و خجلت و شرمساری واقع نہ ہو۔ مثلاً کسی عزیز کو نقدی لینا پسند نہ ہو تو اس کے عوض میں کوئی شے دے دے۔ اگر اس کو قبول کرنے سے عار معلوم ہوتا ہو تو صدقہ کو ہدیہ قرار دے۔ اگر اس کی طبیعت بالمشافہ لینے میں پسند نہ کرتی ہو تو کسی دوسرے کے ہاتھ بھیج دے۔ اسی طرح قیاس کر لیا جائے کہ جو طریقہ اُس کی شان کو گھٹاتا ہے۔ اس کو ہرگز اختیار نہ کرنا چاہیئے۔

۸ : جو کچھ راہِ خدا میں دیا جائے اس کو بزرگ نہ سمجھے اور نہ جانے کہ بہت بڑا کام کیا ہے۔ مثلاً مسجد یا مسافر خانہ بنائے تو اس کی نظر میں کوئی وقعت نہ ہو اور یہ خیال نہ کرے کہ خدا کو راضی و خوشنود کیا ہے۔ اگر ایسا خیال کرے گا تو اس کا ثواب باطل اور اس کا اجر ضائع ہو جائے گا۔ چنانچہ اس کا تفصیلی بیان غرور کی بحث میں حوالۂ قلم کیا جائے گا۔

۹ : جو کچھ خدا کی راہ میں دیتا ہے وہ اسے اپنے تمام مال سے بہتر اور سب سے زیادہ

عزیز ہو اور حرمت و شبہ سے پاک ہو کیونکہ خدا پاک ہے وہ سوائے پاک کے قبول نہیں کرتا۔ جو چیز کم درجہ کی ہو خدا کی راہ میں اس کا دینا خلافِ ادب ہے کیونکہ بندۂ خدا اچھی چیز کو اپنے اور اپنے عیال کے لیے اٹھا رکھتا ہے اور بُری چیز کو خدا کے پاس بھیجتا ہے۔ بعض اشخاص کو آپ آیا نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی مہمان آجائے تو وہ میزبان اچھی اچھی غذا کو اپنے عیال کے لیے رکھ چھوڑتا ہے اور بُری غذا مہمان کے آگے لاتا ہے اور دل تنگ و شکستہ خاطر ہوتا ہے۔ حالانکہ جو تصدق کیا جاتا ہے گویا وہ اپنے لیے آگے بھیج رہا ہے۔ پس ہر شخص کو لازم ہے کہ اچھی چیز اپنے لیے ذخیرہ کرے۔ خداوندِ عالم فرماتا ہے:

اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا کَسَبْتُمْ

یعنی: "پاکیزہ چیزوں کو بخشش کرو جن کو حاصل کیا ہے۔"

اور پھر فرماتا ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔

یعنی: "خیر و نیکی نہیں پہنچتی ہے جب تک کہ راہِ خدا میں اُن چیزوں کو نہ دیا جائے جن کو تم دوست رکھتے ہو۔"

حدیث میں وارد ہے کہ صدقہ کا ایک درہم سو ہزار درہم سے افضل و بہتر ہونا ممکن ہے۔ اس لیے کہ جو آدمی ایک درہم اپنے مالِ حلال سے دیتا ہے وہ اس کو دوست رکھتا ہو بہ نسبت اُس دوسرے شخص کے جو اُن سو ہزار درہم کو اس قدر دوست رکھتا ہو۔

۱۰: یہ کہ اگر ممکن ہو اور قدرت رکھتا ہو تو اس قدر فقیر کو عطا کرے کہ اس کا فقر دور ہو اور وہ غنی ہو جائے۔

۱۱: یہ کہ دینے کے بعد اپنے ہاتھ کو بوسہ دے کیونکہ یہ اس ہاتھ تک پہنچا ہے جو نائب دستِ خدا ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ جب کوئی چیز سائل کو دی جائے تو اپنے ہاتھ کو چومے۔ بہ تحقیق کہ خدا صدقہ کو لیتا ہے۔

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ صدقہ مومن کا سائل کے ہاتھ کو نہیں پہنچتا۔ تا وقتیکہ خدا کے ہاتھ تک رسائی نہ ہو۔

حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ ہر ایک چیز لینے کے لیے مَیں نے دوسرے کو مؤکل کیا ہے مگر صدقہ کو خود اپنے ہاتھ سے لیتا ہوں جو کوئی ایک یا آدھا خرما تصدق کرتا ہے تو مَیں اُس تصدق کو گھوڑے کے بچے کے مانند تربیت و پرورش کرتا ہوں۔ جب قیامت میں ملاقات ہوگی تو صدقہ دینے والا اُس کو دیکھے گا کہ وہ مثل کوہِ احد کے بڑا ہو گیا ہے۔

۱۲ : جب کوئی چیز فقیر کو دی جائے تو اُس سے دعا کی خواہش کرے کیونکہ دعا فقیر کی اس شخص کے حق میں جو دیتا ہے مستجاب ہوتی ہے اور خود اُس کے حق میں مستجاب نہیں ہوتی۔ بعض عرفانے کہا ہے کہ فقیر سے دعا کی خواہش نہ کرو اس وجہ سے کہ دعا کہیں صدقہ کا عوض نہ ہو۔ یہ قول خلافِ طریقۂ آئمہ ہے جو قابلِ اعتبار نہیں۔

۱۳ : بذل و عطا میں استحقاق کا خیال رکھے۔ تخمِ احسان کو کھاری زمین میں بوئے غیر مستحق کو نہ دے۔ شہرت کی آرزو میں داد و دہش اختیار نہ کرے۔ ایسی داد و دہش بخل پر چنداں فضیلت نہیں رکھتی۔ ظاہر ہے کہ باوجود بینوایانِ برہنہ کے صاحبانِ مال سے نوازش کرنا بے سود ہے۔ دردمندوں کو ترک کر کے جو منعم فارغ البال و مرفہ الحال ہوں ان کو عطا کرنا بے فائدہ ہے۔ استحقاق سے مراد یہی عسرت و پریشانی نہیں بلکہ غرض یہ ہے کہ صاحبانِ ہمت و کرم ہر کسی سے مروت و محبت سے پیش آیا کریں۔ بدکار و اشرار کو نیکوں پر مقدم نہ رکھیں۔ بے ہنران نادان کو اہلِ ہنر اور عقلمند پر ترجیح نہ دیں۔ مالداروں سے مفلسوں کی ضرور رعایت کریں۔ پہلے ضعیفوں کی

دستگیری میں کوشش کریں۔ باوجود عضو مجروح کے عضو صحیح پر مرہم نہ رکھیں۔

۱۴: ترتیب فقرا کو ملاحظہ کرے جن کے عطا کرنے میں ثواب زیادہ ہے ان کو مقدم رکھے۔ جو اہلِ تقویٰ و پرہیزگار و صاحب ایمان کامل ہیں ان کو دوسروں پر مقدم جانے۔

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ پرہیزگار کو کھلاؤ۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ ان اشخاص کو زکوٰۃ وصدقہ واجب عطا نہ کرے۔ کیونکہ یہ مال کی کثافت ہے کہ اخراج ہوتی ہے۔ بلکہ ان کو ہدیہ وصلا عطا کیا جائے۔

آئمہ ہدا سے مروی ہے کہ دوستانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ مستحق زکوٰۃ ہیں۔ وہ لوگ جو ان کی دوستی اور ان کے دشمنوں سے برأت حاصل کرکے مرتبۂ بالا کو پہنچے ہیں۔ وہ آپ کے برادر دینی ہیں۔ بلکہ آپ کے ماں اور باپ سے جو آپ کے مخالف ہیں، آپ سے زیادہ قریب ہیں۔ پس ان لوگوں کو زکوٰۃ وصدقہ نہ دیجئے۔

بہ تحقیق کہ فرمایا ہمارے دوست ہمارے جسد کے مانند ہیں ان کو ہدیہ عطا کیجئے بہتر یہ ہے آدمی اپنی زکوٰۃ وصدقہ اُن لوگوں کو جو ہمیشہ دوسروں کے دستِ نگر رہتے ہیں محنت و مزدوری نہیں کرتے نہ دے کیونکہ ایسے اشخاص مشرک سمجھے جاتے ہیں۔

حضرت صادق علیہ السلام بیان میں اس آیۂ مبارکہ کے :

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ۔

یعنی : "اکثر ایمان نہیں لائے ہیں۔ مگر یہ کہ وہ مشرک ہیں۔"

فرمایا کہ یہ اُس کے مانند ہیں کہ کوئی کہتا ہو اگر فلاں شخص نہ ہوتا تو میں ہلاک ہوتا۔

یا اگر فلاں نہ ہوتا تو فلاں چیز مجھ کو میسر نہ آتی یا میرے عیال ضائع ہو جاتے۔ آپ نہیں دیکھتے کہ اُس نے خدا کے ملک میں دوسروں کو شریک کیا ہے۔ پس اُن اشخاص کے ساتھ بذل و عطا بہتر اور اُس کا ثواب زیادہ ہے جو اپنی ضرورت کو ظاہر نہیں کرتے ہیں اپنے کاروبار کو چھپاتے ہیں وہ صاحبانِ آبرو و عزت ہیں۔ وہ صاحب تجمل و غنی ہیں۔ لہٰذا اُن کو غنی سمجھیں اور ان کے ساتھ مالداروں کا سا برتاؤ کریں۔ نیز تمام فقرا سے بہتر خویش و اقارب ذوی الارحام ہیں اور اُن کو بخشش کرنا صلۂ رحم ہے۔ اس کا ثواب بیحد ہے جو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔

بعض احادیث میں وارد ہے کہ صدقہ اُس شخص کا قبول نہیں کیا جاتا۔ جس کا خویش محتاج ہو اور وہ دوسرے کو دے۔ دوسری روایت میں وارد ہے کہ اپنے خویش کو صدقہ عنایت کرنا افضل ہے جو عداوت رکھتا ہو۔ کیونکہ وہ بہ سبب مخالفتِ نفس خلوصِ نیت سے بہت قریب ہے۔

فائدہ۔ آدابِ فقرا

واضح ہو کہ جیسا عطا کنندہ کے آداب مذکورہ ہیں۔ اسی طرح فقرا کے لیے بھی چند آداب ہیں :-

۱ : جو کچھ حاصل کیا ہے اُس میں بغیر مصارفِ ضروریہ کے اسراف نہ کرے اور محفوظ رکھے۔

۲ : شکرِ خدا کرے اور دینے والے کے حق کو بھی پہچانے اُس کو دعا دے اور تعریف کرے :- حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اُن پر خدا لعنت کرتا ہے جو راہِ خیر کو مسدود کرتے ہیں۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ وہ کون ہیں ؟

فرمایا کہ وہ شخص ہے کہ جو کوئی اُس کے ساتھ نیکی کرے تو وہ اس کے ساتھ کفرانِ نعمت کرتا ہے تاکہ وہ دوسروں کے ساتھ نیکی نہ کرے۔

۳ : یہ کہ جو کچھ اُس کو دیا جائے۔ حقیر نہ سمجھے اور اُس کی مذمت نہ کرے۔ اگر اُس کے عیب پر مطلع ہو تو اُس کو پنہاں رکھے۔ اگر اس کو کچھ نہ دیا جائے تو اس کو بُرا نہ کہے اور ملامت نہ کرے۔

۴ : یہ کہ جس مال سے حرمت ثابت ہوتی ہو یا مُشتبہ ہو اُس سے پرہیز کرے جس کا مال زیادہ تر حرام ہے یا وہ مالِ حرام سے اجتناب نہیں کرتا تو اُس کی کوئی چیز قبول نہ کرے۔

۵ : یہ کہ ضرورت سے زیادہ قبول نہ کرے۔

۶ : یہ کہ اعلانیہ در برملا سوال نہ کرے خصوصاً ایسے شخص سے جو نہیں دینا چاہتا ہے تو وہ ضرور شرمندہ ہوگا۔

۷ : یہ کہ علماء و پرہیزگار جب تک کہ وہ پریشان و مضطر نہ ہوں زکوٰۃ اور صدقہ نہ لیں۔

۸ : یہ کہ ایسے اشخاص جو چیز حاصل کریں اُسے ظاہر نہ کریں تاکہ اُن کی مروّت کا شرف ضائع نہ ہو۔ ہاں اگر اظہار سے شکرگزاری و صدق بندگی اور فروتنی منظور ہو تو دوسرا امر ہے اور ہر شخص اپنی نیّت کے بموجب سعادتِ دارین کا مستحق ہے۔

دُوسرا - خمس

خمس وہ سادات کا مال ہے۔ کیونکہ خداوند عالم نے بوجہ نسبت سیدالانام اس طائفہ کو تمام مخلوقات پر ممتاز کیا اور زکوٰۃ کو اُن کے لیے پسند نہیں فرمایا۔

اصل مال سے ایک حصۂ خاص ان کے لیے قرار داد کیا تاکہ فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہوں۔ فرمایا کہ :

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ۔

خلاصۂ معنی یہ کہ :

"جو نفع تم کو حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ پیغمبر و ذوی القربیٰ و یتامیٰ و مساکین و ابن السبیل (یعنی مسافر) جو سادات ہوں ان کو دے دو۔ اگر تم خدا پر اور ان چیزوں پر جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہیں ایمان لائے ہو۔"

اس آیۂ مبارک سے پایا جاتا ہے کہ وہ صاحب ایمان نہیں جو خدا کے احکام قرآنی پر عمل نہیں کرتے اور خمس ادا نہیں کرتے ہیں۔ لہٰذا اصحاب ایمان کو لازم ہے کہ ادائے خمس میں کوتاہی نہ کرے اپنے پیغمبر کی ذریت کو محتاج نہ رکھے۔

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ میں اس کی شفاعت کروں گا جس نے ہاتھ اور زبان و مال سے میری ذریت کی اعانت کی ہو۔ اگرچہ کہ وہ تمام اہل دنیا کے گناہ اپنے ہمراہ لائے ہوں اور وہ چار شخص ہیں :-

۱ : وہ کہ جس نے میری ذریت کا احترام کیا ہو۔

۲ : وہ کہ جس نے اُن کی ضرورتوں کو پورا کیا ہو۔

۳ : وہ کہ جس نے اُن کی حالتِ اضطراب میں مدد کی ہو۔

۴ : وہ کہ جو اُن کو دل وزبان سے دوست رکھتا ہو۔

مروی ہے کہ جب قیامت ہوگی بحکم پروردگار منادی ندا کرے گا کہ اے خلائق خاموش رہو کہ محمد صلعم چاہتے ہیں کہ تکلم کریں۔ پس تمام خاموش ہوں گے حضرت فرمائیں گے کہ جس نے مجھ پر احسان کیا ہے وہ اُٹھے کہ میں اُس کا عوض دُوں۔

خلائق کہے گی کہ اے رسول اللہ آپ پر ہمارا کیا احسان ہو سکتا ہے۔ بلکہ خدا ورسول کی عطا کا ہم پر احسان ہے۔

پھر وہ حضرت فرمائیں گے کہ جس نے میری اولاد سے نیکی کی اور بے خانماں کو مکان دیا۔ اور بھوکے کو سیر کیا یا برہنہ کو کپڑا پہنایا۔ وہ اُٹھے کہ میں اس کا عوض دُوں۔

جنھوں نے یہ کام کیا ہے وہ اٹھیں گے تو خداوند عالم کا حضرت سے خطاب ہوگا کہ ان کی جزا تمھاری مرضی پر منحصر رکھی گئی ہے۔ جو جگہ بہشت میں دینا منظور ہو دو۔

اُس وقت حضرت ان کو اپنی قربت میں جگہ عطا فرمائیں گے۔

زکوٰۃ کے بیان میں جو بعض آداب وشرائط مذکور ہوئے ہیں۔ خمس میں بھی وہی پائے جاتے ہیں۔ جو شخص خمس ادا کرتا ہے اس کو احسان رکھنے سے نہایت پرہیز کرنا چاہیئے۔ اس کو امر عظیم نہ سمجھے اور سادات سے نہایت تواضع و انکساری کے ساتھ پیش آئے۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بعض لئیم زمانہ اگر کبھی تھوڑا اسا

خمس نکالتے ہیں اور بصد ناخوشی و سختی کسی سیّد محتاج کو دیتے ہیں تو اس کو اپنا بندۂ زر خرید تصور کرتے ہیں۔ کیا نہیں جانتے کہ تمام ملک و مال دنیا اس کے جدِ بزرگوار کے وجودِ پاک کے باعث وجود میں آیا ہے اور ابرِ برکتِ آسمانی اس کے اجداد کے آبرو کی طفیل سے اہلِ زمین کی کھیتی پر برستا ہے۔

تیسرا - نفقہ اہل و عیال

نفقۂ اہل و عیال جو از روئے کتبِ فقہ ادا کیا جائے۔ اس کے واجبات و ثواب بیحد و بے شمار ہیں۔

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے عیال کے حصول نفقہ میں کوشش کرتا ہے تو گویا راہِ خدا میں جہاد کرتا ہے بعض ایسے گناہ ہیں کہ اہتمامِ طلبِ معاش کے سوا جن کا کوئی کفارہ نہیں ہے۔

فرمایا کہ جس کی تین لڑکیاں ہوں وہ اُن کا خرچ اٹھائے اور ان کے ساتھ نیکی کرے یہاں تک کہ وہ بڑی ہوں تو خدا اس پر بہشت واجب کرتا ہے۔

مروی ہے کہ ایک روز جناب رسالت مآبؐ گھر میں سیّدالاولیاؑ کے تشریف فرما ہوئے تو ملاحظہ فرمایا کہ وہ حضرت مسور کو پاک کر رہے ہیں اور سیدۃ النساؑ چولھے کے آگے بیٹھی ہیں۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ اے ابوالحسنؑ میں بجز حکمِ خدا کچھ نہیں کہتا ہوں۔ جو کوئی مرد عورت کی خانہ داری میں امداد اور اس کی یاری کرے تو اس کے جسم کے ہر بال کے عوض میں خدا عبادت یکسالہ کا ثواب جس میں روزہ رکھا گیا ہو اور شب بیداری کی گئی ہو عطا فرماتا ہے اور نیز ثواب صابرین حضرت داؤدؑ و یعقوبؑ و عیسیٰؑ پیغمبر عطا کرتا ہے۔ یا علیؑ جو کوئی مشغولِ خدمتِ عیال ہو اور کاروبارِ خانگی کو انجام دے تو اس کا نام دفترِ شہداء میں درج ہوتا ہے۔

روزانہ ہزار شہید کا اور ہر قدم پر حج و عمرہ کا ثواب اس کو دیا جاتا ہے جس قدر رگیں اُس کے بدن میں ہیں اسی تعداد کا ایک شہر بہشت میں اس کو عطا فرماتا ہے یا علیؑ ایک ساعت گھر کے کاروبار کی مشغولیت عبادتِ ہزار سال و ہزار حج اور ہزار عمرہ اور ہزار بندہ آزاد کرنے سے اور ہزار مرتبہ جہاد و عیادتِ ہزار مریض اور ہزار نمازِ جمعہ و ہزار تشییع جنازہ سے اور ہزار بھوکوں کو سیر کرنے سے اور ہزار برہنہ کو کپڑا پہنانے سے اور ہزار گھوڑوں کو راہ خدا میں بھیجنے سے اور توریت و انجیل و زبور و قرآن تلاوت کرنے سے اور ہزار اسیر راہ خدا میں آزاد کرنے سے اور ہزار اونٹ مسکینوں کو دینے سے بہتر و افضل ہے۔ وہ دنیا سے نہیں اُٹھتا جب تک اپنی جگہ کو بہشت میں نہیں دیکھتا۔ یا علیؑ خدمتِ عیال گناہانِ کبیرہ کا کفارہ اور پروردگار کے غضب کو دور کرتا ہے۔ اور وہ حورالعین کا مہر ہے اور حسنات کو زیادہ اور مراتب کو بلند کرتا ہے۔ یا علیؑ وہ شخص خدمتِ عیال کرتا ہے جو صدیق ہو یا شہید ہو یا وہ مرد ہو جس کو خدا نے دنیا و آخرت کی تمام نیکیاں دی ہوں۔

حضرت امام موسیٰ علیہ السلام سے مروی ہے کہ عیال مانند اسیر ہیں اُن پر لطف و کرم کرنا چاہیئے اگر نہ کیا جائے تو خدا اس کی نعمت کو لے لیتا ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ شوہر کو ضروری ہے کہ اپنے عیال سے ہمیشہ از راہِ مہربانی پیش آئے ورنہ وہ موت کی خواہش کریں گے۔ جاننا چاہیئے کہ اخراجات عیال کی نسبت طالب ثواب کو سزاوار ہے کہ اپنی نیت کو خالص رکھے جو کوشش کی جاتی ہے اور جو زحمت تحصیلِ معاش میں اٹھائی جاتی ہے۔ تو وہ خوشنودیٔ خدا کا طالب و خواہاں رہے۔ تحصیل حرام و مشتبہ سے اجتناب کرے۔ حلال کے سوا پیدا نہ کرے۔ اخراجات میں میانہ روی اختیار کرے نہ کہ عیال پر

تنگی اور سختی کی جائے کہ وہ ضائع ہو جائیں۔ اور نہ اسراف کہ وہ خود اپنے کو تلف و برباد کریں اور ہلاک ہوں۔ سزاوار یہ ہے کہ اپنے یا بعض عیال کے لیے غذائے پاکیزہ مخصوص نہ قرار دے بلکہ سب کو یکساں حالت میں رکھے۔ ہاں اس صورت میں جب کہ خود یا بعض عیال کو بہ سبب مرض یا ضعف یا کسی اور وجہ سے خاص غذا کی ضرورت پائی جائے تو مہیا کر دیا کرے۔ جو چیز عیال کے لیے نہیں چاہتا ہے۔ اس کی تعریف ان کے سامنے نہ کرے۔ جب ستر خوان چن دیا جائے تو اپنے تمام عیال کو اس پر بٹھائے۔

مروی ہے کہ جب تمام اہلِ خانہ مل کر طعام کھاتے ہیں تو خداوند عالم اور ملائکہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔

اقسام عطائے مستحبہ

عطائے مستحبہ کے اقسام حسب ذیل ہیں :-

پہلا - صدقۂ مستحبہ :

اس کا ثواب بے حد اور اس کا فائدہ بے شمار ہے۔ حضرت پیغمبر صلعم سے منقول ہے کہ بہ تحقیق کہ خدا ادائے صدقہ کے باعث مرض اور آگ میں جلنے اور غرق ہونے اور مکان کے نیچے دب جانے اور دیوانگی کو دفع کرتا ہے۔ اس یگانۂ آفاقؐ نے اسی طرح ستّر قسم کی بلاؤں کو شمار فرمایا کہ بوجہ برکت صدقہ جن سے نجات میسر آتی ہے۔

انھیں حضرتؐ سے مروی ہے کہ ہر شخص بروز قیامت اپنے صدقہ کے سایہ میں اُس وقت تک ساکن ہو گا جب تک کہ تمام مخلوق حساب و کتاب سے فارغ ہوں۔

نیز اُسی جناب سے مروی ہے کہ جب کوئی سائل رات کو بصورت فقیر سوال کرے تو اس کو رد نہ کرو کیونکہ اس تخصیص سے احتمال ہوتا ہے کہ کہیں کوئی ملک نہ ہو جو بغرض امتحان سوال کر رہا ہو۔

مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے موسیٰ! سائل کو کچھ نہ کچھ عطا کرو یا الطاف و مہربانی سے ہی پیش آؤ۔ وہ سائل نہ انسان ہے، نہ جن بلکہ ملک ہے کہ وہ تیرا امتحان اُس نعمت سے کرتا ہے جو میں نے تجھ کو دی ہے تاکہ بذریعۂ سوال معلوم کرے کہ تو کس طریقہ سے برتاؤ کرتا ہے۔

اسی وجہ سے پیغمبر خدا صلعم نے سائل کے سوال کو رد کرنے سے منع فرمایا اگرچہ گھوڑے پر سوار ہو۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ نیکی و صدقہ فقر کو دور کرتا ہے اور عمر کو بڑھاتا ہے اور ستر قسم کی آفات سے نجات دیتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ بیماروں کو صدقہ سے دوا کرو اور دعا سے ان کی بلاؤں کو دفع کرو، اور طلب روزی صدقہ سے کرو۔ بہ تحقیق جب کہ کوئی شخص صدقہ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو سات سو شیطان وسوسہ میں ڈالتے ہیں۔ اُن کو گوارا نہیں ہوتا کہ کوئی مومن اپنا صدقہ نکالے۔ پس صدقہ دینا سات سو شیطانوں سے بچ نکلنا ہے۔

نیز آں جنابؑ سے مروی ہے کہ بیمار کا سائل کو کوئی چیز دینا مستحب ہے اور جب کچھ دے تو اس سے دعا کی خواہش بھی کی جائے۔

اُنہی سرورؑ سے دوسری حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص علی الصبح یا سر شام صدقہ دے تو خدا اس روز اور اس رات کی ہر ایک بلا و آفت کو اُس کے سر سے ٹالتا ہے۔ وہ حضرتؑ بعد نماز عشاء تھوڑی رات گزرنے کے بعد ایک کیسہ جس میں

گوشت اور روٹی اور درہم ہوتے تھے۔ اپنے دوشِ مبارک پر اٹھا کر فقرائے اہلِ مدینہ کے گھر پر لے جاتے اور ان کو تقسیم فرماتے تھے۔ حضرتؑ کو تاحیات کسی نے نہ پہچانا۔ جب بعد انتقالِ حضرتؑ تقسیم موقوف ہو گئی تو اُس وقت فقرا کو علم ہُوا کہ وہ حضرتؑ تقسیم فرماتے تھے۔ اس حضرتؑ سے کسی نے دریافت کیا کہ سائل کے سوال کو ہم کیونکر سمجھیں کہ کس چیز کے متعلق ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ جس چیز کا تیرے دل میں اثر پیدا ہو اور جو کچھ تیرے دل میں آئے اس کو عطا کر۔

کسی نے حضرتؑ سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص کسی کے ذریعہ سے کوئی چیز فقرا کو دے تو اُس درمیانی شخص کا کیا ثواب ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا۔ اُس کا ثواب اصل عطا کنندہ کے مانند ہے۔

بہت سے احادیث ثوابِ تصدقِ آب میں وارد ہُوئے ہیں۔ پہلی چیز جس کا ثواب آخرت میں دیا جاتا ہے وہ تصدقِ آب ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ خدا پیاسوں کے پانی پلانے والے کو دوست رکھتا ہے۔ جو کوئی چارپایوں کو سیراب کرے تو خدائے تعالیٰ اپنے عرش کے سایہ میں اس کو جگہ عنایت فرمائے گا۔ جبکہ قیامت میں اُس کے لیے کوئی سایہ نہ ہو گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جو شخص کسی کو ایسے مقام پر پانی پلائے جہاں پانی میسر آتا ہو تو گویا اُس نے کسی بندہ کو آزاد کیا۔ اگر ایسے مقام پر پانی پلائے جہاں پانی میسر نہ آتا ہو تو گویا اُس نے کسی نفس کو زندہ کیا جس نے ایک نفس کو زندہ کیا تو گویا اُس نے تمام خلق کو زندہ کیا۔

حضرت پیغمبرؐ سے دریافت کیا گیا کہ کونسا صدقہ افضل ہے تو فرمایا کہ اُس وقت

جبکہ صحیح و تندرست ہو۔ زندگانی کی امید رکھتا ہو اور احتیاج سے بھی ڈرتا ہو۔ نہ اس وقت جبکہ مرض الموت میں مبتلا اور جاں بلب ہو۔

واضح ہو کہ حسب بیان مذکورۂ صدر صدقات مستحبہ کا پوشیدہ دینا افضل اور اس کا ثواب کامل ہے۔ البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ لینے والے کا اُسے ظاہر کرنا افضل ہے یا نہیں۔ پس بعض نے فقرا کا بھی پوشیدہ حاصل کرنا افضل بیان کیا ہے، اور بعض نے اعلان کرنا۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ دونوں قول علی الاطلاق صحیح نہیں سمجھے جاسکتے۔ بلکہ بلحاظ قصد و نیت اختلاف پایا جاتا ہے۔ پس طالب سعادت کو چاہیئے کہ اپنی حالت پر التفات اور اپنی نیت کو ملاحظہ کرے۔ جو طریقہ ارادۂ قربت سے زیادہ نزدیک اور ریا و تلبیس اور آفات سے دُور تر ہو اُس کو اختیار کرے۔ مثلاً اگر کسی لینے والے کی طبیعت پوشیدہ لینے پر مائل ہے اور ظاہرا لینے میں وہ اپنی بے آبروئی سمجھتا ہے۔ یا خوف ہے کہ اگر یہ امر ظاہر ہوگیا تو کوئی دوسرا اسے نہ دے گا یا اسی طرح اور امور کا لحاظ کرتے ہوئے اس کا دل ظاہر کرنے کی خواہش نہ رکھتا ہو تو ضرور اُس کا اظہار کرے اور اسی طرح اگر یہ خیال کرتا ہے کہ ظاہر کرنے سے دوسرے لوگوں کو دینے کی رغبت ہوگی اور اس کا نفس بھی ظاہر کرنے پر میلان رکھتا ہو تو ہرگز ظاہر نہ کرے۔ اسی طرح اگر یہ معلوم ہو کہ دینے والا مدح و ثنا کی اُس سے تمنا رکھتا ہے تو بھی اسے زبان پر نہ لائے تاکہ صفتِ بد پر دوسرے کا معین نہ ہو۔ حاصل کلام اپنے دل کی حالت پر غور کرے۔ ان دقائق اور نکتوں کو ملاحظہ کرے کیونکہ ہر عمل جوارح و اعضا پر اور ان نکتوں پر غور نہ کرنا شیطان کا باعثِ مذاق اور اپنی شماتت کا اندیشہ ہے۔ ان دقائق کا جاننا ایک علم ایک مسئلہ کا معلوم کرنا عبادتِ یکسالہ سے بہتر ہے کیونکہ اس علم سے تمام عمر کی عبادت زندہ اور لاعلمی سے تمام عمر کی عبادت ضائع ہو جاتی ہے۔

دُوسرا - ہدیہ :

وہ یہ کہ آدمی کوئی چیز اپنے برادر مومن کے لیے بسبب اظہار محبت اور تاکید دوستی کے عطا یا روانہ کرتا ہے خواہ وہ فقیر ہو یا غنی۔ یہ امر نیک مطلوب و شرعاً پسندیدہ ہے۔

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ ایک دوسرے کو آپس میں دوست رکھو اور ہدیہ بھیجو کہ یہ طرفین کے کینہ و عداوت کو محو کرتا ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ تصدق کرنے سے برادر مسلمان کے لیے ہدیہ بھیجنے کو مَیں پسند کرتا ہُوں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ برادر مومن کی بزرگی یہ ہے کہ تحفہ کو قبول کرے جو تحفہ رکھتا ہو دوسرے کے لیے بھیجے اور تکلف نہ کرے۔

تیسرا - مہمانی :

اس کا ثواب شرعاً بہت بڑا ہے۔

حضرت پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ جو کوئی کسی کی مہمانی نہیں کرتا اُس میں کوئی نیکی نہیں ہے۔ فرمایا کہ جب مہمان جمع ہوتے ہیں اُن کی مہمانی کا انتظام غیب سے ہو جاتا ہے۔ جب وہ تناول کرتے ہیں تو خدا اُس میزبان کے گناہ کو بخش دیتا ہے۔ نیز فرمایا کہ کوئی مہمان نہیں ہوتا تاوقتیکہ اس کی روزی اس کے ساتھ نہ ہو۔ نیز آں جناب سے مروی ہے کہ جب خدا کسی کے متعلق نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو مہمان کو اس کی روزی کے ساتھ بھیجتا ہے کہ وہ اہلِ خانہ کے گناہوں کو اٹھا لے جائے۔

نیز فرمایا کہ جس گھر میں مہمان نہیں آتے ہیں اُس گھر میں ملائکہ بھی نہیں آتے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر کوئی مومن کسی مہمان کے آنے کی خبر سُن کر خوشحال ہو تو خدا اُس کے تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ اگر چہ

اس کے گناہ بے حد و بے شمار ہوں۔

ایک روز اُس جناب نے گریہ فرمایا۔ اُس کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا کہ ایک ہفتہ گزر گیا کہ میرا کوئی مہمان نہیں ہُوا۔ اس لیے ڈر رہا ہُوں کہ کہیں میرا رتبہ خدا کے نزدیک پست نہ ہُوا ہو۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ جب غذا تناول کرنا چاہتے تو مہمان کی تلاش میں ایک یا دو میل تک تشریف لے جاتے کہ اُس کے ہمراہ غذا تناول فرمائیں۔ اس لیے ان کو پدرِ مہمان کہتے تھے۔ بہت سے اخبار فضیلتِ مہمانی پر دلالت کرتے ہیں۔ جو شخص اپنے برادر مومن کو کھانے سے سیر اور پانی سے سیراب کرے تو خدا آتشِ جہنم سے اس کو سات درجہ دُور رکھتا ہے۔ جو مابین ہر ایک درجہ کے پانسو سال کی مسافت ہو گی۔

دوسری روایت میں ہے کہ جو شخص کسی برادر مومن کو کھانے سے سیر کرے تو اس کا ثواب خالق کے سوا کوئی مخلوق نہیں جانتا۔ نہ ملک مقرب نہ نبی مرسل۔

واضح ہو کہ ثواب مذکورہ اُن اشخاص کے لیے نہیں ہے جو فی زمانہ اکثر اپنے اطراف جماعت اہلِ دنیا کو بقصد ریا یا تفاخر یا خود نمائی جمع کر کے فضول بکواس اور مسلمانوں کی غیبت اور طرح طرح کی فضول خرچی کرتے ہیں بلکہ تقربِ خدا و پیروی سنّتِ پیغمبرؐ و دل جوئی و خوشنودیٔ مومنین مقصود مہمانی ہو۔

سزاوار یہ ہے کہ فقرا اور نیکوں کی مہمانی کرے۔ اگرچہ اغنیاء اور دُوسروں کی مہمانی بھی ثواب و فضیلت رکھتی ہے۔ مگر مستحب یہ ہے کہ جو شخص مہمانی کرے تو اپنے خویش و اقارب اور ہمسایوں کو نہ بھُولے جس پر شرکتِ مہمانی شاق ہو اس کو تکلیف نہ دے اور غذا کو جلد موجود کرے۔

حدیث میں ہے کہ ہر امر میں جلدی کرنا شیطان کا کام ہے۔ مگر ان

پانچ صورتوں میں جلدی کرنا طریقۂ پیغمبراں ہے:

۱ : مہمان کے واسطے غذا حاضر کرنا۔

۲ : میت کا اُٹھانا۔

۳ : دخترِ باکرہ کا عقد کرنا۔

۴ : قرض کا ادا کرنا۔

۵ : گناہوں سے توبہ کرنا۔

سنت یہ ہے کہ مہمان کے لیے طعام بقدرِ کفایت حاضر کرے: نہ کم ہو جو موجب نقصان آبرو و مروت ہے۔ نہ زیادہ کہ مال کا ضائع کرنا اسراف ہے۔ مہمان سے کشادہ روئی و خوش کلامی سے پیش آئے۔ اور بوقتِ رخصت دروازہ تک اُس کی مشایعت کرے اور مہمان کو کوئی خدمت حوالے نہ کرے۔

مہمان کے بھی چند آداب ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ اپنے برادر مومن کی دعوت کو قبول کرے۔ فقر و غنا میں فرق نہ رکھے۔ بلکہ فقیر سے بہت جلد وعدہ کرے مسافت کو مانع وعدہ نہ قرار دے۔ مگر اس حالت میں جبکہ بہت دُور ہو۔

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ مسلمان کی دعوت کو قبول کریں۔ اگرچہ پانچ میل کی راہ ہو۔ اگر روزہ سنتی رکھتا ہو تو اس کو عذر مہمانی قرار نہ دے بلکہ میزبان کی خوشنودی ہو تو افطار کرلے۔ ثواب اُس افطار کا روزہ سے زیادہ ہوگا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو روزہ دار اپنے برادر دینی کا مہمان ہو اور اظہارِ روزہ نہ کرکے افطار کرے تو خدا اُس کو ثواب ایک سال کے روزوں کا عطا فرماتا ہے بشرطیکہ اس کی غرض اپنے برادر مومن کا اکرام و سنتِ پیغمبرؐ کی متابعت ہو اور شکم پرستی منظور نہ ہو۔ اگر میزبان فاسق یا ظالم یا اس کی غرض ضیافت سے مباہات و خودنمائی ہو تو سزاوار یہ ہے کہ وعدہ نہ کرے۔ ایسا ہی اگر غذا یا مکان یا

فرش حرام یا مشتبہ ہو یا وہاں کسی معصیت کا ارتکاب ہوتا ہو۔ مثلاً سونے اور چاندی کے برتن استعمال میں آتے ہوں یا رقص و سرود یا ارتکاب اسراف یا کوئی لہو و لعب ہوتا ہو، یا فضول بکواس یا کسی مسلمان کی غیبت ہوتی ہو تو ان تمام میں بہتر و افضل یہ ہے کہ اُس مہمانی میں شریک نہ ہو۔ بہت سی صورتیں ایسی ہیں جن میں شرکتِ مہمانی حرام ہے۔

حضرت صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ مومن کو سزاوار نہیں کہ اُس مجلس میں شریک ہو جس میں معصیتِ خدا ہوتی ہو اور منع بھی نہ کر سکتا ہو۔ جو شخص کسی ظالم کے دسترخوان پر حاضر ہونے کے لیے مجبور ہوا ہو جہاں تک ممکن ہو جلد فارغ ہو جائے، کم کھائے۔ عمدہ عمدہ غذا کی طرف میل نہ کرے۔ نیز آدابِ مہمانی یہ ہیں۔ جب میزبان کے گھر میں داخل ہو تو صدر میں بیٹھنے کا خواہاں نہ ہو، بلکہ جہاں اتفاق ہو بیٹھ جائے۔ اگر صاحبِ خانہ اُس کو جگہ بتلائے تو اُسی مقام پر بیٹھ جائے۔ جہاں سے کھانا لایا جاتا ہے اُس طرف زیادہ نگاہ نہ کرے۔ جو صاحبین ابتداء سے وہاں بیٹھے ہوں اُن سے تحیت و سلام بجالائے۔ میزبان کے گھر دیر کر کے نہ جائے۔ اس کو منتظر بھی نہ رکھے بلکہ وقتِ مقررہ پر جائے لیکن ایسے وقت نہ جائے کہ اُس کا مخل ہو۔

چوتھا۔ حقِ معلوم و حقِ حصاد و جداد ہے :

اور حقِ معلوم یہ ہے کہ ہر روز یا ہر ہفتہ یا ہر ماہ یا ہر سال اپنا مال فقراء پر تقسیم کیا کرے یا صلۂ رحم بجالائے۔ سوائے ان کے جو واجبات سے ہیں اور حقِ حصاد و جداد وہ ہے جو مال زراعت سے کچھ حصّہ یا دستہ یا مٹھی گیہوں یا خرما یا میوہ جو بوقت درد و خوشہ چننے والوں اور فقراء کو جو حاضر ہوں دیا جاتا ہے اور ہر ایک کے ثواب میں بہت اخبار وارد ہوئے ہیں۔

حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے مالداروں کے مال سے چند حقوق زکوٰۃ کے سوا مقرر فرمائے ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں ہے کہ :

فِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ

آدمی اپنے اور اپنے مال پر جو مقرر کرتا ہے وہ زکوٰۃ کے سوا ہے۔ لہٰذا ہر انسان کو لازم ہے کہ اپنی وسعت و طاقت کے موافق روزانہ یا ہر جمعہ یا ہر ماہ کچھ نہ کچھ فقرا پر بذل و احسان کی عمل آوری کرے۔ اس مضمون میں بھی اخبار بہت ہیں۔

نیز انہی حضرتؑ سے مروی ہے کہ زراعت میں دو حقوق ہیں۔ پہلا وہ حق کہ اگر ادا نہ کیا جائے تو اس کے لیے مواخذہ ہے جس کو زکوٰۃ کہتے ہیں۔ دوسرا وہ حق جس کے ادا کرنے میں ثواب ہے اور جس کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے :

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ

زراعت کا بروز درو یعنی زراعت کاٹنے کے وقت دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کاٹنے سے فارغ ہوں۔

حدیث میں وارد ہوا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رات کو میوہ نہ توڑا جائے۔ اور کھیت نہ کاٹا جائے اور تخم نہ بوئیں اور دودھ نہ دھوئیں۔ کیونکہ اگر ایسا عمل کیا جائے گا تو فقرا بے نصیب رہیں گے۔

پانچواں۔ قرضِ حسنہ :

یہ نتیجۂ سخاوت ہے۔ اس کا فضل و ثواب بیحد ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص کسی کو قرضِ حسنہ دے تو وصول تک اُس کا مال زکوٰۃ میں ہے نیز وہ خود ملائکہ کے ساتھ حالتِ نماز میں۔

حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ بہشت کے دروازہ پر لکھا ہوا ہے کہ صدقہ کا ثواب دس حصّے اور قرضِ حسنہ کا ثواب پندرہ حصّے ہے۔ اس کو ضائع نہ کرو۔ دوسری حدیث میں انہی سرورؑ سے مروی ہے کہ جب کوئی مومن کسی مومن کو عنداللہ قرض دیتا ہے تو وہ اُس وقت تک ثواب صدقہ کا رکھتا ہے۔ جب تک کہ مال اس کو وصول ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرض دہندہ ہر وقت اس کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ جب مطالبہ نہ کرے تو ثواب صدقہ کا اس کو حاصل ہوتا ہے اور وہ قرضہ جس میں نفع دنیوی مقصود ہو اس کا کوئی ثواب نہیں ہے۔

چھٹا۔ قرضدار کو مہلت دینا یا معاف کرنا جبکہ وہ نادار ہو :

اس کی بھی زیادہ فضیلت ہے۔ بلکہ از قسم واجبات۔

حضرت پیغمبر صلعم نے ایک روز تین مرتبہ ارشاد فرمایا کہ وہ کون ہے کہ خداتعالیٰ جس کو شعلۂ جہنم سے بچا کر اپنے سایۂ رحمت میں پناہ دے۔

ہر مرتبہ حاضرین نے عرض کیا کہ ہم نہیں جانتے ہیں۔

فرمایا : وہ شخص ہے جس نے اپنے قرضدار کو مہلت دی ہو یا اپنے حق سے دستبردار ہو گیا ہو۔

اس خصوص میں بہت اخبار آئے ہیں۔ لہٰذا اہلِ ایمان پر لازم ہے کہ جو مطالبہ کسی پر ہو اور وہ ادا نہ کر سکتا ہو تو اس کو مُہلت دے۔ اس کو ادائگی کے لیے مجبور نہ کرے۔ جیسا کہ اس زمانہ میں دیکھا جاتا ہے کہ اگر کسی کا ایک دینار کسی مفلس و نادار پر باقی نکلتا ہو تو اُس کو تنگ اور اس پر اس قدر تقاضہ کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی راہ آمد و رفت مسدود کرتا ہے۔ ہر کسی سے اس کی غیبت کی جاتی ہے۔ اس کو ایذا و تکلیف پہنچائی جاتی ہے۔ کبھی اس کو اس قدر زد و کوب و زخمی کیا جاتا ہے کہ جس سے دیّت لازم ہو جائے نیز اُس

مالِ خسیس کی وجہ سے افعالِ حرام کے مرتکب ہوتے ہیں۔

ساتواں : مسلمانوں کی اعانت کرنا۔ مثلاً لباس پہنانا یا رہنے کو مکان دینا یا کسی کو مرکب پر سوار کرنا یا اور طرح کا سلوک وغیرہ۔ ان تمام کا ثواب و فضیلت بے انتہا و بےحد ہے۔

آٹھواں : حفاظتِ آبرو و رعایت حرمت کے واسطے اور شریروں کے شر اور فساد اور ظالموں کے ظلم و جور سے بچنے کے لیے کسی چیز کا دینا بھی از قسم ثمرۂ سخاوت ہے بہت سے بخیل ایسے ہوتے ہیں کہ بخل کے باعث طرح طرح کی ذلت و خواری اٹھاتے ہیں اور اپنی آبرو کو برباد کرتے ہیں۔ بعض اخبار میں وارد ہوا ہے کہ حفاظتِ آبرو میں مال کا دینا حکم صدقہ کا رکھتا ہے۔

نواں : مسجد، مدرسہ، پل اور مسافر خانہ بنانا یا باغ تیار کرنا یا ان کے مانند کوئی اور کام کرنا جس کا اثر زمانہ میں قائم و باقی اور عرصۂ بعید تک اس کا نفع روز بروز بعد مرنے کے بھی حاصل ہوتا رہے۔ حضرت صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ چھ چیزیں ہیں کہ جن کا فیض و ثواب مر جانے کے بعد مومن کو حاصل ہوتا ہے :

۱ : وہ فرزند جو طلب آمرزش کرتا ہے۔

۲ : وہ کتاب جو اپنے بعد چھوڑ جائے۔

۳ : وہ درخت جس کو زمین میں بویا ہو۔

۴ : کنواں لگانا۔

۵ : وہ صدقۂ جاریہ جس کا ثواب ہمیشہ ملتا رہے۔ مثلاً مدرسہ، پل، مسافر خانہ کا وقف کر دینا۔

۶ : وہ طریقۂ نیک کہ اس کے بعد اس پر دوسرے کاربند ہوں۔

چھٹی صفت

مذمّت مالِ حرام میں

جس میں تین فصلیں ہیں

صفاتِ رذیلہ قوتِ شہویہ میں سے مال حرام کھانا اور اس سے اجتناب نہ کرنا ہے۔ یہ بھی نتیجہ محبتِ دنیا و حرص ہے۔ یہ مہلکۂ عظیم مانع وصولِ سعادت ہے اس کی وجہ سے بہت اشخاص کی ہلاکت واقع ہوئی اور اکثر اسی کے واسطہ سے فیض سعادتِ ابدیہ سے محروم رہے۔ راہ توفیق کی کوئی سد اس سے زیادہ مضبوط اور کوئی حجاب اس سے زیادہ مانع چہرۂ تائید نہیں۔ اگر کوئی شخص تامل کرے تو معلوم کر سکتا ہے کہ روزیٔ حرام ایک ایسا حجاب ہے جو عالمِ انوار سے انسان کے سراچۂ دل کو دور کر دیتا ہے۔ اسی سے تیرگی و ظلمتِ خباثت و غفلت پیدا ہوتی ہے اسی کے ذریعہ سے نفسِ انسان ہلاکت و ضلالت میں داخل ہوتا ہے :

هُوَ الَّذِیْ اَنْسَاهَا عُهُوْدَ الْحِمٰی وَهُوَ الَّذِیْ

اَهْوَاهَا فِیْ مَهَاوِی الضَّلَالَةِ وَالرَّدٰی۔

یہی صفت انسان کو عہدِ پروردگار بھلا دیتی ہے اور گمراہی و سرگردانی میں شیاطین کے ساتھ ہم آغوش کر دیتی ہے۔ بیشک وہ دل جس نے لقمۂ حرام سے پرورش پائی ہو کہاں اور قابلیتِ انوارِ عالم قدس کہاں۔ جس نطفۂ انسان نے

مالِ حرام سے تربیت پائی ہو اس کو مرتبۂ بلند محبت پروردگار سے کیا کام۔ جس دل کو غذائے حرام کے بخارات نے تاریک کر دیا ہو اس پر روشنی عالم انوار کی جھلک کیونکر پڑے گی۔ جس نفس کو کثافتِ مالِ مشتبہ نے آلودہ اور کثیف کر رکھا ہو اس کو پاکیزگی و صفائی کس طرح حاصل ہو گی۔ اسی وجہ سے حاملینِ شرع و احکامِ شرعی علمائے اعلام نے اس سے نہایت اجتناب کرنے کے لیے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔

حضرت پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ بیت المقدس کے دروازہ پر ہر رات ایک فرشتہ آواز دیتا ہے کہ جو شخص مالِ حرام کھائے گا تو خدا اس کے کسی فعل مستحب اور واجب کو قبول نہیں کرے گا۔

نیز انہی حضرت سے مروی ہے کہ جو شخص ہر ایک طریقہ سے مالِ حرام پیدا کرتا ہو تو خدا بھی اس کو ہر ایک دروازہ سے جہنم میں داخل کرے گا۔

اور فرمایا کہ جس جسم کے گوشت نے مالِ حرام سے ترقی پائی ہو اس کے لیے آتشِ جہنم ہی سزاوار ہے۔

نیز فرمایا کہ جو شخص کسی طریقہ سے مال پیدا کر کے اس سے صلۂ رحم بجا لائے یا تصدق کرے یا راہِ خدا میں دے تو خداوند عالم اس مال کو آتشِ جہنم میں ڈالتا ہے اور ایسے مال کا تصدق بھی قابلِ قبول نہیں۔ اگر دنیا میں چھوڑ جائے تو وہ توشہ راہِ جہنم قرار پائے گا اور وہ باعثِ عذاب ہو گا۔ حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص آمدنی کسبِ حرام سے حج کرتا ہے اور جب لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کہتا ہے تو خطاب ہوتا ہے کہ:

لَا لَبَّيْكَ وَلَا سَعْدَيْكَ۔

بعض اخبار میں وارد ہوا ہے کہ بروز قیامت بندہ کو میزانِ اعمال کے

قریب لائیں گے۔ اس کے اعمال مانندِ کوہِ عظیم کے ہوں گے۔ جب اس کو مقامِ محاسبہ میں کھڑے کر کے سوال کریں گے کہ مال کہاں سے پیدا کیا اور کس کس امر میں خرچ کیا اور اپنے عیال کے ساتھ کیا برتاؤ رکھا اور ان کے کیا کیا حقوق ادا کیے۔ اسی طرح تمام اعمالِ حسنہ کا حساب کیا جائے گا۔ کوئی عملِ نیک اس کے لیے باقی نہ رہے گا۔ پس ملائکہ ندا کریں گے کہ :

هٰذَا الَّذِیْ اَکَلَ عِیَالُهٗ حَسَنَاتِهٖ

یہ وہ شخص ہے کہ جس کے عیال نے اُس کے حسنات کو کھا لیا اور وہ اعمالِ حسنہ سے تہی دست ہو کر گرفتار ہُوا ہے۔ وارد ہے کہ بروزِ قیامت اُس کے اہل و عیال اُس کو مقامِ محاسبہ میں کھڑے کر کے پروردگار کے سامنے عرض کریں گے کہ اے پروردگار ہمارا عوض اس سے لے۔ کیونکہ ہم احکامِ شریعت سے جاہل تھے اس نے ہم کو تعلیم نہیں کی اور غذائے حرام ہم کو کھلائی۔ ہم اس کی اصلیت سے واقف نہ تھے۔ لہٰذا جو شخص طالبِ نجات و مشتاقِ وصولِ سعادت ہو اُس کو اس طرح مالِ حرام سے بھاگنا چاہیے جیسا کہ شیرِ درندہ و مارِ گزندہ سے بھاگتے ہیں۔ آہ آہ اس زمانے میں کون ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آبِ باران و گیاہِ بیابان کے سوا کوئی چیز حلال نہیں معلوم ہوتی۔ جو چیز نظر آ رہی ہے۔ ہمارے دشمن نے اس کو حرام کر دیا ہے۔ معاملاتِ فاسد ہم کو فاسد کیے ہوئے ہیں۔ کوئی ایسا درہم و دینار نہیں جو غاصبین کے دستِ تصرف میں اور ظالموں کے کیسہ میں نہ گیا ہو۔ اکثر مقامات کا پانی اور زمینات غصبی ہیں پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ بطورِ حلال کوئی قوت لایموت پیدا کی جا سکے۔ افسوس صد افسوس کیا آپ سوداگروں کو نہیں دیکھتے کہ اُن کا معاملہ اکثر اہلِ ظلم و دشمنانِ دین و ایمان سے ہے۔ کیا آپ اکثر صاحبِ اعمال کو ملاحظہ نہیں کرتے کہ

ان کا مال حاکم و بادشاہ کے مال میں مخلوط ہو گیا ہے۔ حاصل کلام اس زمانے میں طریقۂ کسبِ حلال مفقود ہے اور وصولِ مالِ حلال مسدود۔ جس کے باعث دین ویران ہے اور گلشن ایمان سوزاں۔ اسی زمانے پر منحصر نہیں بلکہ اکثر زمانۂ سابقہ کی ایسی ہی حالت رہی ہے۔

اسی وجہ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ دنیا میں بندۂ مومن کی خوراک مضطر کی خوراک ہے۔ باجود ان تمام موانعات کے طالبِ نجات کو چاہیئے کہ حصولِ حلال سے مایوس نہ ہو اور اپنے ہاتھ اور پیٹ کو طرح طرح کی غذا سے نہ بھرے۔

فصل (۱)

اقسامِ مال اور ہدیہ و رشوت کا فرق

جاننا چاہیئے کہ مال کی تین قسمیں ہیں :۔

۱ : حلال واضح

۲ : حرام واضح

۳ : مالِ مشتبہ

ان میں ہر ایک کے مدارج بہت ہیں کیونکہ مالِ حلال اگرچہ کہ وہ کامل طور پر بہتر و پاک ہو لیکن بعض سے بعض زیادہ پاک و بہتر ہے۔ ایسا ہی مالِ حرام اگرچہ کہ وہ کلیتہً خراب و بد ہے۔ مگر بعض سے بعض زیادہ تر خراب و بد۔ جیسا کہ کوئی

شخص بطریق معاملۂ فاسد باوجود تراضی طرفین مال حاصل کرے تو حرام ہے لیکن اس مال کے مقابلے میں وہ مال جو کسی یتیم نابالغ سے بطور قہر و عدوان حاصل کیا جائے حرام تر ہے۔ اسی طرح تمام مال مشتبہ مکروہ ہے۔ مگر بعض کی کراہت بعض سے شدید تر ہے۔ مثلاً بقول طبیب حلوا گرم ہے لیکن بعض پہلے درجہ میں۔ بعض دوسرے درجہ میں، بعض تیسرے درجہ میں، بعض چوتھے درجہ میں گرم ہوتا ہے۔ اسی طرح صفائی و پاکیزگی مدارجِ حلال و کراہتِ مالِ مشتبہ کی ہے۔ مالِ حرام کی تین قسمیں ہیں :-

۱ : یہ کہ بذاتہ وہ حرام ہو۔ مثلاً سگ و خوک و خاک وغیرہ۔

۲ : یہ کہ اس صفت کے سبب سے جو عارض ہوئی ہے حرام ہو گیا ہو۔ مثلاً کسی کھانے میں زہر ملا دیا جائے۔

۳ : یہ کہ اس نقص و خلل کے سبب سے جو لینے اور دینے میں واقع ہوا ہو۔ اس کی بہت قسمیں ہیں۔ مثلاً بطریق ظلم و جور، غصب، دزدی، خیانت مکر، حیلہ و تلبیس، کم فروشی، یا نیز وہ ذرائع جو کتب فقہ میں مذکور ہیں مال حاصل کیا جائے۔ ہر ایک خصوص میں سخت خرابی ظاہر کی گئی ہے جن کی تفصیل بیان نہیں کی جا سکتی۔ چونکہ رشوت اور ہدیہ کی ایک ہی صورت مشتبہ ہے۔ اس لیے اس کا بیان ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ جو چیز اس نام و طریقہ سے ایک شخص دوسرے کو دیتا ہے یا بھیجتا ہے۔ اس کی چند صورتیں ہیں جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں :-

(۱) جو چیز اپنے برادر دین کے لیے بقصد اظہار دوستی و محبت بھیجی جائے تو ایسی صورت میں کوئی شک نہیں کہ یہ ہدیہ ہے اور حلال ہے خواہ اس سے ارادۂ حصول ثواب آخرت ہو یا نہ ہو۔

(۲) یہ کہ کسی چیز کے ارسال کی غرض یہ ہو کہ اس سے زیادہ یا برابری کا عوض حاصل کیا جائے۔ مثلاً کوئی فقیر کسی غنی یا غنی کسی غنی کے لیے ہدیہ بھیجے۔ یہ قسم بھی ہدیہ کی ہے۔ مگر حقیقتاً یہ ہبہ ہے۔ بشرطیکہ اس کا عوض ادا کیا جائے۔ نیز اُس کی طمع وامید برلائی نہ جانے پر بھی حلال ہے جیسا کہ بمقتضائے ادلہ ومفاد بعض اخبار سے پایا جاتا ہے کہ اگر اس کی طمع بھی پوری نہ کی جائے تو حلال ہے۔

جیسا کہ مروی ہے اسحٰق ابن عمار نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ کوئی فقیر اس غرض سے میرے لیے ہدیہ بھیجے کہ میں اس کا عوض دُوں۔ مَیں اس کے ہدیہ کو قبول کرتا ہوں۔ مگر کوئی چیز اس کو نہیں دیتا۔ ایسی صورت میں آیا وہ ہدیہ میرے لیے حلال ہے۔

فرمایا۔ ہاں حلال ہے۔ لیکن اس کا عوض عطا کر۔ اور احوط یہ ہے کہ بصورت عدم ادائے عوض اس کے قبول سے اجتناب کرے اور جب کوئی شخص ہدیہ دے کر ایسے عوض کا خواستگار ہو۔ جو مقابل کی ملکیت نہیں بلکہ دوسروں نے اسے فقرا کو تقسیم کرنے کے لیے دے رکھا ہے۔ مثل خمس وزکوٰۃ وصدقات وغیرہ اس کے متعلق بعض کا نتیجۂ کلام یہ ہے کہ اگر بصورت عدم ارسال ہدیہ بھی اس کو وہ چیز ضرور دی جاتی تو ایسی حالت میں اس ہدیہ کا قبول کرنا حلال ہے۔ مگر احوط یہ ہے کہ اس کے قبول سے بھی اجتناب کرے۔

(۳) یہ کہ جب کسی چیز کے بھیجنے سے اُس کا یہ مقصد ہو کہ اس کے کام میں اعانت وامداد کی جائے خواہ وہ کام حرام ہو یا واجب۔ یہ ہدیہ نہیں کہلاتا بلکہ رشوت ہے۔ اس کا قبول کرنا حرام ہے اور اگر وہ عمل مباح ہو تو اس کے ہدیہ کا قبول کرنا کوئی ضرر نہیں رکھتا۔

(۴) یہ کہ بھیجنے والے کی غرض حصول دوستی ومحبت ہو۔

لیکن اس دوستی و محبت کے پیرایہ میں یہ منظور ہو کہ اس کے جاہ و مرتبہ کے ذریعہ سے اپنے بعض مطالب کو حاصل کرے۔ اگر وہ جاہ و مرتبہ اس کو حاصل نہ ہوتا تو وہ اس کے لیے کوئی چیز نہ بھیجتا۔ پس اگر اس کے مطالب غیر مشروعہ کے حصول کی غرض ہو تو اس کے رشوت ہونے میں کوئی شک نہیں اور اس کا قبول کرنا ہرگز جائز نہیں اور اگر اس کا مطلب امور مشروعہ کے متعلق ہو یا اس کی غرض معلوم نہ ہو تو ظاہر یہ ہے کہ حرام نہ ہوگا۔ اگرچہ اس کا قبول کرنا کراہت سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ہدیہ رشوت کی صورت رکھتا ہے۔

مروی ہے کہ حضرت پیغمبر صلعم نے کسی کو حاکم قریہ کر کے روانہ فرمایا کہ زکوٰۃ جمع کر کے لائے۔ جب وہ واپس آیا تو اس جمع شدہ میں سے کچھ حصہ اپنے یہاں اس نے رکھ لیا اور کہا کہ یہ ہدیہ مجھ کو دیا گیا ہے۔

حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تیرا بیان سچ ہے تو کس لیے اپنے گھر نہیں بیٹھا کہ تیرے لیے لوگ ہدیہ لایا کریں۔

نیز فرمایا کہ جب کسی کو حاکم و والی و قاضی مقرر کیا جائے اس کو اور نیز ان کو جو عمال سلاطین ہیں۔

سزاوار یہ ہے کہ اپنے کو منصب و خدمت مفوضہ سے معطل و بیکار تصور کیا کریں اور ایسی حالت میں اگر ان کو کوئی ہدیہ ملتا تو حالت حکومت میں اس کو قبول کیا کریں اور بصورت عدم خدمت و معطلی نہیں مل سکتا تو اس وقت میں بھی اس کو قبول نہ کریں۔

فصل (۲)

مالِ حرام سے پرہیز کرنے کی فضیلت

اور اُس کے حصول کی شرافت

ورع کے ایک معنی یہ ہیں کہ مالِ حرام سے اجتناب کیا جائے اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ اپنے گناہوں سے باز رکھا جائے اور نیز نفس کو اُن چیزوں سے جو اس کے لیے سزاوار نہیں ہیں روکا جائے۔ دراصل تقویٰ و ورع کے ایک ہی معنی ہیں اور تقویٰ بھی ہر دو معنی مذکورۃ الصدر پر صادق آتا ہے۔ پس حصولِ مالِ حرام کی ضد خاص معنی میں ورع و تقویٰ ہے اور معنی عام میں ورع و تقویٰ ضدِ معصیت کو کہتے ہیں۔ بہرحال کوئی شبہ نہیں کہ ورع و تقویٰ بہتر وامرِ عظیم باعثِ نجات ہے جس سے انسان مرتبۂ سعادت پر فائز ہوتا ہے۔

حضرت پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ جو شخص حالتِ ورع میں خدا سے ملاقات کرے گا تو خدا تعالیٰ اس کو اسلام کا کُل ثواب عطا فرمائے گا۔

بعض کتبِ آسمانی میں وارد ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں صاحبانِ ورع سے شرمندہ ہوں کہ ان کا محاسبہ لوں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ ہمارا دوست نہیں جس نے پرہیزگاری اور خدا کی اطاعت نہ کی۔ لہٰذا معصیت سے پرہیز کیجئے اور اعمالِ نیک بجا لائیے۔ اس امید پر جس کی نسبت خدا نے وعدہ فرمایا ہے۔ جو

لوگ پرہیزگار و مطیع احکامِ خدا ہیں وہی اس کے دوست ہیں۔

حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی شخص اُس مرتبہ کو نہیں پا سکتا۔ جس کے متعلق خدا نے وعدہ فرمایا مگر ورع سے۔

نیز فرمایا کہ بہ تحقیق خدا اس شخص کا ضامن ہوتا ہے۔ جو معصیت سے پرہیز کرتا ہو اور جس حالت سے کراہت رکھتا ہو اُس کو اس حالت پر جس کو وہ دوست رکھتا ہو بدل دیتا ہے اور اس کو اس جگہ سے روزی عطا کی جاتی ہے جہاں کا اس کو گمان و اندیشہ تک نہ ہو۔ اور فرمایا کہ تقویٰ کے ساتھ عمل کم بہتر ہے۔ اس عمل زائد سے جو بغیر تقویٰ کے کیا جائے۔

نیز آں حضرتؑ سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ جب کسی بندہ کو ذلتِ عصیاں سے عزتِ تقویٰ پر سرفراز کرتا ہے تو اُس کو بغیر مال کے غنی اور بغیر قبیلہ کے عزیز کرتا ہے اور بغیر کشادہ روئی کے خلق میں محترم فرماتا ہے۔ مالِ حرام کا کھانا اور اس سے پرہیز نہ کرنا باعثِ ہلاکت ہے اور تقویٰ و ورع پر ہی وصول سعادت موقوف و منحصر ہے۔ چونکہ دنیا میں انسان کو خوراک و پوشاک و مکان وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے تحصیل مال حلال کی فضیلت میں بے انتہا اخبار وارد ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ ہر مرد مسلمان اور ہر عورت مسلمہ پر طلبِ روزی حلال واجب لازم ہے۔ جو شخص تلاشِ روزی حلال کے باعث خستہ ہو کر اپنے مقام پر آتا ہے تو گویا اس کی بخشش ہو جاتی ہے اور وہ داخلِ بہشت ہوتا ہے۔ فرمایا کہ عبادت کے ستر جزو ہیں۔ اُن کے منجملہ نو جزو طلبِ روزی حلال ہیں۔ فرمایا کہ جو شخص اپنے پیشہ وصنعت و محنت اور مزدوری سے روزی حلال پیدا کر کے بسر کرے تو اُس پر تمام دروازے بہشت کے کھول دیئے جائیں گے کہ جس دروازے سے چاہے وہ بہشت

میں داخل ہو۔ اور بروزِ قیامت اس کا شمار پیغمبروں میں ہوگا اور اس کو پیغمبروں کا ثواب عطا کیا جائے گا۔ حضرت پیغمبر صلعم جب کسی مرد کو ملاحظہ فرماتے اور اس سے خوش ہوتے تو دریافت فرماتے کہ یہ کوئی کسب پیشہ رکھتا ہے؟ اگر کہا جاتا کہ نہیں تو فرماتے کہ میری نظر سے گر گیا۔

عرض کیا گیا کہ کس وجہ سے۔

فرمایا کہ جب بندۂ مومن کا کوئی کسب نہ ہو تو وہ اپنا مدار و معاش دین پر کرتا ہے۔ آں حضرتؐ سے مروی ہے کہ جو شخص چالیس روز تک روزی حلال کھائے تو خدا تعالیٰ اس کے دل کو روشن اور حکمت کو اس کی زبان پر جاری کرتا ہے۔

ایک روز بعض اصحاب نے آں جنابؐ سے درگاہِ خدا میں دعا قبول ہونے کی خواہش ظاہر کی تو حضرتؐ نے فرمایا کہ اپنی غذا کو پاک و حلال کریں کہ دعا مستجاب ہوتی ہے۔

فصل (۳)

مالِ حلال و حرام کے اقسام

واضح ہو کہ آمدنیٔ حلال کی پانچ قسمیں ہیں :-

۱ : وہ چیز جو مباح ہو اور کسی مالک سے نہ لی گئی ہو۔ مثلاً معدنیات، حرمتِ اراضی اموات، صید حیوانات، ہیمہ کشی، آب کشی وغیرہ بشرطیکہ کسی نے اس پر تصرف نہ کیا ہو اور ان اشخاص کا مال نہ ہو جو موجب شرع محفوظ ہے۔ جن کی

تفصیل درباب احکام احیاء اموات کتب فقہ میں کی گئی ہے۔

۲ : وہ شخص جو مال حلال رکھتا ہو اُس سے بقہر و غلبہ حاصل کیا جائے مثلاً غنیمت کفار حربی و اموال کفار حربی۔ یہ بھی اہل اسلام کے لیے اِن شرائط سے جائز ہے۔ جو بیان غنیمت و جزیہ میں کتب فقہ میں مذکور ہیں۔

۳ : جو مال بموجب احکام شرع یا برضامندی مالک زندہ یا مردہ کے بلاعوض دوسرے سے منتقل ہوا ہو۔ مثلاً صدقہ۔ بخشش۔ مبرات۔ جبکہ شخص اوّل الذکر نے بھی بطریق حلال حاصل کیا ہو بشرطیکہ باقی شرائط ہبہ و وراثت و وصیت و صدقہ مندرجہ کتب فقہ اس میں موجود ہوں۔

۴ : جو مال بطریق معاوضہ و رضامندی حاصل کیا گیا ہو۔ جبکہ تمام شرائط و آداب معاملات بیع و سلم و اجارہ و صلح و شرکت و جعالہ کے اس میں پائے جائیں۔

۵ : آمدنی نسل حیوانات و زراعت سے جو مال ہمدست ہو بشرطیکہ زمین و تخم و آب بطور حلال حاصل کیے گئے ہوں اور نیز کسب و صنعت۔ محنت اور مزدوری سے پیدا کیا جائے۔ بموجب فتویٰ عادل حی جامع الشرائط کے وہ تمام اسی مداخل حلال میں تصور کیا جاتا ہے جو مال ان اشکال میں نہ آتا ہو یا اس کے آداب و شرائط اُس پر صادق نہ آتے ہوں تو وہ مال حلال نہیں۔

لہٰذا طالب سعادت و نجات آخرت کو لازم ہے کہ کوئی حرفہ و کسب اختیار کرے اور اس کو ذریعہ معاش قرار دے یا مستقل آمدنی یا ایسا سرمایہ جس کو دوسروں نے پیدا کیا ہے اس کے ذریعہ سے اپنی زندگی بسر کرے۔ بعض ایسے ہیں کہ کوئی سرمایہ و آمدنی مستقل نہیں رکھتے اور کوئی کسب و صنعت بھی نہیں سیکھتے یا بعد سیکھنے کے حصول وجہ معاش میں کاہلی کرتے ہیں اور محتاج رہتے ہیں اور بعض

صاحبانِ کسب و ہنر سے بھیک مانگ کر اپنے صرف میں لاتے ہیں۔ یہی وہ جماعت ہے کہ جس نے اُن دو اشکال مندرجۂ ذیل میں سے کسی ایک ذلیل شکل کو اختیار کیا ہے۔

پہلا : دزدی دوسرا : گدائی

اور ان دونوں اشکال میں سے ہر ایک کے اقسام مختلف ہیں۔

پہلی قسم

وہ چور جو آپس میں متفق ہو کر لوٹ مار اور راہزنی کرتے ہیں اور بعض لوگ سلاطین و وزراء و حکام سے تعارف و توسل پیدا کر کے رعایا پر ظلم اور زیادتی کرتے ہیں اور اس طریقہ سے رعایا کے مال کو کھاتے ہیں۔ اگر یہ طریقہ میسر نہ ہو تو نقب لگاتے اور کمند ڈالتے ہیں اور گھروں میں داخل ہوتے ہیں۔

دُوسری قسم

گدائی - ان کی بھی چند قسمیں ہیں :-

- بعض اپنے کو ظاہراً اندھا یا مفلوج یا مریض بناتے ہیں۔
- بعض نے گریہ وزاری اختیار کی ہے کہ اس حیلہ سے کچھ نہ کچھ حاصل کریں۔
- بعض عجیب و غریب امور اور عمدہ عمدہ گفتگو سے اپنے بازارِ گدائی کو رونق دیتے ہیں۔
- بعض مسخرہ پن اور ہنسی کے فقرے بیان کرتے ہیں۔
- بعض خوشامد اور چرب زبانی۔
- بعض نے شعبدہ بازی و قصہ خوانی و قلندری اختیار کی ہے۔

- بعض نے عمدہ عمدہ اشعار خوانی کو اپنا شعار قرار دیا ہے یا کلامِ مسجع راگ کی صورت بخیال نفع پڑھا کرتے ہیں۔
- بعض نے ریا سے جامۂ پشمینہ زیبِ تن کر کے بڑے بڑے دانوں کی تسبیح ہاتھ میں لے کر ذکرِ خدا کو اپنا وسیلۂ معیشت بنایا ہے۔
- بعض نے مدرسی یا ذکرِ مصائب یا پیش نمازی یا قرآن خوانی کو ذریعۂ معاش قرار دیا ہے۔
- بعض نے اپنا نام حکیم یا جراح مشہور کر رکھا ہے اور بہت سے شیشے اور جڑی بوٹی جمع کی ہے اور معجون و ادویات و عرقیات بناتے ہیں، کہ عورتوں اور بے وقوف مردوں کو فریب دیا جائے۔
- بعض رمّال و منجم بن کر علمِ غیب یعنی گزشتہ و آئندہ کی خبر دیتے ہیں۔
- بعض فال دیکھتے ہیں۔
- بعض دعا و تعویذ لکھتے ہیں۔
- بعض تعبیرِ خواب دیتے ہیں۔
- بعض نے اپنے کو واعظ بنایا ہے حالانکہ وہ خود اپنے علم پر عمل نہیں کرتے۔
- بعض پیشۂ گدائی اختیار کر کے دوسرے کا مال و زر کھاتے ہیں اور اسی میں اپنی تمام عمر صرف کر چکے ہیں اور مبدءٔ و معاد و مقصود پیدائش و ایجاد سے غافل ہیں۔

ساتویں صفت

خیانت و غدر کی مذمّت

واضح ہو کہ جب کوئی شخص کسی کا مال بلا علم و اطلاع و خلاف مرضی اس کے اور کم فروشی و مکر و حیلہ و عداوت وغیرہ سے بغیر عذرِ شرعی کے رکھ لے یا کھا جائے تو اُسے خیانت کہتے ہیں۔ اس تعریف میں کسی کی ناموس یا حرمت و آبرو میں خیانت کرنا بھی داخل ہے۔ یہ صفت مہلکہ و اخلاق خبیثہ میں سے ہے۔ خصوصاً اس کی مذمّت میں بہت سے اخبار وارد ہوئے ہیں۔ اس صفتِ بد کی ضد امانت داری و راست بازی ہے۔ یہ تمام صفاتِ نیک سے بزرگ اور ملکات سے افضل اور باعثِ عزت و رستگاری دنیا و آخرت ہے۔

راستی کن کہ راستاں رستند
درجہاں راستاں قوی دستند

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک پیغمبر کو راست گوئی و امانت داری پر مبعوث کیا۔

نیز اسی بزرگوار سے مروی ہے کہ نماز اور روزہ پر ہر کسی کے فریب نہ کھاؤ بلکہ راست گوئی اور امانت داری پر اُن کا امتحان کیا جائے۔

انہی حضرتؑ سے منقول ہے کہ علی ابنِ ابی طالبؑ حضرت رسول صلعم کے نزدیک جس مرتبہ پر فائز تھے وہ راست گوئی و امانت داری تھی۔

نیز فرمایا کہ تین امور ہیں کہ جن میں سے کسی کا عذرِ ترک مسموع نہ ہوگا :

۱ : امانت داری خواہ وہ نیک ہو یا فاجر۔

۲ : ایفائے وعدہ خواہ وہ نیک ہو یا فاجر۔

۳ : نیکی بہ والدین خواہ وہ اچھے ہوں یا بُرے۔

اور فرمایا کہ جو شخص ان چار صفات :-

(۱) راستی

(۲) امانت داری

(۳) حیا

(۴) حُسنِ خُلق

سے متصف ہو۔ اس کا ایمان کامل ہے۔ اگرچہ وہ گناہوں میں بھرا ہُوا ہو۔
تجربہ کیا گیا ہے کہ خیانت کنندہ تنگ دست و پریشاں روزگار رہتا ہے
ور امانت دار غنی و مالدار۔

آٹھویں صفت

بیہودہ گفتگو کی مذمت
اور
اُس کا علاج

واضح ہو کہ بے ہودہ گفتگو سے گناہوں اور بدکاری کے بیانات اور اشکال مندرجۂ ذیل مراد لیے گئے ہیں :-

۱ : بیانِ افعال زنانِ فاحشہ۔
۲ : کیفیتِ مجالس شراب و طریقۂ فسق و فجور۔
۳ : حالتِ اسرافِ بیجا۔
۴ : ذکر تکبر و تجبرِ بادشاہان اور ان کی عادت۔
۵ : حکایتِ اہلِ بدعت و مذہبِ فاسدہ وغیرہ۔

چونکہ اقسام خیالاتِ باطلہ اور گناہوں کی انتہا نہیں ہے۔ اس لیے اُن سے خلاصی ممکن نہیں۔

حضرت پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ آدمی زیادہ تر بدوہ ہے، جو اپنے

گناہوں کا اظہار اور ان کے تفصیلی واقعات کو بیان کرے۔

ایک انصار کا کسی ایسی مجلس میں گزر ہوا۔ جس میں گناہوں کا تذکرہ ہو رہا تھا۔

انھوں نے کہا کہ:

وضو کرو کیوں کہ جو امور بیان کیے جا رہے ہیں۔ وہ حدث سے بدتر ہیں۔ محض خواہشِ نفسانی سے بغیر ضرورت کے امور باطلہ کا بیان کرنا گناہ ہے۔ یہ:

- غیبت
- سخن چینی
- فحش
- دشنام دہی کے مانند ہیں۔

نویں صفت

بے فائدہ باتوں کی مذمت اور اقسام و معالجہ

واضح ہو کہ بے فائدہ باتوں سے مُراد یہ ہے کہ وہ باتیں اور گفتگو جن سے نہ کام دُنیا کا نکلے نہ آخرت کا۔ اگرچہ یہ حرام نہیں لیکن نہایت بد ہے کیونکہ انسان کی اوقات جو سرمایہ تجارت آخرت ہے ضائع ہو جاتی ہے اور ذکرِ خدا و فکر صنائع پروردگار سے باز رہتے ہیں۔ ایک دفعہ:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یا سُبْحَانَ اللّٰهِ

کہنے سے ایک قصر اُس کے لیے بنا کیا جاتا ہے یا ایک فکر سے درہائے الٰہیہ کا ایک دروازہ اُس کے خانۂ دل پر کھول دیا جاتا ہے۔ پس وہ کس قدر بدبخت ہے کہ ایک خزانہ کو چھوڑ کر اُس کے عوض میں ایک مٹی کا ڈھیلا حاصل کرے جس سے کوئی نفع نہ ہو۔ جو شخص ذکرِ خدا و فکرِ عجائباتِ قدرت پروردگار کو ترک کر کے بے فائدہ نقل و حکایات کے بیان میں مصروف ہو۔ گو اُس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو لیکن بہت سے فوائد اُس کے اختیار سے نکل گئے۔ غور کیجئے کہ جب بندہ کا سرمایہ اس کی اوقاتِ عزیز ہے اس کو بیکار صرف کر دیا جائے اور اس سے کوئی منفعت اُس درماندگی کے لیے جو

آنے والی ہے ذخیرہ نہ کیا جائے تو گویا اس بندہ نے اپنے سرمایۂ حیات کو ضائع کیا۔ علاوہ اس کے اکثر ہوتا ہے کہ جب فضول باتیں شروع ہوتی ہیں تو اُسی سلسلۂ گفتگو میں گناہ، جھوٹ، غیبت وغیرہ کا ذکر آجاتا ہے۔ اسی وجہ سے اس خصوص میں نہایت مذمت وارد ہوئی ہے۔

مروی ہے کہ جنگِ اُحد میں اصحاب پیغمبرؐ میں سے ایک لڑکا شہید ہوا جو بسبب گرسنگی اپنے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا۔ جب اُس کی ماں اس کے رُخسار کو مٹی سے پاک کر کے کہتی تھی کہ تجھ کو بہشت مبارک ہو۔

اس وقت حضرتؐ نے فرمایا کہ تُو جانتی ہے کہ اس کو بہشت ملے گی، شاید اُس نے فضول باتیں کی ہوں۔

بعض اصحاب نے کہا کہ بعض اوقات کسی شخص کی بات کا جواب دینے پر آبِ سرد کی طرح رغبت ہوتی ہے۔ مگر اس کا جواب اس خوف سے نہیں دیتا ہوں کہ کہیں کوئی فضول بات میرے مُنہ سے نہ نکل جائے۔

واضح ہو کہ بے فائدہ باتیں اور بکواس کے اقسام بہت ہیں اور طریقۂ کلام نیک یہ ہے کہ کوئی ایسی بات یا گفتگو کریں کہ کسی قسم کا گناہ نہ ہو اور نہ کوئی ضرر دنیوی ہو اور نہ کوئی کام معطل و معلق رہے۔ حسب طریقۂ مندرجۂ ذیل جو کلام یا گفتگو کی جائے، وہ لغو و فضول ہے۔ مثلاً حالاتِ سفر کو دوستوں سے کہنا اور جو کچھ سفر میں دیکھا گیا، یا جو واقعہ پیش آیا اس کا بیان کرنا یہ تمام امور ایسے ہیں جن کے بیان نہ کرنے سے کوئی دنیوی نقصان ہے نہ دینی اور کسی کو اس تذکرہ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر نہایت کوشش کے ساتھ بھی بلا کم و کاست سچ سچ بیان کریں اور خودستائی و تفاخر اور کسی کی غیبت یا مذمت منظور نہ ہو تاہم وہ اپنے وقت کو ضائع و تلف اور اپنے دل کو افسردہ و تاریک کرتا ہے۔ کیونکہ گفتگوئے فضول باعثِ کدورتِ دل ہے۔

اے صاحبو! اپنا وقتِ عزیز تہیہ سفرِ عقبیٰ میں صرف کرو۔ کیونکہ کاروانِ عمر بہت تیز رواں ہے۔ جس سے ہم مسافروں کو سامانِ آخرت کے مہیا کرنے کی فرصت تک نہیں اور آئندہ ہم کو سفرِ آخرت راہِ ہولناک درپیش ہے اور موت پیچھے سے آہستہ آہستہ چلی آ رہی ہے۔ ایک طرف شیطان راہزن تاک میں بیٹھا ہوا ہے۔ پھر کیونکر ہم آرام سے بیٹھ سکتے ہیں اور فضول باتوں میں مشغول ہو سکتے ہیں اور آئندہ و گزشتہ کاموں کا خیال کر سکتے ہیں۔ دوستوں کی صحبت کس طرح پسند آ سکتی ہے۔

واضح ہو کہ جیسا بالمشافہ گفتگوئے بے فائدہ کرنا سببِ خرابیٔ ابد ہے ویسا ہی کسی سے فضول دریافت و سوال کرنا بیکار و مذموم۔ بلکہ اس کی مذمت زیادہ اور اُس کا فساد نہایت بد ہے۔ کیونکہ سوال کرنے میں سوال کنندہ و جواب دہندہ دونوں کا وقت ضائع ہوتا ہے اور یہ بھی اس وقت جبکہ اس سوال سے کوئی آفت و خرابی واقع نہ ہوتی ہو اگر اس کے جواب میں کوئی آفت و خرابی پیدا ہو تو سوال کنندہ آثم و گناہگار ہو گا۔ مثلاً اگر کسی سے یہ سوال کیا جائے کہ آپ روزہ سے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ہاں کہتا ہے تو ممکن ہے کہ اس کا یہ قول ریا میں داخل ہو جائے (غالباً آپ جانتے ہوں گے کہ ریا کے باعث عملِ حسنہ کا ثواب کم ہو جاتا ہے۔ نیز عبادتِ پوشیدہ کا بہ نسبت عبادتِ آشکارا کے ثواب زیادہ ہے) اگر وہ شخص کہتا ہے "نہیں" تو جھوٹ ہوتا ہے۔ اگر ساکت رہتا ہے تو سوال کنندہ کی اہانت ہوتی ہے۔ اسی طرح اور امور ہیں جن سے جواب دینے والے کو خجالت و شرم لاحق ہوتی ہے یا اُن امور کے متعلق سوال کرنا جن کے اظہار میں کوئی امر مانع ہو جیسا کہ کوئی شخص کسی سے آہستہ بات کرے، اور آپ دریافت کریں کہ اُس نے کیا کہا؟ یا کن باتوں میں تھے؟ یا مثلاً کوئی شخص آتا ہو یا جاتا ہو اور آپ سوال کریں کہ کہاں سے آنا ہوا یا کہاں جائیں گے؟ تو ممکن ہے کہ وہ اُس کو ظاہر کرنا نہ چاہتا ہو۔ اسی طرح کسی شخص سے یہ سوال کیا جائے کہ کیوں ناتواں

اور لاغر ہو، یا کونسا مرض ہے ؛ شاید ہر کسی سے اُس مریض کو اپنی شدتِ مرض اور حالتِ بدحالی بیان کرنا بُرا معلوم ہوتا ہو۔ یہ تمام سوالات بے فائدہ اور فضول باتوں کے مانند ہیں جو اکثر باعثِ ایذا و گناہ ہوتے ہیں۔

مروی ہے کہ حضرت لقمان حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس اُس وقت تشریف لائے جب کہ وہ زرہ بنانے میں مصروف تھے۔ چونکہ حضرت لقمان نے قبل اس کے زرہ کو نہ دیکھا تھا اور اس کے فائدہ سے واقف نہ تھے۔ چاہا کہ سوال کریں لیکن دانائی اور حکمت مانع ہوئی۔ خودداری کو کام میں لائے اور خاموش بیٹھے رہے۔

آخرکار جب حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بنا چکے تو اُٹھے اور زرہ کو پہن کر کہا کہ :

"وقتِ جنگ و جدال زرہ کیا خوب چیز ہے۔"

حضرت لقمان نے جواب دیا کہ :

"خاموشی بھی خوب ہے۔ لیکن اس پر عمل کرنے والا کم ہے۔"

واضح ہو کہ فضول بکواس یا اُمورِ بے فائدہ کے شناخت کی حرص یا خیال خوش مشربی یا تضیع اوقات روز و شب باعثِ پستی و خرابی قوۂ شہویہ اور متابعتِ خواہشاتِ نفسانیہ ہے۔ لہٰذا اس کا علاج یہ ہے کہ خداوند عالم کا تذکرہ کیا جائے اور یہ یاد کریں کہ موت ایک دن آنے والی ہے۔ جو بات منہ سے نکلے، اس کا محاسبہ ہوگا اور خاموشی کسبِ سعادتِ اوقات و انفاس کا سرمایہ ہے یہ زبان ایک دام ہے جس سے حورالعین کو قابو میں لا سکتے ہیں۔ اس کا طریقۂ عمل یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو گوشۂ تنہائی اختیار کرے۔ زبان کو فضول باتوں کے ترک کرنے کی عادت ڈالے جس بات میں کوئی فائدہ دینی یا دنیوی نہ ہو، اس کو

زبان سے نہ نکالے۔ ساکت اور خاموش رہے۔ چنانچہ کسی زمانے میں بعض نے اپنے منہ پر پتھر باندھا تھا کہ خدا کا ہی ذکر کرتے رہیں اور بے فائدہ اور فضول بکواس نہ کریں۔

فصل (۱)

خاموشی

واضح ہو کہ بے جا بکواس اور فضول باتوں کی ضد خاموشی ہے یا ایسی باتیں کرنا جس کی ضرورت یا فائدہ ہو۔

جیسا کہ حضرت پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ اسلام نیک کی علامت یہ ہے، کہ امورلتِ بے فائدہ کو ترک کرے۔ نیز خوشحال اس کا جو زیادتیٔ مال کو راہِ خدا میں صرف کرے۔

دیکھئے آپ حضرات نے اس کے برعکس اختیار کیا ہے۔ زیادہ مال کو جمع کرتے رہیں اور زبان کو کھول رکھا ہے۔

ایک روز آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اوّل وہ شخص بہشت میں داخل ہوگا۔ جس نے سلامتیٔ نفس کو مدِنظر رکھ کر تمام بے فائدہ چیزوں کو ترک کر دیا ہو۔

حضرت رسولؐ نے اباذرؓ سے فرمایا کہ "تجھ کو اس عمل کی تعلیم دوں جو بدن پہ سبک اور میزانِ اعمال میں سنگین ہو؟"

انھوں نے عرض کیا کہ: "ہاں۔"

فرمایا کہ "وہ خاموشی و حسنِ خُلق و ترکِ عملِ بے فائدہ ہے۔"

کسی نے حضرت لقمان سے پوچھا کہ :

"آپ کی حکمت کس چیز میں ہے ؟"

انھوں نے کہا :

جو چیز مجھ کو کفایت کرتی ہے۔ اس کے متعلق سوال نہیں کرتا ہوں اور جو چیز بے فائدہ ہو وہ اپنے لیے پسند نہیں کرتا ہوں۔ جو کچھ فضیلت ترکِ کلامِ فضول و بے فائدہ کے نسبت وارد ہوئی ہے وہ اخبار ائمہ اطہار و کلمائے اکابر اہلِ دین میں حد تحریر و تقریر سے متجاوز ہے اور جس قدر حوالۂ قلم کیا گیا۔ اہلِ بصیرت کے لیے کافی ہے۔

اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی سُبْحَانَہٗ

پانچواں مقام

اُن اخلاقِ ذمیمہ کے معالجہ کے بیان میں جو ہرسہ قوائے عاقلہ اور غضبیہ اور شہویہ کے متعلق ہیں یا ان میں سے دو قوتوں کے ساتھ جن کا تعلق ہے۔ وہ بتیس صفات ہیں۔

پہلی صفت

حسد کا فساد اور اس کے مراتب

جس میں تین فصلیں ہیں

واضح ہو کہ حسد وہ ہے کہ اپنے برادر مسلم کے اُن نعمتوں کے زوال کی آرزو کی جائے جن سے اس کی بہتری ہو۔ اگر اُس کی نعمتوں کے زوال کی آرزو نہ کی جائے بلکہ اسی طرح اُن نعمتوں کا خواستگار ہو تو اس کو غبطہ یا منافسہ کہتے ہیں۔ اگر اُس چیز کے زوال کا خواہاں ہو جس میں اس کی بہتری نہیں ہے تو وہ غیرت ہے۔ حسد کی ضد نصیحت ہے یعنی اپنے برادر مسلم کے لیے اس نعمت کا خواستگار رہنا۔ جس میں اس کی بہتری ہو نصیحت کہتے ہیں۔ چونکہ ہر شخص بہتری و بدی نعمت کو نہیں سمجھ سکتا۔

اس لیے کہ اکثر نعمتیں ظاہراً بہتر معلوم ہوتی ہیں مگر حقیقت میں وہ بد ہیں۔ اس کا مالک و صاحب بدکار ہوتا ہے۔ پس شرطِ دوستی و نصیحت یہ ہے کہ برادرِ مومن کے لیے اُس چیز کو جائز رکھیں جو واقعی بہتر ہو اگر وہ باعثِ فساد و خرابی ہو تو ناجائز سمجھیں۔ معیارِ نصیحت یہ ہے کہ جو چیز اپنے لیے پسند و مرغوب ہے اُس کو اپنے برادرِ مسلم کے لیے بھی پسند کریں اور جو اپنے لیے ناپسند ہے اس کے لیے بھی پسند نہ کریں۔ معیارِ حسد یہ ہے کہ جو چیز اپنے لیے چاہتا ہے، دوسرے کے لیے وہ نہ چاہی جائے۔

واضح ہو کہ اشد امراض نفسانیہ و بدترین رذائل یہی صفتِ حسد ہے۔ حاسد عذاب دنیا و عقبیٰ میں گرفتار رہتا ہے۔ جب کسی کو کسی نعمت سے سرفراز دیکھ لیتا ہے تو غمگین ہوتا ہے۔ چونکہ خدا کی نعمت بندوں پر بیحد و افزوں ہے اس لیے یہ بدبخت ہمیشہ غمناک و محزوں رہتا ہے۔ اس کے رنج و الم سے محسود کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا بلکہ اس کے ثواب حسنات میں زیادتی ہوتی جاتی ہے اگر محسود کی غیبت کی جائے یا اُس بات سے جو اُس کے حق میں نہ کہنی چاہیئے کہی جائے تو محسود کے درجے بلند ہوتے ہیں اور محسود کا مواخذہ اور وبال حاسد اپنے ذمہ لیتا ہے۔ اپنے اعمالِ نیک اُس کے دفتر میں لکھواتا ہے۔ حاسد مقامِ عناد اور بندگانِ خدا کی مخالفت کی تلاش میں رہتا ہے حالانکہ جو نعمت و کمال جس کسی کو ملا ہے وہ خداوند عالم کے رشحاتِ فیض سے وابستہ ہے اُسی کی حکمت و مصلحت و مشیت و ارادہ کا اقتضا ہے۔

پس جو نعمت کسی بندہ کو عطا کی جائے اس کے زائل ہونے کی خواہش کرنا گویا مقدراتِ الٰہی کے نقائض کا چاہنا اور خلافِ مرادِ خدا ارادہ کرنا سمجھا جاتا ہے۔ حاسد عیاذ باللہ خدا کو جاہل جانتا ہے کیونکہ اگر محسود اس نعمت کا لائق و قابل ہے تو پھر کیوں اُس کی نعمت کے زوال کا خواہاں ہوتا ہے۔ اُس صورت میں بھی

خدا پر نقص لازم آئے گا۔ اگر کسی کو اُس نعمت کا سزاوار سمجھتا ہے تو پھر اس کو منع کرتا ہے اگر وہ اُس نعمت کا لائق نہیں تو پھر اپنے کو خدا سے عقلمند جانتا ہے بہر حال ان ہر دو صلاح و فساد کی صورت میں کفر صادق آتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ جو کچھ خداوند عالم کی طرف سے ہو رہا ہے وہ محض خیر و مصلحت پر مبنی ہے اور شر و فساد سے بری۔ حقیقتاً حاسد دشمن خیر و طالب فساد ہے۔

بیان مذکور سے معلوم ہوا کہ حسد بدترین رذائل اور حاسد شریر ترین مردم ہے۔ کونسی خباثت اس سے افزوں ہو سکتی ہے کہ وہ شخص کسی بندۂ خدا کی راحت سے باعث غمگین ہوتا ہے حالانکہ اس کو کوئی نقصان نہ پہنچا ہو۔ آیات و اخبار مذمت میں اس صفت کی بیحد وارد ہوئے ہیں۔

حضرت پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ حسد اعمالِ نیک کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔

آنحضرتؐ سے منقول ہے کہ پروردگار عالم نے حضرت موسیٰؑ پر وحی نازل کی کہ آدمیوں پر حسد نہ کرو۔ جن پر میرا فضل و کرم ہے اُن پر نگاہِ حسد نہ ڈالو۔ بہ تحقیق کہ جو شخص حسد کرتا ہے وہ میری نعمتوں پر خشمناک ہوتا ہے۔ مَیں نے بندگانِ خدا پر جن نعمتوں کو تقسیم کیا ہے اُن میں مساوات کرنا چاہتا ہے۔

نیز انہی بزرگوارؐ نے فرمایا کہ مَیں اپنی اُمّت کی مالداری سے زیادہ خائف ہوں کہ کہیں ایک دوسرے پر حسد نہ لے جائیں۔ ایک دوسرے کو قتل نہ کریں۔ نیز فرمایا کہ خدا کی نعمتوں کے دشمن بہت ہیں۔

عرض کیا گیا کہ وہ کون ہیں؟

فرمایا کہ وہ لوگ ہیں جو مرفع الحال لوگوں پر حسد لے جائیں۔

حدیثِ قدسی میں وارد ہے کہ خدا نے فرمایا کہ: "حاسد میری نعمت کا دشمن ہے۔

میرے حکم پر خشمناک ہونے والا۔ بندگان خدا کی قسمت پر ناراض۔"

حضرت ابی عبداللہ علیہ السّلام سے مروی ہے کہ حسد، عُجب اور فخر دین میں آفت ڈالتا ہے۔ نیز اُس جناب سے روایت ہے کہ قبل اس کے کہ محسُود کو کوئی ضرر پہنچے، حاسد کو ضرر پہنچتا ہے جیسا کہ ابلیس نے بذریعہ حسد لعنت حاصل کی اور حضرت آدم نے برگزیدگی وہدایت ورتبۂ بلند حقائق۔ لہٰذا محسُود بنے رہیئے۔ حاسد نہ بنئے۔

بہ تحقیق کہ حاسد کی میزان ہمیشہ سبک رہتی ہے۔ یعنی حاسد کے اعمالِ حسنہ ترازوئے اعمال محسود میں رکھے جاتے ہیں۔ ہر شخص کی روزی مقرر کی گئی ہے۔ پس حاسد کا حسد کیا نفع دے سکتا ہے اور محسُود کو کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ حقیقتاً حسد دل کا اندھاپن ہے اور انکار فضلِ خدا کفر کے لیے یہ دو پَر ہیں۔ فرزندِ آدم باعث حسد حسرتِ ابد میں مبتلا ہوتا ہے اس کے لیے ہرگز نجات میسّر نہیں۔

بعض حکماء کا قول ہے کہ حسد ایک جراحت ہے کہ جس کا ہرگز اندمال نہیں۔ ایک بزرگِ دین نے کہا ہے کہ حاسد کو مجمع و مجلس میں ندامت وذلّت میسّر آتی ہے۔ ملائکہ اُس پر لعنت کرتے ہیں۔ حاسد کو خلق اللہ سے غم ومحنت اور بوقتِ مرگ ہول و دہشت اور قیامت میں عذاب و فضیحت حاصل ہوتی ہے۔ حاصل کلام صفتِ حسد موجب عذاب و خرابیٔ آخرت ہے۔ نیز سرمایۂ اندوہ وملال دنیوی۔ اس صفت سے کوئی صفتِ بد اس مرض سے زیادہ کوئی ہلاک کرنے والا مرض نہیں ہے۔

پہلا مُستثنےٰ

امورِ متذکرہ صدر اس صورت سے متعلق ہیں کہ جب زوالِ نعمت محسُود سے کوئی امرِ دینی مقصود نہ ہو۔ اگر غرض دینداری ہو تو اس کو حسد نہیں کہتے اور اس سے کوئی ضرر مترتب نہیں ہوتا۔ مثلاً یہ کہ جب کوئی نعمت و دولت یا منصب و عزت کسی فاجر بدکار

یا کافر کو حاصل ہو وہ اس کے ذریعہ سے کوئی فتنہ برپا کرے یا بندگانِ خدا کو اذیت پہنچائے یا فساد ڈالے یا معصیت کا مرتکب ہوتا ہو۔ اس وجہ سے کوئی شخص اس کی نعمت کے زوال کا خواہاں ہو اور اس کی عزت نہ کرے تو کوئی مضر نہیں۔ نیز یہ داخلِ حسد نہیں اور نہ وہ گناہ گار۔

دُوسرا مُستثنےٰ

حسبِ بیانِ گزشتہ غبطہ کیا جائے تو کوئی برائی نہیں بلکہ یہ پسندیدہ ہے۔ جس سے حضرت رسول صلعم کی مراد یہی ہے۔

چنانچہ مروی ہے کہ حسد نیک نہیں مگر اس صورت میں کہ اُس پر تعریف غبطہ کی صادق آتی ہو۔ مثلاً کسی کو خدا نے مال دیا ہو وہ راہِ خدا میں صرف کرتا ہو۔ کسی کو خدا تعالیٰ نے علم کرامت فرمایا ہو۔ وہ اس پر کاربند ہو۔ نیز دوسروں کو تعلیم دے۔ اگر کوئی شخص اُن نعمتوں پر غبطہ کرے جو امورِ دین سے متعلق نہ ہوں تو سبب غبطہ اس نعمت کی محبت ہے۔ اگر وہ امر دین کی نسبت ہو تو سبب اس غبطہ کا محبت وطاعتِ خدا ہوگی یہ مستحسن و مرغوب ہے۔ اگر ایسے امر دنیا کے متعلق غبطہ کیا جائے جو مباح ہو تو اس کا سبب محبتِ نعمت و لذاتِ دنیویہ ہے بشرطیکہ یہ حرام نہ ہو لیکن کوئی شک نہیں کہ اس کے باعث درجاتِ بلند و منازلِ ارجمند سے بے نصیب رہتا ہے۔

حسبِ مندرجۂ ذیل غبطہ کے دو درجے ہیں :-

ا : جس شخص کا کسی کے برابر حصول نعمت سے یہ مقصد ہو کہ وہ اس سے کم درجہ پر رہنا نہیں چاہتا۔ اپنا نقصان پسند نہیں کرتا ہے تو یہ مقام خطرہ و لغزش ہے کیونکہ جب وہ نعمت میسر نہ ہوگی تو بالضرور اس کی زوالِ نعمت کا خواہاں ہوگا۔ تاکہ وہ بلند رتبہ والا نہ ہو۔

۲ : بہت کم ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے کو دوسروں سے پست درجہ پر دیکھ سکیں۔ پس نہ خود وہ اُس مرتبہ کو پہنچ سکتے ہیں اور نہ انھیں اپنی پستی مرتبہ منظور ہوتی ہے اس لیے تمام صفاتِ رذائل و ملکات سے یہ صفتِ حسد بد تر ہے۔

فائدہ : مراتبِ حسد

حسبِ مندرجۂ ذیل حسد کے چار مرتبے ہیں :-

(۱) یہ کہ جس کا نفس دوسرے کے زوالِ نعمت کی خواہش رکھتا ہو۔ اگرچہ حاسد کو اُس کا زوال کوئی فائدہ بخش نہ ہو۔ یہ بدترین مرتبۂ حسد ہے۔

(۲) یہ کہ جس کا نفس دوسرے کے زوالِ نعمت کا خواہاں ہو۔ اس خیال سے کہ وہ نعمت اس کو حاصل ہو جائے مثلاً جو شخص عمدہ مکان یا خوبصورت عورت رکھتا ہو تو دوسرا شخص اسی مکان یا اسی عورت کا خواستگار ہو اور یہ خواہش ہو کہ وہ اس کے قبضہ و تصرف سے نکل کر اُس کے قبضہ میں آجائے۔ اس کی بدی و حرمت میں کوئی شک نہیں ہے۔

چنانچہ حق تعالےٰ نے اس کی نسبت صراحتاً منع فرمایا ہے :

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ

خلاصہ معنی یہ کہ : " جس چیز سے خدا نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اس کی آرزو نہ کریں۔"

(۳) یہ کہ جس کا نفس دوسرے کی نعمت پر اس طرح میل رکھتا ہو کہ وہ نعمت اس کے ہاتھ سے نکل جائے تو وہ شخص اس کے مانند ہو جائے یعنی یہ دونوں آپس میں برابر ہو جائیں۔ مگر اس کا حصول ناممکن ہو۔ اگر اس کا زوال ممکن ہو تو اُس کے

اتلاف میں سعی کرے۔

(۴) یہ کہ وہ تیسرے درجے والے کے مانند ہے لیکن اُس کا تلف کرنا ممکن تو ہے۔ مگر اُس کی قوت دین و عقل اس کے زوال کی مانع ہوتی ہے اور اس کے زوال پر بجائے شاد ہونے کے غمگین ہوتا ہے لہٰذا ایسے مرتبے والے کو اُمیدِ نجات ہے۔ اگرچہ اس کی خواہشِ نفسانی بہتر نہیں لیکن اُس کو خدائے تعالیٰ بخش دیتا ہے۔

فصل (۱)

اسبابِ حسد اور اُس کے اقسام

واضح ہو کہ منجملہ اُن سات صورتوں کے جو مندرجۂ ذیل ہیں، کوئی نہ کوئی صورت باعث و اسباب حسد ہو گی:-

(۱) خباثتِ نفس و بخلِ ذاتی جو بندگانِ خدا سے بغیر عداوت کے ہو۔ یا جس کا منشار حسد بلکہ خرابئ نفس و رذالت طبیعت ہے جس کی وجہ سے غیر کی نعمت کے زوال کا خواہاں ہوتا ہے اور بندگانِ خدا کی گرفتاری محنت و بلا سے فرحناک اور شاداں۔ اگر کسی کو راحت اور مقصد میں کامیابی، معاش میں ترقی ہو تو یہ غمگین و محزون ہوتا ہے۔ اگرچہ اس سے کوئی ضرر اس کو نہ ہوتا ہو۔ ایسا شخص کبھی تغیرِ احوال اور تنگئ معاش و ادبار و افلاس پر دوسروں کے خوش ہوتا ہے بلکہ کبھی ہنستا ہے، شماتت کرتا ہے حالانکہ سابق میں ان سے کوئی عداوت بلکہ آشنائی تک نہ ہو۔

کبھی بندگانِ خدا کی حالت بہتری و انتظام نیک گوارا نہیں کرتا اس کی طبیعت محزون و ملول ہوتی ہے حالانکہ اس کے باعث اس پر کوئی خرابی عائد نہ ہوتی ہو اس قسم والے کا علاج حسد نہایت مشکل و دشوار ہے۔ اس کا سبب خرابی ذات و رذالت جبلت ہے اور اس کی ذات کا معالجہ نہایت مشکل۔

(۲) عداوت و دشمنی یہ بزرگ ترین سبب حسد ہے۔ کیونکہ اشخاص خاص (اہلِ تسلیم و رضا) کے سوا ہر شخص عموماً جب اپنے دشمن کو گرفتار و مبتلا دیکھتا ہے۔ تو شاد و فرحناک ہوتا ہے۔ اس کی نکبت و ادبار کی تمنا کرتا ہے۔ ہر شخص کو (بجز مقربین درگاہِ خدا کے) جب کسی سے کوئی ایذا پہنچتی ہو اور اس کے انتقام پر قادر نہ ہو تو زمانہ کے انتقام کا طالب رہتا ہے۔ اگر دشمن کسی بلا میں گرفتار ہو جائے تو اپنے نفس خبیث کی کرامت جانتا ہے۔ نیز گمان کرتا ہے کہ اپنا نفس بد خدا کے نزدیک صاحب مرتبہ ہے۔ اگر کوئی نعمت اس کو حاصل ہو گئی تو غمگین و محزون ہوتا ہے اور کبھی تصور کرتا ہے کہ خدا کے پاس اس کی کوئی منزلت نہیں کہ دشمن سے انتقام نہ لیا۔ یہ خیالات اس کے نفس میں باعثِ حسد ہوتے ہیں۔

(۳) محبت و پسندیدگی شہرت ہے۔ جب کوئی شخص شجاعت یا شوکت یا علم یا عبادت یا کسی صنعت یا جمال وغیرہ میں مشہور و معروف عالم ہو گیا ہو اس کو یگانۂ عصر اور نادرۂ دہر کہا جائے تو یہ شخص اُس پر حسد لے جاتا ہے حالانکہ کبھی اُس نے اس کو نہ دیکھا ہو بلکہ آئندہ ملاقات کی توقع تک نہ ہو لیکن اس کی بدگوئی سے شاد ہوتا ہے بلکہ اس کے مرجانے پر خوش۔ تاکہ کوئی شخص عالم میں اس کا ہمسر اور برابری کرنے والا نہ ہو۔

(۴) خائف رہنا۔ اپنے مطلب و مقصد سے عاجز رہ جانا بھی باعث و سبب حسد ہو جاتا ہے۔ یہ صورت اُن دو آدمیوں کے مابین مخصوص ہوتی ہے جو کسی ایک مطلب و مقصد یا خدمت کے طالب ہوں۔ اگرچہ ان دونوں میں سابق سے کوئی

عداوت نہ ہو۔ پس ہر ایک چاہتا ہے کہ دوسرے کی نعمت کو زائل کرے کہ اُس مطلب و مقصد کے حصول کا سبب نہ ہو۔ اسی طرح دو عورتیں ایک دوسرے پر حسد کرتی ہیں جو ایک شوہر رکھتی ہوں۔ ہر ایک اپنے لیے پُوری التفات شوہر کی چاہتی ہے ایسا ہی ہر ایک بھائی کا اپنے باپ کی قربت و مرتبہ کے لیے، مقربین بادشاہ کا، واعظین و فقہاء کا جو ایک ہی شہر کے ساکن ہوں ایک دوسرے پر حسد ہُوا کرتا ہے۔

(۵) عزت باعثِ حسد ہوتی ہے۔ جب کسی کو یہ گمان پیدا ہو کہ ہم رتبہ یا پست مرتبے والا کسی بلند مرتبہ پر ہو جائے گا یا اس کو کوئی ثروت یا عزت حاصل ہوگی تو وہ ضرور تکبّر و غرور کرے گا اور اس کو حقیر سمجھے گا چونکہ یہ اس کے تحمّل کی طاقت نہیں رکھتا اس لیے یہ شخص اس کے عدمِ حصولِ نعمت کا خواہاں رہتا ہے۔

(۶) تکبّر وجہ حسد ہے۔ جب کوئی شخص صفتِ تکبّر رکھتا ہو۔ دوسرا یہ چاہتا ہو کہ وہ اس کا مطیع و فرماں بردار ہو۔ اس کے حکم سے تجاوز نہ کرے۔ اس لیے وہ اس کے اسباب سرکشی کو منقطع کرنا چاہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ جب اس کو وہ نعمت حاصل ہوگی تو ضرور تکبّر کرے گا جس کا یہ متحمل نہیں ہو سکتا۔ نیز اس کی متابعت سے انحراف یا یہ کہ برابری کا دعویٰ کرے گا۔ اس لیے یہ شخص اُس پر حسد لے آتا ہے۔ اُس کے زوالِ نعمت کو دوست رکھتا ہے۔ اکثر کفّار کا حسد رسولِ مختارؐ کے ساتھ اسی قسم کا تھا اور یہ کہتے تھے کہ ہم کیونکر تحمّل و صبر کریں کہ ہم پر ایک طفلِ فقیر و یتیم سبقت لے جائے:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ۔

"ہمارے دو شہروں میں سے کسی مردِ عظیم پر قرآن کیوں نہ نازل ہُوا، ایک مردِ مفلس و بے یاور پر جو نازل ہُوا۔"

(۷) تعجب باعثِ حسد ہوتا ہے۔ مثلاً جب کسی حاسد کی نظر میں محسود حقیر اور کم درجے والا ہو۔ وہ نعمتِ عظیم سے سرفراز ہو جائے تو یہ شخص تعجب کرتا ہے کہ ایسا شخص ایسی نعمت پر پہنچا اس لیے اس سے حسد کرتا ہے۔ اس کے زوالِ نعمت کا خواہاں ہوتا ہے۔ اسی طرح امتوں نے حسد اپنے پیغمبروں پر کیا اور کہا کہ :

"کیا تم لوگ ہمارے مانند نہیں ہو۔ پھر کیونکر خلعت نبوت و تاجِ کرامت کے سزاوار ہوئے اور وحی رسالت کا مرتبہ پایا۔"

واضح ہو کہ اکثر اوقات کئی ایک اسباب مذکورہ یا تمام ایک شخص میں جمع ہو جاتے ہیں تو اس وقت حسد کو نہایت تقویت ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ حسد اس درجہ قوت پکڑتا ہے کہ اس کا صاحب ہر کسی کی نعمت کو اپنے ہی لیے چاہتا ہے اور ہر ایک کی خیر اور بہتری اپنے لیے پسند کرتا یہ جہل و حماقت ہے۔

فائدہ

اسباب مذکورہ اکثر ایسے اشخاص میں پائے جاتے ہیں جو آپس میں ربط و ملاقات رکھتے ہوں جن کی محفلوں میں آمد و رفت رہتی ہو جن کا مطلب و مقصد ایک ہی ہو۔ ایسے اشخاص میں جو دوسرے شہر دور و دراز میں سکونت پذیر ہیں کوئی حسد نہیں ہوتا کیونکہ ان میں کوئی ربط و شناسائی نہیں ہوتی زیادہ تر ایک ہی کسب اور ہنر والا دوسرے اسی کسب اور ہنر والے پر حسد کرتا ہے نہ دوسرے قسم کے کسب اور ہنر والے پر۔ چونکہ ان کا مقصود ایک ہی ہوتا ہے۔ اس لیے ایک دوسرے کے مزاحم و معترض ہوتے ہیں ایسا ہی ایک عالم دوسرے عالم سے حسد کرتا ہے اور ایک تاجر دوسرے تاجر سے۔ عالم و تاجر ایک دوسرے سے ہرگز حسد نہیں کرتے۔ ان تمام کا باعث و منشاء محبت دنیائے دنی اور اس کے حصولِ نفع کا مقصد ہے۔ کیونکہ تنگی و کمی دنیا اور انحصار منفعت

کے سبب سے یہ نزاع و خصومت پیدا ہوتی ہے۔ اگر کسی کو منصب و مال دنیویہ سے کوئی نفع حاصل ہوتا ہو جب تک اس کے ہاتھ سے وہ مال و منصب نکل جائے، اس وقت تک دوسرے کو وہ منفعت حاصل نہیں ہوتی۔ بخلاف نفعِ آخرت کے۔ چونکہ اس کی تنگی و کمی نہیں ہے اس لیے ان میں کوئی نزاع و خصومت پیدا نہیں ہوتی۔

پس اس کی ایک مثال علم حقیقی و معرفتِ خدا ہے۔ جو شخص حق سبحانہٗ تعالےٰ کی معرفت۔ اس کی صفاتِ جلال و جمال کا طالب۔ اس کی عجائب صنائع کا جاننے والا ہو تو ایسا دوسرا عالم اس سے حسد نہیں کرتا۔ کیونکہ ان علماء کی زیادتی دوسرے عالم کے علم کو کم نہیں کرتی بلکہ ان کی زیادتی باعثِ لذّت و خوشی ہوتی ہے۔ ایسا ہی مرتبہ قربِ خدا اس کی محبت اور آخرت کی نعمتوں کا شوق ہے۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ علمائے آخرت میں حسد و عداوت نہیں ہوتی بلکہ ان کی کثرت ان کو مسرور کرتی ہے۔ چونکہ علمائے دنیا میں حسد اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ علم سے ان کا مقصود مال و جاہ اور قربِ امیر و بادشاہ ہوا کرتا ہے۔ مال ایسی چیز ہے کہ اگر کوئی شخص تمام روئے زمین یا اس کے تمام اسباب کا مالک ہو جائے تو دوسرے اس سے محروم رہ جاتے ہیں۔ بخلاف نعمتِ اُخروی کے کہ جس کی انتہا نہیں ہے۔ منجملہ ان کے اگر کوئی کسی نعمت کا مالک ہو تو دوسرا شخص اس کی ممانعت نہیں کرتا اور نہ کوئی عالم دوسرے کی تعلیم سے منع کرتا ہے چونکہ منشائے حسد جواہر اصلی ہوتا ہے وہ تمام کے لیے کفایت نہیں کرتا اور سب کے مطلب کو پورا نہیں کر سکتا۔ اس وجہ سے یہ صفتِ بد گرفتاری زنداں دنیوی ہے۔ لہٰذا آپ اپنے پر مہربانی کیجئے۔ جو نعمت راحت و عیش جاودانی کا حکم رکھتی ہے۔ اس کو طلب کیجئے۔ جس کا مزاحم کوئی نہیں ہے۔ اس لذت کو تلاش کیجئے جس میں کوئی خرابی نہیں۔ اس مال کو حاصل کیجئے جس پر چوروں کا دستِ تصرّف نہیں پہنچ سکتا۔ وہ نعمت معرفتِ خدا اور اس کی محبت ہے۔ اس کی مشیّت و ارادہ کی تسلیم و رضامندی ہے۔ اگر آپ کو یہ لذات

حاصل نہ ہوں تو اس کے مقام بلند کا اشتیاق نہ رکھئے۔

واضح ہو کہ آپکا جو ہر ذاتی معیوب اور عالم نور و بہجت سے دُور ہے۔ شیطانِ لعین آپ کے قریب ہے۔ اُس نے آپ کو فریب دیا ہے۔ اپنی طرح شاہدہ انوار عالمِ قدس سے محروم رکھا ہے۔ اس لیے آپ عنقریب بہائم و شیاطین کے ساتھ محشور اور اسفل السافلین میں اس کے ساتھ طوق و زنجیر میں ہوں گے۔ جیسا کہ اب خراب اور کم درجہ کی لذتوں میں گرفتار ہیں۔ جب کہ آپ کو معرفتِ پروردگار کے ادراک کا مرتبہ بہجت و سرور اس کی محبت و اُنس حاصل نہیں ہے تو گویا آپ کی مثال اس طفل و عنین کی سی ہے جو لذتِ جماع سے واقفیت نہ رکھتا ہو جیسا کہ مردانِ صحیح المزاج کے لیے لذتِ معرفتِ خدا کا ادراک مخصوص ہے۔

فصل (۲)

معالجۂ مرضِ حسد

واضح ہو کہ جب آپ معلوم کر چکے کہ مرض حسد منجملہ امراضِ مہلکہ نفسانیہ کے ہے۔ لہٰذا اس کے مُعالجہ میں کوشش کیجئے۔ جیسا کہ حصّہ اوّل میں مذکور ہُوا کہ امراضِ نفسانیہ کا علاج معجون مرکب علم و عمل سے ہُوا کرتا ہے۔ مگر علم اس مرض کے لیے مجرب ہے۔ وہ یہ کہ ابتدا اس عاریتِ سرا کی بے ثباتی پر تامل کیجئے۔

اپنی اور محسود کی موت کو یاد کیجئے۔

یہ خیال کیجئے کہ یہ دنیائے چندروزہ اس قابل نہیں کہ جس کے واسطے سے

بندگانِ خدا پر حسد کیا جا سکے۔

دنیا آں قدر ندارد کہ برآں رشک برند

اے برادر کہ نہ محسود بماند نہ حسود!

چشم زدن میں حاسد محسود خاک میں پوشیدہ ہو کر نیست و نابود ہو جائیں گے۔ صفحۂ روزگار سے ان کا نام محو ہو جائے گا۔ اُس عالم میں اپنے کام سے عاجز رہیں گے۔ آپ غور کیجیے کہ کسی پر حسد کرنا اپنی دین و دنیا کو نقصان پہنچانا ہے۔ محسود کو مطلقاً کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ بلکہ اس کو دنیا و آخرت کا نفع حاصل ہوتا ہے۔ مگر یہ حسد حاسد کو دنیا میں ہی ضرر پہنچاتا ہے۔ علاوہ اس کے حاسد قضاء و قدر پروردگار پر غیظ و غضب کرتا ہے۔ وہ عطا جو آفریدگار نے بندوں پر تقسیم فرمائی ہے اس کو پسند نہیں کرتا اور جانتا ہے کہ اس کے احکام نادرست ہیں عدالت پر مبنی نہیں۔ ایسا جاننے والا خداوند عالم کے ساتھ ضد اور دشمنی پیدا کرتا ہے جس کے باعث ایمان و توحید فاسد ہوتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ دوسرے کو ضرر پہنچائے خود ضرر اٹھاتا ہے۔ باوجود ان تمام خرابیوں کے حسد کینہ و عداوت و ترک دوستی پر آمادہ کرتا ہے۔ مومنین کو مبتلائے بلا دیکھ کر شادی و خوشی کرنے میں ہم خیالِ شیطان ہوتا ہے جو نعمت کسی مومن کو خدا دیتا ہے حاسد کے دل پر اس کا بارِ غم عائد ہوتا ہے۔ جو بلا اس سے دفع ہوتی ہے وہی حاسد کی جان پر نازل ہوتی ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ مغموم و محزون و تنگدل و پریشان خاطر رہتا ہے جو برائی اپنے دشمن کے لیے چاہتا ہے وہی اپنی جان کے واسطے خرید کرتا ہے۔ حسد کرنا کس قدر نادانی ہے کہ اپنی دین و دنیا کو خراب کیا جائے۔ معرضِ غضب پروردگار اور طرح طرح کے رنج و الم میں اپنے کو ڈالا جائے۔ فیاض علی الاطلاق نے اپنے بندوں پر جو عزت و کمال و نعمت و حیات جس مدت معینہ کے لیے مقرر فرمائی ہے۔ اگر اس کو تمام جن و انس متفق ہو کر کم و زیادہ کرنا چاہیں تو ممکن نہیں۔ کسی کی تقدیر و تدبیر مانع نہیں

ہوتی اور نہ کوئی حیلہ اس کو دفع کر سکتا ہے۔ اگر حاسد کے حسد سے کسی کی نعمت زائل ہو جاتی تو عالم میں کوئی شخص صاحب نعمت نہ رہتا۔ کوئی ایسا نہیں ہے کہ جس کے بہت سے حاسد نہ ہوں۔ ایسی صورت میں محسود بیچارے کے بھی ضرور دوسرے حاسد ہوں گے۔ اگر حاسد محسود کے ضرر پہنچانے کی کوئی تدبیر پیدا کرے تو اس محسود کا حاسد بھی اس کی نعمت کے زوال کی کوئی نہ کوئی تدبیر کرتا ہے۔ چونکہ حسد سے محسود کی کوئی نعمت زائل نہیں ہوتی اس کو مطلقاً کوئی ضرر دنیوی نہیں پہنچتا اور نہ وہ گنہگار ہوتا ہے بلکہ حاسد کے حسد سے اُس کو نفع اخروی حاصل ہوتا ہے وہ یہ کہ جب اس کی غیبت یا اس پر بہتان لگایا جائے اس کے حق میں ناحق باتیں کہی جائیں۔ اس کی برائیوں کا تذکرہ کیا جائے تو وہ اپنے حسنات و طاعات کو اپنے دیوان عمل سے اس کے دفتر اعمال میں نقل کرتا ہے اور اس کے گناہوں کو اپنے نامۂ اعمال میں ثبت۔ اسی وجہ سے حاسد بازار قیامت میں تہی دست و مفلس آئے گا۔ جیسا کہ دنیا میں ہمیشہ محزون و غمگین رہا۔ حاسد اپنے دشمنوں کے مقصد کو پورا کرتا ہے۔ ان کی مراد کو بر لاتا ہے۔ حقیقتاً حاسد اپنا دشمن ہے اور دشمنوں کا دوست۔

اگر کوئی شخص بیان مذکور الصدر پر تامل کرے تو البتہ صفت حسد کے زوال کی کوشش کرے گا۔ مگر مرض حسد کو شفا دینے والا عمل نافع و مجرب یہ ہے کہ اس شخص کی جس پر حسد کیا جاتا ہے۔ ہمیشہ خیر خواہی کی عادت کرے۔ خلاف مقتضائے حسد ہمیشہ اُس سے عملدرآمد رکھے۔ اگر اس کی غیبت و بدگوئی کی گئی ہے تو مجمع اور محفلوں میں اس کی مدح و ثنا کرے۔ اگر اس کی ملاقات بری معلوم ہوتی ہو۔ نفس شوم ترش روئی اور گفتگوئے سخت پر آمادہ کرتا ہو تو خوش کلامی و شگفتہ روئی سے پیش آنا چاہیئے۔ اگر حسد انعام و احسان کا مانع ہوتا ہے تو اُس پر بذل و عطا کی جائے۔ جب اس طرح عمل کیا جائے گا تو ضرور مادۂ حسد زائل ہو جائے گا۔ اس کو آپ دل سے

دوست رکھیں گے۔

یہ بیان صفتِ حسد کے معالجۂ کلیّہ کے متعلق ہے۔ ہر ایک قسم مثلاً حُبِّ ریاست، کبر، حرص، خباثتِ نفس وغیرہ کے لیے اُنکا علاج مخصوص ہے۔

فائدہ

جاننا چاہیئے کہ حسد کے ذریعہ سے دو صُورتیں پیش آتی ہیں :-

۱ : یہ کہ حاسد محسُود کے حق میں افعال و اقوال ناپسندیدہ ظاہر کرتا ہے اُس کی غیبت، بدگوئی میں زبان کھولتا ہے اس پر تکبّر و فخر کرتا ہے کہ حسد ظاہر ہو۔

۲ : یہ کہ حاسد اپنے کو اس کے اظہار سے پوشیدہ رکھتا ہے اور ایسے افعال کرتا ہے جو اجتناب حسد پہ دلالت کرتے ہیں۔ لیکن باطن میں اس کے زوال کا طالب اس کی مصیبت و الم کا راغب ہوتا ہے۔ اپنی ایسی حالت پر ہرگز خشمناک نہیں ہوتا۔

کوئی شک نہیں کہ ہر دو اقسامِ مذکورہ مذموم ہیں۔ ایسا شخص شرعاً و عقلاً معتوب و مغموم۔ ہر صورت میں اس کا نفس بیمار ہے اور ظلمت و کدورت میں گرفتار۔

صورتِ اوّل میں مرضِ حسد میں مبتلا ہونے کے علاوہ اس سے اور گناہ بھی صادر ہوتے ہیں۔ اس کے مظلمہ و وبال سے نجات حاصل نہیں ہوتی۔

مگر صورتِ دوم طریقۂ مظلمہ سے پاک ہے۔

اگر ایسی حالت ہو کہ آثارِ حسد بھی اس سے ظاہر نہ ہوں پھر اپنے پر خشمناک ہوتا ہے اس صفت سے متصّف ہونے کو مکروہ جانتا ہے۔ اگر کبھی حسد کا اثر اس سے سہواً ظاہر ہو جائے تو اپنے پر عتاب کرتا ہے۔ اس صورت میں اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اس حسدِ باطنی پر غضبناک ہونے سے اس کی ظلمتِ ضد نور سے بدل جاتی ہے صرف میلانِ قلبی پہ

کوئی معصیت مترتب نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ اس کی حدِ اختیار سے باہر ہے۔ تغیّرِ طبیعت اور اسے اس مرتبہ پر پہنچانا کہ نیکی و بدی میں کوئی تفاوت نہ رہے اور بلا و نعمت و رنج و راحت اس کے نزدیک مساوی ہوں۔ تو یہ کام ہر کسی کا نہیں ہے اور نہ یہ مرتبہ ہر شخص حاصل کر سکتا ہے۔

ہاں ایسا شخص جس کے خانۂ دل پر انوارِ معرفت پروردگار کا پرتو پڑا ہو۔ روشنی شمعِ محبت نے جس کے میدانِ نفس پر جھلک ڈالی ہو اُس کی یاد نے تمام کی یاد کو بھلا دیا ہو۔ مشاہدۂ جمالِ ازل سے والہ و مدہوش اور بادۂ محبت محبوبِ حقیقی سے مست و بے ہوش ہو۔ تمام آفرینش کا اسی کو پیدا کرنے والا تمام موجودات کو اسی کی رشحاتِ وجود کا ایک رشحہ تمام کائنات کو اسی کی دریائے فیض وجود ذاتِ اقدس کا ایک قطرہ جانتا ہو۔ تمامی اطفالِ آفرینش کو ایک ہی پستان کا پرورش یافتہ جملہ تشنہ لبانِ عالم کو ایک ہی سرچشمہ کا پانی پینے والا برہنگانِ بادیۂ امکان کو ایک ہی خلعتِ وجود سے سرفرازی کا یقین رکھتا ہو تو وہ تمام عالم کو بہ نظرِ دوستی و محبت دیکھتا ہے۔ سب کو ایک ہی مولا کا بندہ سمجھتا ہے وہ کسی پر نگاہِ بد نہیں ڈالتا۔ اسی وجہ سے جو کچھ اُس پر وارد ہوتا ہے راضی برضا رہتا ہے چونکہ جس کو جس قدر محبت ہوتی ہے اسی قدر بلا میں شاد ہوتا ہے اور جو کچھ اس کو حاصل ہو اُس سے خوشنود۔ ؎

نہ از خارش غم دامن دریدن
نہ از تیغش ہراس سر بریدن

فصل (۳)

ضدِ حسد جس کو نصیحت کہتے ہیں

واضح ہو کہ حسد کی ضد نصیحت ہے۔ یعنی اپنے کسی مسلمان بھائی کی اصلاح اور بہبودی کے لیے کوئی خیر و نعمت چاہنے کو نصیحت کہتے ہیں۔ یہ ایک صفتِ بزرگ ہے جو شخص مسلمانوں کی خیر خواہی کا طالب ہو اور جو ان کو نیکی پہنچانے میں شریک ہو تو وہ حصولِ ثواب میں اس شخص کے مانند ہے جس نے حقیقتاً نیکی کی ہے۔ اخبار سے ثابت ہے کہ کوئی شخص بذریعۂ اعمالِ نیک نیکوں کے درجہ پر فائز نہیں ہوتا۔ مگر یہ کہ جس چیز کو دوست رکھتا ہے روزِ قیامت اُسی کے ساتھ محشور ہوگا۔

ایک شخص نے حضرت پیغمبر صلعم سے عرض کیا کہ :

"قیامت کس روز ہے۔"

حضرتؐ نے فرمایا کہ :

"تُو نے اس روز کے لیے کیا چیز مہیا کی ہے۔"

اس نے عرض کیا کہ :

"روزہ و نماز کی زیادتی مَیں نے مہیا نہیں کی۔ لیکن خدا اور رسول صلعم کو دوست رکھتا ہُوں۔"

حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ :

"جس کو تُو دوست رکھتا ہے۔ اسی کے ساتھ محشور ہو گا۔"

بندگانِ خدا کی خیر خواہی میں اس قدر اخبار آئے ہیں کہ جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت رسولؐ سے مروی ہے کہ قیامت میں خدا کے نزدیک اس کا مرتبہ عظیم ہوگا جس نے دنیا میں خیر خواہیٔ خلق اللہ میں کوشش و سعی کی ہو۔

نیز انھیں حضرتؐ نے فرمایا کہ ہر ایک کو اپنے برادرِ دینی کی اس طرح خیر خواہی کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

پھر انھیں حضرتؐ کا ارشاد ہے کہ:

"جو شخص اپنے برادر مومن کی حاجت میں کوشش اور اس کے ساتھ خیر خواہی نہ کرے تو اُس نے گویا خدا و رسولؐ سے خیانت کی۔"

مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرد کو زیرِ عرش دیکھ کر اُس مرتبہ و مقام کی آرزو کی اور خداوند عالم سے وجہ عمل کو اس کے مرتبہ کے دریافت کیا تو خدائے تعالےٰ نے فرمایا کہ:

"اس نے دنیا میں آدمیوں پر حسد نہیں کیا ہے۔"

نصیحت و خیر خواہی اعلےٰ درجہ کی یہ ہے کہ جو چیز اپنے لیے پسند کرتا ہو وہ اپنے برادرِ دینی کے لیے بھی پسند کرے۔

دُوسری صِفت

بندگانِ خُدا کی اہانت کی مذمّت اور اُن کی تعظِیم کی فضِیلت

واضح ہو کہ بندگانِ خدا کی اہانت وحقارت کرنے کی صفت مذموم اور شرعاً حرام اور موجبِ ہلاکت ہے۔

حضرت پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کسی نے میرے کسی دوست کی اہانت کی تو گویا اُس نے میرے ساتھ لڑائی پر کمر باندھی۔

دوسری حدیث میں اسی سرورؐ سے منقول ہے کہ پروردگار جل شانہٗ نے فرمایا کہ بہ تحقیق اس نے میرے ساتھ لڑائی کی جس نے کسی بندۂ مومن کو ذلیل کیا ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص کسی مومن مسکین یا غیر مسکین کو حقیر کرنا چاہے تو خدا تعالیٰ اس وقت تک اُس کو ذلیل وحقیر نہیں کرتا جب تک کہ حقیر کنندہ کو ذلیل وحقیر نہ کرے۔ اگر کوئی شخص خدا و بندہ میں جو نسبت ہے جو ربط خالق ومخلوق کے درمیان ہے اس کو سمجھ لے تو اُس وقت جان سکتا ہے۔ کہ بندہ کی اہانت اس کے مالک کی اہانت ہے۔ تحقیر مخلوق فی الحقیقۃ اُن کے خالق کی تحقیر ہے۔ اسی قدر مذمت میں اس صفت کی کافی ووافی ہے لہٰذا ہر عقلمند پہ

واجب و لازم ہے کہ ہمیشہ اس کا خیال رکھے۔ جو آثار و اخبار مذمتِ اہانت بندگانِ خدا میں وارد ہوئے ہیں۔ ان کو ملاحظہ کرے اور اپنے کو اس صفتِ بد سے کنارہ کش رکھے تاکہ موجبِ رسوائی دنیا و آخرت نہ ہو۔ جاننا چاہیئے کہ ضد اہانت اکرام و تعظیم بندگانِ خدا ہے۔ یہ بزرگی اعمال و فضائل افعال ہے۔

حدیثِ قدسی میں وارد ہوا ہے کہ حق سُبحانہٗ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جو شخص میرے غضب سے ایمن چاہتا ہے اس کو ہر ایک بندۂ مومن کا اکرام کرنا چاہیئے۔

حضرت رسول صلعم سے مروی ہے کہ میری اُمّت کا کوئی بندہ اپنے برادر مومن کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے تو خدائے تعالےٰ اس کے لیے بہشت میں ایک خادم مقرر کرے گا۔

حضرت صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جو کوئی اپنے برادر مومن سے کوئی تکلیف دُور کرے تو خدا تعالےٰ اس کے لیے دس نیکیاں۔ اگر اس کے سامنے تبسم ہو تو اس کے لیے ایک نیکی لکھتا ہے۔

فرمایا کہ : " جو کوئی اپنے بھائی کو مرحبا کہے۔ خدا تعالیٰ قیامت تک اس کے لیے مرحبا لکھتا ہے۔"

فرمایا کہ : " جو کوئی اپنے برادر مسلمان کے پاس جائے۔ وہ اس کی عزت کرے تو خدا تعالیٰ اس کی عزت کرتا ہے۔"

ایک روز اسحاق بن عمار سے فرمایا کہ اے اسحاق! میرے دوستوں کے ساتھ جس قدر ممکن ہو نیکی و احسان کر۔ کیوں کہ کوئی مومن کسی مومن کے ساتھ احسان و اعانت نہیں کرتا۔ مگر یہ کہ وہ ابلیس کے چہرے اور اس کے دل کو مجروح کرتا ہے۔ تمام امور اکرام و تعظیم سے یہ ہے نیز تجربہ سے ثابت ہے کہ جو شخص جس نظر سے دوسروں کو دیکھتا ہے تو دوسرے بھی اس کو اُسی نظر سے دیکھتے ہیں۔ عموماً اُن

اشخاص کا اکرام و اعزاز بعد ازاں ان کی لیاقت و بلحاظ اعمالِ نیک بجا لائیں۔ جن کی تعظیم و تکریم مخصوص کی گئی ہے۔ وہ اہلِ علم و فضل اور صاحبِ زہد و تقویٰ ہیں، جو مسلمان سن رسیدہ ہیں ان کی تعظیم و اکرام جوانوں پر لازم ہے جس کی نسبت زیادہ تاکید کی گئی۔

حضرت پیغمبر صلعم نے ارشاد فرمایا کہ :

"جو شخص اپنے سے زیادہ عمر والے کی اعانت و احترام کرے تو خدائے تعالیٰ اس کو خوفِ قیامت سے ایمن رکھتا ہے۔

حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ :

"شیخ بزرگ کی بزرگی اور اس کی تعظیم۔ خدا کی بزرگی و تعظیم سمجھی جاتی ہے۔"

نیز فرمایا کہ :

"جو شخص بوڑھوں کا احترام اور چھوٹوں پر رحم نہ کرے، وہ مجھ سے نہیں ہے۔"

سب سے زیادہ جس کا احترام کرنا چاہیئے۔ وہ بزرگ طائفہ و کریم قوم ہے۔ تمام طائفہ سے جن کی زیادتی تعظیم و تکریم لازم کی گئی ہے ۔ وہ سادات علویہ ہیں۔ جن کی مودّت و محبت اجر رسالت اور مزدوری نبوّت ہے۔

حضرت رسالتؐ پناہ سے مروی ہے کہ :۔

فرمایا کہ :

"جو شخص ہاتھ یا زبان یا مال سے میری ذریت کی اعانت کرے تو میں اس کی ضرور شفاعت کروں گا۔ جن کی میں بروز قیامت شفاعت کروں گا۔ وہ مندرجہ ذیل چار اشخاص ہیں۔ اگرچہ وہ تمام اہلِ دنیا کے گناہ اپنے ساتھ

لائے ہوں۔

۱ : جس نے میری ذریت کی عزت کی ہو۔

۲ : جس نے ان کی حاجت روائی کی ہو۔

۳ : جس نے ان کی پریشانی کے وقت مدد کی ہو۔

۴ : جو ان کو دل و زبان سے دوست رکھتا ہو۔

نیز فرمایا کہ :

"میری ذریت نیک کا خدا کے لیے اور ان کے بدوں کا میرے لیے اکرام کرو۔"

فضیلت سادات اور ان کے اکرام و تعظیم کے ثواب میں بے حد احادیث ہیں لیکن بطور اختصار جو حوالۂ قلم کیا گیا وہ اہلِ ایمان کے لیے کافی و وافی ہے۔

تیسری صفت

مذمّتِ ظلم و فساد

ظالم کی اولاد سے خُدا اِنتقام لیتا ہے!

اعانتِ ظالم کی مذمّت اور عدالتِ خاص

واضح ہو کہ حصہ اوّل میں یہ بیان کیا گیا کہ ظلم کے دراصل معنی ازروئے لغت بیجا کام کرنا۔ حدِ وسط پر قائم نہ رہنا ہے۔ اس معنی میں تمام رذائل۔ جملہ ارتکابات قبیحہ شرعیہ وعقلیہ شامل ہیں۔ یہ معنی عام ہیں۔

دوسرے معنی ظلم کے یہ ہیں کہ ضرر اور اذیت پہنچانا یا مار ڈالنا یا مارنا یا دشنام دہی وفحش کہنا یا غیبت یا کسی کے مال کو بغیر حق تصرف لے لینا۔ یا کسی طریقہ سے بذریعۂ قول یا فعل ایذا دینا۔ یہ معنی خاص ہیں۔ زیادہ تر آیات واخبار جو اس بارے میں ذکر کیے گئے ہیں ان میں یہی معنی مقصود ہیں۔

پس اگر باعث ظلم عداوت وکینہ ہو تو اس کا تعلق قوتِ غضبیہ سے ہو گا۔ اگر موجب حرص وطمع مال ہو تو یہ قوتِ شہویہ کی طرف منسوب ہو گا۔ بہرحال باجماع تمام طوائف عالم باتفاق تمام بنی آدم ظلم معصیت عظیم ہے اس کا عذاب سخت۔

اس کی ندامت زیادہ اس کا وبال بہت بڑا ہے۔

قرآن مجید میں اکثر مقام پر ظالموں پر لعن وارد ہوئی ہے۔ اکثر اخبار میں ان کی نسبت سخت برائی اور تہدید ثابت ہے۔ اگر اور کوئی تہدید بھی نہ ہو تو یہ آیہ مبارکہ ظالموں کے لیے کافی ہے کہ پروردگار نے فرمایا ہے کہ :

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔

یعنی : " عنقریب وہ لوگ جنھوں نے ظلم وستم کیا ہے یہ جان لیں گے کہ کس کروٹ وہ پلٹتے ہیں۔"

جو شخص بندگانِ خدا پر ستم کرتا ہے اس کی ہرگز بخشش نہیں۔

حضرت پیغمبرؐ خدا سے مروی ہے کہ خدا کے نزدیک پست ترین وذلیل ترین خلق وہ شخص ہے جو مسلمانوں پر قدرت واختیار رکھتا ہو مگر وہ ان کے ساتھ راستی سے برتاؤ نہ کرے۔

اُسی سرورؐ سے دوسری حدیث میں مروی ہے کہ ایک ساعت کا ظلم وجور خدا کے نزدیک ستر سال کے گناہوں سے بدتر ہے۔

نیز فرمایا کہ جو شخص انتقامِ ظلم سے ڈرتا ہے وہ بالضرور ظلم نہیں کرتا۔ منتقم حقیقی ہر ظلم کا انتقام لیتا ہے اور اس کا عوض اس کو پہنچاتا ہے۔

خداوندِ معبود نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی کی کہ ظالموں سے کہیں کہ مجھ کو یاد نہ کریں کیونکہ ان میں سے جو کوئی مجھ کو یاد کرتا ہے اس پر مجھ کو لعن کرنا واجب ہے۔

حضرت سیّد سجاد علیہ السلام نے بوقتِ وفات حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے فرمایا کہ ہرگز شخص عاجز پر ظلم نہ کرو۔ وہ درگاہ مالک الملوک کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے۔

منتقم حقیقی کو بدلہ لینے کے لیے بلاتا ہے۔ جب آپ دوسروں پر قدرت و اختیار رکھتے ہیں تو کسی بیچارے بیکس کو ایذا نہ دیجئے کہ کوئی دوسرا بھی آپ کی ایذا دہی پر آمادہ ہو جائے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو کوئی کسی پر ظلم کرتا ہے تو خدا اس کے ظلم کو اسی کی جان و مال کی طرف پھیرتا ہے۔

ایک حاکم موضع نے اس والیٔ ولایت و امامت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آیا میرے واسطے توبہ ہے۔

فرمایا کہ نہیں۔ مگر اس وقت تک کہ دوسروں کے حقوق ادا نہ ہوں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ تفسیر میں اس قول خدا کے إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ فرمایا کہ وہ ظلم شدید و بدتر ہے کہ کسی ایسے عاجز و بیکس پر کیا جائے۔ جو بجز خداوندِ قہار کے کوئی یار و مددگار نہ رکھتا ہو ایسا ظالم پل صراط سے نہیں گزر سکتا۔

نیز فرمایا کہ جو شخص ناحق کسی برادر مومن کا مال کھا جائے اور اس کو واپس نہ دے تو قیامت میں اس کو دوزخ کی آگ کھلائی جائے گی۔

انہی جناب سے مروی ہے کہ پروردگار نے کسی بادشاہ ظالم کے عہدِ حکومت میں کسی پیغمبر کو وحی فرمائی کہ اس کو میری طرف سے یہ پیام پہنچا ئیں کہ میں نے تجھ کو بے گناہوں کا خون کرنے، آدمیوں کا مال لے لینے کے لیے بادشاہ نہیں بنایا بلکہ اس لیے صاحب اختیار کیا ہے کہ مظلوموں کی دادرسی کو پہنچے۔ میں ہرگز کسی پر ظلم کرنا پسند نہیں کرتا اگرچہ وہ کافر ہو۔ بادشاہ مثل چرواہے کے ہے۔ تمام مخلوق کو اس کی رعیت بنایا گیا ہے تاکہ ان کی حفاظت کرے۔ اگر ان کی حفاظت میں کسی قسم کی غفلت و کوتاہی کی جائے تو اس سے وہ اختیار سلب کرتا ہوں۔ اس سے قیامت میں حساب لیتا ہوں۔

نیز ان جناب نے فرمایا کہ جو شخص دوسروں پر ظلم و بدی کرتا ہے۔ آیا اُسے اپنے ساتھ بھی کسی کا ستم و بدی کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے۔ جو شخص جیسا بوتا ہے ویسا ہی کاٹتا ہے۔ کوئی تخمِ تلخ سے میوۂ شیریں حاصل نہیں کرتا اور تخمِ شیریں بارِ تلخ نہیں دیتا۔ جب ابنائے روزگار ظلم و ستم بیجا طرح طرح کے کرتے ہیں۔ اگر کبھی ورقِ زمانہ اُلٹ جائے۔ ظلم سے ان کا ہاتھ کوتاہ اور زمانہ بدلہ لینے پر آمادہ ہو تو تعجب نہیں کہ وہ بھی مثل اُن کے نالہ و فریاد کریں گے۔ اگر کوئی شخص ان کے ظلم کے دفع میں سعی و سفارش نہ کرے تو اُس پر ملامت و سرزنش کریں گے۔

افسوس صد افسوس جو لوگ ظلم کرتے ہیں۔ وہ اس امر سے بالکل غافل اور بے خبر ہیں کہ ضرور بالضرور کسی نہ کسی وقت زمانہ ان پر ویسا ہی اثر ڈالتا ہے جیسا کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص ظلم کرتا ہے تو خداوند عالم بھی اس پر یا اُس کی اولاد یا اس کی اولاد کی اولاد پر کسی ظالم کو مسلط کرتا ہے۔ خداوند عادل کا عدل کیونکر قبول کر سکتا ہے کہ زیردست کو کوئی زبردست ایذا پہنچائے، وہ اس کے عوض کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ حضرت مالک الملوک بھی اس کا عوض نہ لے۔

راوی کہتا ہے کہ جب حضرتؑ نے اس طرح ارشاد فرمایا۔

تو مَیں نے عرض کیا کہ: "جو شخص ظلم کرتا ہے تو کیا خدا اُس پر اور اس کی اولاد پر ظالم کو مسلط کرتا ہے۔"

فرمایا کہ ہاں!

کیونکہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے:

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ

وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا۔

خلاصہ معنی یہ کہ :

"وہ لوگ جن کی اولاد بیکس وعاجز اور باقی رہنے والی ہو وہ خائف رہیں ہر کسی پر مہربان ہوں۔ رحم کریں اور ظلم سے پرہیز۔"

جامع السعادات میں مذکور ہے کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ باپ کا ظلم اس کی اس اولاد کے ساتھ مخصوص ہے جو اپنے باپ کے ظلم پر راضی رہے یا جن کے باپ کے ظلم کا کوئی اثر اُس اولاد پر پڑتا ہو۔ مثلاً کوئی مال ان کی طرف منتقل ہُوا ہو۔

بعض علماء نے اس بارے میں اس طرح صراحت کی ہے کہ دنیا مقامِ مکافات اور انتقام ہے۔ اس لیے ہر ظلم کی مکافات دنیا میں ہی ہونی چاہیئے۔ مگر بعض کی بروزِ قیامت۔ یہ انتقام بھی ظالم ومظلوم کے لیے مفید ہے۔ ظالم کے لیے اس وجہ سے کہ جب ظالم کو آگاہی ہوجائے گی کہ دنیا میں ہی ظلم کی مکافات ہوتی ہے تو ممکن ہے کہ وہ ظلم نہ کرے گا۔

مظلوم کے لیے اس سبب سے کہ جب اس کو علم ہوجائے گا تو شاد وخرم ہوگا۔ علاوہ اس کے دنیا میں آخرت کے ثواب پر شاداں۔

اب رہی ظلم کی وہ مکافات جو ظالم کی اولاد اور اولاد کی اولاد کو پہنچتی ہے۔ حالانکہ ظاہراً یہ ظلم معلوم ہوتا ہے لیکن باطناً اس کے لیے خدا کی ایک نعمت ہے۔ کیونکہ اس میں دوسروں کے لیے بھی فائدہ ہے۔ اگر کوئی معمولی عقل وشعور والا ہو۔ اپنا اور اپنی اولاد کا دشمن نہ ہو۔ موت وحشر کے حساب وعقاب پر اعتقاد رکھتا ہو تو وہ ضرور کسی پر ظلم وستم نہ کرے گا۔ مگر تعجب اُن پر ہے کہ موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ حشر ونشر اور بہشت ودوزخ کا دعوٰے بالیقین رکھتے ہیں۔ باوجود

ظالم کے احوال کو معائنہ کرنے کے ہمیشہ زیردستوں اور ضعیفوں پر ظلم و ستم کرتے ہیں بحکمِ حاکم عادل و مالک الملوک اور سطوت و قہرِ جبّار سمٰوات وارضین سے خائف نہیں ہوتے۔ نہ رسوائی سے جو بحضوری انبیاء و ملائکہ اور باقی اہلیانِ محشر کے اندیشہ کرتے ہیں نہ پروردگار کے کسی خوف و تہدید سے کوئی خوف لاحق ہوتا ہے۔ مظلوم کے اختیار و قدرت کا وہ دن ظالم کے اُس روز قدرت سے جو مظلوم پر رکھتا تھا۔ نہایت شدید و سخت ہو گا۔

اے ظلم کرنے والو!

ذرا خیال کرو کہ تم پر بھی کوئی بالادست ہے۔ کوئی دوسرا کمین گاہ میں انتقام لینے والا موجود ہے۔ روزِ قیامت کو یاد کرو۔ مواخذہ کی فکر کرو۔ اپنے کو پروردگار کے سامنے کھڑا ہوا سمجھو۔ ظلم و ستم بیچارگاں کے جواب کے لیے مہیا رہو۔ جب آپ کے ہاتھ میں بندگانِ خدا کی عنانِ اختیار دی گئی ہے اور خلعتِ مہتری و سروری سے آپ سرفراز ہیں تو اس روز کو یاد کیجیے کہ جب دیوان اکبر ملوک و سلاطین عدالت گستر، عدل و انصاف پر مستعد و آمادہ ہو گا تو آپ لباس یاس زیب تن کر کے اور خاکِ مصیبت سر پر ڈال کر اشکِ حسرت نہ بہائیں۔ دستِ ندامت سر پہ نہ ماریں۔ حضرت ربّ العزت نے آپ کو جو شان و شوکت عطا فرمائی ہے وہ آپ کے ظلم و ستم کے باعث کہیں سلب نہ کر لے۔

چنانچہ والئ مملکت عدالت اور سریر آرائے کشور ولایت نے فرمایا کہ:

"جس بادشاہ کو خدا تعالےٰ نے قوت و سلطنت عطا کی ہو وہ بندگانِ خدا پر ظلم و ستم کی بنا ڈالے تو خدا تعالیٰ پر لازم ہے کہ اُس قوت و سلطنت کو واپس لے لے۔"

اُسی حضرتؑ کا یہ قول ہدایت پر مبنی ہے کہ :

بِالظُّلْمِ تَزُوْلُ النِّعَمُ

یعنی : " بسبب ظلم کے ان کی نعمتیں زائل اور نکبت سے بدل جاتی ہیں۔"

بدبختی سے ملک و مملکت کی حالت خراب ہوتی ہے اور تخت و دولت ویران اور برباد۔ کافر کی بادشاہی عدالت کے باعث قائم و پائیدار رہتی ہے اور مسلمان کی بادشاہت باوجود ایمان رکھنے کے غیر مستقل و ناپید۔

بسا اوقات ظالم کسی ایسے بیچارے پر ظلم کرتا ہے جس کی چارہ جوئی کہیں ہو اور جس کی امید منقطع ہو چکی ہو تو آخر کار وہ بیچارہ عاجز ہو کر اُس بادشاہ لم یزل و لایزال کی درگاہ میں داد خواہی چاہتا ہے۔ جس کی رحمت عاجزوں اور جس کی مرحمت بیکسوں کی فریاد کو پہنچتی ہے۔ اس کے دیوانِ عدل کا سردار اس کی داد خواہی کے باعث اس ظالم کے دستِ اقتدار کو زیرِ تیغ انتقام رکھتا ہے۔ اس کا کوتوال سیاست اس ظالم کی گردن میں رسن عجز ڈال کر اُس کے مکافات کے عوض میں دوڑاتا ہے ظالم کے ضرب سے کوئی مظلوم مضطرب نہیں ہوتا۔ جب تک کہ اس کا حاکم غضب ظالم کو تکلیف نہ پہنچائے۔

حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ظلم کرنے سے خوف کرو۔ کیونکہ مظلوم کی دعا مقام اجابت تک پہنچتی ہے۔

سلطان محمود غزنوی نے کہا کہ میں بہ نسبت نیزۂ جوانمرد کے اُس بوڑھی عورت کے تیرِ آہ سے جو مظلومہ ہو زیادہ خوف کرتا ہوں۔ کیونکہ ظلم و ستم باعث پریشانیٔ رعیت ہے اور موجب ویرانیٔ مملکت۔

علاوہ اس کے اس ستمگار کا نام اطراف و اکناف میں مشہور ہوتا ہے اور ہر ایک کا دل اس سے متنفر۔ سالہا سال اس کی بدنامی و رسوائی اس کے خاندان میں باقی رہتی ہے۔ اس کو زمانہ بدی سے یاد کرتا ہے۔ اس سے زیادہ کون سی زیاں کاری بدتر ہوگی۔

مذمتِ اعانتِ ظلم

واضح ہو کہ جس طرح دنیا و آخرت میں ظالم پر عذاب و ملامت ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کی اعانت کرنے والے پر، خواہ اس کے ظلم میں اعانت کی جائے یا اس کے فعل و عمل پر راضی ہو یا اس کی خدمت و حاجت برلانے میں ساعی۔ پس یہ تمام اشخاص بھی ظالم کی طرح گنہگار ہیں۔

جیسا کہ حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص کسی پر ظلم کرے یا کوئی کسی کے ظلم پر راضی ہو (یعنی دفعِ ظلم میں کسی طرح کی امداد نہ کرے) یا جس نے ظالم کی اعانت کی۔ یہ تینوں اشخاص ظالم ہیں اور شریکِ ظلم۔

نیز فرمایا کہ جو شخص ظالم کے ظلم میں اعانت کرے گا تو خدا اس پر بھی ایک ظالم کو مسلط کرے گا کہ اس پر ظلم کیا جائے اگر وہ اس کے دفعِ ظلم کی دعا کرے تو اس کی دعا مقبول نہیں ہوتی اور اس کے لیے کوئی اجر بھی نہیں۔

مروی ہے کہ سیدِ رسلؐ نے فرمایا کہ :

" مثلث بدترین مردم ہے۔"

عرض کیا گیا کہ :

" مثلث کون ہے؟"

فرمایا کہ :

"وہ چغل خور ہے جس کے باعث تین شخصوں کی ہلاکت وقوع میں آتی ہے :-

۱ : خود اس کی جس نے معصیتِ بدگوئی کی ہے۔

۲ : اُس حاکمِ ظالم کی جس کے سامنے بدی کی گئی اور وہ اس کے باعث مظلوم پر ظلم کرے۔

۳ : اس مظلوم کی، بہ سبب اُس تکلیف و ایذا کے جو اُس کو پہنچائی گئی اور اس کے حق کو ضائع کیا۔

نیز فرمایا کہ اگر باوجود علم کسی ظالم کی اعانت و یاری کی جائے تو ایسا شخص دائرہ اسلام سے باہر ہوتا ہے اور داخلِ کفر۔

نیز اُسی جناب سے مروی ہے کہ جب قیامت ہوگی تو منادی ندا کرے گا، کہ کہاں ہیں ظالم اور وہ اشخاص جو ظالموں کے مانند و ہم شبیہ ہیں یہاں تک کہ جس نے ان کے لیے کوئی قلم تراشا ہو یا ان کے لیے دوات درست کی ہو پس ان تمام کو ایک تابوتِ آہنی میں بٹھا کر جہنم کی آگ میں ڈالیں گے۔ نیز ظالموں کے ہم شبیہ وہ ہیں جو اُن کے ظلم پر راضی رہیں۔

عدالت کی مدح و شرافت

واضح ہو کہ ظلم کی ضد عدالت ہے۔ جس کی طرف حصۂ اول میں اشارہ کیا گیا۔ وہ یہ کہ اپنے کو ظلم و ستم سے باز رکھنے اور بقدر امکان ایک دوسرے کے ظلم کو اُن سے دفع کرنے اور ہر کسی کے حقوق کو قائم رکھنے سے مراد لی گئی ہے اور یہ معنی خاص ہیں۔ اکثر آیات و اخبار میں عدالت کے یہی معنی لیے گئے ہیں۔

صفت عدالت کی بزرگی حدِ بیان سے باہر ہے اور اس کی فضیلت شرح سے افزوں۔ وہ ایک تاج ہے کہ جب کسی بادشاہ کے سر کو اُس سے زینت دی جاتی ہے

تو وہی منصبِ بلند ظلِّ الٰہی سے سرفراز ہوتا ہے۔ وہ ایک خلعت پُر قیمت ہے کہ جب کسی سُلطان کی قامت پر آراستہ کیا جاتا ہے تو وہ تمام خلائق میں مرتبہ جلیلہ عالم پناہی پر ممتاز ہوتا ہے اور یہ سکۂ مبارکہ دار القرب عنایتِ پروردگار میں جس نامدار کے نامِ نامی سے بنایا جائے تو اُس کا نام نیک تا قیام قیامت صفحۂ روزگار پر زینت بخش و رائج رہتا ہے۔ اور یہ توقیعِ بلند دفترِ خانۂ مکرمت آفریدگار میں جس کامگار کے اسم سامی سے رقم زد ہو تو اُسی کا اسمِ مبارک اَبد الآباد تک دُرّۃ التاجِ سرِ سلاطین ذوی الاقتدار رہتا ہے۔ اس کی بزرگی کیونکر بیان کی جاسکتی ہے کیونکہ اس بنی نوع انسان کا انتظام جو تمام انواع مخلوقات سے اشرف اور اس سلسلہ ہستی بنی آدم کا بقا جو تمام ابنائے عالم سے افضل ہے۔ اس کے ساتھ تفویض کیا گیا ہے۔

حضرت خداوند متعال و بادشاہ لم یزل و لایزال نے بذریعۂ معمار قدرت و سرکار حکمت اراضی عالم امکان پر شہرستان ہستی کی بنا ڈالی اور بغرض آبادی صحرا نشینانِ عدم کو اس میں داخل کیا۔ تمام جماعت کو ایک شہر میں تمام قوم کو ایک مسکن میں جگہ دی۔ مقامِ بلند پر سات گنبد افلاک لاجوردی قائم کر کے گروہِ آسمانی کا اُن کو مقام قرار دیا۔ تحت میں سات طبق اراضی بنا کر گروہ خاکی کا اُن میں مسکن بنایا۔ چونکہ یہ بنی نوع انسان ہر دو جماعت مذکورہ کے ساتھ متعلق و آشنا ہیں اور ہر دو فرقوں کے ساتھ منسوب و مخلوط اس لیے مقام وسط عناصر اربع کے لیے مخصوص گردانا۔ میدانِ ربع مسکون اور ساتوں دریاؤں کی بنا ڈال کر حضرت آدم ابوالبشرؑ کو جبرائیل و میکائیل کے ساتھ اس مقام پر بھیجا۔ تمام مادیات کو ان کی خدمت کے لیے معین و مامور فرمایا۔ خورشید درخشاں کو مرتبۂ خوان سالاری سے سرفراز فرمایا۔ اور ماہِ تاباں کو منصب مشعل داری سے ممتاز۔ ابر کو سقائی کی مشک دی گئی اور بادِ بہاری کو

خدمت جاروب کشی۔ ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانی بکف آری و بغفلت نخوری

چونکہ بنی نوعِ انسان کا جامۂ زندگانی خواہشاتِ نفسانی کے تاگے سے بُنا ہُوا ہے اور اس کا تارِ حیات طولِ امل کے رشتہ سے بٹا ہُوا۔ اس لیے ہر ایک کو سو سو طرح کے ارتکابِ فساد کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اور ہر ایک راہِ مستقیم انصاف سے انحراف کرتا ہے۔ طمع مالِ پر ناپاک بے باک کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں اور صاحبِ قوت کا دستِ ظلم ضعیفوں کے گریبان کی طرف دراز۔ اسی وجہ سے امرِ معیشت تباہ ہے اور تیاری خانۂ آخرت میں ہاتھ دامنِ مقصود سے کوتاہ۔ لہٰذا ایسے سرگروہ اور فرمانروا کی ضرورت تھی کہ جس کی متابعت سب پر واجب و لازم ہو کہ شریروں کے شر سے مسکینوں زیرِ دست امین و محفوظ رہیں اور اس کی عدالت کے باعث نعمتِ راحت سے بہرہ مند و محفوظ ہوں۔

اسی بنا پر حضرت حکیم علی الاطلاق نے ازراہِ رحمت و مہربانی ہر شہر کے باشندوں پر ایک سردار مقرر فرمایا اور اہلیانِ دیار پر ایک سالار تمام جماعت کا تعلق و انتظام اُس صاحبِ دولت کے قبضہ و اختیار میں دیا کہ دیدۂ بخت بیدار سے ہمیشہ عالم کی نگاہبانی میں مصروف رہے۔ ظالموں کے ناخنِ دستِ تظلم کہیں بیکسوں کے دل و جگر کو مجروح نہ کریں۔ تیشۂ ظلمِ اہلِ فساد کہیں زیردستوں کے نخلِ مراد کو نہ کاٹے۔

پس سلاطین عدالت شعار اور شہنشاہِ معدلت آثار حضرت مالک الملک کی جانب سے دفعِ ظلم و ستم کے واسطے مقرر ہوا ہے۔ نیز پاسبانئ ناموس اور جان و مالِ اہلِ عالم کے لیے معین۔ اسی وجہ سے تمام خلائق سے مرتبہ میں ممتاز

کیا گیا اور شرف خطاب ظلل اللہی سے سرفراز۔ تاکہ اس کی سلسلۂ حیات و انتظام میں تمام بندوں کا امر معاش و معاد ہمیشہ باقی و قائم رہے۔ اس لیے عدل و داد کی مدح و ترغیب میں آیات و اخبار بے حد و بے شمار آئے ہیں۔

چنانچہ حضرت آفریدگار جل شانہٗ فرماتا ہے :

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ
اِلٰۤی اَھْلِھَا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ
اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ

یعنی : " بہ تحقیق کہ خدا تم کو حکم فرماتا ہے کہ امانتوں کو ان کے مالکوں کے حوالے کر دو اور آدمیوں پر عدل اور راستی کے ساتھ حکم کرو۔"

حضرت فخرِ کائناتؐ نے فرمایا کہ جب کوئی حاکم صبح کو بیدار ہو اور کسی کے ظلم کا قصد نہ رکھتا ہو تو حق تعالیٰ اس کے تمام گناہ بخش دیتا ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک کسی کا ثواب اس بادشاہ سے زیادہ عظیم نہیں ہے جو عدل کی صفت سے موصوف ہو اور اس کا طریقہ نیک مشہور و معروف۔

حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ :

جس بادشاہ نے شیرینیٔ عدالت کو چکھ لیا ہے وہ اس کے نزدیک شہد و شکر سے شیریں تر ہے اور خوشبو میں مشک و عنبر سے بہتر۔ بادشاہِ عادل بے حساب داخلِ بہشت ہوں گے۔

نقل ہے کہ ایک بادشاہ کو طوافِ خانۂ کعبہ کا شوق ہُوا۔ اس نے سفرِ حجاز کا عزم کیا۔

اس کے ارکانِ دولت نے عرض کیا کہ اگر جاہ وحشم و سپاہ کے ساتھ اس سفر کا قصد ہو تو ان تمام کا مہیّا ہونا متعذر ہے۔ اگر تخفیف کے ساتھ توجہ کی جائے۔ تو ہر طرح کے خطرے متصوّر۔ علاوہ اس کے جب بادشاہ اپنی مملکت میں موجود نہ ہو تو طرح طرح کی خرابیاں اس کے ملک میں واقع ہوتی ہیں اور رعیّت پائمال۔

بادشاہ نے کہا کہ : "جب یہ سفر میّسر نہ ہو تو اس کے حصُولِ ثواب کی کیا تدبیر کی جائے۔"

سب نے عرض کیا کہ : "اس شہر میں ایک عالم ہے اس نے سالہا سال حرم کی مجاورت اور کئی مرتبہ سعادتِ حج حاصل کی ہے۔ اگر اُس سے کسی حج کا ثواب خرید کر لیا جائے تو مناسب ہے۔"

بادشاہ کو یہ رائے پسند آئی اور خود اُس عالم کی صحبت سے فیضیاب ہو کر اپنے مطلب دلی کا اظہار کیا۔

تو اُس عالم نے کہا کہ : "ہاں مَیں اپنے حجوں کا ثواب تجھ کو بیچتا ہُوں۔"

بادشاہ نے کہا کہ : "ہر حج کے واسطے کس قدر قیمت درکار ہوگی۔"

اُس نے کہا کہ : "ہر قدم کے ثواب کا عوض تمام دُنیا۔"

بادشاہ نے جواب دیا کہ : "مَیں تھوڑا سا حصّۂ دنیا رکھتا ہُوں۔ وہ بھی ایک قدم کی قیمت نہیں۔ پس یہ معاملہ کیونکر طے ہو سکتا ہے۔"

اُس عالم نے کہا کہ :

"اس کی تدبیر آسان یہ ہے کہ بیکسوں اور بےچاروں کی داد خواہی وعدالت میں جو تیری ایک ساعت گزری ہو اُس کا ثواب مجھ کو دیا جائے تو مَیں اپنے ستّر

حجوں کا ثواب تجھ کو بخش دیتا ہوں۔"

اگر کوئی شخص دیدۂ بصیرت کھولے۔ نظرِ حقیقت سے دیکھے تو معلوم کر سکتا ہے کہ سلطنت و حکمرانی کی لذّت عدل و داد خواہی میں ہے اور شہریاری و فرمانروائی کا لطف کرم و فریادرسی میں۔ اگر عدل و داد خواہی اختیار نہ کی جائے تو جاہ و حشم و طبل و علم بیکار و فضول ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب اسکندر ذوالقرنین نے بزورِ شمشیر دنیا کو لینے کا قصد کیا۔ تو اس کی پیشانیٔ خاطر سے آثار تفکّر پیدا ہوئے اور اس کے آئینہ ضمیر میں غبارِ رنج و الم ہویدا۔

وزیر ارسطو نے عرض کیا کہ خداوند عالم کا شکر ہے کہ تمام ملک و سلطنت کا انتظام اچھی طرح اور خزانے موفور ہیں اور ممالک معمور، پھر باعثِ آزردگی کیا ہے؟

اسکندر نے فرمایا کہ ہرچند میں بنظرِ تامّل غور کرتا ہوں کہ میری عمر کوتاہ اور عرصۂ دنیا اس قدر حقیر ہے اور اس قابل نہیں کہ اس کی تسخیر پر توجہ کی جائے مجھ کو شرم آتی ہے کہ اس دنیائے دنی و فانی میں اپنا سرِ ہمّت بلند کر کے نام آوری پیدا کی جائے۔

ارسطو نے جواب دیا کہ اس میں کیا شک۔ یہ مقام حقیر و پست آپ کی ہمّتِ بلند کے لائق نہیں۔

سزاوار یہ ہے کہ باقی ممالک عالم کو بھی ضمیمۂ ممالک محروسہ ذریعہ داد خواہی و عدل عالم آرا فرمائیں۔ جس طرح ضربِ شمشیر سے ملک دنیا کو اپنے قبضۂ اقتدار میں لایا جاتا ہے۔ اسی طرح اس سلطنتِ بے زوال کو اپنی ہمّت کا سبب بنایا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ :

فوائد آخرویہ اور صفت عدل و دادخواہی کا ثواب تمام فوائد سے بلند و اعلیٰ ہے اور فضائل باقیات و صالحات۔

فوائد دنیویّہ جو عدالت میں ہیں

واضح ہو کہ عدالتِ دنیویہ کے فوائد اس قدر زیادہ ہیں کہ زبانِ قلم سے اس کا بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ان کے چند فوائد کی تشریح کی جاتی ہے۔

(۱) یہ کہ عقل و نقل سے ظاہر اور تجربہ سے روشن ہے کہ یہ صفت شیوۂ مایۂ تحصیل دوستی ہے، اور نیز سپاہی و رعیت کے دل میں باعث رسوخ محبت بادشاہ۔

(۲) اس صفتِ نیک سے بادشاہ کا نام نیک عالم کے اطراف و اکناف میں مشہور ہوتا ہے اور صفحۂ قیامت تک اس کا نام بلند مذکور۔ اس کے بزرگوں کی ارواح کو دعائے خیر دی جاتی ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہزاروں سال گزر گئے نوشیرواں عادل نے بستر خاک پر آرام کیا۔ لیکن اس کا نام نامی اب تک اہل عالم کی زبان پر جاری ہے۔ اس کی رسنِ عمر تیغ اجل سے قطع ہو گئی، مگر اب تک اس کی شہرتِ عدل تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔

(۳) یہ کہ طریقۂ عدالت و دادخواہی سبب دوام دولت و سلطنت ہے۔ بادشاہوں کی دولت سرا کا کون اس سے زیادہ پاسبان اور قصر سلاطین کا کون اس سے زیادہ نگہبان ہو سکتا ہے۔

جناب حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ جو بادشاہ یا حاکم عدل و انصاف اختیار کرے تو خدا تعالیٰ اس کی دولت کو حصار امن میں محفوظ رکھتا ہے۔ جو

کوئی اس کے خلاف کرتا ہے اس کو جلد ضائع فرماتا ہے۔

نیز فرمایا کہ رعیّت کی نگاہداری ذریعۂ نیکی باعث دوامی ریاست ہے۔ اور وہ ہمیشہ باقی رہتا ہے۔

(۴) یہ کہ طریقۂ دادگری و رعیّت پروری سبب خوشی روزگار اور باعث آبادی ہر کشور و دیار ہے۔ یہاں تک کہ بادشاہ کی حُسنِ نیّت اس میں بڑی تاثیر اور پورا دخل رکھتی ہے۔

چنانچہ حضرت امیر مومناں کے کلامِ صدق نظام سے اس کی تصریح ہوتی ہے کہ:

اذا تغیرت نیة السّلطان فسد الزّمان

یعنی: جب بادشاہ کی نیّت نیکی سے منحرف ہوتی ہے تو زمانہ کا حال خراب ہوتا ہے اور طریقۂ روزگار تباہ۔

(۵) یہ کہ جب بادشاہ کی عدالت مشہور ہوتی ہے تو دوسرے بادشاہ کو عرقِ حمیت آتا ہے اور وہ بھی طریقہ دادگستری و رعیّت پروری اختیار کرتا ہے تو ایسی صورت میں بادشاہ اوّل الذّکر اس کے ثواب میں شریک ہو جاتا ہے۔ نیز ممکن ہے کہ ممالکِ غیر کے سپاہی و رعایا عدالت کے باعث اس کے یا اُس کے حکام کے مطیع و فرمانبردار ہوں اور مملکت وسیع ہو جائے۔

(۶) یہ کہ جو بادشاہ عدالت سے موصوف اور دادخواہی سے معروف ہو تو اس کی شان و حکومت اطراف و اکناف میں عالم کے زیادہ ہوتی ہے وہ نظروں میں باوقعت ہوتا ہے۔ اس کی حرمت جاگزیں اس کی بزرگی و حشمت دلوں میں رسُوخ کرتی ہے۔

اسی وجہ سے شاہ ولایت پناہؑ نے فرمایا کہ :

تاج الملک عدلہ

یعنی : " بادشاہ کا تاج اس کی عدالت ہے۔"

نیز اُسی جناب سے مروی ہے کہ :

زین الملک العدل

یعنی : " بادشاہ کی زینت عدالت ہے۔"

بادشاہان ذوی الاقتدار کا کونسا جامہ فخر جو نیک نامی سے زیادہ بہتر اور خوب ہو، زیبِ جسم ہو سکتا ہے۔ کونسی کمر بند جس کی قیمت سعی و اہتمام کافۂ انام سے بیش قیمت ہو کمر پر باندھی جا سکتی ہے۔ کونسا تاج تاجِ عدل سے افزوں ہو سکتا ہے۔ کونسا تخت بلند فقیروں کے دل کی برابری کر سکتا ہے۔ خوش رفتاری خلق اللہ سے کونسا اسپ خوشخرام بڑھ سکتا ہے۔ دادخواہوں کی فریاد بلند سے کونسی آواز بلند کانوں کو خوش آ سکتی ہے۔ دردمندوں کے دل سے بہتر کون سا مال دنیا ہمدست ہو سکتا ہے۔ بادشاہوں کی سواری کے جلو میں دور باش و خبردار کی آواز دینے سے ظالموں کی تنبیہہ اور دور کرنا بارگاہ خسروی میں پیشہ چوبداری سے جور پیشہ خاص کو راستہ نہ دینا بہتر و افضل ہے۔

(۷) یہ کہ عدالت و رعیت پروری باعث دعائے ترقی و دوامی دولت و سلطنت ہوتی ہے۔ تمام رعایا و برایا رات دن مشغول دعا رہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے اس کی عمر و دولت برخوردار ہوتی ہے۔ جو بات بے کسوں کی دعا سے میسر آتی ہے وہ مردوں کی تلوار سے نہیں نکلتی۔ جو کام فقیروں کی التجا سے حاصل ہوتا ہے

وہ دلیروں کے نیزہ سے ہرگز نہیں نکلتا۔

(۸) یہ کہ جب بادشاہ طریقۂ عدالت کو اپنا شعار قرار دیتا ہے تو تمام عالم کے ہر مذہب والے فارغ البالی کے ساتھ اپنے حصولِ مقاصد میں مشغول ہوتے ہیں۔ علم و عمل کے بازار کو ایک رونق تازہ اور گلستانِ شریعت کو طراوت بے اندازہ حاصل ہوتی ہے۔

اسی وجہ سے صاحبِ شرع اس کی حفاظت کرتا ہے۔

جیسا کہ مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ جو فرماں روا حفاظتِ شریعت میں کوشش کرتا ہے اور دین و ملت کو رواج دیتا ہے تو اس کی دولت دائم بلکہ ایک مدت مدید تک اس کے خاندان میں سلطنت قائم رہتی ہے۔ اس کی اولاد اور پسماندگان اُس کے درختِ عدالت سے ثمرہ پاتے ہیں۔

فصل (۱)

علاماتُ لوازماتِ عدالت

واضح ہو کہ عدالت کے لیے چند علامات و لوازمات ہیں۔ بغیر ان کے عدالت محقق نہیں ہوتی۔ ادائے دین و عدل و رعیت پروری و حکم حق جہانداری و دادگستری جن امور کی رعایت پر موقوف ہے۔ وہ حسبِ ذیل ہیں :۔

۱ : یہ کہ ہر حال میں ذات پاک ایزد متعال پر توکل کیا جائے اور فضل و رحمت خداوند لم یزل و لایزال سے توسّل۔ ہر ایک کام کے انجام کی بہتری کی درگاہ رب الارباب سے امید رکھی جائے۔ ہر امر کے اجرا کے متعلق اس کی مشیت پر بھروسہ کر کے رات دن بارگاہ حضرتِ آفریدگار میں عجز و انکساری کے ساتھ ملتجی رہے۔

۲ : یہ کہ ہر امر حق کو بقدر امکان بر بنائے شریعت و حفاظت احکام ملّت قرار دے تاکہ شماتت میں مخالفین اسلام کی زبان طعن و ملامت دراز نہ ہو۔ جب اس طریقہ پر ملوک و سلاطین کار بند ہوں گے اور رواجِ دین اور اجرائے حکم میں اس کا اہتمام بمصداق :

اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ

کریں گے تو کبھی حکام و عمّال ہر دیار و بلاد کو انحراف کرنے کی مجال نہ ہوگی۔ دین کی برکت سے تمام رعایا آباد و معمور ہوگی۔

۳ : یہ کہ اپنا ظلم کرنا تو کجا بلکہ کسی کو ارتکاب ظلم کی قدرت نہ دے اور بذریعۂ جاروب عدل ظالموں کے خس و خار ظلم سے میدان مملکت و ولایت کو پاک صاف کرکے حُسنِ سیاست سے امن و امان کا فرش بچھائے کیونکہ اہلِ شہر پر جو ظلم کیا جاتا ہے تو فی الحقیقت حاکمِ شہر پر اس کا مواخذہ عائد ہوتا ہے بلکہ اپنے پر حفظ و حراست اطراف و اکناف بلدہ کی لازم قرار دے۔ طریقۂ امن و امان کا ساعی ہو۔

۴ : یہ کہ جب رعایا و برایا کا اختیار کسی کے سپرد کرنا منظور ہو تو اس کو پہلے کوئی خدمت نیک تفویض کرے۔ اس کی کارگزاری اور مداخل و مخارج نقدی کو اعتبار کی کسوٹی پر کس کے اس کا امتحان کرے۔ اگر کوئی حاکم اپنی رعیت کے کاروبار کسی ظالم کے سپرد کرے گا تو خدا کی اس امانت میں جو اس کے سپرد کی گئی ہے خیانت متصور ہوگی۔ اگر وہ حاکم ماتحت کسی پر ظلم وستم کرے گا تو اس کی بدنامی حاکمِ بالادست کے ذمہ رہے گی۔ اور مظلوموں کے دعوے بھی اسی کے ذمے عائد ہوں گے۔

۵ : یہ کہ حکام ماتحت کے استفسار احوال کا نہایت اہتمام رکھے۔ ان کے رویہ کو پوشیدہ طریقوں سے دریافت کرے۔ کیونکہ اکثر اشخاص مکر و تلبیس کرتے ہیں۔ اس لیے نہایت احتیاط کے ساتھ اُن اشخاص خدا ترس و قوی النفس سے جو صاحب غرض نہ ہوں استفسارِ حال کیا کرے۔ بعض اشخاص جو صاحبِ اختیار کی خدمت میں رہتے ہیں اُن پر رشوت لینے اور مال پر فریفتہ ہونے کا گمان کیا جا سکتا ہے۔ ظالم و شریر بادشاہوں یا امیروں کی خدمت میں رہنے کے لیے ساعی رہتے ہیں۔ اُن کی ہر طرح کی خدمت پسند آتی ہے۔ بعض ایسے ہیں جو رشوت کو فتح قبول نہیں کرتے۔ وہ دیانت دار ہیں۔ لیکن اپنے ضعفِ نفس

اور اندیشۂ عاقبت سے خاموش رہتے ہیں یا بلحاظ عاقبت اندیشی بیانِ حقیقت سے احتیاط کرتے ہیں۔

۶ : یہ کہ حشمت فرمانروائی و شوکت جہانبانی مانع دادرسیٔ بیچارگاں نہ ہو دادخواہوں کی فریاد سے منہ نہ پلٹائے۔ ستم رسیدہ دل کے نالے سے رنجیدہ نہ ہو۔ فقیروں اور ضعیفوں پر جو ظلم و ستم ہُوا ہے اس کو سماعت کرے۔ بے سروپایان شکستہ حال کو اپنی درگاہ سے نہ نکالے۔ گدایانِ پریشان کے آمدورفت کا راستہ بند نہ کرے۔ ہاں جو کوئی سردار ہو اس کو دردِ سر کھینچنا چاہیئے۔ جو کوئی سرور ہو اسے اپنے کو زیردستوں کے حوالے کرنا ضرور ہے۔ اگر وہ ان کی فریاد نہ سُنے گا تو اُن پر کیا بزرگی حاصل کر سکتا ہے۔ اگر وہ ان کی داد کو نہ پہنچے تو کیا خراج لے سکتا ہے۔ ان کے ہاتھ سے رنج پانا گوارا ہے تو اُن کے ہاتھ کی عرضی لے۔ بادشاہ آفتاب کا حکم رکھتا ہے اس لیے اپنی التفات کا پرتو ہر ایک ذرہ بے مقدار پر ڈالنے میں دریغ نہ کرے۔ یہ شیوہ منافی بزرگی نہیں ہے۔ اس کی شان خدا کی شان سے زیادہ نہیں کہ وہ کسی کی التفات سے عار نہیں رکھتا اور کسی کو اپنی درگاہ سے رد نہیں کرتا رعیت کا ظلم سُننا اور فریاد کو پہنچنا بادشاہ عادل کی علامت ہے۔ ہر ایک کے درد دل کی سماعت کرنا لازمۂ مرتبہ ظلِ الٰہی ہے۔ داد خواہوں کا شکوہ سننا، فخرِ بادشاہی اور بیکسوں کی دلجوئی شکرانۂ صاحب کجکلاہی۔

جناب امیرالمومنین علیہ السلام اپنے زمانہ خلافت میں دن کو خلق کا کام کرتے اور رات کو خالق کی عبادت۔

بعض نے عرض کیا کہ : " یا امیرالمومنینؑ! کس لیے اپنے پر اس قدر سختی کھینچتے ہیں۔ دن کو آرام لیجیئے یا شب کو۔"

فرمایا کہ : " اگر دن کو آرام لُوں تو رعیت کا کام ناتمام رہے گا۔ اگر رات کو

آرام لُوں تو میرا کام نامکمل۔"

ایک بادشاہ ہوشمند نے کسی سے التماس کیا تو اُس نے کہا۔ اگر دونوں جہان کی سعادت چاہتا ہے تو راتوں کو درگاہ حق میں مثل گدا کے التجا کر اور دن کو اپنے دربار میں فقیروں کی داد کو پہنچ۔

زمانہ گزشتہ میں کسی بادشاہ عادل نے مظلوموں کی اس قدر دادرسی سُنی کہ وہ بہرا ہو گیا۔ من بعد اس کو دادخواہوں کی فریاد نہ سُننے سے بے حد رنج والم ہوا آخر کار یہ حکم دیا کہ کوئی شخص سوائے فریادی کے سُرخ لباس نہ پہنے۔ تاکہ اس کی دادرسی کی جائے۔

(۷) یہ کہ جب کسی مظلوم کا شکوہ سُنے اور ستم دیدہ کا حال معلوم ہو تو اس کے صدق و کذب میں تفتیش کرے۔ کیونکہ بعض رشوت خوار یا صاحب غرض اس کو جھٹلاتے ہیں یا اس کو احمق یا نادان بناتے ہیں۔ جب اس پر واقعہ کی سچائی روشن ہو۔ تو جو کچھ مقتضائے عدالت ہو اُس کا حکم کرے۔ اس مظلوم کے رفع ستم میں کوتاہی و غفلت نہ کرے۔

حضرت داؤد پیغمبر کے زمانے میں ایک بادشاہ جبار تھا۔ حضرت آفریدگار عالم جل شانہٗ نے اس حضرت کو وحی فرمائی کہ اُس بادشاہ کو میری طرف سے یہ پیام دو کہ مَیں نے تجھ کو اس لیے سلطنت نہیں دی کہ تُو مالِ دُنیا جمع کرے بلکہ اس وجہ سے تجھ کو فرمانروائی دی گئی ہے کہ مظلوموں کی دادرسی کی جائے۔ تاکہ کوئی شخص نالہ و دادخواہی میری درگاہ میں بلند نہ کرے۔ بہ تحقیق کہ میں نے اپنی ذات مقدس کی قسم کھائی ہے کہ مظلوم کی مدد کروں گا۔ اُس شخص سے انتقام بھی لُوں گا کہ جس کی حضوری میں مظلوم پر ستم پہنچایا گیا اور اُس نے نصرت نہ کی۔ قطع نظر اس کے یہ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جب کسی بے رحم و ستمگار نے دست ظلم و ستم کسی بیچارہ بیکس کے گریبان میں ڈالا ہو۔

وہ آہ و نالہ کرے باوجود دفع ظلم و ستم کی قدرت کے اس مظلوم کی اعانت میں غفلت کرے اس کو ظلم میں گرفتار چھوڑ دے۔ آپ بسترِ راحت پر خاطر جمعی کے ساتھ آرام میں بسر کرے۔ اے شاہانِ فرمانروا آپ اپنا دن عیش و طرب میں اور رات ہزار طرح آرامی میں بسر کرتے ہیں۔ بخلاف اس کے ستم رسیدہ و مظلوم بیچارہ دن سختی و تکلیف میں۔ رات خوف ظلم و ستم اور طرح طرح کے غم و الم میں گزارتا ہے۔

مشہور ہے کہ سلطان محمود غزنوی ایک رات بسترِ راحت پر لیٹا۔ اس کو نیند نہ آئی حالانکہ وہ ایک پہلو سے دوسرا پہلو بدلتا رہا۔ لیکن کسی طرح آنکھ بند نہ ہوئی۔ آخر کار دل میں کہنے لگا کہ شاید کوئی مظلوم میرے مکان پر بغرضِ فریاد آیا ہوگا۔ اس کے دستِ داد خواہی نے میرے خواب کو باندھا ہے۔ پس پاسبانوں کو حکم دیا کہ محل سرا کے اطراف تلاش کریں۔ اگر کوئی مظلوم ہو تو اُس کو لائیں۔

نگہبانوں نے جستجو کی مگر کسی کو نہیں پایا۔ پھر بھی اس بادشاہ کو نیند نہ آئی۔ دوسری بار تلاش کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ تین مرتبہ یہی صورت پیش آئی۔ چوتھی مرتبہ خود اٹھا۔ اپنے دولت سرا کے اطراف پھرنے لگا۔ اس چھوٹی مسجد پر اس کا گزر ہوا جس کو اس کے امرا اور غلاموں نے اس کے محل کے قریب نماز کے لیے بنایا تھا۔ وہاں کسی بیچارے کے نالہ وزاری کی آواز سُنی کہ وہ اس مسجد میں سر رکھ کر سوزِ دل سے خدا کو یاد کرتا ہے۔

پس بادشاہ نے آواز دی کہ اے مظلوم! خدا سے کہیں میری شکایت نہ کر۔ کہ مَیں اوّل شب سے اس وقت تک اپنے خواب کو حرام کر کے تجھ کو تلاش کر رہا ہوں۔ تیری جستجو میں آرام نہیں کیا۔ تجھ پر کیا ستم کیا گیا جلد بیان کر۔

اس نے کہا کہ ایک ستمگار بے باک رات کو میرے مکان میں آیا۔ اُس نے

مجھ کو گھر سے باہر کر کے میرے ناموس پر ہاتھ دراز کیا۔ اس لیے مَیں دروازہ پر بادشاہ کے حاضر ہوا۔ جب اس کے نزدیک میری رسائی نہ ہوئی تو درگاہِ خدا میں عرضِ حال کر رہا ہوں۔

بادشاہ کو یہ سُنتے ہی بہت غیظ آیا۔ اُس کے حکم پر اُس ظالم کی تلاش کی گئی۔ تو اس رات کو وہ بھی نہ ملا پھر اس مظلوم کو حکم دیا کہ جب وہ نابکار آئے تو اُس کو گھر میں چھوڑ کر فوراً میرے پاس حاضر ہو نیز اپنے پاسبان سے کہا کہ جس وقت یہ شخص آئے مجھ کو فوراً مطلع کرنا اگرچہ مَیں آرام میں ہوں۔

تیسری رات پھر وُہ ظالم اُس کے مکان میں آیا تو اُسی وقت یہ بیچارہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہُوا وہ بادشاہ دادرس بلا توقف چند ملازموں کے ساتھ اُس مظلوم کے گھر پر آیا۔ اُس نے پہلے چراغ گُل کر دیا۔ بعد میان سے تیغ کھینچ کر ظالم بدبخت کو قتل کیا۔ چراغ طلب کر کے اُس کا منہ دیکھا اور سجدۂ شکر ادا کیا۔

اس مسکین نے بادشاہ کی دعا و ثنا میں زبان کھولی۔ چراغ کے گُل کرنے اور سجدۂ شکر ادا کرنے کا سبب دریافت کیا۔

بادشاہ نے فرمایا کہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہُوا کہ یہ کام کہیں میرے کسی فرزند نے نہ کیا ہو۔ دوسرے کی جرأت کا مجھ کو ہرگز گماں نہ تھا۔ اس لیے مَیں خود سیاست کی طرف متوجہ ہُوا۔ اگر دوسرے سے یہ کام لیا جاتا تو ممکن تھا کہ سیاست میں کوئی حیلہ یا توقف ہوتا چراغ کے گُل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ مَیں ڈرا کہ اگر میرا فرزند ہوا تو کہیں محبتِ پدری جوش میں نہ آئے اور مانع سیاست نہ ہو۔ سجدۂ شکر کا یہ سبب تھا جب مَیں نے دیکھا کہ دوسرا شخص ظالم ہے میرا کوئی فرزند نہیں نیز ایسا عملِ قبیح میری اولاد سے واقع نہ ہُوا۔

خلاصۂ بیان یہ کہ بادشاہان زمانہ کو اس حکایت میں تامل و غور کرنا چاہیئے کہ ایک ساعت کی دادرسی جو اس بادشاہ نے کی اس کو ہزار سال گزر گئے۔ اس کا نام اس عمل کے ذریعہ سے ہزاروں کتابوں میں درج کیا جاتا ہے۔ منبروں اور مسجدوں میں اس حکایت کو بیان کرتے ہیں۔ خاص و عام آفرین و دعا دیتے ہیں۔ علاوہ اس کے اُس کے لیے فوائدِ آخروِیہ حاصل ہیں۔

منقول ہے کہ سلطان سلجوقی نے کسی ندی کے کنارے شکار کھیل کر ایک ساعت کسی سبزہ زار میں آرام کیا۔ اس کے غلام خاص نے جب ایک گائے کو نہر کے کنارے چرتی ہوئی دیکھا تو اُس کو ذبح کر کے اُس کے گوشت سے کباب بنایا اس کی مالکہ ایک بڑھیا تھی۔ جس کے چار یتیم بچے تھے۔ اس کی وجہ معیشت اُس کے دودھ پر تھی۔ جب اُس بڑھیا کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو ایک آہ سرد کھینچی۔ سر پر برقع ڈال کر اُس پُل پر جس طرف سے بادشاہ گزرنے والا تھا بیٹھی۔ بادشاہ جب قریب پہنچا تو وہ بڑھیا اٹھی با دیدۂ گریاں بادشاہ سے متوجہ ہوئی اور کہا کہ اگر تو میری داد اس پُل پر نہیں دیتا ہے تو میں پُل صراط پر داد چاہوں گی خصومت کا ہاتھ تیرے دامن سے نہ اٹھاؤں گی۔ بتا کہ ان دو پُلوں میں سے کس پُل کو اختیار کرنا چاہتا ہے؟

بادشاہ اس بات کو سن کر نہایت خوف زدہ ہوا اور کہا کہ مجھ کو پُل صراط کی طاقت نہیں۔ تجھ پر کیا ستم ہوا ہے جلد بیان کر۔

اُس بڑھیا نے حقیقتِ حال اُس سے عرض کی۔

بادشاہ نے متاثر ہو کر اُس غلام کی سیاست کا حکم دیا۔ اس کی گائے کے عوض ستر گائے۔ دوسری روایت میں دو سو گائے اپنے خاصہ کی اس کو دے دیں۔

کہتے ہیں کہ اس بادشاہ نے دنیا سے رحلت کی تو وہ بڑھیا اس کی قبر پر بیٹھی اور کہتی تھی کہ :

"اے پروردگار ! جس وقت میں بے کسی کی حالت میں تھی تو اس نے میری دستگیری کی - آج وہ بیکس ہے تو اس کی دستگیری کر۔"

اُسی زمانہ کے نیکوں میں سے ایک شخص نے بادشاہ کو خواب میں دیکھا ، اور پوچھا کہ :

"خدانے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا ؟"

اس نے کہا کہ :

"اگر وہ بڑھیا دعا نہ کرتی تو مجھ پر وہ عذاب کیا جاتا کہ اگر وہ تمام اہلِ زمین پر تقسیم کیا جائے تو عذاب میں مبتلا ہو جاتے۔"

یہ دو حکایتیں بادشاہوں کی تنبیہہ و ہدایت کے لیے کافی ہیں۔ لیکن جو بادشاہ بہت سا روپیہ اس غرض سے صرف کرتا ہے کہ کسی ولایت کو تسخیر کیا جائے۔ اس کا نام خطبہ میں لیا جائے۔ اس کے نام کا سکہ رائج ہو۔ وہ اس امر سے غافل ہے کہ شہرت کے لیے کونسا خطبہ درکار ہے جو عالم کے منبروں پر اُس کے نامِ نامی سے مثل بادشاہانِ مذکور الصدر کے پڑھا جا سکتا ہے۔ وہ کونسا سکہ اس نقش سے زیادہ پائیدار ہو سکتا ہے کہ دفتروں اور کتابوں میں اس کے نامِ نامی سے نقش کیا جا سکے۔

(۸) یہ کہ کسی بدعت سے نہایت پرہیز کرے اگرچہ اس سے کوئی نفع ہو اور تھوڑا زمانہ بسر ہو سکے لیکن قیامت تک اس کے نام پر لعنت کی جائے گی۔ اس کی خرابی کا اثر اس کی قبر میں پہنچے گا۔ ہر لحظہ اُس پر عذاب کیا جائے گا۔

(۹) یہ کہ جب کسی سے کوئی خباثت وخیانت یا طریقہ خدمت میں کوئی خطا یا لغزش صادر ہو تو اس کو معاف کریں اور اس کو دیدۂ التفات سے پوشیدہ۔ کیونکہ جرائم کا عفو کرنا اشرف مکارم ہے۔

چنانچہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا:

جَمَالُ السِّيَاسَةِ الْعَدْلُ فِي الْاَمْرِ وَالْعَفْوُ مَعَ الْقُدْرَةِ۔

یعنی: جمالِ شہریاری وحسن مملکت داری عدل کرنا ہے۔ اور باوجود قدرت کے انتقام نہ لے کر اُس کی خطا کو عفو کرنا۔

(۱۰) یہ کہ وہ عمدۂ لوازم ہے بلکہ اسی پر عدل موقوف ومنحصر ہے کہ اس بادشاہ وحاکم کا مقصد حصولِ حظ نفسانی و پیروی لذات وشہواتِ جسمانی نہ ہو۔ نفس کو بدی ومناہیاتِ شرعیہ سے باز رکھے۔ اپنی تمام اوقات آرائش و آسائش میں بسر نہ کرے۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

رَاسُ الْاٰفَاتِ الْوَلَهُ بِاللَّذَّاتِ

یعنی: سرتمام آفتوں کا لذات پر شیفتہ ہونا ہے۔

جب بادشاہ لہو ولعب میں مشغول ولذاتِ نفس کا مفتون ہوگا تو اپنی تمام اوقات اُسی میں صرف کرے گا تو ایسی حالت میں اس کا ملک تباہ وویران ہوگا۔ عدالت ملک کی آرائش وزیور ہے اور بادشاہ کی آسائش رعیّت کی آسائش پر منحصر۔ کوئی جامہ قامت شہریاری کے لائق سوائے خلعت عدالت کے

نہیں ہے۔ کوئی تاج تابندہ سوائے تاجِ مرحمت کے نہیں ہو سکتا۔

واضح ہو کہ جس طرح بادشاہوں پر معدلت گستری و رعیت پروری لازم و واجب ہے اسی طرح تمام خلائق پر اُن کی اطاعت و فرمانبرداری لازم۔

رعایا کو ضروری ہے کہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے منحرف نہ ہوں۔ طریقۂ یک رنگی و محبت سے پیش آئیں۔ اس کے نامِ مبارک کو ہر حالت میں تعظیم و تکریم کے ساتھ زبان پر جاری کریں۔ اس کی دعائے خیر کو اپنے پر لازم قرار دیں۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ :

اے ہم کو دوست رکھنے والو!

اپنے کو ذلیل نہ کرو۔ بادشاہ کی نافرمانی کے باعث اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اگر بادشاہ عادل ہے تو اس کی پائیداری کی دعا کرو۔ اگر وہ ظالم ہے تو اس کے صلاح و بہتری کی التجا۔ رعایا کی بہتری بادشاہ کی بہتری پر منحصر و موقوف ہے بہ تحقیق کہ بادشاہ عادل بمنزلۂ پدرِ مہربان ہے۔

پس اس کے لیے وہ چیز پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ وہ چیز پسند نہ کرو جو اپنے لیے پسند نہیں کی جاتی۔ حقیقتاً بادشاہ عادل کا وجود خدا کی بہت بڑی نعمت ہے اور اس کی قدر نہ کرنا کفرانِ نعمت۔

پس اس کے ساتھ محبت رکھنا اور ہمیشہ اس کی عمر و اقبال کی دُعا مانگنا تمام عالم پر واجب ہے۔

فصل (۲)

معالجۂ مرضِ ظلم

واضح ہو کہ حسبِ بیانِ مذکورہ امراضِ نفسانیہ کا معالجہ معجُون مرکب (یعنی علم وعمل سے) کیا جاتا ہے۔

پس صفت ظلم کا دفع کرنا علم ہے۔ اور فضیلتِ عدالت کا حصُولِ عمل۔

لیکن اس کے علم کا علاج یہ ہے کہ خرابیٔ ظلم دینیہ و دنیویہ پر اور فوائدِ عدل کے بیانِ مذکورہ پر تامل کیجئے۔ اور معلوم کیجئے کہ عدالت موجب نام نیک و محبت عالم و دوامِ دولت ہے اور سببِ قیام سلطنت و آمرزش آخرت۔

غور کیجئے کہ جب کوئی شخص کسی پر ظلم کرے اور کوئی اس کی داد کو نہ پہنچے تو اُس شخص کی جو حالتِ قلبی ہوگی وہی حالت اپنے لیے اُس دن کی تصوّر کی جائے جس روز تلافی کی قدرت نہ ہوگی۔

خیال کیجئے کہ اس باغ کا پھول ہمیشہ تروتازہ نہیں رہتا۔ ضعیفوں کی قدرت کو نظرِ عبرت سے دنیا اور اس کی دولت کو دیکھئے۔

احوالِ گزشتگان کو یاد کیجئے۔

بہ نظرِ تحقیق معلوم کیجئے کہ زمانہ ظلم وستم کا گزر جائے گا۔ مظلمہ و وبال اور بدنامی و نکال اس کے لیے باقی رہ جائے گی۔

دنیا کی حالت اور اس کی بے وفائی کو مشاہدہ کیجئے۔ دولت و جاہ پر

مغرور نہ ہوں۔ قوت وشوکت پر فریب نہ کھائیں۔ دنیائے چندروزہ اس قابل نہیں کہ جس کے سبب سے ظلم وستم کے مرتکب ہوں۔

اس عاریتی سرا کی لذت اس قدر نہیں کہ جس کی وجہ سے بے چاروں کے دل کو آزردہ کیا جائے۔

علاج عملی یہ ہے کہ اخبار و آثار جو مذمت وخرابی میں ظلم کے اور تعریف میں فوائد عدل کے آئے ہیں ان کا ہمیشہ مطالعہ کرے۔ کیفیت وحکایات سلاطین عادل جو گزرے ہیں ان کو دیکھے۔ اہلِ علم وفضل کے ساتھ میل وملاپ رکھے اور ان کا ہم نشیں ہو۔ اپنے کو ظلم وستم سے منع اور فقرا اور مظلوموں کی دادرسی کرے تاکہ عدالت کی لذت کو پائے۔ شہدِ عدل کی شیرینی کا لطف اٹھائے اس صفتِ فاضلہ کا ملکہ حاصل ہو۔

چوتھی صفت

مُسلمانوں کی ترکِ اعانت کی مذمّت

واضح ہو کہ ترکِ اعانت کا منشاء اگر عداوت یا حسد ہو تو رذائلِ قوتِ غضبیہ سے متعلق ہوگا۔ اگر اس کا باعث سستی یا بخل یا ضعفِ نفس ہو تو یہ نتیجہ قوتِ شہویہ کا ہے۔ حاصل کلام کوئی شک نہیں کہ یہ صفت رذیل و مہلک ہے۔ یہ علامت ضعفِ ایمان ہے اور باعثِ محرومیٔ درجۂ جناں۔ اس کی مذمت میں احادیث و اخبار بہت آئے ہیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ:

"جو شخص اپنے برادر مسلم کی اعانت اور اس کی حاجت پوری نہ کرے تو وہ کسی ایسے شخص کی اعانت میں جس کی اعانت گناہ کا حکم رکھتی ہے مُبتلا ہوتا ہے اور اس کے لیے کوئی اجر نہیں"

حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہمارے دوستوں میں سے کوئی شخص اپنے برادر مومن کی حاجت کی اعانت کا خواستگار ہو۔ وہ باوجود قدرت کے اس کی اعانت نہ کرے تو خدا اس کو ہمارے دشمنوں کی اعانت میں مبتلا کرتا ہے جس کے باعث خدا روزِ قیامت عذاب کرے گا۔

فرمایا کہ جو مومن کسی دوسرے مومن کو باوجود اپنی یا دوسری جگہ سے

دلانے کی قدرت رکھنے کے اُس چیز کے دینے سے جس کا وہ محتاج ہو منع کرے تو خدا اس کو بروزِ قیامت ایسی حالت میں کہ جس کا منہ کالا، آنکھیں نیلی، ہاتھ گردن میں بندھے ہوں گے اٹھائے گا اور جہنّم میں ڈالے گا اور خطاب ہو گا کہ جس نے خدا اور رسولؐ کے ساتھ خیانت کی اُس کی یہی سزا ہے۔

ایک روز سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جب کہ آپ کی خدمت میں ایک جماعت حاضر تھی فرمایا کہ :

"تم لوگوں کو کیا ہُوا ہے کہ میرے ساتھ حقارت کرتے ہو۔"

ایک مردِ اہلِ خراسان اٹھا اور اُس نے عرض کیا کہ :

"معاذ اللہ ہم آپ سے حقارت کر سکتے ہیں؟"

حضرتؐ نے فرمایا کہ :

"تُو انہی اشخاص میں سے ہے جنھوں نے میرے ساتھ حقارت اور سُبکی کی۔"

عرض کیا کہ :

"معاذ اللہ"

حضرتؐ نے فرمایا کہ :

"آیا تُو نے نہیں سُنا کہ فلاں شخص منزلِ جحفہ کے نزدیک جب ہم آتے تھے کہتا تھا کہ مجھ کو ایک رات کے لیے سوار کر لو۔ خدا کی قسم کہ میں خستہ ہو گیا ہوں۔ تُو نے اُس کی طرف توجہ نہ کی۔ پس اُس کو حقیر سمجھا۔ جس نے کسی مومن کی حقارت کی اُس نے میری حقارت کی اور خدائے عزّ و جل کی حرمت کو ضائع کیا۔"

فرمایا کہ جو شخص اپنے برادرِ مومن کے پاس کسی حاجت روائی کی غرض

سے جائے اور وہ اُس پر قادر ہو۔ اس کی حاجت روائی نہ کرے تو خدا اس کی قبر میں ایک سانپ اس پر مسلط کرتا ہے کہ قیامت تک اس کو ایذا پہنچاتا رہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص اپنے برادر مومن سے امداد کا طالب ہو اور وہ باوجود قدرت کے مدد نہ دے تو بہ تحقیق کہ خدا کی ولایت کو اس نے قطع کیا۔

حضرت پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے کام میں کوشش نہ کرے تو وہ مسلمان نہیں ہے۔

فصل (۱)

مُسلمانوں کی ضرورِیات بجالانے کی اور اُن کو خوش کرنے کی شرافت

واضح ہو کہ ترکِ اعانت کی ضد مسلمانوں کی ضروریات کے بجالانے میں کوشش اور اُن کے کاموں میں اعانت کرنا ہے۔ یہ صفتِ نیک ہے۔ اس کا ثواب بیحد و نہایت۔

حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے برادر مسلم کی حاجت کو پورا کرے تو اس نے تمام عمر اپنے خدا کی خدمت کی۔

نیز فرمایا کہ جو شخص اپنے برادر مسلم کی حاجت کے لیے ایک ساعت راستہ چلے خواہ اس کی حاجت پوری ہوئی ہو یا نہ ہو، لیکن اس کو ثواب دو ماہ کے اعتکاف کا ملتا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص اپنے برادر مسلم کی حاجت پوری کرنے کا ساعی ہو تو خدا تعالےٰ پانچ ہزار ملک کو حکم فرماتا ہے کہ اُس پر سایہ کریں اور ہر ایک قدم پر ایک ایک حسنہ لکھا جاتا ہے۔ اُس کا گناہ محو ہو جاتا ہے۔ اس کے درجے بلند ہوتے ہیں۔ جب وہ اس کی حاجت سے فارغ ہو تو اس کے لیے حج و عمرہ کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

فرمایا کہ اگر کوئی برادر مومن کسی کے پاس کوئی حاجت لے جائے۔ مگر وہ اس کو پوری نہ کرسکتا ہو اور دل میں خیال کرے کہ اگر ممکن ہوتا تو اس کی حاجت پوری کرتا۔ خدا تعالےٰ اس سبب سے اس کو داخلِ بہشت کرتا ہے۔

حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص اپنے برادر مومن کی حاجت پوری کرے تو خدا تعالےٰ قیامت کے روز اس کی سو ہزار حاجتوں کو پورا کرتا ہے۔ ان میں سے ایک اس کو اور دوسرے اس کے برادر قرابت دار اور دوستوں کو داخلِ بہشت کرتا ہے بشرطیکہ وہ اہلِ بیتؑ کے دشمن نہ ہوں۔

نیز فرمایا کہ برادر مومن کی حاجت پوری کرنا ہزار بندے آزاد کرنے۔ ہزار سوار راہِ خدا میں جہاد پر بھیجنے سے بہتر ہے۔

نیز فرمایا کہ کسی برادر مومن کی حاجت پوری کرنا خدا کے نزدیک اس بیس ہزار حجوں سے جس کے ہر حج میں سو ہزار دینار راہِ خدا میں صرف کیے گئے ہوں زیادہ بہتر ہے۔

فرمایا کہ جو شخص خانہ کعبہ کا طواف کرے تو چھ ہزار حسنہ اس کے لیے لکھے جاتے ہیں۔ چھ ہزار گناہ اس کے محو ہوتے ہیں۔ چھ ہزار درجے بلند، چھ ہزار اس کی حاجتیں پوری کی جاتی ہیں اور جب وہ موضع ملتزم[1] تک پہنچتا ہے تو بہشت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

راوی نے عرض کیا کہ:

"میں آپ پر فدا ہوں۔ یہ تمام فضیلت طواف کے لیے ہے۔"

فرمایا۔ ہاں! مگر کسی برادر مومن کی حاجت کا پورا کرنا خانہ کعبہ کے دس

---

[1] : دیوار خانہ کعبہ میں ایک مقام ہے ۱۲

طواف سے بہتر ہے۔

فرمایا کہ جو مومن اپنے برادر کے پاس کوئی حاجت لے جائے تو ایک رحمت ہے کہ خدا نے اُس کی طرف بھیجی ہے اور اس کے لیے ایک سبب مقرر کیا ہے۔ اگر اس نے اس کی حاجت پُوری کی تو گویا اُس نے رحمت کو قبول کیا۔ اگر باوجود اس کی قدرت کے اس کی حاجت کو نہ برلایا تو گویا اس نے اس کی رحمت کو واپس کر دیا۔

فرمایا کہ جو شخص اپنے برادر مومن کی حاجت پُوری کرنے میں کوشش کرے یہاں تک کہ وہ حاجت پوری ہو جائے تو خدا تعالےٰ حج و عمرہ کا۔ دو ماہ حجۃ الحرام کے روزوں کا۔ نیز اعتکاف دو ماہ مسجد حرام کا ثواب اس کے لیے لکھتا ہے اگر کوئی شخص اپنے برادر مومن کی حاجت پوری کرنے کی غرض سے راستہ چلے مگر اس کی حاجت پوری نہ کر سکے تو خدا اس کے لیے ایک حج کا ثواب لکھتا ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام نے فرمایا کہ جو کوئی عند اللہ آدمیوں کی حاجت میں کوشش کرے تو وہ قیامت کے خوف و ہراس سے امین ہوگا۔ جو شخص کسی مومن کو خوش کرے تو خدا قیامت میں اس کو مسرور کرتا ہے۔ ان مضامین میں بہت سے اخبار آئے ہیں کہ جن کی شرح ممکن نہیں۔

اس بیان سے صاف ظاہر ہے۔ چونکہ خداوند منان کے تمام بندے ہیں۔ جب کوئی بندہ کسی بندے سے نیکی کرے تو گویا خدا کے ساتھ اس نے نیکی کی۔ صاحب کے ساتھ نیکی کرنے کے۔ بجائے اس کے بندے سے نیکی کرنا زیادہ تر باعث خوشنودی ہوتا ہے۔

پس وہ شخص خدا کا متلاشی ہے۔ جو اس کے بندوں کی حاجت روائی میں نہایت کوشش و سعی کرے۔ جس کو حق سبحانہٗ تعالیٰ نے مسلمانوں کے کاموں کو انجام دینے کا اقتدار دیا ہو تو اس کو شکر خدا بجا لانا چاہیئے۔ کوئی شک نہیں کہ

برادر دینی کی حاجت کا بر لانا اس کی خوشحالی کا باعث ہے اور برادر ایمانی کے مسرور کرنے کا ثواب بے انتہا۔ کسی کے دلِ غمناک کو خوش کرنا خداوند عالم کے گھر کو آباد کرنا ہے چونکہ ہر ایک بندے کی نسبت خدا کے ساتھ ہے۔ جب کسی بندے کو خوش کیا تو گویا اس نے اس کے صاحب کو خوش کیا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص کسی مومن کے دل کو خوش کرے تو اُس نے حضرت رسولؐ کو خوش کیا۔ جس نے حضرتِ رسولؐ کو خوش کیا اس نے خدا کو خوش کیا۔ ایسا ہی کسی مومن کو غمگین کرنے کی نسبت قیاس کیا جائے۔

نیز اُس سرورؑ سے مروی ہے کہ جو شخص کسی مومن مضطر کی فریادرسی کرے اور اس کو غم سے نجات دے اس کی حاجت کے پوری کرنے میں مدد کرے تو خدا تعالیٰ اس کے لیے بہتر رحمت مہیا کرتا ہے۔ ان میں سے ایک کو اُس کے لیے دُنیا میں بھیجتا ہے۔ جس کے ذریعے اس کی معیشت اصلاح پر لائی جاتی ہے اور اکہتر کو قیامت کے لیے ذخیرہ کرتا ہے۔

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ خدا کے نزدیک محبوب ترین اعمال خوشنودیٔ مومنین ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ خداوند سبحانہٗ نے جن امور کا راز حضرت موسےٰ علیہ السلام کو فرمایا اُن میں ایک یہ تھا کہ بعض بندوں پر بہشت مباح کی گئی اور ان کو بہشت کا اختیار دیا گیا۔ جنھوں نے کسی مومن کے دل کو مسرور کیا ہو۔

پس اس حضرتؑ نے فرمایا کہ ایک بادشاہ جبار کی مملکت میں ایک مومن تھا۔ اُس بادشاہ ظالم نے اس کو ایذا دینے کا قصد کیا تو اس مومن نے

بھاگ کر کسی مشرک کے گھر پناہ لی۔ اُس مشرک نے اس کے ساتھ مہربانی کی اور حق مہمانی بجالایا۔ جب اُس مشرک کا وقتِ نزع قریب پہنچا تو پروردگار عالم نے اس کو وحی کی کہ میری عزت و جلال کی قسم ہے کہ اگر تو کافر نہ ہوتا تو بہشت تیرا مقام ہوتا۔ پس مشرک پر بہشت حرام ہے۔ لیکن اے دوزخ کی آگ اس کو ڈرا اور مضطرب کر۔ مگر اس کو ایذا نہ پہنچانا۔ اس کی روزی برابر پہنچے گی۔

نیز اِسی حضرت نے فرمایا کہ :

" ایسا خیال نہ کیا جائے کہ تم نے کسی مومن کو شاد کیا۔ بلکہ واللہ ہم کو اور پیغمبرِ خدا کو شاد و خرم کیا۔"

فرمایا کہ :

جب مومن قبر سے باہر آئے گا تو اس کے ساتھ اس کی ایک مثال ہو گی۔ وہ مثال اُس سے کہے گی کہ تجھ کو منجانب خدا کرامت و سرور کی خوشخبری ہو۔ مومن بھی اس کو نیکی کی بشارت دے گا۔ پس وہ مثال اس کے ہمراہ رہے گی۔ جب واقعہ ہولناک درپیش ہو گا تو وہ کہے گی کہ یہ تیرے واسطے نہیں ہے۔ جب خیر و خوبی سامنے آئے گی تو کہے گی کہ یہ تیرے لیے ہے۔ یہاں تک کہ حضوریٔ باری تعالےٰ کے مقام پر پہنچے گا تو اس وقت حکمِ الٰہی ہو گا کہ اس کو بہشت میں لے جائیں پھر وہ مثال گویا ہو گی کہ تجھ کو بشارت ہو کہ خدا نے تجھ کو بہشت میں لے جانے کا حکم فرمایا۔

وہ مومن کہے گا کہ خدا تجھ پر رحمت نازل کرے تو کون ہے، کہ میرا ساتھ دیا اور مجھ کو ہر مقام پر بشارت دی۔

وہ جواب دے گی کہ :

مَیں وہ سرور ہوں جو تُو نے اپنے برادر مومن کے دل میں داخل کیا تھا۔

خدا نے مجھ کو خلق کیا کہ تجھ کو ہر مقام پر بشارت دوں۔ تیری تنہائی کا انیس رہوں۔

برادر دینی کو مسرور کرنے کی نسبت جس قدر فضیلت و ثواب ہے۔ اُسی قدر اُن کے غمگین و اندوہگیں کرنے میں معصیت و عذاب ہے۔ جو شخص بندگانِ خدا کی غمگینی پر شاد ہو وہ خبیث النفس و ناپاک طینت ہے۔ کوئی شک نہیں کہ خباثتِ نفس کے باعث یہ صفت واقع ہوتی ہے۔ خبیث طبع اس صفتِ بد میں مبتلا ہیں اور آدمیوں کو وحشت ناک خبریں دیتے ہیں۔ جب کوئی خبر کسی کے غم و اندوہ کی سن پاتے ہیں تو فوراً وہ خبر اُن کو پہنچاتے ہیں۔

پانچویں صفت

امرِ معروف و نہی منکر میں کوتاہی کرنے کا فساد و ضرر

واضح ہو کہ امر معروف میں کوتاہی کرنے اور نہی منکر میں متوجہ نہ ہونے کا سبب ضعفِ نفس یا طمع مال ہے۔ یہ مہلکات سے ہے اور اس کا ضرر عام اور اس کا فساد کلی۔ کیونکہ جب امرِ معروف و نہی منکر دنیا سے اُٹھ جاتا ہے تو آیات نبوت بر طرف ہوتے ہیں اور دین و ملت کے احکام ضائع و تلف۔ عالم کو جہل و نادانی و ضلالت و گمراہی گھیر لیتی ہے۔ شریعت رب العالمین کے آثار فراموش ہوتے ہیں اور آئین سید المرسلین کا چراغ خاموش۔ فتنہ و فساد برپا ہوتا ہے۔ اور شہر نابود و ضائع۔

یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے میں کسی نہ کسی قوی النفس عالم متدین یا امیر متشرع نے جس کا حکم جاری و نافذ تھا۔ اس امر میں کوشش کی اور راہِ دین و آئین میں آدمیوں پر ملامت و سرزنش کرنے سے اندیشہ نہ کیا۔

پس تمام آدمی طاعت و مبرات کی طرف راغب ہوئے اور علم و عمل کی تحصیل کے طالب۔ آسمان سے اُن پر برکت نازل ہوئی اور دُنیا و آخرت کی

نیکی اُن کو حاصل۔ جس زمانے میں عالم باعمل یا سُلطان عادل اس امر خطرناک پر کمر ہمّت نہ باندھے۔ اس بڑے کام کو آسان جانے تو خلق اللہ کا کام فاسد ہوتا ہے اور علم و عمل کا بازار بے رونق۔ آدمی لہو و لعب میں مشغول ہوتے ہیں اور ہوا و ہوس میں گرفتار و خودسر۔ یادِ خدا اور فکر روز جزا کو فراموش کیے ہوتے ہیں اور بادہ معاصی سے مست و بیہوش۔ اسی سبب سے آیات و اخبار میں ترک امر معروف اور نہی منکر کی بے حد مذمت آئی ہے۔

خداتعالےٰ فرماتا ہے :

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ۔

یعنی : " علماء اور عقلمند جھوٹی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں اُن کو منع نہیں کرتے یقیناً وہ بدکاری ہے۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ "

حضرت رسولِ صلعم سے مروی ہے کہ کوئی قوم معصیت کرتی ہو اور ان میں کوئی ایسا شخص ہو کہ اُن کو منع کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور منع نہ کرے تو خدا تعالیٰ اُس کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

نیز اُنہی سرورؐ سے منقول ہے کہ ضرور امر معروف و نہی منکر کو بتلانا چاہیئے۔ ورنہ وہ اشخاص جن کو تم بد جانتے ہو وہ تم پر مسلط و حاکم ہوں گے اور تمہارے نیکوں کی دعا مقبول نہ ہوگی۔

فرمایا کہ خدا بہ سبب عوام کے گناہوں کے خاص لوگوں پر اس وقت تک عذاب نہیں کرتا۔ جب تک کہ ان سے گناہ صادر نہ ہوں اور مخصوصین منع کرنے کی قدرت رکھتے ہوں اور پھر اُن کو منع نہ کریں۔

امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ بہ تحقیق کہ تم سے قبل جن لوگوں کی ہلاکت واقع ہوئی ان کی وجہ یہی تھی کہ مرتکب گناہ ہونے تھے اور ان کے علماء ان کو منع نہیں کرتے تھے۔ جب ان سے گناہ متواتر صادر ہوتے تو وہ عذابِ الٰہی میں مبتلا ہوتے۔

فرمایا کہ امر معروف و نہی منکر دو مخلوقِ الٰہی ہیں۔ جو شخص ان کے ساتھ دوستی کرتا ہے تو خدا اس کو دوست رکھتا ہے۔ جو شخص ان کو ذلیل کرتا ہے۔ تو خدا اُن کو ذلیل کرتا ہے۔

نیز ان حضرت کے کلام سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے جو شخص دل وزبان اور ہاتھ سے انکار منکر کو ترک کرے تو وہ زندوں کے درمیان ایک مُردہ ہے۔

اور فرمایا کہ رسولِ خدا صلعم نے مجھ کو حکم فرمایا کہ گنہگاروں کے ساتھ نفرت و آزردگی سے ملاقات کرو۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ خداوند عالم نے شعیبؑ نبی کو وحی فرمائی کہ میں تمھاری قوم کے سو ہزار آدمیوں پر عذاب نازل کروں گا۔ جس میں چالیس ہزار گنہگار ہوں گے اور ساٹھ ہزار نیک۔

عرض کیا کہ :

"اے پروردگار! نیکوں کو کس لیے۔"

خطاب ہوا :

"اس وجہ سے کہ گنہگاروں کا ساتھ دینے اور میرے قہر کو آسان سمجھنے اور

میرے غضب پر غضبناک نہ ہونے کے باعث۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ :

وہ گروہ پاک و پاکیزہ نہیں ہوتا کہ جس کے قوی لوگوں سے ضعیفوں کا حق نہ لیا جائے۔

انہی حضرتؑ سے مروی ہے کہ خدا تعالےٰ نے دو فرشتوں کو بھیجا کہ کسی شہر کو اس کے اہلیانِ شہر کے ساتھ سرنگوں کر دیں۔ جب وہ ملک اس مقام پر پہنچے تو ایک مرد کو دیکھا کہ خدا کو یاد کرتا ہے اور گریہ وزاری میں مشغول ہے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ :

"اِس مرد کو نہیں دیکھتا ہے۔"

اُس نے کہا کہ :

"جو حکم ہم کو خدا نے فرمایا ہے۔ اس کو بجا لائیں گے۔"

اُس ملک نے جواب دیا کہ :

"مَیں جب تک اپنے پروردگار سے دریافت نہ کرلوں اپنا کار مفوضہ نہ کروں گا۔"

پس وہ واپس ہُوا اور عرض کیا کہ :

"اے پروردگار! جب ہم اس شہر میں پہنچے تو فلاں بندے کو دیکھا کہ تجھ کو یاد اور گریہ وزاری کرتا ہے۔"

خدا تعالےٰ نے فرمایا کہ :

"جو حکم مَیں نے تم کو دیا ہے بجا لاؤ۔ بہ تحقیق کہ وہ مرد کبھی دُوسروں کی معصیت پر غضبناک نہیں ہُوا۔"

ایک روز اُن حضرتؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ مجھ پر لازم ہے کہ

تم بے گناہوں کو گنہگاروں کے ساتھ مواخذہ کروں اور کیونکر لازم نہ ہو کہ تم میں سے جو شخص عملِ بد کرتا ہے۔ اس کا اثر تم پر پڑتا ہے اور تم اس سے انکار اور دُوری نہیں کرتے اور اُس کو ایذا نہیں دیتے تاکہ وہ اس عملِ بد کو ترک کر دے۔

فرمایا کہ :

"تمھارے علماء اور عقلمندوں پر تمھارے نادانوں کے گناہوں کا بوجھ ڈالا جائے گا۔ کیونکہ جب تم کسی شخص کو معصیت کا مرتکب دیکھتے ہو تو اس کو سرزنش اور نصیحت نہیں کرتے۔"

ایک شخص نے عرض کیا کہ :

"وہ نہیں مانتا ہے۔"

فرمایا کہ :

"اُس سے دُوری کرو اور اس کی ہمنشینی سے اجتناب۔"

بہت سے اخبار اُن مجالس میں نہ بیٹھنے کے لیے جن میں معصیت ہوتی ہو وارد ہوئے ہیں۔ بشرطیکہ اُس کے امتناع اور دفع کرنے پر قدرت و امکان نہ رکھتا ہو۔

وارد ہے کہ اگر کوئی شخص مجلسِ معصیت میں شریکِ صحبت ہو تو اُس پر لعنت نازل ہوتی ہے۔ اس لیے جائز نہیں کہ کسی ظالم و فاسق کے مکان میں جب کہ وہ مشغول ظلم یا فسق ہو داخل ہوں۔ اسی طرح اس مجمع میں جس میں کوئی معصیت ہوتی ہو اور وہ اس کے دفع کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو، تو شریک ہونا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ بغیر ضرورت کے ملاحظۂ معاصی جائز نہیں اور یہ عذر کہ اس کے دفع کی قدرت نہ تھی مسموع نہ ہو گا اور یہی وجہ تھی کہ بعض خدا شناسوں نے آدمیوں سے کنارہ کشی اختیار کی تھی کہ کہیں بازار،

راستوں، مجمع، عید گاہ میں کوئی معصیت ہوتی ہوئی نہ دیکھیں جس کو دفع نہ کر سکیں۔ آپ نے امر معروف و نہی منکر کی طرف سے بے پروائی و آسانی کی حالت کو معلوم کیا کہ جس کی وجہ سے کس قدر خرابیاں مترتب ہوتی ہیں تو اب یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ معصیت کا حکم کرنے اور اطاعت سے روکنے کا کس قدر عذاب ہے۔

ایک روز حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ :

"کس طرح ہو گا جب کہ تمہاری عورتیں خراب ہوں گی۔ تم لوگ فاسق۔ امر معروف اور نہی منکر نہ بجا لائیں گے۔"

اس وقت تعجب سے عرض کیا گیا کہ :

"ایسا وقت آئے گا۔"

فرمایا :

"ہاں! بلکہ اس سے بدتر۔ جب منکر کا امر کیا جائے گا اور معروف سے نہی کی جائے گی۔"

عرض کیا گیا کہ :

"ایسا وقت بھی ہو گا۔"

فرمایا :

"ہاں! بلکہ اس سے بدتر۔ جب کہ تمہاری نظروں میں معروف منکر ہو جائے گا اور منکر معروف۔"

جو شخص اخبار و آثار میں غور کرے۔ تواریخ و حکایاتِ گزشتگان کو دیکھے۔ اُن پر بلا و عذاب کے نزول کو ملاحظہ کرے اور پھر اپنے زمانۂ حال اور اُن امور کو جو واقع ہو رہے ہیں مشاہدہ کرے۔ تو وُہ

یقین کرے کہ یہ آفاتِ ارضی و سماوی مثلاً :

- طاعون
- وباء
- قحط
- کمیٔ آب و باراں
- تسلّطِ اشرار و ظالمان
- قتل و غارت
- زلزلہ وغیرہ

یہ تمام امر معروف اور نہی منکر کے ترک کرنے کی بدولت واقع ہو رہے ہیں۔

فصل (۱)

امرِ معروف و نہی منکر کا وجوب اور اُس کی شرافت

واضح ہو کہ امرِ معروف اور نہی منکر میں کوتاہی کرنے کی ضد۔ ان میں سعی اور طریقۂ نیک اختیار کرنا ہے اور یہ اعظم عبادت دین ہے اور بہت بڑی علامتِ شریعت و آئین۔ اور یہی مقصدِ کلی بعثت انبیاء و نصب آئمہ و اوصیاء ہے۔

اسی وجہ سے اُس کی مدح و ترغیب میں بے حد آیات و اخبار آئے ہیں اور خداوندِ عالم جلّ شانہٗ کا اس امر پر حکم ہُوا ہے۔

اور فرماتا ہے :

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔

خلاصۂ معنی یہ ہے کہ :

" اور لازم ہے کہ تم میں سے ایک گروہ ایسا ہو کہ وہ آدمیوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھی باتوں کا حکم دے اور بُری باتوں سے منع کرے اور وہی گروہ نجات پانے والا ہے۔"

نیز فرماتا ہے کہ :

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

یعنی : " تم تمام اُمتوں سے بہتر ہو کہ نیکی کرنے کا حکم دیتے ہو اور بدی سے منع کرتے ہو۔"

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ :

اس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ تم میں ان دو امور میں سے ایک امر ضرور ہو گا :۔

یا یہ کہ :

معروف کا امر کرو گے اور گنہگاروں کو منکرات سے باز رکھو گے۔

یا یہ کہ :

حق سبحانہٗ تعالےٰ کوئی عذاب تم پر نازل کرے گا اور ہر چند دُعا کرو گے مگر مقبول نہ ہو گی۔

نیز آں حضرت سے منقول ہے کہ :

راہِ خدا میں جہاد، تمام اعمالِ حسنہ کے مقابل اور نیز تمام اعمالِ حسنہ اور

راہِ خدا میں جہاد کرنا امر معروف و نہی منکر کے اس طرح مقابل ہے جیسے دریائے بے پایاں کے مقابلہ میں ایک پانی کا گھونٹ۔

آں حضرتؐ سے مروی ہے کہ ہر ایک پیغمبر خاص اصحاب کے ساتھ مبعوث کیا گیا اور وہ پیغمبر اُن میں اس زمانے تک جب تک کہ خدا چاہتا ہے توقف کرتا ہے اور خدا کی کتاب اور اُس کے حکم پر عمل کرتا ہے۔ جب خدا اس پیغمبر کی رُوح کو قبض کرتا ہے تو وہ مصاحب باقی رہ جاتے ہیں اور کتابِ خدا اور اس کے احکام و طریقہ پیغمبر کے پابند ہوتے ہیں اور جب وہ بھی دنیا میں باقی نہیں رہتے تو بعد ان کے ایک گروہ جمع ہوتا ہے۔ جو منبر پر جا کر بیان کرتا ہے جس کا قول معروف ہوتا ہے اور جس کا عمل منکر۔ جس وقت تم لوگ اس زمانے کو پاؤ تو ہر مومن پر واجب ہے کہ ان کے ساتھ جہاد کرے اور ان کو دفع کرے اگر اس پر قدرت نہ رکھے تو اُن کے ساتھ دل سے میل و ملاپ نہ رکھے۔ اگر اس طرح نہ کریں گے تو وہ صاحبِ اسلام نہیں۔

حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ امر معروف و نہی منکر کے بیان کرنے سے کسی کی اجل نہیں آتی اور کسی کی روزی کم نہیں ہوتی اور کلامِ حق میں بہتر یہ ہے کہ کسی حاکم جابر کے سامنے کہا جائے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ امر معروف و نہی منکر کرنا پیغمبروں کا طریقہ ہے اور نیکوں کا شیوہ۔ اور یہ فریضۂ اعظم ہے جس کے ذریعہ سے تمام فرائض جاری کیے جاتے ہیں۔ ان طریقوں میں امن قائم رہتا ہے۔ اس کے صاحب کی طرف مظلمہ رد ہوتا ہے۔ دنیا آباد ہوتی ہے۔ دین کے دشمنوں سے انتقام لیا جاتا ہے۔ امر شریعت کو قیام حاصل ہوتا ہے۔ پس اپنے دلوں ہی ایسے لوگوں سے انکار کیجیے۔ راہِ خدا میں ملامت کرنے والوں سے کوئی خوف اور

اندیشہ نہ کیجئے اور ان کے ساتھ جہاد کیجئے۔ ان کو دل سے دشمن جانئے۔

بعض اخبار میں وارد ہے کہ موسیٰؑ نے پروردگار سے عرض کیا کہ کون سا بندہ تیرے نزدیک محبوب ہے۔

خطاب ہوا کہ وہ شخص جو میری حصولِ مرضی میں اس قدر کوشش کرتا ہے کہ جس طرح اپنی آرزوؤں کی تحصیل میں کوشش کی جاتی ہے۔ پس مومن کو چاہیئے کہ جب کسی کو گناہ کرتا ہوا دیکھے تو حصولِ رضائے پروردگار میں اس کو اس قدر غیرت دین و غضب و حمیت غالب ہو کہ مخالفوں کی زیادتی و قوت سے اندیشہ نہ کرے اور دبدبہ و سطوت ملوک و سلاطین پر ملتفت نہ ہو اور حق کی نصرت میں مال و جان و آبرو کی پرواہ نہ کرے۔ ؎

رسانیدن امر حق طاعت است

ز زنداں نہ ترسی کہ یک ساعت است

پس جو شخص طالب سعادت اور رضا جوئے ربّ العزت ہو اور وہ جس وقت کسی کو گناہ کرتا ہوا دیکھے تو خودداری اختیار نہ کرے۔ کیونکر ایک بندۂ خدا دوسرے بندہ کی نافرمانی دیکھ کر خودداری کر سکتا ہے۔ حالانکہ جب کسی حاکم یا بادشاہ کا ایک ملازم دوسرے ملازم کی کوئی نافرمانی دیکھتا ہے تو اس کی مخالفت کرتا ہے پس کیونکر ہو سکتا ہے کہ کسی کو پروردگار کے احکام کی مخالفت کرتا ہوا دیکھے تو معترض نہ ہو اور دوسروں کی خوشنودی کو خوشنودیٔ خدا پر مقدم رکھے۔

تجربہ سے ثابت اور اخبار و آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت کا پاس کرنا اور بندوں کے اصلاح کی کوشش کرنا موجب عزت و زیادتی حرمت ہے۔ اور باعثِ طول عمر۔

واضح ہو کہ جو کچھ آیات و اخبار ذکر کیئے گئے ان سے پایا جاتا ہے کہ

امر معروف و نہی منکر مکلفین کے ہر فرد بشر پہ واجب ہے۔ اس مطلب میں عام علمائے فریقین کا اتفاق ہے۔ اس معنی پر کہ واجبات میں امر کرنا اور افعال محرمہ کی نہی کرنا واجب ہے۔ لیکن مستحب میں امر کرنا اور امور مکروہ میں نہی واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔

واجب میں امر اور حرام میں نہی کرنا مندرجہ ذیل چار شرائط پر واجب ہے :-

(۱) یہ کہ علم رکھتا ہو کہ یہ فعل اس شخص پر واجب ہے یا حرام۔ پس وہ امور جو امر معروف و نہی منکر کے مشابہ ہوں ان میں واجب نہیں۔ بنابریں جب کسی امر کے وجوب یا اُس امر کی حرمت میں اس طرح پر علم حاصل کیا جائے کہ اختلاف مجتہدین کا اس میں احتمال نہ ہو۔ مثلاً یہ کہ ضروریاتِ دین یا مذہب یا جس پر تمام علماء کا اجماع ہو تو اُس شخص پر لازم ہے کہ اُس امر میں امر و نہی بجالائے اور جس شخص کو علم قطعی اُس چیز کے حکم میں حاصل نہ ہو اور اجماعی نہ ہو بلکہ اس میں کوئی اختلاف پایا جائے اور فقہاء کے اختلاف کا احتمال ہو اگرچہ خود مجتہد ہو اور اس کے حکم میں کوئی رائے رکھتا ہو یا کسی مجتہد کی رائے کو جانتا ہو تو ایسی حالت میں بطریق وجوب اس میں امر و نہی نہیں کر سکتا۔

خلاصہ حکم یہ ہے کہ :

مسائل قطعیہ اجماعیہ میں ہر شخص پر امر معروف و نہی منکر لازم ہے۔ لیکن جو امور کہ غیر اجماعی ہیں اور اختلاف آرائے مجتہدین ہیں تو کوئی مجتہد یا معتقد امر و نہی اس میں نہیں کر سکتا۔ مگر ہاں اُس شخص کو جس کی نسبت یہ جانتا ہو کہ وہ اس کے ہم اعتقاد ہے۔

(۲) یہ کہ احتمال فائدہ و اثر امر و نہی پر حاصل ہو اور جب بطور یقین

جانتے یا اس کا گمان غالب ہو کہ کوئی اثر مترتب نہیں ہوتا تو ایسی حالت میں امر معروف و نہی منکر واجب نہ ہوگا۔

(۳) یہ کہ کسی فساد و ضرر کا گمان نہ ہو۔ اگر امر معروف یا نہی منکر میں اپنے یا کسی مسلمان کے ضرر کا گمان ہو تو اس کا وجوب قطع ہو جائے گا۔

جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ :

جو شخص کسی حاکم ظالم کا متعرض ہو اور کوئی بلا اس کو پہنچے تو کوئی اجر اور ثواب اس کے لیے نہ ہوگا۔

جیسا کہ مذکور ہوا کہ :

بزرگ ترین شہید وہ ہے جو سخن حق کسی ظالم کے سامنے کہے اور وہ اس کو مار ڈالے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ ابتداً گمانِ فساد نہ رکھتا ہو اور جانتا ہو کہ کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔

(۴) یہ کہ جس شخص نے امر معروف کو ترک کیا ہو یا منکر اس سے صادر ہوا ہو مگر پشیمانی و توبہ کا اثر اُس سے ظاہر نہ ہو اگر وہ شخص شرمندہ ہو تو دوسرے وقت امر معروف و نہی منکر کی احتیاج نہیں ہے۔ جو امور امر معروف و نہی منکر میں لازم ہیں۔

وہ یہ ہیں کہ :

اُس کے صدور کا علم حاصل ہو اس طریقہ پر کہ خود دیکھا ہو یا اور کسی طریقہ سے بغیر تفحص و تجسس کے اس کا علم حاصل ہو مگر صرف گمان یا موقع گمان پر اس کا تجسس جائز نہیں اور نہ متلاشی ہونا چاہیئے۔ اگر گمان کیا جائے کہ گھر میں کوئی مشغول معصیت ہے لیکن اس کو درجۂ یقین نہ ہو تو اُس جائے داخل نہ ہو اور اُس کی تحقیق نہ کرنا چاہیئے اور ایسا ہی کان لگا کر

سُننا جائز نہیں کہ جو آواز آتی ہے وہ معصیت کی ہے یا نہیں۔ یا کسی کا مُنہ اس گمان پر سُونگھنا کہ اس نے شراب پی ہے یا نہیں۔ یا تحقیق کرنا کہ کسی گھر میں یا کسی ظرف میں شراب ہے یا نہیں۔ یا دریافت کرنا کہ کسی جگہ کوئی ساز تو پوشیدہ نہیں کیا گیا۔

حاصل کلام جب تک کہ علم حاصل نہ ہو دریافت و تحقیق جائز نہیں اور اسی طرح ہمسایہ اور رفقائے فاسق کی بدکاری کی تفتیش کرنا روا نہیں ہے، اور اگر کسی شخص کو تلاش کے بعد کسی معصیت کا علم ہو جائے تو اُس وقت سے اس کو نہی کرنا لازم ہے۔ گو ابتداءً تجسّس کرنا بہتر نہ تھا اور جو شخص امر معروف و نہی منکر کرتا ہے اس کا عادل ہونا لازم نہیں۔ خواہ وہ کوئی معصیت یا وہی معصیت کرتا ہو بلکہ جس شخص کو ترک معروف یا فعل منکر کی اطلاع ہو جائے اس پر امر و نہی لازم ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد۔ اگر خود اُس معصیت کا مرتکب ہو تو اس وجہ سے وہ عاصی و گناہ گار ہو گا۔ اگر باوجود اس کے دوسرے شخص کے ترک معروف یا فعلِ منکر کی اطلاع ہونے کے بعد اس کی نسبت امر و نہی نہ کرے تو دو گناہوں کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ جو شخص خود مرتکب معصیت ہوتا ہو اور دوسروں کو اس کی نہی کرے تو اس کو حضرت باری سے خجالت اور شرمساری کرنا چاہیئے۔

جیسا کہ اخبار میں آیا ہے کہ:

حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو وحی ہوئی کہ اوّل اپنے نفس کو نصیحت کر اگر وہ نصیحت قبول کرے تو دوسروں کو نصیحت کر! ورنہ مجھ سے شرم و حیا کر!

لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ اُس صورت میں ہے کہ قہر و غلبہ کے ذریعہ سے

امر معروف و نہی منکر کیا جائے۔ لیکن اگر بطریق پند و موعظہ و نصیحت ہو تو دور نہیں ہے کہ خود نصیحت کرنے والے کے لیے بھی اس معصیت کا مرتکب نہ ہونا مشروط ہو اور دوسروں کو معلوم ہو کہ یہ اس معصیت کا مرتکب نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو اس کی نصیحت ہرگز کوئی فائدہ یا ثمرہ نہیں دیتی ہے اور پھر یہ بھی معلوم ہے کہ باوجود عدم اثر امر و نہی واجب نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ امر معروف و نہی منکر کی دو صورتیں ہیں :-

ایک :

قہر و تسلط۔ مثلاً :-

- ساز کا توڑ ڈالنا
- شراب پھینکنا
- اور زنا و لواطہ سے باز رکھنا وغیرہ۔

اس صورت میں امر و نہی کرنے والے کے لیے عدالت اور اس معصیت کے عدم ارتکاب کی شرط نہیں ہے۔

دوسری :

وہ صورت ہے کہ :-

خدا اور عذاب خدا سے خوف دلایا جائے۔ ایسی صورت میں جبکہ وہ خود مرتکب معصیت ہو تو اس کی نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور نیز شرط یہ بھی ہے کہ اس کو دوسرے اس معصیت کا مرتکب نہ جانیں۔

بیان مذکور الصدر اس شخص کے لیے ہے جس نے معصیت کا ارتکاب

ہوتے ہوئے دیکھا ہو اور اُس پر مطلع ہوا ہو لیکن جو شخص آدمیوں کی اصلاح و تبلیغ احکام شریعت کے واسطے نیابت حضرت سید المرسلینؐ اور آئمہ طاہرینؑ کی مسند پر بیٹھتا ہے اور ان کے ارشادات و ہدایات کو بیان کرتا ہے۔ اس کو تقویٰ و عدالت و ورع و زہد کی صفت سے متصف ہونا ضروری ہے اور لازم ہے کہ کتاب خدا اور احادیث و آئمہ ہدا کے احکام کا علم رکھتا ہو اور حکم و فتویٰ کے لیے جامع الشرائط ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مصباح الشریعہ میں ایسے شخص کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ جو شخص اپنی ہوا و ہوس اور نفسِ امارہ کی آفت اور اس کی خواہشات کو ترک نہ کرے اور شیطان کے لشکر کو شکست نہ دے اور خدا کی پناہ اور اس کی نگہداری میں داخل نہ ہو تو وہ امر معروف و نہی منکر کی قابلیت نہیں رکھتا ہے۔ اگر وہ خداوند عالم کے احکام کو بیان کرے تو خود اس پر حجت قائم ہوتی ہے۔ اور دوسرے آدمی اُس پر یقین نہیں کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"تُو دوسروں کو حکم دیتا ہے اور خود اپنے لیے بھول گیا ہے۔"

نیز اُس کو خطاب ہوتا ہے کہ:

اے خیانت کرنے والے!

میری مخلوق کو منع کرتا ہے اور خود عمل کرتا ہے۔

واضح ہو کہ جو شخص امر معروف و نہی منکر کی خدمت کو بجا لاتا ہے اور آدمیوں کی اصلاح کی کوشش کرتا ہے اس کو سزاوار یہ ہے کہ خوش خُلق ہو اور صاحب صبر و حلم، قوی النفس، اور دوسروں کی گفتگو سے مضطر و غمگین نہ ہو۔ اگر اس کو کوئی ایسی بات کہی جائے جو اس کے لائق نہیں تو متغیر نہ ہو۔

کیونکہ تمام اشخاص تابع ہوا و ہوس اور حصولِ لذات کے در پے ہیں۔ اگر آپ اُن لوگوں کو منع کریں گے تو اُن پر شاق و ناگوار ہوگا۔ اسی وجہ سے اپنی زبان کو آپ کے حق میں کھول دیں گے اور آپ کے متعلق ایسی باتیں کہیں گے۔ جو آپ کی شان کے لائق نہیں اور اکثر آپ کے ساتھ خلافِ ادب پیش آئیں گے۔ پس آپ کو اپنا دل مضبوط رکھنا چاہیئے۔ اور ان کے قول و فعل سے مضطرب اور غضبناک نہ ہونا چاہیئے۔ آدمیوں کے ساتھ مہربانی و مروّت و محبت سے پیش آئیے۔ کیونکہ پند و نصیحت نرمی و ملائمت سے دُوسروں کے دل میں اثر کرتی ہے۔ ان سے کوئی طمع و امید نہ رکھیے۔ جب آدمی دوسروں کے مال یا ان کی مدح و ثنا کی امید رکھے گا تو وہ دوسروں کی اصلاح اور اُن کو امر معروف و نہی منکر نہیں کر سکتا۔

کہا جاتا ہے کہ :

ایک بزرگ نے اپنے مکان میں بلّی پالی تھی اور قصاب کی دکان اُس کے مکان کے بازو میں تھی۔ وہ بزرگ ہر روز اس قصاب سے اپنی بلّی کے واسطے تھوڑا گوشت لیتا تھا۔

ایک روز اُس نے اُس قصاب کو کسی معصیت کا مرتکب ہوتا ہُوا دیکھ لیا تو پہلے اپنے گھر میں آکر بلّی کو اپنے مکان سے نکال دیا۔ پھر قصاب کو معصیت سے منع کیا اور سخت و سست کہا۔

قصاب نے جواب دیا کہ :

"اب تیری بلّی کو گوشت نہیں دیا جائے گا۔"

اس نے کہا کہ :

"جب مَیں نے اپنی بلّی کو گھر سے باہر نکال دیا اور طمع کو منقطع کر چکا۔

اُس وقت تیری نصیحت کے لیے آیا ہوں۔"

حضرت رسولؐ سے مروی ہے کہ :

صاحبِ امر معروف کو حلال و حرام کا علم رکھنا چاہیئے۔ اور جو اُس کے نفس کے متعلق ہو اور جس کی امر و نہی کرتا ہو اس کا مرتکب نہ ہوتا ہو۔ وہ ہر ایک خلق اللہ پر مہربان و خیر خواہ ہو اُن کے ساتھ خوش کلامی سے پیش آئے اور ہر ایک کے رتبہ و اخلاق سے واقف ہو تاکہ ہر کسی سے اس کی شان کے مطابق رفتار کی جا سکے۔ نفسِ امّارہ اور شیطان کے مکروں کا دانا و بینا ہو۔ آدمیوں سے جو اذیت اُس کو پہنچے۔ اُس پر صابر ہو اور اس کے عوض کا درپے نہ ہو اور ان سے شکایت نہ کرے۔ اپنی قرابت داری کی حمیّت کا خیال نہ رکھے اور اپنے نفس کے لیے غصّہ میں نہ آئے اپنی نیّت کو خدا کے لیے پاک و صاف کرکے اس سے امداد کا مستدعی ہو۔ اگر آدمی اُس سے نافرمانی کریں اور اُس پر ظلم کریں تو صبر کرے اگر اس کی فرمانبرداری کریں اور اس کی بات کو قبول کریں تو ان کی شکرگزاری کرے اور اپنے کاموں کو خدا پر نہ چھوڑ دے اور

اپنے عیوب کا بینا ہو۔

واضح ہو کہ جو کچھ آداب و شرائط بیان کیے گئے یہ اس کے متعلق ہیں۔ جو امر معروف و نہی منکر کرتا ہے۔

لیکن جس شخص کی نسبت امر و نہی کی جاتی ہے اس کی بھی شرط غالب یہ ہے کہ وُہ عاقل و بالغ ہو۔

ہاں بعض منکرات میں اس کی شرط نہیں جب کسی طفل یا دیوانہ کو دیکھا جائے کہ شراب پیتا ہے تو اُس پر واجب ہے کہ شراب کو پھینک دے اور اس کو منع کرے۔

ایسا ہی اگر کوئی دیوانہ کسی دیوانے کے ساتھ لواطہ یا زنا یا کسی جانور سے جماع کرتا ہُوا دیکھا جائے تو اُس کو منع کرنا چاہیئے۔

فصل (۲)

امرِ معروف اور نہیِ منکر کے مراتب

واضح ہو کہ امر معروف و نہی منکر کے چند مراتب حسب ذیل ہیں :-

پہلا :

دل سے انکار کرنا اس طریقہ پر کہ دل میں منکر کو فاعل معصیت جانے اور اسی وجہ سے اس کو دشمن رکھے۔

یہ مرتبہ اُن چار شرائط سے مشروط نہیں بلکہ انھیں شرائط کے منجملہ دو شرطوں سے مشروط ہے :-

۱ : یہ کہ اس معصیت مرتکبہ کا علم رکھتا ہو۔

۲ : یہ کہ وہ مرتکب منکر نادم و پشیمان نہ ہو۔

دُوسرا :

یہ کہ اُس کو حسبِ ارشاد و ہدایت معصیت جانتا ہو کیونکہ اکثر اشخاص

جہل ونادانی کے باعث مرتکب معاصی ہوتے ہیں۔

تیسرا :

اُس شخص عاصی سے نفرت وکراہت رکھنا۔ علیحدگی ودُوری کرنا اور اس سے میل وملاپ اور ترک محبت کردینا۔

چوتھا :

بذریعہ پند ونصیحت کے زبان سے منع کرنا اور اس سے انکار کرنا اور جب یہ مفید نہ ہو تو ذریعۂ تہدید خوف دلانا۔

اگر یہ بھی اثر نہ کرے تو سختی کے ساتھ کہنا، اور دشنام دینا۔ اسس طریقہ سے کہ :

- اے نادان !
- جاہل !
- احمق !
- اے فاسق ! وغیرہ

پانچواں :

اس کو بذریعۂ قہر وتسلط معصیت سے باز رکھنا۔

مثلاً :

- سامان لہو ولعب توڑ ڈالنا۔
- شراب پھینک دینا۔

۵۔ اور مالِ غصبی کو لے کر اس کے مالک کے حوالہ کر دینا وغیرہ۔

چھٹا :

ہاتھ اور پاؤں سے بغیر جراحت یا قتل مارنا۔

ساتواں :

تلوار یا کسی ہتھیار سے مارنا اور زخمی کرنا۔
اس مرتبہ کے لیے اکثر علمائے سابق نے امامِ وقت کی اجازت بتلائی ہے اور حاکمِ وقت کا بغیر اجازت امام کے جہاد کرنا جائز نہیں جانتے لیکن سیّد مرتضیٰ اس جماعت کے لیے جو متمکن ہو اور موجب فساد نہ ہو جائز جانتے ہیں اور امام کی اجازت مخصوص نہیں ہے۔

فصل (۳)

محرمات و مکروہات

اعمالِ ناشائستہ بطورِ اجمال

واضح ہو کہ منکرات یعنی اعمالِ ناشائستہ جو حرام و مکروہ پر شامل ہیں، بہت ہیں اور جو فی زمانہ ظاہر و مروج ہیں وہ بے حد و بے حساب ہیں۔ جن کی صراحت ممکن نہیں اور بطور اجمال بھی بہت ہیں۔ جن کے منجملہ وہ تمام اعمال جو مسجدوں میں واقع ہوتے ہیں اور واجبات نماز میں خلل انداز بعض وہ افعال جن سے رکوع و سجود میں اطمینان قلب نہیں ہوتا۔

- وقتِ نماز میں تاخیر کرنا۔
- مسجد میں نجاست ڈالنا۔
- دنیا کی باتیں اور خرید و فروخت۔
- دیوانوں اور بچوں کا بازی کرنا۔
- قرآن راگ سے یا غلط پڑھنا۔
- مرد نامحرم کا عورت پر اور غیر عورت کا مرد نامحرم

پر نظر ڈالنا۔

- حالتِ جنب وحیض میں داخل ہونا۔
- راگ سے اذان دینا۔
- راگ سے نوحہ پڑھنا اور گانا۔
- وعظ اور مجلس تعزیت میں غلط حدیث بیان کرنا۔
- نا اہل کا فتویٰ دینا۔
- ریا وقصد خود نمائی وغیرہ۔

افعالِ ناشائستہ مذکور الصدر جن میں بعض حرام بعض مکروہ ہیں۔اگر کسی نے ان کے حرام ہونے کی اطلاع پائی تو اس پر امتناع واجب ہوگیا۔ اور جس نے اُس کے مکروہ ہونے کی واقفیت حاصل کی۔اس کو نہی کرنا مستحب۔ نیز اعمال ناشائستہ جو بازار میں واقع ہوتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

مثلاً:

- معاملات میں جھوٹ بولنا۔
- بکم تولنا۔
- نیز معاملات فاسد اور اپنے برادر مومن کے خرید وفروخت میں حارج ہونا۔
- سود کھانا وغیرہ۔

وہ اسی طرح افعال قبیح ہیں جو گلیوں اور شاہراہ عام پر واقع ہوتے ہیں۔

مثلاً:

- راستے میں ستون ڈالنا اور دکان قائم کرنا یا ملک غیر کے متصل کھودنا جس سے آمدورفت کا راستہ تنگ ہو جائے۔

- لکڑیوں اور چوپایوں کا باندھنا۔
- لکڑیوں کا گٹھا۔
- کچرا۔
- نجاست۔ اس طریقہ سے لے جانا کہ دوسروں کو اذیت پہنچتی ہو۔ اور آمدورفت کا کوئی دوسرا راستہ نہ ہو۔
- چوپایوں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادنا۔
- جانوروں کا راستہ میں ذبح کرنا اور ان کا خون، گوبر، مٹی، کوڑا وغیرہ ڈالنا۔
- اس قدر پانی کا چھڑکاؤ کرنا کہ راستہ چلنے والوں کا پاؤں پھسلے۔
- کوچۂ تنگ میں پرنالہ لگانا۔
- کاٹنے والے کتے کو سرِراہ باندھنا وغیرہ۔

جو معصیتیں حمام و سرا و مجلس اور مدرسے وغیرہ میں پائی جاتی ہیں وہ یہ ہیں۔

مثلاً:

- غیبت
- اسراف
- ریا
- خود نمائی
- جھوٹ اور فضول باتیں وغیرہ

ان تمام منکرات سے جس کو اطلاع ہو۔ اس کو چاہیئے کہ اس کو

منع و دفع کرے۔

بیانِ مندرجہ بالا میں گناہانِ صغیرہ کی صراحت کی گئی ہے۔

لیکن گناہانِ کبیرہ **مثلاً** :

- دین میں بدعت۔
- مسلمانوں پر ظلم کرنا۔
- **قتل۔**
- زنا۔
- لواطہ کا مرتکب ہونا۔
- شراب پینا۔
- ساز بجانا۔ گانا۔
- نامحرموں پر نظر ڈالنا۔
- مالِ حرام کھانا۔
- مقامِ غصبی میں نماز پڑھنا۔
- آبِ حرام سے غسل یا وضو کرنا۔
- مالِ وقف کا تصرف و غصب اور بذریعۂ ظلم کوئی معاملہ کرنا۔
- دین اور مسائلِ عبادت سے جاہل و نادان ہونا وغیرہ۔

یہ بے حد و بے شمار ہیں جن کا حصر خصوصاً اس زمانے میں ممکن نہیں۔ اگر کسی مومن دیندار کو معلوم ہو تو دفع کرنے کی کوشش کرے اور اس کو اپنے مکان میں آرام سے بیٹھنا اور آدمیوں سے کنارہ کشی اختیار کرنا جائز نہیں بلکہ اس پر واجب ہے کہ دینِ خدا کی اعانت پر کمر باندھے، بلکہ

ہر ایک مسلمان کو سزاوار ہے کہ پہلے اپنے سے ابتداء اور اپنی اصلاح اور درستی کرے۔ طاعت کی عادت اور محرمات کو ترک کرے۔ بعد اس کے اپنے اہل، اولاد، اقارب، خویش کی طرف متوجہ ہو۔ ان کو ہر ایک گناہ کی اطلاع دے اور اعمال ناشائستہ سے باز رکھے۔ جب ان سے فارغ ہو تو اپنے ہمسایوں اور اہلِ محلہ کی طرف متوجہ ہو اور اس کے بعد اہلِ شہر کی جانب۔ ایسا ہی ہر ایک مقام پر جہاں تک کہ اس کو دسترس حاصل ہو سکے۔ چنانچہ کوئی شخص باوجود قدرت کے منجملہ اشخاص مذکور کے کسی سے بھی غفلت و بے پروائی کرے تو اس کو پروردگار کے اس مواخذہ پر جو قیامت میں ہوگا۔ مستعد و آمادہ رہنا چاہیئے۔

چھٹی صِفت

برادرانِ دینی سے کنارہ کشی کی مذمّت اور اُن کے ساتھ محبّت اور مُلاقات رکھنے کی شرافت

واضح ہو کہ برادر مومن سے دُوری اور کنارہ کشی اور اُس پر غیظ و غضب کرنا یہ نتیجۂ عداوت و کینہ و بخل و حسد ہے اور یہ افعالِ ذمیمہ سے ہیں۔

حضرت رسولِ صلعم نے فرمایا کہ:

"جب ایک مسلمان دوسرے پر قہر و غضب اور آپس میں دُوری اختیار کرے یہاں تک کہ تین روز گزر جائیں اور انھوں نے مصالحت نہ کی، تو وُہ دائرۂ اسلام سے باہر ہیں جو شخص صلح اور بات کرنے میں سبقت کرے تو وہ بروزِ قیامت اس سے پہلے داخلِ بہشت ہوگا۔

نیز آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ:

"کسی مسلمان کو تین روز سے زیادہ قہر و دُوری اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔"

حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ :

"کوئی شخص از روئے قہر ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتا۔ مگر یہ کہ اُن میں سے کوئی ایک مستوجب لعنت ہوتا ہے اور اکثر دونوں مستحق لعنت ہوتے ہیں۔"

ایک شخص نے عرض کیا کہ :

"جو مظلوم ہو وہ کیونکر مستوجب لعنت ہو سکتا ہے ؟"

فرمایا کہ :

اس وجہ سے کہ وہ اپنے بھائی سے کس لیے صلح کرنے میں سبقت نہیں کرتا۔

مَیں نے اپنے والد بزرگوار سے سُنا کہ فرماتے تھے کہ جس وقت دو آدمی آپس میں نزاع کریں۔ ان میں سے ایک دوسرے پر غیظ و غضب کرے تو مظلوم کو چاہیئے کہ دوسرے کے نزدیک آکر اس طرح معذرت کرے کہ :

"اے بھائی !

مَیں خطاوار ہوں اور مَیں نے ظلم کیا ہے۔"

تاکہ جھگڑا برطرف ہو۔

بہ تحقیق کہ خدا حاکمِ عادل ہے اور ظالم سے مظلوم کا عوض لیتا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ :

"خدا اُس پر رحمت نازل کرتا ہے جو ہمارے دوستوں کے درمیان محبت ڈالتا ہے۔ اے مومنین !

کوشش کرو اور ایک دوسرے سے بہ مہربانی پیش آؤ۔

اس مضمون میں بہت سے اخبار آئے ہیں۔

پس ہر طالب آخرت پر لازم ہے کہ :

تامل کرے اور اپنے برادروں کی دوستی و اُلفت رکھنے کے ثواب کو ملاحظہ کرے اور اپنے کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھے۔ ایک دوسرے کے فضول مطالب اور گرد کدورت و رنجش کے باعث زندہ در گور نہ ہوں۔ اگر کوئی نزاع آپ میں اور دوسرے میں واقع ہو تو ابتداءً صلح میں کوشش کیجئے تاکہ شیطان و نفس امارہ پر آپ غالب ہوں۔ درجاتِ بلند اور ثوابِ آخرت حاصل ہو۔

چونکہ ہر شخص کا دشمن شیطانِ لعین ہے اور نفسِ امارہ بدخواہ اور ہم نشین۔ جب وہ کدورت و رنجش کا موقع پاتا ہے تو مکر و حیلہ کے ذریعہ سے برادرانِ دینی میں دشمنی ڈالتا ہے۔

فصل (۱)

برادرانِ دینی کے ساتھ محبت رکھنا

حسب بیان مذکورالصدر دُوری کی ضد برادرانِ دینی سے میل ملاپ اور محبت رکھنا ہے۔ یہ اوصافِ جمیلہ و اعمالِ فاضلہ سے ہے اور اس کا ثواب بے حد ہے اور اس کا فائدہ بے نہایت۔

حضرت رسالتؐ پناہ نے فرمایا کہ:

جبرائیل علیہ السلام نے مجھ کو خبر دی کہ خدائے عز و جل نے زمین پر ایک فرشتہ بھیجا اور وہ اس مکان کے دروازے پر پہنچا جس پر ایک مرد کھڑا ہوا اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کرتا تھا۔

اُس فرشتے نے کہا کہ:

مالک مکان سے کیا کام ہے؟

اُس نے جواب دیا کہ:

وہ میرا مسلمان بھائی ہے اور خدا کے لیے اس کو دیکھنے آیا ہوں۔

فرشتے نے کہا کہ :

تجھ کو اس کے سوا اور کوئی کام نہیں ہے ؟

اس نے کہا :

نہیں۔

بعد اس فرشتے نے کہا کہ :

خدا نے مجھ کو تیری طرف بھیجا ہے اور بعد سلام کہتا ہے کہ بہشت تیرے لیے واجب ہوا۔

نیز کہا کہ :

خدائے عز و جل کہتا ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان کی زیارت کرے تو اس نے اس کی زیارت نہ کی بلکہ میری زیارت کی اور اس کا ثواب بہشت ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ :

جب کوئی مومن اپنے برادر مومن کو دیکھنے کی غرض سے باہر نکلے، تو خدائے عز و جل ایک فرشتے کو اس پر موکل کرتا ہے کہ اس کے قدم کے نیچے اپنے پروں کو بچھائے اور کچھ اس پر سایہ کرے۔ جب وہ اپنے برادر مومن کے مکان میں داخل ہو تو خدا تعالٰے ندا فرماتا ہے کہ :

اے میرے حق کی تعظیم کرنے والے اور میرے پیغمبرؐ کی پیروی کرنے والے بندے مجھ پر لازم ہے کہ میں تیری تعظیم کروں۔ جو مجھ سے سوال کرے عطا کروں۔ جو دعا کرے قبول کروں اور بغیر طلب تیری حاجت کو بر لاؤں۔

جب وہ واپس ہوتا ہے تو وہ فرشتہ اس کی مشایعت کرتا ہے اور ویسا ہی اپنے پروں کو اس پر سایہ کرتا ہے۔ جب تک کہ وہ اپنے مکان کو واپس ہو۔

بعد اس کے خدا تعالے ندا فرماتا ہے کہ :

"تحقیق کہ میں نے تیرے لیے بہشت کو واجب کیا اور تجھ کو اپنے بندوں کی شفاعت کی اجازت دی۔

نیز مروی ہے کہ :

جو مومن اپنے برادر مومن کی زیارت کے لیے گھر سے باہر آتا ہے تو خدا تعالے اس کے ہر قدم پر ایک حسنہ لکھتا ہے اور ایک گناہ محو اور ایک درجہ بلند کرتا ہے۔ جب اذنِ دخول کے لیے دستک دیتا ہے تو اس کے لیے دروازے آسمان کے کھولے جاتے ہیں اور جب وہ آپس میں ملاقات اور مصافحہ کرتے ہیں تو خدا تعالے اُن پر ملائکہ کے سامنے مباہات کرتا ہے۔

اور فرماتا ہے کہ :

ان دو بندوں پر نظر کرو جو ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں۔ اور انھوں نے میری خوشنودی کے لیے باہم دوستی اختیار کی ہے۔ مجھ پر لازم ہے ان پر عذاب نہ کروں۔

جب وہ واپس ہوتے ہیں تو ان کے نفوس اور قدم اور باتوں کے مطابق ملائکہ کو مشائعت کا حکم ہوتا ہے اور ان کی سختی دنیا اور عذابِ آخرت سے ایک سال تک محافظت کی جاتی ہے۔ اگر اُس سال میں وہ مر جائے۔ تو روزِ قیامت کے حساب سے معاف کیے جاتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ :

جو مومن اپنے برادر مومن کے دیکھنے کو جائے تو خدا تعالے فرماتا ہے کہ :

تُو نے مجھ کو دیکھا اور اس کا ثواب مجھ پر یہ ہے کہ بہشت عطا کروں۔

اور فرمایا کہ :

برادر مومن کی ملاقات جو صرف خدا کے لیے ہو دس بندۂ مومن کے آزاد کرنے سے بہتر ہے۔ جو شخص ایک بندۂ مومن کو جس عضو کے ذریعہ سے آزاد کرتا ہے وہی عضو آتشِ جہنم سے محفوظ رہتا ہے۔

برادر مومن کی ملاقات کی تاکید میں ایک راز یہ ہے کہ ان کی آپس کی ملاقات میں رفع ناخوشی و عداوت ہوتی ہے اور حصولِ الفت و محبت اور یہ اعظم اسباب اصلاحِ دنیا و آخرت ہے۔ جب دو شخصوں میں کدورت واقع ہو تو شیطان کو موقع ملتا ہے اور وہ خوش ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ مقامِ امتناع میں مومنین کے لیے فرماتا ہے :

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ۔

یعنی : ”جو کچھ کہ روئے زمین میں ہے، اگر اس کو خرچ کرکے ان کے دلوں میں الفت ڈالنے کا قصد کیا جائے تو ممکن نہیں لیکن خود خدا اُن میں الفت ڈالتا ہے۔“

اسی وجہ سے ایک دوسرے پر سلام کرنے اور مصافحہ اور معانقہ کرنے کا حکم ہوا۔

حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ :

”خدا تعالےٰ اور پیغمبر صلعم کے نزدیک بہتر وہ شخص ہے جو سلام کی ابتدا کرے۔“

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ :

ایک دوسرے سے مصافحہ کرو۔ کیوں کہ مصافحہ کینہ کو دُور کرتا ہے۔

اور فرمایا کہ :

مومن کے ساتھ مصافحہ کرنا افضل ہے اس مصافحہ سے جو ملائکہ کے ساتھ کیا جائے۔

نیز مروی ہے کہ :

جب دو مومن ایک دوسرے سے ملاقات اور مصافحہ کرتے ہیں تو خدا تعالٰے اپنے ہاتھ کو اُن کے ہاتھوں میں داخل کرتا ہے۔ جو شخص اپنے برادر مومن سے زیادہ محبت رکھتا ہے وہ مصافحہ کرتا ہے۔

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ :

جب تم لوگ اپنے برادر مومن سے ملاقات کرو تو سلام و مصافحہ کرو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ :

جب دو مومن ایک دوسرے کے ساتھ معانقہ کرتے ہیں۔ یعنی ایک دوسرے کی گردن میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو رحمتِ الٰہی ان کو گھیر لیتی ہے۔ اور اس معانقہ و ہم آغوشی سے خوشنودیٔ الٰہی کے سوا اور کوئی غرض دنیوی منظور نہ ہو تو ربّ العزّت کی طرف سے ان کو خطاب ہوتا ہے کہ :

"تمھارے گناہ بخشے گئے۔"

اسی وجہ سے مہمانی ، عیادتِ مریض ، تشییع جنازہ اور اہلِ مصیبت کی تعزیت وغیرہ کا حکم ہے اور ان اخبار سے پایا جاتا ہے کہ بندوں کی

الفت اور دوستی کے لیے حضرت باری کا اہتمام کس قدر ہے۔ اور اس صفت کی حفاظت کے لیے کیا کیا نیکیاں قرار دی ہیں۔ کیا کیا قاعدے وضع فرمائے ہیں۔ اس زمانے میں اکثر وہ سنتیں متروک و فراموش ہو گئیں اور طریقۂ جاہلیت لوگوں میں رواج پایا ہے۔

آثارِ نبوت سے بجز رسم اور طریقۂ شریعت سے بجز اسم کچھ باقی نہیں رہا اور بعض شیطانی صفت والے اغراض فاسدۂ دوروزہ دنیویہ کے سبب سے آمدورفت رکھتے ہیں۔ بندگانِ خدا کے درمیان نفاق و عداوت ڈالتے ہیں۔ جو کچھ کہ پروردگار نے اہتمام کیا ہے اس کو ترک کرتے ہیں ایک دوسرے کو دیکھنے نہیں جاتے مگر از روئے ریا و نفاق اور بر بنا خود غرضی و فساد۔ اور ایک دوسرے کی مزاج پرسی نہیں کرتے۔ مگر از راہِ فساد و نیتِ باطل اور سلام کو پستی کی علامت قرار دیتے ہیں ہر ایک سے امید سلام رکھتے ہیں اور مصافحہ کو احمقوں کا شیوہ جانتے ہیں۔

ساتویں صفت

مذمّتِ قطعِ رحم

اور صلۂ ارحام کا وجوب اور اُس کا فائدہ

واضح ہو کہ قطعِ رحم کا سبب عداوت یا بُخل و خسّت ہے۔ یہ صفت بالاتفاق علمار محرّمات عظیمہ اور گناہانِ شدیدہ سے ہے۔ یہ موجب عذاب آخرت و بلائے دنیا ہے۔

اخبار سے پایا جاتا ہے اور تجربہ سے ثابت ہے کہ قطعِ رحم فقر اور پریشانی اور کوتاہی عمر کا باعث ہے۔

اسی سبب سے ہر خاندان میں نفاق و عداوت پھیلی ہوئی ہے، اور اسی لیے تمام فقر و فاقہ میں مبتلا ہیں۔ تھوڑے زمانے میں ان کا سلسلہ ایک دوسرے سے منقطع ہو جائے گا اور ان کی زندگی تمام۔

قطع رحم کی مذمت میں اسی قدر کافی ہے کہ رحم کے قطع کرنے والے پر خداوند عالم نے قرآن مجید میں لعنت کی ہے۔

اور فرماتا ہے :

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ

بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ

بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ

اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ

یعنی : " جو لوگ عہدِ خدا کو بعد پیوند کرنے کے توڑتے ہیں اور خدا نے جس سے وصل کرنے کا حکم دیا ہے اس کو قطع کرتے ہیں اور جو لوگ زمین پر فساد کرتے ہیں۔ان کے لیے لعنت ہے اور آخرت کی بدی۔"

حضرت پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ :

" دشمن ترین اعمال خدا سے پہلا شرک دوسرا قطع رحم ہے۔"

اور فرمایا کہ :

" اپنے رحم کو قطع نہ کرو۔ حالانکہ وہ قطع کرے۔"

خدا نے فرمایا کہ :

" مَیں خداوند رحمٰن ہوں اور یہ رحم ہے اس کا نام میرے نام سے مشتق ہے جو شخص اس کے صلہ کو بجالاتا ہے میں بھی اس کے صلہ کو بجا لاتا ہوں۔ جو شخص اس کو قطع کرتا ہے مَیں بھی اس کو قطع کرتا ہوں۔"

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے خطبہ میں فرمایا کہ :

" خدا سے اس گناہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ جو اپنے صاحب کو نیست و نابود کرنے میں تعجیل کرتا ہے۔"

اس وقت عبداللہ ابن کوا نے عرض کیا کہ :

" وہ کونسا گناہ ہے؟"

فرمایا کہ :

وہ قطع رحم ہے۔ بہ تحقیق کہ جب تمام خاندان ایک جگہ جمع ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتے ہوں۔ گو یہ اہلِ فسق و فجور ہوں۔ لیکن خدا ان کی روزی کو وسیع کرتا ہے۔ جس اہلِ خاندان نے ایک دوسرے سے دُوری اختیار کی ہو اور قطع رحم کے مرتکب ہوں تو خدا ان کو محروم کرتا ہے۔ حالانکہ وہ اہلِ تقویٰ و پرہیزگار ہوں۔

کتاب امیرالمومنین علیہ السلام میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ :

اِن تین خصلتوں میں سے کوئی ایک خصلت رکھنے والا آدمی نہیں مرتا جب تک کہ اس کا وبال اس پر عائد نہ ہو۔

۱ : سرکشی کرنے والا۔

۲ : قطع رحم کرنے والا۔

۳ : جھوٹی قسم کھانے والا۔

اور کسی طاعت کا ثواب بہ نسبت ثواب صلۂ رحم کے اس کے صاحب کو فوراً نہیں پہنچتا۔

بہ تحقیق کہ جو طائفہ اہلِ معصیت ہو اور ایک دوسرے کے ساتھ

نیکی کرتا ہو تو ان کا مال زیادہ ہوتا ہے ۔ جھوٹی قسم آباد گھروں کو ویران کرتی ہے ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ :

قطع رحم کرنے والوں سے پرہیز کرو ۔

حضرت امیر مومناں نے اپنے ماتحت حکام شہر کو تحریر فرمایا کہ :

قرابت داروں کو حکم دو کہ ایک دوسرے کے دیکھنے کے واسطے جائیں لیکن آپس میں ہمسائگی نہ کریں ۔ کیونکہ ہمسایہ حسد و بغض و قطع رحم کا باعث ہوتا ہے اور یہ امر مشاہدہ کیا گیا ہے کہ جب قرابت دار ایک دوسرے سے دُور ہوتے ہیں تو ان کی دوستی ایک دوسرے سے زیادہ ہوتی ہے اور ان کا شوق افزوں ۔

واضح ہو کہ قطع رحم کی ضد صلۂ رحم ہے جو باتفاق تمام علماء واجب اور افضلِ طاعات ہے ۔

خدا تعالےٰ جلّ شانہٗ فرماتا ہے :

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِى الْقُرْبٰى ۔

خلاصہ معنی یہ کہ :

" خدا کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک قرار نہ دو ۔ اپنے والدین اور قرابت داروں سے احسان اور نیکی کے ساتھ پیش آؤ "

اور فرماتا ہے :

وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ۔

" اور اللہ سے ڈرو یعنی تقویٰ کو اختیار کرو۔ کیوں کہ اس کے متعلق اور قرابت داروں کے حقوق کی نسبت سوال کیا جائے گا۔"

جنابِ رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ :

میں حاضرین و غائبین امّت کو وصیّت کرتا ہوں کہ صلۂ رحم بجا لائیں اگرچہ کہ وہ ایک سال کی راہ پر رہتے ہوں۔ بہ تحقیق کہ یہ جزو دین ہے۔

اور فرمایا کہ :

جو شخص اپنے کو خوش اور اپنی اجل میں تاخیر اور اپنی روزی کی زیادتی چاہتا ہو تو اس کو صلۂ رحم بجا لانا چاہیئے۔

نیز فرمایا کہ :

بعض قوم بہتر نہیں ہوتی بلکہ وہ اہلِ معصیت ہوتے ہیں لیکن صلۂ رحم بجا لانے کی وجہ سے اُن کے اموال میں زیادتی اور ان کی عمر طویل ہوتی ہے اور اگر وہ اہلِ معصیت نہ ہوں تو کس قدر بہتر و خوب ہوں گے۔

دوسری حدیث میں فرمایا کہ :

جو اہلِ خاندان فاسق و فاجر ہوں۔ مگر صلۂ رحم کے سبب سے ان کا مال زیادہ ہوتا ہے اور ان کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔

اور فرمایا کہ :

- صدقے کا ثواب دس حصے۔
- قرض کا ثواب پندرہ حصے۔
- برادر دینی کے ساتھ احسان کرنے کا ثواب ۲۰ حصے۔
- قرابت داروں سے احسان کرنے کا ثواب چوبیس حصے ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ :

صلۂ رحم خُلق کو نیک کرتا ہے۔ ہاتھ کو کشادہ اور روزی کو وسعت دیتا ہے اور اجل کو تاخیر۔

دوسری حدیث میں اُس سرورؑ سے منقول ہے کہ :

صلۂ رحم اعمال کو پاکیزہ کرتا ہے اور اموال کو زیادہ، بلاؤں کو دفع اور اجل کو تاخیر میں ڈالتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ :

صلۂ رحم حساب روزِ قیامت کو آسان کرتا ہے اور عمر کو طویل اور آدمیوں کی برائیوں سے محافظت کرتا ہے۔

اور فرمایا کہ :

صلۂ رحم اور ہمسایوں کے ساتھ نیکی کرنا گھروں کو آباد اور عمر کو زیادہ کرتا ہے۔

نیز ان حضرتؑ سے مروی ہے کہ :

کوئی عمل عمر کو زیادہ نہیں کرتا۔ مگر صلۂ رحم۔ یہاں تک کہ اگر کسی کی عمر میں تین سال باقی رہ گئے ہوں اور وہ صلۂ رحم بجا لائے تو خدا اس کی عمر میں تیس سال اضافہ کرتا ہے۔ اگر کسی کی عمر ۳۳ سال باقی رہی ہو

اور قطع رحم کرے تو خدا اس کی عمر سے تیس سال کم کر دیتا ہے اور تین سال باقی رہ جاتے ہیں۔

اس مضمون میں بہت سے اخبار آئے ہیں۔ جو کچھ اخبار سے پایا جاتا ہے وہی تجربہ اور معائنہ سے ثابت ہے کہ صلۂ رحم زیادتی عمر و وسعتِ رزق اور جمعیت احوال کا باعث ہوتا ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ :

صلۂ رحم سے کسی عملِ نیک کا ثواب آخرت و فوائد دنیویہ زیادہ نہیں ہے اور بہ نسبت اس کے کسی طاعت کا اثر فوراً ظہور پذیر نہیں ہوتا۔

فائدہ

جب آپ نے وجوب صلۂ رحم اور اس کا فائدہ اور ضرر قطع رحم کا بھی علم حاصل کیا تو اب معلوم کیجئے کہ رحم سے مراد کہ جس کا صلہ واجب اور جس کا قطع کرنا حرام ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہر ایک خویش نسبی ہے جو قرابت رکھتا ہو اگرچہ وہ نسبت بہت دُور کی ہو اور کوئی محرمیت ان میں نہ ہو۔

خلاصہ یہ کہ :

کوئی نسبت دوسرے سے دُور کی ہی کیوں نہ ہو مگر وہ اس کے ارحام سے ہے۔ اس کا صلہ واجب۔

قطع رحم جو حرام کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ :

اس کو کوئی ایذا ذریعہ قول و فعل نہ پہنچائی جائے اور نہ اس کے ساتھ کوئی طریقہ ناشائستہ اختیار کیا جائے۔ یا کوئی بات رنج دینے والی نہ کہی جائے

کہ وہ آزردہ ہو۔ یا اُس کو سکونت یا لباس یا خوراک وغیرہ کی کوئی احتیاج ہو اور آپ اس کے پُوری کرنے کی قدرت رکھتے ہوں اور اپنی ضرورت سے زائد بھی ہو تو اُس سے مضائقہ نہ کیجئے یا اُس کے ساتھ کوئی ظالم ظلم کرے۔ آپ اس کو دُور کر سکتے ہوں لیکن اس میں کوتاہی کی جائے یا کینہ و حسد کے باعث جس سے کنارہ کشی و دُوری۔ اور بغیر عذرِ معقول اس کی عیادت نہ کریں۔ جب وہ سفر سے واپس ہو اس کے دیکھنے کو نہ جائیں اور جب اس پر کوئی مصیبت پڑے اس کی تعزیت نہ کی جائے۔ یا اسی طرح کی اور صورتیں قطع رحم میں داخل ہیں۔ ان کی ضد صلۂ رحم ہے کہ کوئی بات سخت اور فعل بد اس کے ساتھ نہ کیا جائے۔ اس کے ساتھ مال و زبان و آبرو سے اعانت کی جائے اس کے پاس آمد و رفت رکھیں۔ اس کے احوال کی پرسش کریں۔

آٹھویں صفت

مذمّتِ عقوقِ والدین

اور اُن کے ساتھ اِحسان

کرنے کی فضیلت و آداب

واضح ہو کہ عقوقِ والدین از قسم قطعِ رحم اور گناہِ کبیرہ ہے ۔ جو کوئی بے چارہ باپ یا ماں کا عاق کیا گیا ہو وہ نہ دُنیا میں کوئی نیکی دیکھتا ہے اور نہ آخرت میں ، اور نہ اپنی عمر سے کوئی فائدہ اٹھاتا ہے اور نہ عزت سے ، نہ ایک لقمہ کھانے کا خوشی کے ساتھ اس کے گلے سے اُترتا ہے ، اور نہ پانی کا ایک گھونٹ ۔

تمام آیات و اخبار جو خصوص مذمت میں قطع رحم کے وارد ہوئے ہیں وہ اِس کی مذمت پر بھی دلالت کرتے ہیں اور آیات و اخبار خصوص اس کی مذمت میں آئے ہیں۔

اور حق سبحانہٗ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا۔

خلاصہ معنی یہ کہ :

" تیرے پروردگار نے حکم فرمایا کہ سوائے میرے کسی کی پرستش و بندگی نہ کرو۔ باپ اور ماں کے ساتھ احسان و نیکی کرو۔ جب کہ ان میں سے ایک یا دونوں بوڑھے ہو گئے ہوں تو اون کے رُو برُو اُف نہ کرو۔ جب کسی چیز کی خواہش کریں تو ان کو پورا کرو اور ان کے ساتھ گفتگوئے نیک کے ساتھ پیش آؤ۔"

حضرت پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ :-

باپ اور ماں کے عقوق سے نہایت پرہیز کرو۔ کیونکہ ہزار سال کی راہ سے بُوئے بہشت سونگھی جاتی ہے۔ باوجود اس کے جو عاق کیا گیا ہو اور جو قطع رحم کا مرتکب ہو اور وہ بوڑھا جو زناکار ہو اور وہ شخص جو تکبر سے اپنے جامے کو زمین پر گھسیٹے وہ بُوئے بہشت نہیں سونگھے گا۔

فرمایا کہ:

جو شخص بصورتِ خفگی پدر و مادر رات بسر کر دے۔ جب صبح کو اٹھے تو اُس کے لیے دو دروازے جہنم کے کھول دیے جاتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ:

جو شخص غصّہ سے ماں باپ پر نگاہ کرے جبکہ ماں باپ نے اس پر ظلم کیا ہو تو خدا تعالےٰ اس کی کوئی نماز قبول نہیں کرتا ہے۔

اور فرمایا کہ:

جب قیامت ہوگی تو بہشت کے پردوں میں سے ایک پردہ اٹھا دیا جائے گا۔ جس کی بُو پانچ سو سال کے راستہ تک جائے گی۔ مگر ایک جماعت کے سوا ہر شخص اس کی بُو سُونگھے گا۔

عرض کیا گیا کہ:

"وہ کون ہے؟"

فرمایا کہ:

"وہ عاقِ والدین۔"

اور فرمایا کہ:

ماں باپ کے رُوبرُو اگر اُف کرنے سے بھی کوئی بات کم درجہ کی ہوتی تو اُس سے بھی خداوند عالم امتناع فرماتا۔ عقوق کا ادنےٰ مرتبہ اُن کے سامنے اُف

کرنا ہے اور اُن پر تیز نظر ڈالنا بھی عقوق میں داخل ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے ایک شخص نے سوال کیا کہ:

"اگر کوئی شخص اپنے فرزندوں سے کسی فرزند کو یہ کہے کہ میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں تو یہ کوئی ثواب رکھتا ہے؟"

فرمایا کہ:

اس کے ماں باپ زندہ ہوں تو ایسا کہنا عقوق میں داخل ہے، اور اگر مر گئے ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

مذمت میں عقوقِ والدین کے بہت سے اخبار ہیں بلکہ باتفاق علماء یہ گناہ کبیرہ سمجھا جاتا ہے۔

بعض اخبار قدسی میں وارد ہے کہ:

خداوند عالم نے اپنی عزت و جلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ عاق والدین تمام پیغمبروں کی سی عبادت کرے تو مقبول نہیں اور جو چیز لوحِ محفوظ میں ابتداءً لکھی گئی یہ تھی کہ میں ایک خدا ہوں سوائے میرے کوئی خدا نہیں ہے۔ جس فرزند سے باپ اور ماں راضی ہوں میں بھی اُس سے راضی ہوں جس کے ماں اور باپ غضبناک ہوں، میں بھی اُس پر غضبناک۔

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ:

تمام مسلمان مجھ کو بروز قیامت دیکھیں گے۔ مگر عاق والدین، شراب خور، اور وہ شخص جو میرا نام سُنے اور صلوٰۃ نہ بھیجے۔ اسی قدر عاق والدین میں کافی ہے کہ پیغمبر خداؐ نے اُس پر نفرین کی۔

اور فرمایا کہ:

خدایا جو شخص باپ اور ماں یا ان میں سے کسی ایک کی ناراضی کو معلوم

کرے اور ان کو راضی نہ کرے تو وہ ہرگز نہ بخشا جائے۔

آں حضرتؐ کی نفرین پر جبرائیلؑ نے آمین کہی۔

خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو وحی فرمائی کہ جس نے اپنے والدین کے ساتھ نیکی کی اور میرے ساتھ عقوق کیا تو اس کو نیک لکھتا ہوں۔ اور جس نے میرے ساتھ نیکی کی اور وہ اپنے والدین کا عاق کیا ہوا ہو تو اس کو عاق کرتا ہوں۔

بہت سے اخبار میں وارد اور تجربہ سے ظاہر و ثابت ہے کہ جو شخص باپ اور ماں یا ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بدی کرے تو اس کی عمر کوتاہ اور اس کی زندگی تلخ بسر ہوتی ہے اور فقر و پریشانی اس کو گھیر لیتی ہے۔ اور حالت سکرات اس پر سختی سے گزرتی ہے اور جان کندنی دشوار۔ ایسا ہی اخبار و آثار سے اور تجربۂ روزگار سے پایا جاتا ہے کہ باپ کا فرزند پر نفرین کرنا مستجاب ہوتا ہے۔

لہٰذا اے صاحبو!

ہوشیار ہو جائیے۔ اپنی جان پر رحم کیجیے۔ باپ اور ماں کی تیغ عقوق سے پرہیز کیجیے۔ انھوں نے آپ کی پرورش میں جو تکلیف اور زحمت اٹھائی ہے اس کو یاد کیجیے اور غور کیجیے کہ آپ کے آرام کے لیے انھوں نے اپنے آرام کو حرام کر دیا۔ آپ کو سیر کرنے کے لیے اپنے پر گرسنگی کی تکلیف اٹھائی، سال ہا سال آپ کو آغوش مہربانی میں لیا۔ دودھ پلا کر پرورش کی۔ اپنی عمر آپ کی خوشنودی میں صرف کی۔ عجب بے مروتی اور بے انصافی ہے جب کہ آپ کو تھوڑی سی قوت حاصل ہوئی تو آپ نے اُن سب احسانات کو فراموش کر دیا۔

عقوقِ والدین سے مراد یہ ہے کہ :

ان کو غصّہ دلایا جائے اور آزردہ کریں اور جس طریقہ سے وہ آزردہ ہوں عقوق حاصل ہوتا ہے۔ اور آدمی مستحق عذابِ الٰہی اور بلائے غیر منتہائی۔ خواہ مارنے یا دشنام دینے یا ان کے ساتھ آواز بلند کرنے یا اُن پر تیز نظر ڈالنے یا اُن سے مُنہ پھیر لینے اور بے اعتنائی یا اُن امور میں نافرمانی کرنے سے جن میں طاعت لازم ہے جیسا کہ حوالۂ قلم کیا جائے گا۔

واضح ہو کہ نیکی والدین اور ان کے ساتھ احسان کرنا ضد عقوق ہے۔ اور یہ اشرف سعادت اور افضل قربت ، بہت سے آیات واخبار میں اس کی نسبت بے حد ترغیب آئی ہے۔

حضرت آفریدگار فرماتا ہے :

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا۔

خلاصۂ معنی یہ کہ :

"ان کے ساتھ انکساری اور فروتنی اور خاکساری کرو اور کہو اے پروردگار ! تو ماں باپ پر ایسا ہی رحم فرما جیسا کہ انھوں نے عالمِ طفولیت میں مجھ کو پرورش کیا۔"

پھر فرماتا ہے :

وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا۔

یعنی : " خدا کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو۔"

حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ :

" بہ نسبت نماز و روزہ اور حج و عمرہ اور جہاد کے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا افضل ہے۔"

مروی ہے کہ : سرورِ کائنات صلعم کی خدمت میں ایک مرد نے حاضر ہو کر عرض کی کہ :۔

" یا رسول اللہؐ! مجھ کو کوئی نصیحت فرمائیے۔"

فرمایا کہ :

" خدا کے ساتھ شرک نہ کر حالانکہ تجھ کو آگ میں جلائیں اور عذاب کریں۔ مگر دل کو اطمینان کے ساتھ مطمئن رکھ اور اپنے باپ ماں کی اطاعت اور ان کے ساتھ نیکی کر خواہ وہ زندہ ہوں یا مُردہ۔ اگر تجھ کو حکم دیں کہ اپنے اہل و مال کو چھوڑ دے تو ویسا ہی کر۔"

دوسرا شخص آں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے باپ اور ماں سے نیکی کرنے کی نسبت سوال کیا۔

حضرتؐ نے تین مرتبہ فرمایا کہ :

"ماں اور باپ سے نیکی کر۔"

ابتداءً ماں کا نام لیا اور بعد باپ کا۔ سرورِ عالم صلعم کی خدمت میں ایک جوان نے حاضر ہو کر عرض کی کہ:

"مَیں جوان ہوں۔ راہِ خدا میں جہاد کرنے کو بہتر جانتا ہوں۔ ماں سے کہتا ہوں لیکن وہ جہاد کو پسند نہیں کرتی۔"

فرمایا کہ:

"اپنی ماں کی خدمت میں واپس جا۔ بخدا ایک رات اپنی ماں کے نزدیک تیرا آرام کرنا ایک سال کے راہِ خدا میں جہاد کرنے سے بہتر ہے۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ:

"افضلِ اعمال وقت پر نماز پڑھنا اور والدین کے ساتھ نیکی کرنا اور راہِ خدا میں جہاد کرنا ہے۔

ایک مرد نے اُن حضرتؑ سے عرض کی کہ:

"میرا باپ بہت بوڑھا ہو گیا ہے اور اس پر ضعف غالب ہے۔ جب اس کو حاجت کی ضرورت ہوتی ہے تو مَیں اس کو اٹھا کر لے جاتا ہوں۔"

فرمایا کہ:

"ہاں ایسا ہی کر اور اپنے ہاتھ سے اس کے مُنہ میں نوالا دے کہ کل کے روز یہ خدمت تیرے کام آئے گی۔"

ایک شخص نے حضرتؑ سے عرض کی کہ:

"باپ اور ماں رکھتا ہوں لیکن وہ مذہبِ حق کے مخالف ہیں۔"

حضرتؑ نے فرمایا کہ:

"ان کے ساتھ اس طرح نیکی کر کہ مخالف ہونے کی صورت میں کی جاتی۔"

ایک شخص نے حضرت امام رضا علیہ السّلام کی خدمت میں عرض کی کہ :
" مَیں اپنے باپ اور ماں کے لیے دعا کروں ، حالانکہ مذہب حق نہیں رکھتے ہیں ۔"

فرمایا کہ :
" ان کے لیے دعا اور ان کی جانب سے تصدق کر ۔ اگر وہ زندہ ہوں تو لطف و کرم سے پیش آ ۔"

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ تین چیزیں ہیں کہ :
خداوند عالم جل شانہٗ نے کسی کے لیے اس کا ترک کرنا پسند نہیں فرمایا :۔

۱ : امانت کا واپس کرنا خواہ وہ نیک ہو یا بدکار ۔
۲ : عہد کا وفا کرنا خواہ وہ نیک سے کیا جائے یا بدکار سے ۔
۳ : والدین کے ساتھ نیکی کرنا خواہ وہ نیک ہوں یا بدکار ۔

حضرت صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ :
اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرو خواہ وہ زندہ ہوں یا مُردہ ۔ ان کی جانب سے نماز ادا کرو اور صدقہ دو ۔ ان کی طرف سے حج اور روزہ رکھو تاکہ ان تمام کا ثواب ان کو پہنچے ۔ جن کے باعث خدا تعالےٰ اس کے لیے بہت سی نیکیاں اضافہ کرتا ہے ۔

اس خصوص میں اخبار حد سے زیادہ متجاوز ہیں ۔ جس کے ذکر سے بیان عاجز ہے ۔

پس ہر مومن کو سزاوار ہے کہ نہایت اہتمام اکرام و احترام والدین کے لیے بجالائے ان کی خدمت کرنے میں کوئی کوتاہی و تقصیر نہ کرے ۔ ان کے ساتھ نیکی سے پیش آئے ۔ اگر ان کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو فوراً پہنچا دے ۔

طلب کرنے کا انتظار نہ کرے۔

ایسا ہی اخبار میں وارد ہوا ہے کہ اگر اس کے ساتھ سختی کریں تو ان کے رُوبرو اُف نہ کرے۔ اگر اُس کو ماریں تو اپنی بُری صورت نہ بنائے۔ بلکہ کہے کہ خدا تم کو بخش دے۔ نگاہِ تند سے ان کو نہ دیکھے۔ اپنی آواز اُن کی آواز پر اور اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر بلند نہ کرے۔ ان کے آگے راستہ نہ چلے۔ یہ تمام احادیث صحیح ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ بلکہ جہاں تک ممکن ان کی خدمت میں بیٹھے۔ حتی المقدور خاکساری و تواضع و فروتنی اختیار کرے۔ اسی قدر اس کا اجر زیادہ ہے اور دنیا و آخرت کا فائدہ بیشتر۔

حاصل کلام اُن کی فرمانبرداری و طلب خوشی واجب ہے۔ مگر فعلِ حرام میں یا ترک واجب عینی میں حسب اتفاق علماء اطاعت والدین کی واجب نہیں واجبات میں اختلاف ہے اور تمام علماء کا قول یہ ہے کہ کوئی فعل بغیر اجازت والدین کے جائز نہیں۔ بعض اِذن والدین کو سوائے واجبات کے فعل مباح و مستحبہ میں مستحب جانتے ہیں۔ بشرطیکہ ان کا ترک کوئی ضرر معتد بہ نہ رکھتا ہو ظاہر یہ ہے کہ وجوب اطاعت والدین کی نسبت علماء میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جب والدین یا ان میں سے کوئی ایک اس کے ترک کرنے کا حکم کریں۔ ان میں مخالفت کرنا حرام ہے۔ اگر اُن میں کوئی ضرر ہو تو بعض علماء ان کی اطاعت کو واجب نہیں جانتے ہیں۔ بعض دوسروں کا اطلاقِ کلام وجوبِ فرمانبرداری اور مباحات و مستحبات میں ان کی حرمت مخالفت پر دلالت کرتا ہے۔

جامع السعادت میں بھی حسب اخبار و آیات ایسا ہی پایا جاتا ہے۔ جن کا ترجمہ کلام یہ ہے کہ والدین کی اطاعت اور ان کی طلب اجازت واجب ہے۔

پس فرزند کو واجب نہیں ہے کہ بغیر اُن کی اجازت کے کسی فعلِ مباح و مستحب کا مرتکب ہو۔ بعد اس کے فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء کا فتوٰے اسی پر ہے کہ تحصیلِ علم کے لیے سفر کرنا جائز نہیں۔ مگر ان کی اجازت سے اور اُس علم کا حاصل کرنا جو واجبِ عینی ہو۔ مثلاً تحصیلِ مسائلِ نماز و روزہ اصولِ دین اگر اُس شہر میں جہاں کہ وہ رہتا ہو کوئی ایسا شخص نہ ہو کہ ان کی تعلیم دے سکے اور اگر اس شہر میں کوئی عالم ہو تو اس کی مسافرت جائز نہیں۔ پس ہر ایک دیندار کو کوشش کرنی چاہیئے کہ جو فعل ان کی خواہش کے مخالف ہو اُس سے ظاہر نہ ہو۔ مروی ہے کہ اُس برگزیدۂ ذوالمنن کی خدمت میں شہر یمن سے ایک مرد حاضر ہوا کہ راہِ خدا میں جہاد کرے۔

حضرتؐ نے فرمایا کہ :

پھر جا اجازت اپنے باپ اور ماں کی حاصل کر۔ اگر وہ اجازت دیں، تو جہاد کر ورنہ جہاں تک ہو سکے ان کے ساتھ نیکی کر۔ بہ تحقیق کہ توحید کے بعد تمام اُن اُمور سے جن کی نسبت خدا نے حکم فرمایا یہی بہتر ہے۔ اُس برگزیدۂ عباد کی خدمت میں ایک شخص بغرض جہاد حاضر ہُوا۔

حضرتؐ نے فرمایا کہ "آیا تُو ماں رکھتا ہے؟"

عرض کیا کہ : "ہاں۔"

فرمایا : "جا اس کی خدمت کر بہ تحقیق کہ بہشت اس کے قدم کے نیچے ہے"

اخبار سے ظاہر اور آثار و تجربات سے پتہ چلتا ہے کہ نجاتِ آخرت کے لیے حصولِ رضائے والدین بڑا وسیلہ ہے اور اسی طرح طلبِ طولِ عمر اور جمعیت احوال و انتظامِ معاشِ دنیا کا ایک ذریعہ اور نیز ان پر احسان کرنے سے کوئی عمل بہتر نہیں ہے۔

واضح ہو کہ والدین میں سے ہر ایک کا حکم مساوی ہے اور کوئی فرق نہیں رکھتا۔

لیکن ماں کی رعایت کی نسبت زیادہ تاکید ہے اور اس کا حق افزوں۔ جبکہ باپ ماں کسی ترک فعل واجب یا ارتکاب حرام کی نسبت حکم دیں۔ حالانکہ ان میں ان کی اطاعت واجب نہیں۔ مگر جہاں تک ممکن ہو ان کے ساتھ خوشامد و مہربانی سے پیش آئے اور نرمی والتماس کے ذریعہ سے ان کی رائے کو پلٹا دے۔ اگر اس طرح کرنا ممکن نہ ہو تو جہاں تک ہو سکے بغیر ان کی اطلاع کے عمل کرے۔ جب کسی کے باپ اور ماں دونوں ہوں۔ ان میں مخالفت واقع ہوئی ہو۔ جب فرزند ایک کو راضی رکھنا چاہتا ہے تو دوسرا ناراض ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں ان کے اتفاق وصلاح میں جہاں تک ممکن ہو ہر طرح کی کوشش کرے اور کسی کو واسطہ قرار دے یا مجتہد سے عرض کرے کہ ان کو طلب کر کے پند و نصیحت کریں۔

واضح ہو کہ بڑے بھائی کا حق سب سے چھوٹے بھائی پر بڑا ہے اور صاحب ایمان پر اس کی نگرانی لازم۔

نیز چھوٹے کو بڑے کی حتی المقدور اطاعت بہتر ہے۔

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ:

بڑے بھائی کا حق چھوٹے پر مثل باپ کے حق کے ہے۔

فصل (۱)

حقوقِ ہمسایہ

واضح ہو کہ باپ، ماں، خویشوں اور متعلقین کا حق جس طرح ہے ویسا ہی ہمسایہ والوں کا بھی۔

منجانب پروردگار ایک حق ثابت ہے۔ اس کو حقِ جوار کہتے ہیں اور وہ قریب قریب خویشوں کے حق کے ہے۔ حق برادری کے علاوہ ہمسایہ کے دوسرے حقوق ہیں جو شخص ان میں کوتاہی کرے گا وہ گنہگار ہوگا۔

حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ:

ہمسایہ کی تین قسمیں ہیں:۔

- ایک وہ ہمسایہ جس کا ایک حق ہے۔
- دوسرا وہ ہمسایہ جس کے دو حقوق ہیں۔
- تیسرا وہ ہمسایہ جس کے تین حقوق ہیں۔

جو ہمسایہ تین حقوق رکھتے ہیں وہ مسلمان و قرابت دار ہے۔ اس کو حق ہمسایہ و حق اسلام و حق خویشی حاصل ہے۔

جس کے دو حقوق ہیں وہ ہمسایہ مسلمان ہے جو خویش نہ ہو اس کے لیے

حق ہمسائیگی اور حق برادری اسلام ہے۔

جو ایک حق رکھتا ہے وہ ہمسایہ کافر ہے۔ اس کو صرف ایک حق ہمسائیگی حاصل ہے۔

نیز آں حضرتؐ سے مروی ہے کہ ہمسایہ والوں کے ساتھ نیکی کریں، تاکہ سلامتی قائم رہے۔

دوسری حدیث میں انہی سرورؐ سے مروی ہے کہ:

جو شخص دن کو روزہ رکھے اور رات کو عبادت کرے لیکن وہ ہمسایہ کو اذیت پہنچائے تو وہ اہل جہنم سے ہے۔

حضرت امیرؑ سے مروی ہے کہ:

حضرت رسول صلعم نے اپنے مہاجروں اور انصاروں کو تحریر فرمایا کہ جو لوگ اہل یثرب کے قریب ساکن ہیں وہ مثل ہمسایہ کے ہیں اور ہمسایہ نفس کے مانند ہے۔ چاہیئے کہ ان کو ضرر نہ پہنچایا جائے اور ایک ہمسایہ کی حرمت دوسرے ہمسایہ پر ماں کی حرمت کے مانند ہے۔ جیسے کہ فرزند پر ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمسایہ کے ساتھ نیکی کرنا باعث زیادتی عمر و آبادی شہر ہوتا ہے۔

فرمایا کہ:

وہ ہم سے نہیں جو ہمسایہ کے ساتھ نیکی نہ کرے۔

انہی حضرتؑ سے مروی ہے کہ:

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ وہ شخص صاحب ایمان نہیں جو سیر ہو۔ اور اس کے ہمسایہ میں کوئی بھوکا رہ جائے۔

منقول ہے کہ:

جب حضرت یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام سے جدا ہوئے تو حضرت یعقوبؑ نے فریاد کی کہ :

اے پروردگار !

مجھ پر رحم نہیں کرتا۔ تُو نے میری آنکھیں لے لیں۔ مجھ کو نابینا اور میرے فرزند کو مجھ سے جدا کر دیا۔

خدا نے اس وقت وحی فرمائی کہ :

ایک روز تُو نے گوسفند ذبح کیا اور کباب بنا کر کھایا۔ ایک شخص تیرے ہمسایہ میں روزے سے تھا۔ تُو نے اس کی خبر نہ لی اور نہ کوئی چیز بھیجی۔

بعد اس کے ہر صبح و شام حضرت یعقوب علیہ السلام کی جانب سے ایک منادی ندا کرتا تھا کہ مکانِ یعقوبؑ سے ایک فرسخ تک جو بھوکا ہو صبح یا شام حضرت یعقوبؑ کے مکان پر حاضر ہو کر طعام کھایا کرے۔

مروی ہے کہ قیامت کے روز ہمسایہ نادار ہمسایہ مالدار کے دامن کو پکڑے گا اور کہے گا کہ :

اے پروردگار !

اس سے دریافت کر کہ کس واسطے اس نے کوئی احسان مجھ پر نہیں کیا۔

آپ ایسا ہی نہ سمجھیں کہ ہمسایہ کا حق بس یہی ہے کہ اس کو اذیت نہ پہنچائی جائے۔ یہی تخصیص ہمسایہ کے ساتھ نہیں بلکہ ایک حق ہے۔ جو تمام اشخاص کے لیے ثابت ہے۔ بلکہ علاوہ اس کے اُس کے ساتھ مہربانی اور عنایت سے پیش آئے۔ اس پر احسان کرنے سے دریغ اور جس چیز کا وہ محتاج ہو اور آپ اس کے مالک ہوں تو اس کے دینے میں مضائقہ نہ کریں۔

اس کو اپنے مال میں شریک سمجھئے۔

- اور اس کو سلام کیجئے۔
- اگر وہ اپنی حالتِ پوشیدہ ظاہر کرنا نہ چاہتا ہو تو آپ تفتیش نہ کیجئے۔
- اگر وہ بیمار ہو تو عیادت کیجئے۔
- اس کی مصیبت میں تعزیت کے لیے جائیے اور عزا میں اس کا ساتھ دیجئے۔
- اور خوشی میں مبارکباد دیجئے۔
- اگر اس کے عیب کی اطلاع ہو تو پوشیدہ کیجئے۔
- اس سے کوئی خطا سرزد ہوئی تو اس کو عفو فرمائیے۔
- اگر وہ آپ کے گھر کی دیوار پر بوجھ رکھنا چاہے یا کوئی پرنالہ آپ کے صحن میں لگانا چاہے تو آپ مضائقہ نہ کیجئے۔ اور گھر کا اسباب مثلاً:

  - دیگ
  - ظرف
  - تبر
  - تیشہ
  - نمک
  - آتش وغیرہ

  طلب کرے تو دریغ نہ کیجئے۔
- اگر آپ کے خاص راستے سے آمدورفت رکھنا چاہے تو اس کو منع نہ کیجئے۔
- اس کے اہل وعیال کو نہ دیکھئے۔ جب اس کے گھر کا دروازہ نہ ہو، تو اس کے گھر سے غافل نہ ہو جائیے۔ اس کی اولاد کے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش آئیے۔ بلحاظ مصلحت دین و دنیا اس سے گفتگو کیجئے۔

- اگر وہ آپ سے کوئی مدد چاہے تو مدد دیجئے۔
- اگر وہ قرض طلب کرے تو قرض دیجئے۔
- اپنا مکان بغیر اس کی اجازت کے اس طرح نہ بنائیے کہ اس کے مکان کی ہوا بند ہو جائے۔
- جب آپ کوئی عمدہ غذا لائیں یا پکائیں تو اس کے لیے بھی بھیجئے۔ اگر بھیجنا نہیں چاہتے ہیں۔ تو پوشیدہ رکھیے تاکہ اس کے بچوں کو اطلاع نہ ہو اور اس کی خواہش نہ کریں۔

واضح ہو کہ ہمسایہ کی شناخت عرفاً ہوتی ہے۔ یعنی جو متعارف ہو کہ ہمسایہ کہہ سکیں۔ اس کے لیے یہ حقوق ثابت ہیں۔

بعض اخبار سے پتہ چلتا ہے کہ:

مکان کے چاروں طرف سے چالیس گھر تک ہمسایہ کہلاتا ہے۔

نویں صفت

عیب جوئی کی مذمّت

اور عیب پوشی کی مدح

واضح ہو کہ آدمیوں کے عیوب کی تلاش خباثت نفس ہے اور ان کے عیبوں کا اظہار معیوب، بلکہ آیات و اخبار سے پایا جاتا ہے کہ جو شخص عیوب کا متلاشی ہو اور رُسوا کرنے والا ہو وہ خبیث ترین انسان ہے۔

خداوند جلّ شانہٗ فرماتا ہے :

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔

خلاصہ معنی یہ کہ :

"جو لوگ مومنین کے اعمالِ ناشائستہ کے ظاہر کرنے کو دوست رکھتے ہیں ان کے لیے عذاب دردناک ہے۔"

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ :

جو شخص کسی کے عملِ ناشائستہ کو ظاہر کرے تو وہ اُس شخص کی مثل ہے کہ خود عملِ ناشائستہ کا مرتکب ہُوا۔ جو شخص کسی مومن کو کسی چیز کی نسبت سرزنش

کرتا ہے تو وہ نہیں مرتا۔ جب تک کہ اُس میں مبتلا نہ ہو۔

ایک روز آں حضرت صلعم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے ایسی بلند آواز سے کہ گھر کی عورتوں نے بھی سنا۔ فرمایا کہ :

اے وہ گروہ !

جس نے زبان سے ایمان لایا اور دل مسلمانی سے خالی ہے مسلمانوں کی لغزشوں اور عیبوں کا متلاشی نہ ہو۔ بہ تحقیق کہ جو شخص مسلمان کی عیب جوئی کرتا ہے۔ خدا اس کی عیب جوئی کرتا ہے اور جس کی خدا عیب جوئی کرتا ہے وہ رسوا ہوتا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ :

وہ بندہ کفر سے قریب ہے جو اپنے برادر دینی کی برائیوں اور لغزشوں کا نگران رہے کہ کسی روز اس کو سرزنش کی جائے۔ وہ شخص احمق ہے جو ہزار طرح کے عیوب رکھتا ہو اور سر سے پاؤں تک معصیت میں بھرا ہو لیکن اپنے عیوب کا دیکھنے والا نہ ہو اور دوسروں کے عیبوں پر زبان کھولتا ہو۔ اگر اس میں کوئی عیب بھی نہ ہو تو یہی صفت عیب جوئی بہت معیوب ہے کہ وہ اپنی خباثت باطنی سے آدمیوں کو خبر دیتا ہے۔ پس پہلے اپنے عیوب کو دیکھنا چاہیئے بعد دوسرے کے عیبوں پر نظر ڈالے۔

حضرت باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ :

اسی قدر آدمی کے عیب میں کافی ہے کہ اپنے لیے اندھا ہو اور دوسروں کے عیوب کو دیکھے اور ان امور کی نسبت سرزنش کرے جس کو آپ خود ترک نہیں کرتے۔

واضح ہو کہ :

اس صفتِ خبیثہ کی ضد عیب پوشی اور آدمیوں کی بُرائیوں کا اخفا کرنا ہے۔

جس کا ثواب بہت ہے۔ اور جس کی فضیلت بے انتہا۔

صاحب مسندِ رسالتؐ و شافع روزِ قیامتؐ نے فرمایا کہ :

جو شخص مسلمانوں کے عیوب کو پوشیدہ کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس کے عیوب کو دنیا و آخرت میں چھپاتا ہے۔

نیز فرمایا کہ :

کوئی شخص کسی برادرِ مسلم کے کسی فعلِ ناشائستہ کو پوشیدہ کرتا ہے۔ تو وہ داخلِ بہشت ہوتا ہے۔

اسی قدر پردہ پوشی کی شرافت میں کافی ہے کہ تمام صفات آفریدگار سے ایک صفتِ ستاری ہے کہ :

خداوند عالم نے اپنے بندوں کی برائیوں کے چھپانے میں کس قدر سخت اہتمام کیا ہے کہ جو فعل زنا بدترین فواحش ہے۔ اس کے ثبوت کا ایک ایسا طریقہ مقرر فرمایا۔ جس کا بہت کم اتفاق ہوتا ہے۔ اس کے لیے چار گواہِ عادل جنھوں نے اس عمل کو مثلاً :

❊ سرمہ دانی میں میل کا ہونا

مشاہدہ کیا ہو ضروری ہیں۔

پس اے صاحبو!

پروردگار عالم کو دیکھئے کہ اس نے اپنے بندوں کے گناہوں کے اخفا کرنے میں دنیا میں کس قدر پردہ پوشی کی اور اس کے اظہار کے راستوں کو مسدود کیا۔ گناہ گاروں کی فضیحت پر راضی نہ ہوا بلکہ ہر روز کس قدر معصیتیں آپ سے سرزد ہوتی ہیں۔ ان کو خداوند عالم دیکھتا ہے اور فاش نہیں کرتا۔

پس آپ یہ خیال نہ کیجئے کہ وہ ستار اسی دنیا میں پردہ پوشی کرتا ہے

اور عقبیٰ میں ان کو آشکار کرے گا کہ جب بندہ بروزِ قیامت روتا ہوا آئے گا تو وجۂ گریہ دریافت کی جائے گی۔

عرض کرے گا کہ :

اب میرے عیوب تمام اہلِ محشر پر ظاہر ہوں گے۔

خداوند عالم فرمائے گا کہ :

اے میرے بندے تجھ کو دُنیا میں مَیں نے رسوا نہیں کیا۔ حالانکہ تُو میری معصیت کرتا تھا اور ہنستا تھا کیونکر آج کے روز تجھ کو رُسوا کروں حالانکہ تُو اس وقت کوئی معصیت نہیں کرتا اور روتا ہے۔

مروی ہے کہ :

جناب پیغمبرؐ اُس داورِ اکبر سے قیامت میں خواہش کریں گے کہ میری امّت کا محاسبہ فرشتوں اور پیغمبروں اور باقی اُمتوں کی حضوری میں نہ لیا جائے تاکہ ان کے عیُوب ظاہر نہ ہوں۔ بلکہ اُس طرح حساب لیا جائے کہ تیرے اور میرے سوا کوئی دوسرا اس پر مطلع نہ ہو۔

خطابِ الٰہی ہو گا کہ : اے میرے حبیبؐ ! مَیں اپنے بندوں پر تجھ سے زیادہ مہربان ہُوں۔ جب تجھ کو منظور نہیں کہ ان کا عیب غیروں پر ظاہر ہو تو مَیں بھی پسند نہیں کرتا کہ تجھ پر بھی ظاہر ہو اور تیرے آگے شرمندہ ہوں۔ مَیں خود تنہائی میں اس طریقہ پر ان کا محاسبہ لُوں گا کہ بجز میرے کسی پر اُن کے عیوب ظاہر نہ ہوں گے۔

جب پروردگار کی عنایت بندوں کے عیب پوشیدہ کرنے میں اس حد تک بڑھی ہوئی ہے تو اے مسکین غافل اے مبتلائے عیوب و رذائل آپ کو کیا ہُوا ہے کہ بندگانِ خدا کے عیوب کو ظاہر اور ان کی برائیوں کے فاش کرنے میں کوشش کرتے ہیں اور اپنی بے ہُودہ زبان ان کی مذمّت میں کھولتے ہیں۔ اپنے سے

غافل کہ کن کن عیوب میں مبتلا ہیں۔ اپنے عمل ناشائستہ پر تھوڑی دیر نگاہ دوڑائیے اپنے صفحۂ نفسِ خبیث کا مُطالعہ اور اپنے عیوب کا علاج کیجئے۔ اگر کوئی شخص آپ کا عیب دوسروں کے سامنے بیان کرے تو آپ کا کیا حال ہو گا۔ دوسروں کی حالت کا بھی اسی طرح قیاس کیجئے۔ بہر حال جو شخص کسی کے عیب کو ظاہر کرتا ہے اس کا عیب بھی فاش ہوتا ہے۔

پس آپ کو ضروری ہے کہ :

اپنی آنکھوں کو دوسروں کے عیوب دیکھنے سے اندھا اور اپنے کانوں کو بہرا بنائے۔ اپنی زبان کو اُن کے اظہار کرنے سے ممانعت کیجئے۔

دسویں صِفت

مذمّتِ افشائے راز اور

اُس کے اخفا کی مدح

واضح ہو کہ افشائے راز سے مُراد اظہارِ عیوب عام ہے۔ خواہ وہ

عیوب راز ہو سکتے ہوں یا نہ ہوں لیکن اُس کے افشاء سے ایذا و اہانت ہوتی ہے یہ عمل شرعاً مذموم ہے اور اُس کا عمل کرنے والا عقلاً معتوب و ملول۔

حضرت پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ :

"دو آدمیوں کے درمیان جو بات کی جائے وہ تم میں امانت ہے۔"

وارد ہُوا ہے کہ :

وہ بہت بُرا شخص ہے جو کسی کے بھید کو فاش کرتا ہے۔

عبداللہ سنان نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ :

"مومن کی عورت مومن پر حرام ہے ؟"

فرمایا :

"ہاں۔"

عرض کیا :

"عورتوں سے یہی مراد ہیں۔"

فرمایا کہ :

"ایسا نہیں بلکہ اس کے بھید کا فاش کرنا ہے اور اس کی ضد راز و اسرار کا نگاہ رکھنا اور پوشیدہ رکھنا ہے۔ ؎

بہ پیر میکدہ گفتم کہ چیست راہِ نجات
بداد جام می و گفت راز پوشیدن

حضرت پیغمبرؐ اور محرمِ رازِ خداوند اکبر فرماتے ہیں کہ :

خوشا حال اس بندہ کا کہ جس کا نام مشہور نہ ہو اور خدا اس کو پہچانے اور وہ آدمیوں میں معروف نہ ہو۔ ایسے اشخاص چراغ راہِ ہدایت ہیں اور سرچشمۂ

علم و حکمت۔ فتنۂ ظلمت اُن کے واسطہ سے روشن ہوتا ہے۔ یہ فاش کرنے والے اسرار کے نہیں ہیں اور نہ پوشیدہ کاموں کو ظاہر کرنے والے ہیں اور نہ جفا و آزار کے درپے۔ یہ ریا سے دُور ہیں اور خود نمائی سے مجبور۔

حضرت امیرالمومنینؑ سے مروی ہے کہ :

اُن لوگوں میں داخل نہ ہوں جو کسی کے عیوب اور بھیدوں کو ظاہر کرتے ہیں بہ تحقیق کہ وہ لوگ بہتر ہیں کہ جب ان کو دیکھتے ہیں تو خدا کی یاد میں مشغول ہیں۔ وہ لوگ بد ہیں جو سخن چینی کرتے ہیں اور دوستوں میں جدائی ڈالتے ہیں اور آدمیوں کے عیوب کی تفتیش کے درپے ہیں۔

واضح ہو کہ رازداری دو قسم کی ہے :

۱ : یہ کہ دوسروں کے راز کا پوشیدہ رکھنا۔ وہ یہ ہے کہ جو مذکور ہوا۔

۲ : یہ کہ اپنے اسرار کا پوشیدہ کرنا اور ظاہر نہ کرنا یہ بھی تمام لوازمات سے ہے اور ان کا افشا کرنا بھی باعثِ ضعفِ نفس و سستیٔ عقل ہے۔

آدمی کے اسرار دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتے ہیں :-

۱ : یا تو دولت و سعادت و نیک بختی کا نتیجہ ہوں گے۔

۲ : یا نکبت و شقاوت و ناکامی اُن سے ظاہر ہوتی ہوگی۔ ان دونوں حالتوں میں پوشیدگی افضل ہے۔

پہلی حالت میں اس کا اظہار موجبِ زیادتی عداوتِ دشمنان و حسدِ ابنائے زمان ہوتا ہے اور باعثِ طمع دونِ ہمتاں۔

دوسری حالت ہو تو اس کا ظہور سبب شماتتِ دشمنان و اندوہ دوستاں ہوگا اور ظاہر او کھنے والوں کی نظر میں خفت حاصل ہوگی۔

اکثر ہوتا ہے کہ افشائے راز سے بہت فساد برپا ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے

منع کیا گیا ہے کہ اپنا کوئی راز دوستوں سے نہ کہا جائے چونکہ ہر ایک دوست دوست نہیں ہوتا ہے۔ جب آپ خود اپنا راز چھپا نہ سکے تو دوسرے آپ کے راز کو کیونکر اخفا کریں گے۔ اس صفت سے کسی جماعت کو اس قدر تاکید نہیں کی گئی جیسی کہ سلطان والا تبار کے لیے اسرار کا پوشیدہ کرنا شرائط سلطنت وجہانبانی قرار دیا گیا اور جہم ضوابط کشورستانی۔ کیونکہ ان کے دشمن و مدعی بہت ہوتے ہیں۔ جب بادشاہ کے دلی راز سے اطلاع ہو جاتی ہے تو اس کے عوض کی کوشش کی جاتی ہے پس محرمان اور امنائے دولت کو بھی چاہیئے کہ اسرار کو مخفی رکھیں کہ محرم کا بھی کوئی محرم ہونا ضروری ہے۔ اکثر ہوتا ہے کہ افشائے راز ہلاکت و فساد کی طرف منجر ہوتا ہے۔

جب مہدی عباسی نے اپنے فرزندوں ہادی اور ہارون کو ترتیب کے ساتھ ولیعہد بنایا تو اس کی وفات کے بعد ہادی تختِ خلافت پر بیٹھا اور اس نے ہرون سے ترک خلافت کرنے اور اپنے فرزند جعفر سے بیعت کرنے کی بہت کچھ کوشش کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آخر کار ہادی نے اپنے بھائی کو قتل کرنا چاہا اور اس ارادہ کو بعض ارکانِ دولت اور اہلِ حرم پر ظاہر کیا۔

خیزران جو ہادی و ہرون کی ماں تھی اس کو اس ارادہ کا علم ہو گیا۔ چونکہ یہ ہرون کے ساتھ زیادہ محبت رکھتی تھی۔ اس لیے ہادی کو زہر دے کر ملکِ عدم کو روانہ کیا۔

جب کوئی شخص اپنے اسرار کے پوشیدہ کرنے کا ملکہ حاصل کرنا چاہتا ہو تو اپنے ہر ایک راز اور کیفیت کو ہر کسی سے پوشیدہ رکھے اور اپنے نفس کو اس طرح کی عادت ڈالے تاکہ اس کے لیے ایک ملکہ حاصل ہو جائے۔

گیارہویں صفت

مذمتِ سخن چینی و چغلخوری

واضح ہو کہ سخن چینی و نمامی جو کہنے یا لکھنے یا رمز اور اشارہ سے کی جائے۔
یہ رذیل ترین فعلِ قبیح ہے۔ اور اس صفت کا صاحب رذیل اور خبیث النفس۔
بلکہ کلامِ الٰہی سے پایا جاتا ہے کہ سخن چینی کرنے والا ولدالزنا ہے۔

اور فرماتا ہے:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ

یعنی: ہر سخن چین غیبت کرنے والے پر وائے ہو۔

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا:

"کوئی سخن چین داخلِ بہشت نہیں ہوتا۔"

اور فرمایا کہ:

"تم میں خدا کے نزدیک وہ شخص بدتر ہے جو بغرض سخن چینی دوستوں میں بیٹھتا ہے
اور ایک دوسرے میں جدائی ڈالتا ہے اور نیکوں کے عیوب کا متلاشی ہے۔"

آں حضرت سے مروی ہے کہ:

حق سبحانہٗ تعالیٰ نے بہشت کو پیدا کیا اور اُس کو فرمایا کہ:

"بات کر۔"

بہشت نے کہا کہ:

"جو شخص مجھ میں داخل ہوا وہ سعادت کو پہنچا۔"

خداوند جبار جل جلالہٗ نے فرمایا کہ :

میری عزت و جلال کی قسم کہ تجھ میں یہ آٹھ گروہ داخل نہیں ہوں گے :-

۱ : جو ہمیشہ شراب خوری کرے۔

۲ : جو ہمیشہ مرتکب زنا ہو۔

۳ : سخن چین۔

۴ : دیوث۔

۵ : بادشاہ ظالم کا لشکری۔

۶ : مخنث۔

۷ : جو اشخاص قطع رحم کریں۔

۸ : جو خدا سے عہد کر کے اس کو وفا نہ کرے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے وقت بنی اسرائیل میں خشک سالی و قحط نمودار ہوا۔ حضرت موسیٰؑ نے کئی بار شہر سے باہر تشریف لا کر بارش کی دعا کی۔ لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ حضرت کلیم اللہ نے اس بارے میں مناجات کی تو وحی ہوئی کہ تم لوگوں میں ایک شخص سخن چین ہے۔ میں اس کی بدبختی کے باعث تمہاری دعا کو قبول نہیں کرتا ہوں۔

اس مضمون سے معلوم کر سکتے ہیں کہ اس صفت والا کس قدر رحمتِ الٰہی سے دور ہے۔ اس کی شامت سے دعائے حضرتِ کلیم مقبول نہ ہوئی اور نہ رحمتؐ فیض کا دروازہ اُمت پر کھولا گیا۔ جو شخص اس صفتِ بد کی حقیقت کو پہچانتا ہے۔ تو وہ جانتا ہے کہ سخن چین بدترین و خبیث ترین مردم ہے۔ اس صفت والے میں تمام اوصافِ رذیلہ داخل ہیں :-

❖ دروغ ❖ غیبت

❖ مکر ❖ خیانت

کینہ ❖ حسد ❖
نفاق ❖ فساد ❖

یہ تمام باعثِ ہلاکت ابدی و شقاوتِ سرمدی ہیں۔
خدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ :
"وہ شخص جو وصل کردۂ خداوندی کو قطع کرے اور زمین پر فساد برپا کرے وہ سخن چین ہے۔"
حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ :
"وہ شخص داخلِ بہشت نہیں ہوتا جو آدمیوں میں جُدائی ڈالے۔ سخن چین دوستوں کو متفرق کرتا ہے۔"
نیز آں حضرتؐ نے فرمایا کہ :
"بدترین مردم وہ شخص ہے کہ جس کی شرارت سے آدمی پرہیز کریں۔ کوئی شک نہیں کہ سخن چین ایسا ہی ہے۔"
حاصل کلام سخن چین کی بدی تمام اشخاص سے زیادہ ہے۔ نقل ہے کہ کسی نے ایک غلام کو فروخت کیا اور خریدار سے کہا کہ :
"یہ غلام سوائے سخن چینی کے کوئی عیب نہیں رکھتا ہے۔
خریدار نے کہا کہ :
"میں راضی ہوں۔"
چنانچہ اس کو خرید کیا اور گھر لے گیا۔ جب چند روز اسی طرح گزر گئے۔ ایک روز اس غلام نے اپنی مالکہ سے کہا کہ :
"مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ میرا آقا تجھ کو دوست نہیں رکھتا۔ اس لیے دوسری عورت کرنا چاہتا ہے۔"
عورت نے کہا کہ :

"اس کا کیا علاج"

اُس نے کہا کہ :

"آقا کے داڑھی کے تھوڑے بال مجھ کو لادے تو مَیں اُس پر کوئی افسوں پڑھوں گا جس کے باعث وہ تیرا مطیع ہوگا۔"

عورت نے کہا کہ :

"کس طرح اس کی داڑھی کے بال بہم دست کر سکتی ہوں۔"

اس نے کہا :

"جب وہ آرام کرے تو تیغ سے چند بال داڑھی کے تراش کر مجھ کو لادے۔"

اس کے بعد وہ اپنے آقا کی خدمت میں گیا۔ اور کہا کہ :

"آپ کی عورت نے کسی بیگانہ سے راہ و رسم اختیار کی ہے اور آپ کو مار ڈالنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اگر آپ میرے قول کی تصدیق کرنا چاہتے ہیں تو اپنے کو نیند میں ڈال کر ملاحظہ کیجئے تو روشن ہو جائے گا۔"

آقا نے مکان پر جا کر اُسی طرح عمل کیا اور دیکھا کہ اس کی عورت تیغ لے کر سرہانے آئی ہے۔ غلام کے کہنے کا یقین کر کے فوراً اُس عورت کو قتل کیا۔ اسی وقت غلام نے اُس عورت کے خویش و اقارب کو جا کر خبر دی تو اُن لوگوں نے آکر اُس آقا کو مار ڈالا اور اس عورت و آقا کے خاندان میں وہ تلوار چلی کہ ایک جماعت کثیر قتل ہوئی۔ علاوہ اس کے سخن چین کی اکثر اوقات اس خوف میں صرف ہوتی ہے کہ کہیں رسوا نہ ہو وہ اکثر خجل و شرمسار رہتا ہے۔ باوجود اس کے جس کے سامنے سخن چینی کرتا ہے اس کی نظر میں خفیف و بے وقعت اور بد ہوتا ہے پس ہر عقلمند پر لازم ہے کہ جس وقت سخن چین اس کے نزدیک آئے اور کسی مسلمان کی ایسی شکایت کرے جس کو نہ کرنا چاہیئے تو وہ اس کو قبول نہ کرے کیونکہ سخن چین فاسق ہوتا ہے اور ہر فاسق نص قرآن سے مردود ہے۔ اس کو سخن چینی سے منع اور

نصیحت کرے بلکہ اس کو دشمن سمجھے کیونکہ اس سے ایسی ہی معصیت علاوہ دشمنی کے سرزد ہوتی ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی کے پیٹھ پیچھے کہنے پر آمادہ ہوتا ہے گو کوئی الم اس کو نہیں پہنچا تا مگر اس کے رُوبرُو کہنے میں شرم کرتا ہے تو وہ شخص نمام یعنی چغلخور ہے کہ اس نے دوسرے کو اطلاع دی اور اس کو غمگین کیا اور اس سے شرم نہ کی۔ بلکہ باعثِ فساد و فتنہ ہُوا۔ اگر وہ شخص دوست ہوتا تو جس نے پیٹھ پیچھے کہا ہے اُس کو منع کرتا اور نہ اس کو موقع دیتا کہ وہ شکایت کرسکے اگر کسی نے کوئی بات کہی تو اُس کی اصلاح میں کوشش کرتا۔ پس عاقل کو یقین کرنا چاہیئے کہ سخن چین اس بات کہنے والے سے زیادہ دشمن ہے۔ دشمن فاسق کے قول پر برادر مومن سے دل بُرا نہ کرنا چاہیئے اور نہ اس کی تحقیق کرے جس کی فیبت شرعاً مذموم ہے اور قرآن میں صریحاً جس کی نہی کی گئی۔ سخن چین کا نام بھی ظاہر نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ اظہار بھی سخن چینی و غیبت میں داخل ہو جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ کاظمؑ سے محمد بن فضل نے عرض کیا کہ آپ پر فدا ہوں کہ ایک برادر دینی نے مجھ کو خبر دی کہ مَیں نے کسی کو ناراض کیا ہے۔ جب خود اُس سے دریافت کرتا ہوں تو وُہ انکار کرتا ہے۔ حالانکہ ایک جماعت معتبر نے خبر دی ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ اے محمد اگر تو نے خود سُنا یا دیکھا تو بھی اس کو باور نہ کر۔ اگر پچاس آدمی اس خصوص میں شہادت دیں تو اپنے برادر کے قول کی تصدیق کر اور اُن کو جھوٹا سمجھ۔

ایک شخص حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں آیا اور کسی شخص کی بدی کی۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ دریافت کرتا ہُوں۔ اگر تُو نے سچ کہا تو تجھ کو دشمن سمجھوں گا۔ اور اگر تُو نے جھُوٹ کہا ہے تو تجھ پر مواخذہ کروں گا۔

نقل ہے کہ کوئی شخص ایک صاحبِ حکمت کی خدمت میں گیا اور اُس نے کسی کی کوئی بات اُس سے بیان کی۔ اُس حکیم نے کہا کہ تُو نے میرے بھائی کی طرف سے مجھ کو بدگمان کیا اور میرے دل کو فکر میں ڈال دیا اور آپ اپنے کو جو میرے نزدیک امین تھا تہمت کنندہ بنایا۔

واضح ہو کہ سخن چینی سے چغلخوری بدتر ہے۔ وہ یہ ہے کہ کسی صاحب حکومت کے سامنے چغلخوری کرنا جس سے خوف ضرر و اذیت پیدا ہو۔ اس صفت والے کو ہرگز اپنے نزدیک آنے نہ دیجئے۔ اور اس کی بات نہ سُنیئے اور یقین کیجئے کہ اس کا ضرر سگ گزندہ و گرگ درندہ سے زیادہ ہے۔

بارھویں صفت

مذمّتِ فساد اور اصلاح کی شرافت

واضح ہو کہ فساد ڈالنا جس میں سخن چینی بھی داخل ہے۔ لیکن بغیر سخن چینی کے بھی بعض فساد برپا ہوتے ہیں۔ یہ صفتِ خبیثہ ہے اور اس کا صاحب اہل شقاوت۔ اس صفت والا جہنّم کا مستحق ہے۔ دین کو تباہ کرتا ہے اور خدا اور رسول کے حکم کی مخالفت۔ کیونکہ بہت سے قواعد شرعیہ جن کو خداوند عالم نے مقرر کیا ہے۔ مثلاً جمعہ اور نماز جماعت میں حاضر ہونا اور مصافحہ و زیارت کے لیے آمد و رفت رکھنا اور ضیافت میں شریک ہونا اور امتناع غیبت و بدگمانی یہ تمام امور باعثِ حصولِ دوستی اور الفت ہیں جن سے بجز خوشنودیٔ خدا اور رسولؐ کوئی امر مطلوب نہیں ہوتا۔ یہ خبیث ملعون و بدنفس خلافِ منشائے خدا و رسولؐ فساد ڈالتا ہے۔ جو کچھ اُن سے خواستگاری کی گئی ہے ان کو یہ نہیں چاہتا۔ کوئی شک نہیں کہ ایسا شخص

رذیل و خبیث ترین مردم ہے اور مستحق انواع لعن - اس صفتِ بد کی ضد آدمیوں میں میل و ملاپ کرنا ہے۔ یہ صفت نیک فضائلِ ملکات و علامت شرافت نفس و طہارت ذات ہے۔ اس وجہ سے اس کا ثواب بے حساب ہے اور اس کی بزرگی بیشمار۔ بہت سی احادیث و اخبار اس کے گواہ ہیں۔ سیّد رسلؐ نے فرمایا کہ :

"فاضل تریں صدقات آدمیوں میں اصلاح کرنا ہے اور وجوب اصلاح کے لیے جھوٹ کہنا جائز ہے۔"

چنانچہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ ہر ایک جھوٹ لکھا جاتا ہے مگر جو جہاد میں یا دو آدمیوں کی اصلاح میں کہا جائے وہ جھوٹ نہیں لکھا جاتا۔

حضرت صادق علیہ السلام نے ابنِ عمّار سے فرمایا کہ :

میری طرف سے فلاں فلاں شخصوں کو ایسا ایسا کہنا۔

اس نے کہا کہ :

ان باتوں کے علاوہ کوئی اور بات جو ان کی اصلاح کے لیے ہو کہہ سکتا ہوں۔

فرمایا کہ ہاں۔ کیونکہ اصلاح کرنے والا دروغ گو نہیں سمجھا جاتا۔

اس سے مراد یہ ہے کہ اگر اصلاح کے لیے کوئی بات غیر واقعہ کہی جائے جس سے اصلاح ہوتی ہو تو وہ جھوٹ میں داخل نہیں اور نہ اس کا کوئی ضرر۔ سبحان اللہ پروردگار عالم کا خیال اصلاح کے لیے کس حد تک ہے کہ اس نے جھوٹ، جس کا گناہ عظیم ہے اس خصوص میں جائز اور افضلِ صدقات قرار دیا۔ قواعد و قانون حصولِ الفت کے لیے معتبر فرمایا۔ مفسد کو لعن و عذاب سے مخصوص کر دیا۔ باوجود اس کے اکثر ابنائے زمانہ کو دیکھا جاتا ہے کہ امور دنیویہ کے لیے اس دنیائے عاریت سرا میں دوستوں اور مسلمانوں میں جھگڑے ڈالتے ہیں اور فتنے برپا کرتے ہیں۔

تیرہویں صفت

مذمّتِ شماتت

واضح ہو کہ شماتت اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں شخص اپنی بدی کے باعث فلاں فلاں بلا یا معصیت میں گرفتار ہوا اور نیز اُس پر شاد و مسرور ہو تو اُس کا منشا غالباً عداوت و حسد ہوتا ہے اور اکثر قضا و قدر الٰہی کی ناواقفیت۔

یہ صفت نہایت بد ہے اور اس کی بدی بے انتہا۔ تجربہ سے ظاہر اور آثار سے ثابت ہے کہ جو شخص دوسرے شخص پر بلا میں مبتلا ہونے کے باعث شماتت کرتا ہے تو وہ خود اس بلا میں گرفتار ہوتا ہے تاکہ دوسرے اس پر شماتت کریں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ اپنے برادر پر شماتت نہ کر۔ اگر ایسا کرے گا تو خدا اس پر رحم کرتا ہے اور وہ بلا تجھ پہ نازل ہوتی ہے۔

پس کیونکر ہو سکتا ہے کہ اپنی حالت سے بے فکر ہو کر دوسرے کی شماتت کریں۔ سہ

لا تحنافو از خدا نشنیدۂ

پس چہ خود را ایمن و خوش دیدۂ

تا نروید ریش تو اے خوش ذقن

بر دگر سادہ زنخ طعنہ مزن

علاوہ اس کے جو بلا و مصیبت واقع ہوتی ہے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ یا اس کے درجاتِ بلند کا باعث ہوتی ہے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں ہے

ہر کہ دریں بزم مقرب تراست

جام بلا بیشترش میدہند

کوئی شک نہیں کہ اولیاء اور انبیاء پر جو مصیبتیں واقع ہوئی ہیں معاذ اللہ وہ ان کے افعال کے باعث نہ تھیں۔ پس عقلمند کو لازم ہے کہ ان اشکال پر تامل کرے۔ ابتداءً آپ خود خائف ہو اور اپنی گرفتاری سے پرہیز کرے اس کے بعد معلوم کرے کہ شماتت باعثِ ایذائے برادر مسلمان ہے اور موجب عذابِ آخرت۔ پس فکر کرے کہ بلا و گرفتاری حضرتِ باری کے نزدیک بدی و خواری پر دلالت نہیں کرتی ہے۔ بلکہ اس کے قرب درگاہ کی بوئے خوش صاحبان بصیرت کے دماغ میں پہنچتی ہے۔ پس اپنے کو اس صفت شماتت سے حفاظت کیجئے اور اس کی ہلاکت سے اپنے کو بچائیے۔

چودہویں صفت

لڑائی اور جھگڑے کی مذمّت

واضح ہو کہ جدال و مخاصمہ کی تعریف یہ ہے کہ دوسرے کی بات پر

معترض ہونا اور اس کے نقص وخلل کو اس کی اہانت وحقیر کرنے اور اپنی بزرگی اور عقلمندی کے ظاہر کرنے کی غرض سے بغیر سبب دینی وفائدہ اخروی کے اظہار کرنا۔

خصومت بھی از قسم جدال ہے اور وہ کسی مال یا مقصد کے حصول کے لیے ذریعۂ گفتگو جدال ومبالغہ کرنے کو کہتے ہیں۔ مراد وجدال اخلاقِ مذمومہ اور صفاتِ رذیلہ سے ہے۔ خواہ وہ مسائل علمیہ میں ہو یا سوائے اس کے خواہ اس کا اعتراض حق پر ہو یا باطل پر۔ مگر جب کہ مسائل دینیہ کے متعلق ہو اور اس کی غرض وقصد سمجھنا یا سمجھانا حق کا ہو تو اس صورت میں کوئی ضرر نہیں اور نہ اس کو مراد وجدال کہتے ہیں۔ بلکہ اس کا نام ارشاد وہدایت ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اگر مطلب حق دوسرے شخص کے ذریعہ سے ظاہر ہو جائے تو آپ کو بُرا نہ معلوم ہو۔

مجادلہ کی علامت یہ ہے کہ اگر کوئی حق بات دوسرے کی زبان پر جاری ہو تو آپ کو بُرا معلوم ہو اور آپ کی خواہش ہو کہ جو بات آپ کے منہ سے نکلی، اسے مدِمقابل کو منوا دیا جائے اور بطور جدال اور اس کے کلام کا نقص ظاہر کر دیا جائے۔

پہلی صورت مذموم نہیں۔ بلکہ بہتر ہے اور وہ نتیجہ قوت معرفت اور بزرگی نفس ہے۔

دوسری صورت ہر دو جانب مذموم وممنوع اور ہیجان غضب کا باعث ہے اور سبب حصول عداوت وحسد، اور یہ امر اکثر اپنے یا دوسروں کے اعتقادات حقہ میں شک وشبہ ڈالتا ہے۔

اسی وجہ سے حق سبحانہٗ تعالےٰ نے اس کی نسبت منع فرمایا ہے کہ :

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ط

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ صلے اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ۔

خلاصہ معنی یہ کہ :

" جس وقت دیکھا جائے کہ جو لوگ ہمارے آیات میں غور کرتے ہیں اور ان پر معترض ہوتے ہیں تو ان سے کنارہ کشی کرو تاکہ دوسری بات کی طرف مشغول ہوں۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو تم بھی ان لوگوں کے مانند ہو جاؤ گے۔"

حضرت پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ :

حقیقت ایمان اس وقت کامل ہوتی ہے جب وہ مراء وجدال ترک کردے اگرچہ وہ حق پر ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ :

ہرگز مجادلہ نہ کرو۔ خواہ مدِّ مقابل صاحب علم ہو یا سفیہ۔ کیونکہ صاحب علم تیرا دشمن ہو جاتا ہے اور سفیہ اذیت پہنچاتا ہے۔

فرمایا کہ :

مراء وجدال سے پرہیز کرو کیونکہ یہ باعثِ عداوت ہے اور عیبوں کو ظاہر کرنے والا ہے۔

کثرت سے مجادلہ کرنا اور دشمن پر غالب ہونا خواہ حق پر ہو یا باطل ۔
یہ صفتِ مذموم ہے ۔ جب یہ قوت پکڑتی ہے تو اس کا صاحب پکڑنے والے کتے کی طرح راغب رہتا ہے ۔ وہ ہر کسی پر حملہ کرتا ہے اور ہمیشہ در پے رہتا ہے ۔ جو بات کسی سے سُنی جائے اُس میں دخل و تصرف کرتا ہے اور خصوصاً ضعیف العقول سے لطف اٹھاتا ہے اور جو لوگ خُلق بد کو کمال جانتے ہیں اور اس کی اس طرح تعریف کرتے ہیں کہ فلاں شخص لسان و تیز بحث ہے کوئی شخص اس کو زیر و عاجز نہیں کر سکتا ۔ یہ سُن کر وہ بہت خوش ہوتا ہے ۔ اور اس امر سے غافل کہ یہ صفت بد ہے جو اس کے باطن میں جاگزین ہے ۔
لیکن جس خصومت میں اپنے حصولِ مطلب و مقصد کے لیے کلام میں مبالغہ کیا جاتا ہے وہ بھی مراء و جدال کے مانند مذموم و بد ہے اور اس کی بُرائی بعید ۔ اور ابتداء میں اکثر شرارتیں اور فساد طرح طرح کے رنج والم پیدا ہوتے ہیں ۔

حضرتِ رسولؐ نے فرمایا کہ :

جس وقت جبرائیلؑ میرے نزدیک آتے تو مجھ کو نصیحت کرتے جن کا کلام آخر یہی ہوتا کہ آدمیوں پر تنگ گیری اور مبالغہ سے پرہیز کیجئے ۔ یہ صفت آدمی کے عیب کو ظاہر اور اس کی عزت کو کھو دیتی ہے ۔

اور فرمایا کہ :

دشمن ترین مردم خدا کے نزدیک خصومت کرنے والا ہے ۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ :

تم لوگوں کو چاہیئے کہ مراء و خصومت سے اجتناب کریں کہ یہ دل کو بیمار کرتی ہے اور برادروں میں نفاق ڈالتی ہے ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ :

خصومت سے پرہیز کرو کہ وہ دل کو مشغول و گرفتار کرتی ہے اور کینہ و نفاق کا باعث ہوتی ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اکثر فتنے اور رنج خصومت سے پیدا ہوتے ہیں۔

واضح ہو کہ جو شخص اپنے حصولِ مقصود کے لیے خصومت کے درپے ہو اور دوسرے کے مقابلہ میں اگر حق مال یا اور کوئی حق ثابت کرنا منظور ہو، جس کا شرعاً وہ مستحق ہے تو ایسی خصومت مذموم نہیں۔ بلکہ مقتضائے غیرت ہے اور ممدوح۔

خصومت مذموم وہ ہے جو ایسی چیز میں کی جائے جس میں کوئی حق نہ ہو یا اس کی تحقیق کا یقین اور اس کا استحقاق نہ رکھتا ہو۔ مثلاً اس وکیل دلرا القضا کی خصومت جو کہ نہ جانتا ہو کہ حق کس طرف ہے اور ایک فریق کی طرف سے وکیل ہو کر خصومت پر کمر باندھتا ہے اور بغیر علم و یقین۔ ایک جانب سے گفتگو اور دوڑ دھوپ کرتا ہے اور مسلمانوں کے مال کو ضائع اور بغیر عوض اور غرض غیر کے وبال کا متحمل ہوتا ہے۔ ایسا شخص زیاں کار اور احمق ترین مردم اور فاسق ہے اور قیامت میں معذب و ملول رہے گا۔

واضح ہو کہ جو خصومت ممدوح ہے وہ اپنے طلب حق شرعی کی نسبت ہونی چاہیئے۔ اس میں اظہار مبالغہ و عناد نہ ہو اور ضرورت سے زیادہ گفتگو نہ کریں۔ اگر مبالغہ کیا جائے یا گفتگو میں بغیر ضرورت و احتیاج کے دشمن کی اہانت و ایذا کے باعث ہوں تو یہ خصومت مذموم ہے اور اس سے احتراز کرنا واجب۔ ایسا ہی اگر اپنے حصول حق کی غرض نہ ہو بلکہ دشمن پر غلبہ منظور ہو تو یہ بھی ممنوع ہے اور اس کا ارتکاب حرام۔

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بعض کم قیمت شئے کے مطالبہ میں مبالغہ کیا جاتا ہے

اور کہا جاتا ہے کہ یہ مال کوئی قابلیت نہیں رکھتا اور نہ اس کی پروا ہے۔ لیکن میرا حق ثابت ہونے کے بعد مجھ کو وہ مال ملے گا تو میں اس کو پانی میں پھینک دوں گا یا اس کو بخش دوں گا یا کسی کو دے دوں گا۔ انھیں باتوں کی طرح۔ بلکہ یہ مبالغہ و عناد بھی ایسا معلوم نہیں ہوتا کہ حاکم شرعی کا اس کی نسبت فیصلہ کرنا اور مرافعہ سننا جائز ہو سکے۔

بیان مذکور الصدر سے معلوم ہوا کہ جو خصومت جائز رکھی گئی ہے وہ خصومتِ مظلوم ہے جو اپنے طلب حق میں بغیر قصد عناد و ایذا و شکستِ خصم کے ہو اور ضرورت سے زیادہ اثبات حق میں کوئی بات نہ کرے۔ لیکن اگر ممکن ہو تو دوسرے طریقہ سے اپنے حصول حق میں بغیر مخاصمہ کے کوشش کرے اگر ترک کرنا حق کا آسان ہو تو ترک کر دے۔ کیونکہ مخاصمہ میں زبان کی حفاظت مشکل ہے اور کبھی منازعہ کی طرف منجر ہوتا ہے اور اُن میں دشمنی مستحکم ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ہر فریق دوسرے کے ضرر و بلا کے باعث مسرور ہوتا ہے۔

پس عاقل کو سزاوار ہے کہ جہاں تک ہو سکے خصومت اختیار نہ کرے۔ لیکن ایسی ہی ضرورت ہو تو خصومت کو ضرورت سے زیادہ طول نہ دے۔ اگر خصومت میں کوئی ضرر بھی نہ ہو تاہم پریشانیٔ خاطر اور مشغول دلی ضرور ہے۔ آخر کار اس کی پریشانی اس حد تک پہنچتی ہے کہ حالتِ نماز میں دشمن کے جواب اور اُس کی تکذیب و طعن کا خیال آتا ہے۔

اس لیے ہر شخص کو چاہیئے کہ اس صفتِ خبیثہ کے نتیجہ پر غور کرے۔ اس کی بُرائی پر جو شرعاً و عقلاً ہو نظر ڈالے اور جانے کہ یہ تمام صورتیں دشمنی اور عداوت و زوالِ الفت و محبت کے باعث پیدا ہوتی ہیں۔ دوستی اور

یگانگی کو قطع کرتی رہیں۔ جو باعثِ خلاف منشائے پروردگار ہے اور موانع امور اور اپنی گرفتاری و پریشانی دل کا باعث۔ جدال وخصومت کی وجہ سے آئینہ دل تیرہ ہوتا ہے۔ اور عزت وحرمت ضائع ہوتی ہے۔

علاوہ اس کے جب یہ صورت حد ضرورت سے تجاوز کرتی ہے۔ تو اکثر اپنے حق کا نقصان ہو جاتا ہے۔

ان امور پر تامل کیجئے۔

اپنے کو اس سے باز رکھیے۔

بلکہ اس کی ضد جو خوش کلامی اور دلجوئی ہے اس کے فوائد پر غور کیجئے اور اس کی عادت ڈالیے۔ تاکہ اس کا ملکہ حاصل ہو۔

جس شخص نے خوش کلامی کی لذت پائی اور اس کے فوائد کو سمجھا تو ظاہر ہے کہ حتی المقدور اس سے تجاوز نہ کرے گا۔

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ :

جو شخص ان تین چیزوں کو رکھتا ہو وہ جس دروازے سے چاہے بہشت میں داخل ہو :۔

(۱) حُسنِ خُلق

(۲) خوفِ خدا

(۳) ترکِ جدال

اگرچہ کہ وہ حق پر ہو۔

نیز انہی سرورؐ سے مروی ہے کہ :

بہشت کی کھڑکیاں ایسی مصفا اور درخشاں ہیں کہ باہر کی حالت اندر سے

اور اندر کی حالت باہر سے معلوم ہوتی ہے۔ انھیں خداوند عالم نے ان لوگوں کے لیے رکھا ہے جو اطعام کرتے ہوں اور خوش کلامی اُن کا شیوہ ہو۔

مروی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے قریب سے ایک سُوّر گزرا تو حضرت نے فرمایا کہ:

"اطمینان سے جا۔"

ایک شخص نے عرض کیا کہ:

"اے رُوح اللہؑ! سُوّر سے آپ اس طرح کہتے ہیں۔"

فرمایا کہ:

"مَیں نہیں چاہتا کہ اپنی زبان کو بری بات کی عادت ڈالوں۔"

پندرہویں صِفت

استہزا کی مذمّت

واضح ہو کہ استہزا اس کو کہتے ہیں کہ کسی آدمی کے قول و فعل یا اس کے اوصاف یا خلقت کو قول و فعل یا ایما و اشارہ یا کنایہ کے ذریعہ سے بیان

کیا جائے کہ دُوسروں کی ہنسی کا سبب ہو۔

اس صفتِ خبیثہ کا باعث عداوت یا تکبر یا اس شخص کی حقارت ہے جس کا استہزا کیا جاتا ہے۔ اکثر اوقات بعض اہل دنیا کی ہنسی کے لیے ازراہِ طمع دنیویہ و اموال حرام اسی طرح عمل کیا جاتا ہے۔ کوئی شک وشبہ نہیں کہ یہ عمل طریقہ اراذل و اوباش ہے اور یہ صفت کمینوں کی ہے۔ اس عمل والے کو دین و ایمان کی خبر نہیں اور نہ انسانیت و مردی کا کوئی اثر۔ اس نے دیدۂ مردمیت اور آدمیت میں خاک بے شرمی ڈال دی۔ اپنے نفس رذیل و خبیث کو اس امر پہ راضی کیا کہ چند ایسی باتیں جھوٹ بنائے کہ دوسرے ہنسیں۔ اس کی طبع پست اس پر قائم ہوئی ہے کہ اپنی صورت اور ہاتھ سے چند ایسی حرکتیں کرے کہ جن سے نیکوں کے افعال ظاہر ہوں اور اشقیا اور اشرار مضحکہ کریں۔

کوئی شبہ نہیں کہ ایسا شخص منزلِ انسانیت سے دُور ہے اور تمام آدمیت سے مہجور۔ صاحبِ عقل و دانش کی نظر میں بے وقعت و خوار ہے۔ اور نگاہ عقلا میں پست و بے اعتبار۔ قیامت میں طرح طرح کے عذاب میں گرفتار ہوگا اور مستوجب عقاب۔

سُبحان اللہ کس قدر شیطان لعین کو انسان پر تسلّط ہے کہ اُس سے یہ اعمال صادر کراتا ہے اور یہ ملعون اُس کے آگے ہنستا ہے۔ اگر اُس کی دیدۂ بصیرت پر ابلیس نے پردہ نہ ڈالا ہوتا تو کیونکر یہ پشت آدم ابوالبشر سے جو مسجود ملائکہ ملکوت ہیں وجود میں آکر ایسی صفت پر راضی ہوتا اور اس کا دل غصّہ سے خوں نہ ہوتا۔

مذمت میں اس عمل کے اسی قدر کافی ہے کہ مال و زر جو آدمیوں کے ہاتھوں کا مَیل ہے اس کے حاصل کرنے کے لیے ایسی معصیت خبیثہ کو اپنا وسیلہ بنایا تاکہ نظر میں ابنائے روزگار کے بے اعتبار و خوار ہو۔ گویا وہ اس پر اعتقاد نہیں رکھتا کہ

بندے جو اس کے پیدا کیے ہوئے ہیں وہ ان کی روزی کا متکفل ہے۔ جس شخص کو تھوڑی بھی عقل ہو تو وہ اس عمل کے نتیجہ پر نظر ڈالے گا اور دنیا میں بے وقعتی اور آخرت میں شرمساری کو مدّ نظر رکھے گا۔ اگر اس صفت کا منشا عداوت ہو تو عداوت کی برائی اور فساد کا متذکر ہو۔ اگر اس کا سبب طمع مال ہو تو یقین کرے کہ ہر شخص کے لیے جس قدر مال و روزی مقرر کی گئی ہے اس کو ضرور پہنچے گی۔ اور اس کی قسمت کم و زیادہ نہ ہو گی۔ پس اپنے نفس پر عتاب اور اس کو پند و نصیحت کرے۔ اس صفت کی مذمت جو ازروئے شرع بیان کی گئی ہے۔ اس کو ملاحظہ کرے۔ ہر حالت میں اپنے احوال کو دیکھے اور اس عمل کا مرتکب ہو کر عذاب آخرت میں گرفتار نہ ہو۔

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ قیامت میں استہزا کرنے والے کو لائیں گے اس کے لیے ایک دروازہ بہشت کا کھولا جائے گا اور کہیں گے کہ جلد اس میں داخل ہو۔ وہ غم واندوہ کے ساتھ داخل ہونے کے لیے آئے گا۔ تو وہ دروازہ بند کر دیا جائے گا اور دوسری طرف سے دوسرا دروازہ کھولیں گے اور اس کو کہیں گے کہ اس میں جلد داخل ہو۔ جب وہ اس دروازے کے نزدیک آئے گا تو پھر دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ اسی طرح وہ بلا میں گرفتار رہے گا۔ کسی دروازے سے بھی داخل نہ ہو گا۔

جو اس صفت میں مبتلا تھا اور دوسروں کو ہنسایا۔ ان کی تقلید کو اپنا شعار بنایا اس وقت اپنی حقیقت کو سمجھے گا۔ اپنی حالت پر کبھی ہنسے گا اور کبھی روئے گا۔ جیسا کہ علماء و عقلمند ہنستے تھے وہ کیونکر اپنی حالت پر نہ روئے کیونکہ اس نے حقیقت میں بہ سبب استہزا اہل دنیا کے نزدیک اپنے کو خوار و ذلیل کیا ہے۔ جب قیامت ہو گی تو اس کا ہاتھ پکڑیں گے اور تازیانہ مار کر دوڑائیں گے تا کہ داخل جہنم ہو۔ جو شخص اس کو دیکھے گا مسخرگی و استہزا میں اڑائے گا۔

سولہویں صفت

ظرافت و شوخی اور ہنسی

کس قدر جائز ہے، اُن کی صراحت

واضح ہو کہ ظرافت اور شوخی کی زیادتی مذموم ہے اور از روئے شرع ممنوع۔ کیوں کہ۔ باعث سبکی و کم وقاری ہے اور موجب قطع بزرگی و حصولِ خواری۔ دل کو آخرت سے غافل اور اکثر عداوت و دشمنی پیدا کرتی ہے اور دوسروں کی آزردگی و خجالت کا باعث ہوتی ہے۔

اسی لیے کہا گیا ہے کہ:

صاحب عزت سے شوخی نہ کرو کہ وہ دل میں کینہ پکڑتا ہے۔

نیز کمینہ سے بھی شوخی نہ کرو کہ تیری عزت و شان اس کی نظر سے گر جاتی ہے اور اس کو سخت بات کہنے کی جرأت پیدا ہوتی ہے۔

بعضوں نے کہا ہے کہ شوخی عزت کو کھو دیتی ہے اور دوستوں کو جُدا کرتی ہے۔

کسی کا مقولہ ہے کہ ہر چیز کے لیے ایک تخم ہے۔ عداوت و دشمنی کا تخم شوخی ہے۔ شوخی کی بُرائی یہ ہے کہ آدمی فضول ہنسی کے لیے منہ کھولتا ہے اور ہنستا ہے۔ ہنسی دل کو تاریک اور آبرو اور وقار کو کھو دیتی ہے۔

اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے منع فرمایا ہے :

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا۔

یعنی : "بہت کم ہنسو اور زیادہ گریہ کرو۔"

حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ :

جو کچھ کہ مَیں جانتا ہُوں۔ اگر تم لوگ اس کو جان لوگے تو ضرور کم ہنسوگے۔ کوئی شک نہیں کہ ہنسی کی زیادتی آخرت اور موت سے غافل کرتی ہے۔

ایک بزرگ نے اپنے نفس سے خطاب کیا اور کہا کہ اے نفس تُو ہنستا ہے۔ شاید تیرا کفن دھوبی کے پاس ہو۔ جب مرحلۂ مرگ درپیش ہو اور خانۂ آخرت آنے والا ہو اور دشمن مثل شیطان کے اور کرام الکاتبین مانند محاسب کے نزدیک ہوں اور عمر مثل برق کے گزر رہی ہو اور دنیا میں ہزار طرح کے خطرے موجود ہوں تو پھر اس مقام میں کیونکر ہنسی اور شوخی کی جاسکتی ہے اور خاطر جمع بیٹھ سکتے ہیں۔ بیشک یہ غفلت و بے خبری ہے۔

ایک بزرگِ دین نے ایک شخص کو ہنستا ہُوا دیکھ کر کہا کہ :

"تُو آتشِ جہنم کے نزدیک پہنچا ہے۔"

اس نے کہا : "ہاں۔"

اُس بزرگ نے کہا کہ :

"تُو جانتا ہے کہ اس سے نجات حاصل ہو گی۔"

اُس نے کہا کہ : "نہیں۔"

پھر اس بزرگ نے کہا کہ :

"کس امید پر ہنستا ہے۔"

اُس شخص کو پھر کسی نے ہنستا ہُوا نہ دیکھا۔

واضح ہو کہ ہنسنا بطورِ قہقہہ جس میں آواز ہو مذموم ہے۔ لیکن تبسم جس میں کوئی آواز نہ ہو مذموم نہیں بلکہ نیک ہے اور پیغمبرؐ کا تبسم کرنا مشہور و معروف۔ ایسا ہی شوخی و خوش کلامی جب کہ وہ زیادتی یا جھوٹ یا غیبت پر مشتمل ہو یا دوسرے کی آزردگی و خجالت کا باعث ہو مذموم ہے۔ لیکن تھوڑی سی خوش کلامی جو حد سے متجاوز اور سخن باطل یا ایذا یا اہانت پر مشتمل نہ ہو اور جس سے کوئی شکستہ خاطر نہ ہوتا ہو وہ مذموم نہیں۔ چنانچہ حضرت رسولؐ سے اور نیز بعض اصحاب سے صادر ہوتی تھی۔ حضرت امیر المومنینؑ مکرر شوخی فرماتے تھے یہاں تک کہ منافقین اس کو عیب سمجھنے لگے۔

ایک روز ان حضرتؑ نے شوخی فرمائی تو سلمان فارسیؓ نے کہا کہ اسی وجہ نے آپ کو چوتھے درجہ کی خلافت پر پہنچا دیا۔

سترہویں صفت

غیبت، اُس کی حقیقت و معانی
اور اُس کے
گناہ اور فساد کا بیان،
اُس کے معالجے اور مستثنیات
اور اُس کی ضد کا بیان

فصل (۱)

حقیقتِ غیبت

واضح ہو کہ حقیقتِ غیبت یہ ہے کہ برادر مومن کی کسی صفتِ بد کو اس طرح بیان کیا جائے کہ اگر وہ سن پائے تو ناخوش ہو اور اس پر راضی نہ ہو خواہ وہ نقص اس کے بدن میں واقعی موجود ہو۔ مثلاً :

کہا جائے کہ :-

فلاں اندھا ہے یا بہرا یا لنگڑا یا کم طاقت یا کوتاہ یا بلند یا کالا یا ترچھیرا وغیرہ۔

یا اس کے نسب میں مثلاً :

فلاں فاسق کا بیٹا یا حلال زادہ یا شریف نہیں ہے وغیرہ۔

یا کسی کی صفات وافعال یا اقوال میں مثلاً :

یہ کہ فلاں شخص بدخلق یا بخیل یا متکبر یا جبر کرنے والا یا صاحب ریا یا چور یا ظالم ہے یا فضول گو یا پرُخوار وغیرہ۔

یا کسی چیز میں مثلاً :

جو لباس یا سواری سے متعلق ہو۔ مثلاً :

اُس شخص کا لباس میلا یا اُس کا گھر یہودیوں کے گھر کے مانند ہے یا

اُس کا عمامہ گنبد یا گردوں کے مثل یا برابر یا اُس کے مرکب میں عیب وغیرہ ایسا ہی اُن امور میں جو اس کے ساتھ منسوب ہوں اس کی بُرائی بیان کرنا۔ اگر وہ سُن پائے تو ناخوش ہو جیسا کہ حدیثِ نبویؐ اس پر دلالت کرتی ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ :

"جانتے ہو غیبت کیا چیز ہے ؟"

عرض کیا گیا کہ :

"خدا اور رسولؐ زیادہ جاننے والے ہیں۔"

فرمایا کہ :

"اپنے برادر کی کسی صفتِ بد کا بیان کرنا جس سے اس کو ناخوشی ہو۔"

ایک شخص نے عرض کیا کہ :

"اگر وہ صفت اُس میں موجود ہو۔"

فرمایا کہ :

"اگر موجود ہو تو غیبت ہے ورنہ بُہتان۔"

آنحضرتؐ کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا کہ :

"فلاں شخص عاجز ہے۔"

حضرتؐ نے فرمایا کہ :

"اپنے رفیق کی تُو نے غیبت کی۔"

ایک روز کسی عورت کا ذکر آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ :

"وہ کوتاہ قد ہے۔"

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ :

"اُس کی تُو نے غیبت کی۔"

جب کسی دوسری عورت کا ذکر ہُوا تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ :

" اُس کا دامن بلند ہے۔"

حضرتؐ نے فرمایا کہ :

" اپنے منہ سے ڈال دے۔"

پس گوشت کا ایک ٹکڑا منہ سے باہر گرا۔

ایک روز ایک صحابی نے دوسرے کی نسبت کہا کہ :

" فلاں شخص زیادہ سونے والا ہے۔"

حضرتؐ نے فرمایا کہ :

" تُو نے اپنے برادر کا گوشت کھایا۔"

بعض احادیث میں وارد ہُوا ہے کہ :

پیغمبرؐ یا بعض ائمہ طاہرین علیہم السلام نے بعض اشخاص معینہ کی مذمت فرمائی ہے۔ ان کے لیے حکمِ الٰہی ہُوا تھا یا وہ گروہ ایسا تھا کہ جن کی غیبت جائز کی گئی اور وہ داخل مستثنیٰ ہوں جیسا کہ آئندہ حوالۂ قلم کیا جائے گا۔

واضح ہو کہ غیبت کرنا زبان سے منحصر نہیں بلکہ جس طریقہ سے کہ غیر کا نقص سمجھ میں آئے۔ وہ غیبت ہے۔ خواہ وہ قول یا فعل یا اشارہ یا ایماء یا رمز یا تحریر سے کی جائے۔

مروی ہے کہ :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہو کر جب واپس ہونے لگی تو انھوں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ یہ کوتاہ ہے۔

حضرتؐ نے فرمایا کہ :

" تُو نے اس کی غیبت کی۔"

غیبت صریح وکنایہ کی حرمت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بلکہ اکثر کنایہ بدتر ہوتا ہے غیبت کنایہ مثلاً یہ کہنا کہ الحمدللہ ہم کو خدا نے ہم نشینیِ ظالم یا محبّ ریاست یا سعیِ حصولِ مال میں مبتلا نہیں کیا۔ یا کہے کہ بے شرمی سے خدا کی پناہ یا یہ کہ بے شرمی سے خدا نے ہماری حفاظت کی۔ غرض اسی طرح کنایہ کسی شخص کی طرف ہو جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ ان اعمال کا مرتکب ہوا ہے۔

اکثر ہوتا ہے کہ جب کسی کی غیبت ریا سے اور صلح کے طور پر کرنا چاہتے ہیں تو ابتداء میں اس کی مدح کی جاتی ہے اور اپنی مذمت بھی کرتے ہیں۔

جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کس قدر بہتر تھا اور اب زمانے نے اس کو بھی ہمارے مانند کر دیا۔ اسے شیطان کے ہاتھ سے خلاصی نہ ملی۔ بعض اس طرح مسلمانوں کی غیبت کرتے ہیں کہ بطور عداوت کے اپنے رنج وغم کو اس شخص سے اظہار کرتے ہیں۔ حالانکہ اپنے دل میں کوئی رنج والم نہیں ہوتا۔

جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کی بے عزتی کے باعث یا فلاں عمل کے سرزد ہونے یا اس کو اہانت پہنچنے کے سبب سے میں نے کس قدر غم وغصہ کھایا کہ میرا دل جل گیا۔ خداوند عالم اس کے کام کو اصلاح پر لائے۔ اگر یہ منافق اس کا دوست ہوتا، غم والم اٹھاتا تو ضرور اس امر کو جس سے اس کی ناخوشی ہوتی ہے اس کو ظاہر نہ کرتا جو دعا ظاہرا اس کے لیے کی جاتی ہے۔ وہ خلوت میں کی جاتی۔ پس اس کا اظہار حزن اور اس کی دعا بوجہ خباثت باطن ہے۔ اس کو شیطان لعین نے اپنا بازیچہ قرار دیا ہے اور اس پر کام کو مشتبہ کیا اور اس پر ہنستا ہے اور اس کی نیکیوں کو برباد کرتا ہے۔ وہ شخص جانتا ہے کہ اپنا یہ عمل بہت اچھا ہے۔

واضح ہو کہ غیبت کا سننے والا بھی غیبت کرنے والے کے مانند ہے۔ جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جس طرح غیبت کرنے والوں کے اقسام ہیں

اسی طرح غیبت سُننے والوں کے بھی۔

وہ شخص جس کے سامنے کسی مسلمان کی غیبت کی جائے تو یا تو وہ اس سے خوشحال نہیں ہوتا اور بُرا بھی نہیں سمجھتا۔ اس لیے منع نہیں کرتا اور یا خوشحال تو ہوتا ہے۔ مگر بوجہ ریا تصدیق نہیں کرتا اور کبھی منع بھی کرتا ہے تو یہ ممانعت دل سے نہیں ہوتی۔ بلکہ بسا اوقات غیبت قطع نہ ہونے کے لیے حیلے کرتا ہے۔

مثلاً یہ کہ :

اظہارِ تعجب کرے یا یُوں کہے کہ مَیں اس کو اس طرح نہ سمجھتا تھا۔

پس اس غیبت کرنے والے کو غیبت کی زیادہ خواہش ہوتی ہے اور یہ باتیں اس کو غیبت پر قائم رکھتی ہیں اور یہ تمام گناہ ہیں، اور ایسا شخص غیبت کنندہ کے حکم میں داخل ہے۔

خلاصہ یہ کہ :

غیبت سُننے والے کا گناہ مثل غیبت کرنے والے کے ہے۔ مگر اس صورت میں جب کہ سُننے سے انکار کیا جائے اور اس کی بات کو قطع کرے یا اُس مجلس سے اٹھ جائے۔ اگر ان امور پر قدرت نہ رکھتا ہو تو دل میں غضبناک ہو، اور اگر وہ زبان سے کہتا ہے تو خاموش ہو لیکن اس کا طالب و مائل رہنا یہ اہلِ نفاق سے ہے۔

پس دیندار پر لازم ہے کہ جب کسی مسلمان کی غیبت سُنے تو اس سے انکار کرے اور اس کو رَد۔ ورنہ وہ مستوجب عذاب ہوتا ہے۔

حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ :

جو شخص کسی مومن کو کسی کے پاس ذلیل کرے اور وہ اس کی یاری کر سکتا تھا مگر نہ کرے تو خدا اُس کو قیامت میں ذلیل کرتا ہے۔

اور فرمایا کہ :

جو شخص اپنے برادر کی غیبت کو رَد کرے اور اُس کی آبرو کی حفاظت۔ تو خداوند عالم پر حق ہے کہ قیامت میں اُس کی آبرو کی حفاظت کرے۔

اور فرمایا کہ :

کوئی مرد نہیں ہے کہ کسی مسلمان بھائی کی بدی اس کے سامنے کی جائے اور وہ اس کی طرفداری و حمایت کر سکتا تھا۔ اگرچہ وہ ایک کلمہ سے کیوں نہ ہو لیکن وہ نہ کرے تو خدا تعالےٰ اس کو دنیا و آخرت میں ذلیل کرتا ہے اور جس کے سامنے کسی برادر مسلمان کا ذکر کیا جائے اور وہ اس کی یاری کرے تو خدا دنیا اور آخرت میں اس کی یاری کرتا ہے۔

اور فرمایا کہ :

جو شخص کسی مسلمان کی آبرو کی حمایت کرے تو خدا بروزِ قیامت ایک ملک کو اس کی حمایت کے لیے بھیجتا ہے۔

اور فرمایا کہ :

جو شخص اپنے برادر پر احسان کرے خصوصاً غیبت میں جو کسی مجلس میں کی جا رہی ہو اور اس کو رَد کرے تو خدا تعالےٰ دنیا و آخرت کی ہزار طرح کی خرابیوں کو اس سے دور کرتا ہے۔ اگر باوجود ممکن ہونے کے اس کی غیبت کو رَد نہ کرے تو اس کا گناہ اُن ستر اشخاص کے مقابل ہے جنھوں نے غیبت کی ہے۔

فصل (۲)

وہ آیات واخبار جو غیبت کی مذمت میں وارد ہوئے ہیں!

واضح ہو کہ غیبت مہلکہ عظیمہ ومعاصی شدیدہ میں سے ہے اور باجماع تمام امت اور کتاب ربّ العزت اور احادیث پیغمبرؐ اور ائمہ اثنا عشرؑ سے اس کی حرمت ثابت ۔

خداوند عزت فرماتا ہے :

وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۔

یعنی : "ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم اپنے اس برادر کا گوشت جو مرا ہوا ہو.... کھانا پسند کرتے ہو۔ پس اس سے کراہت رکھو۔"

حضرت رسولِ خداؐ سے مروی ہے کہ فرمایا :

"غیبت سے پرہیز کرو۔ بہ تحقیق کہ غیبت زنا سے بدتر ہے۔ کیوں کہ جو مرد زانی توبہ کرتا ہے تو خدا اس کی توبہ کو قبول کرتا ہے اور غیبت کرنے والے کو خدا اس وقت تک نہیں بخشتا جب تک کہ وہ شخص جس کی اس نے غیبت کی ہے نہ بخشے۔

اور فرمایا کہ :

شبِ معراج ایک قوم پر میرا گزر ہوا کہ جو اپنی صورتوں کو اپنے ناخن سے زخمی کرتے تھے۔ جبرائیل سے دریافت کیا کہ :-

"یہ کون لوگ ہیں۔"

انھوں نے کہا کہ :

"یہ غیبت کرنے والے ہیں۔"

ایک روز وہ سرورؐ منبر پر تشریف لے گئے اور ایسی بلند آواز سے خطبہ پڑھا کہ تمام عورتیں آواز سن رہی تھیں اور فرمایا کہ اے گروہ! تم زبان سے ایمان لائے ہو مگر تمھارا دل ایمان سے خالی ہے۔ مسلمانوں کی غیبت اور اُن کی عیب جوئی نہ کرو۔ جو شخص اپنے برادر کی عیب جوئی کرتا ہے خدا اس کے عیب کو ظاہر کرتا ہے۔ اگرچہ وہ اپنے مکان میں ہو۔

ایک روز ان سرورؐ نے منبر پر خطبہ ادا فرما کر زنا اور اس کی عقوبت کو اس طرح بیان فرمایا کہ تینتیس بار زنا کرنے سے ایک درہم سود کا لینا بدتر ہے اور برادر مسلمان کی آبرو لینا زنا سے بدتر۔

آں حضرتؐ نے آدمیوں کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ اور فرمایا کہ کوئی شخص بغیر اجازت روزہ افطار نہ کرے۔

پس سب نے روزہ رکھا اور جب شام ہوئی تو ایک ایک حاضر ہوتا اور

اجازت حاصل کر کے افطار کرتا۔

یہاں تک کہ ایک مرد حاضرِ خدمت ہوا اور عرض کیا کہ :

"یا رسول اللہؐ! میری دو لڑکیوں نے روزہ رکھا ہے اور ان کو آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے حیا مانع ہوتی ہے۔ لہٰذا اجازت دیجیے، کہ افطار کریں۔"

حضرت نے اپنا منہ پھیر لیا۔

پھر اُس مرد نے وہی عرض کیا۔ پھر حضرت صلعم نے منہ پھیر لیا اور تیسری مرتبہ پر فرمایا کہ :

"وہ روزہ سے نہ تھیں۔ کیونکہ تمام دن انھوں نے آدمیوں کا گوشت غیبت کے ذریعہ سے کھایا ہے۔ جا اُن کو کہہ کہ وہ قے کریں۔"

وہ مرد واپس ہوا اور ان کو اس کی خبر دی۔ پس انھوں نے قے کی تو ہر ایک کے منہ سے ایک ایک خون کا ٹکڑا نکلا جو بستہ ہو گیا تھا۔ جب حضرت پیغمبرؐ کو اس کی خبر دی گئی تو فرمایا کہ :

"اس خدا کی قسم ہے۔ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر یہ ان کے پیٹ میں رہ جاتا تو جہنم کی آگ اُس کو کھاتی۔"

خداوند عالم نے حضرت موسیٰؑ کو وحی فرمائی کہ جو غیبت کرنے والا توبہ کرنے کے بعد مر جائے تو آخر میں، اور اگر بغیر توبہ کے دنیا سے جائے تو پہلے پہل داخلِ جہنم ہو گا۔

حضرت رسولؐ سے مروی ہے :

جو شخص مسلمان یا مسلمہ کی غیبت کرے تو خدا اس کی نماز اور روزے چالیس روز کے قبول نہیں کرتا۔ مگر جس شخص کی غیبت کی جائے وہ اس کو عفو کر دے۔

اور فرمایا کہ :

"جو شخص کسی مسلمان کی ماہِ رمضان میں غیبت کرے تو اس کے روزے کا کوئی اجر نہیں۔"

دوسری حدیث میں انہی سرورؐ سے منقول ہے کہ :

جو شخص حلال زادہ ہونے کا گمان کرتا ہے تو اس کا گمان غلط ہے۔ جبکہ وہ بذریعۂ غیبت آدمیوں کا گوشت کھاتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ :

جو شخص کسی مومن کی نسبت بیان کرے کہ میں نے خود اُس کے امر قبیح کو دیکھا یا سُنا تو وہ شخص اس آیۂ مبارک میں داخل ہے :

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ

فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔

یعنی : "بہ تحقیق کہ جو لوگ مومنین کے امر قبیح و ناشائستہ کا اظہار پسند کرتے ہیں ان کے لیے عذاب دردناک ہے۔"

انہی حضرتؑ سے مروی ہے کہ :

جو شخص کسی مومن کا عیب اس کو معیوب اور اس کی آبرو کم کرنے کی نیت سے بیان کرے تاکہ وہ لوگوں کی نظروں سے گر جائے تو خداوند عزشانہ اس کو اپنے تحت حکم سے باہر کر کے شیطان کے تحت حکم میں داخل کرتا ہے اور شیطان اس کو قبول نہیں کرتا۔

انہی حضرتؑ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے برادر مومن کی بغیر عداوت کے غیبت کرے

تو شیطان اس کے نطفہ میں شریک ہے۔

اور فرمایا کہ :

• مسلمان پر غیبت حرام ہے اور وہ حسنات کو کھا جاتی ہے اور اُن کو باطل کرتی ہے جیسا کہ آگ لکڑی کو۔

اس خصوص میں اخبار بُہت ہیں۔ ان تمام کا ذکر کرنا دشوار ہے بلکہ مشکل۔ جس قدر کہ حوالۂ قلم کیا گیا کافی ہے۔ علاوہ اس کے جو معمولی عقل والا ہو وہ جان سکتا ہے کہ یہ صفت خبیث ترین صفات اور اس کا صاحب رذیل ترین مردم ہے سابق کے بزرگ خدا کی بندگی، نماز، روزے سے واقف نہ تھے بلکہ چشم پوشی اور دوسروں کے عیوب کی پیروی سے اپنی حفاظت کرنا مقدم سمجھتے تھے اور ان کو افضل اعمال اور ان کے خلاف کرنا منافقین کی صفت جانتے تھے اور ترک غیبت پر مرتبہ بلند و درجات رفیع کے وصول کا انحصار سمجھتے تھے۔

کیونکہ حضرت رسولؐ سے وارد ہے کہ جس شخص کی نماز نیک ہو اور وہ صاحب عیال ہو اور مال کم رکھتا ہو اور مسلمانوں کی غیبت نہ کرے وہ بہشت میں میرے ساتھ ہوگا۔

وہ کس قدر بُرا ہے کہ جو اپنے عیوب سے غافل ہو اور دُوسروں کے عیوب کو ظاہر کرنے کی کوشش کرے۔

پس اے صاحبو!

جب آپ چاہتے ہیں کہ دوسروں کے عیوب کو ظاہر کریں تو پہلے اپنے عیوب پر نظر کیجئے اور بعد دوسروں کی اصلاح۔

قولِ پیغمبرؐ کو یاد کیجئے۔ فرمایا ہے کہ :

خوشا بحال اس شخص کا جو اپنے عیوب کی اصلاح پر مشغول ہو، اور

دوسروں کے عیوب پر نظر نہ ڈالے خصوصاً جب کہ آپ کسی شخص کا وہ عیب ذکر کرتے ہیں جو اس کا اختیاری نہ ہو بلکہ منجانب حق سبحانہٗ تعالیٰ ہو تو اس کے عیب کی مذمت کرنا فی الحقیقۃ خالق کی مذمت سمجھی جاتی ہے۔

ایک شخص نے کسی عقلمند سے کہا کہ :

" اے بدصورت !"

اس نے جواب دیا :

• کیا میرا پیدا کرنے والا مجھ کو نیک پیدا نہ کر سکتا تھا۔"

غیبت کرنے کی بڑی خرابی یہ ہے کہ غیبت کنندہ کے اعمال نیک غیبت کے عوض میں اس کے نامۂ اعمال میں جس کی غیبت کی جاتی ہے لکھے جاتے ہیں اور اس کے گناہ اس کے نامۂ اعمال میں نقل ہوتے ہیں۔ وہ شخص کس قدر احمق ہے کہ ایک بات کے ذریعے سے قیامت میں دوسروں کے وبال کا متحمل ہوتا ہے۔

مروی ہے کہ :

جب قیامت میں بندہ نامۂ اعمال لے کر حاضر ہو گا اور اس کو دیکھے گا تو کوئی نیکی اس میں نہیں پائے گا۔

عرض کرے گا کہ :

• اے پروردگار ! یہ میرا نامہ نہیں ہے۔ کیوں کہ اس میں اپنی کوئی اطاعت نہیں دیکھتا ہوں۔"

خطاب ہو گا کہ :

• اے بندے ! تیرا پروردگار خطا و سہو سے بری ہے۔ تیرے اعمال نیک آدمیوں کی غیبت میں محو ہو گئے ہیں۔"

جب دوسرا حاضر ہو کر اپنے نامۂ اعمال میں بہت سی طاعت و عبادت

دیکھے گا تو عرض کرے گا کہ :

• یہ نامہ اعمال میرا نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اعمال نیک مجھ سے صادر نہیں ہوئے۔"

خطاب ہوگا کہ :

• فلاں شخص نے تیری غیبت کی تو اس کی طاعت وعبادت اس کے عوض تجھ کو دی گئی ہے۔"

پس عقلمند کو غور کرنا چاہیئے کہ جس شخص کی غیبت کی جاتی ہے۔ اگر وہ آپ کا دوست ہے تو کس قدر بے مروتی ہے کہ اس کی غیبت کریں اور اس کی بدی کو دوسروں پر ظاہر۔

اگر وہ آپ کا دشمن ہے تو کس قدر بے عقلی اور کمینہ پن ہے کہ اپنے دشمن کا وبال اپنے ذمہ لیں اور جو اطاعت آپ نے کی ہو وہ اس کو دے دیں۔

فصل (۳)

مُعالجۂ مرضِ غیبت

اور اُس کے اسباب و اقسام

واضح ہو کہ مرضِ غیبت کا علاج دو قسم پر ہے :

- ایک اجمالی
- دُوسرا تفصیلی

معالجۂ اجمالی یہ ہے کہ :

دیدۂ بصیرت کھولے اور ایک ساعت اُن آیاتِ قرآنی و احادیث کا جو مذمت میں اس صفتِ خبیثہ کے وارد ہوئے ہیں۔ معائنہ کرے اور غضب حق سبحانہٗ تعالےٰ اور عذاب روز جزا کو یاد کرے اور دنیا کی خرابیوں کو نظر میں لائے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس کی آپ غیبت کرتے ہیں اس کو اطلاع ہو جانے سے وہ آپ سے بغض و عداوت کرتا ہے۔ آپ کی اہانت و غیبت یا اذیت پہنچانے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور بعض وقت اس کا فعل اس حد تک پہنچتا ہے کہ اس کا علاج ممکن نہیں ہوتا۔ نیز اس امر پر غور کیا جائے کہ اگر آپ کی غیبت کوئی

شخص کرے تو آپ کس قدر آزردہ وخشمناک ہوتے ہیں۔

پس بلحاظ شرف ذات ونجابت آپ جس چیز کو اپنے لیے پسند نہیں کرتے ہیں دوسرے کے حق میں بھی اس کو پسند نہ کریں گے۔ جو بات آپ اپنے منہ سے نکالنا چاہیں۔ اس پر پہلے غور کرلیں۔ اس سے اگر کسی کی غیبت ہوتی ہو تو وہ بات منہ سے نہ نکالیے یہاں تک کہ عادت ہو جائے۔

مُعالجۂ تفصیلی یہ ہے کہ :

غیبت کے سبب وباعث کو دریافت کیجئے اور اس کی قطع میں کوشش کیجئے۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ غیبت کرنے کے چند اسباب ہوتے ہیں :۔

۱ : غضب

جب کہ آپ کسی سے آزردہ ہوں اور وہ سامنے آجائے تو غضبناک ہوتے ہیں۔ جس وقت وہ موجود نہ ہو تو اس کی مذمت میں زبان کھولتے ہیں تاکہ اس کے وسیلہ سے اپنے غصّہ کو دفع کریں۔

۲ : عداوت وکینہ

جب کہ آپ کسی کو دشمن رکھتے ہوں تو آپ عداوت سے اس کی بدی کا ذکر کرتے ہیں۔

۳ : حَسد

جب کہ آدمی کسی کی تعظیم وتکریم کرتے ہیں اور کسی کی تعریف کی جاتی ہے

تو آپ بوجہ حسد اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا آپ اُس کی مذمت کرتے ہیں اور اس کے عیوب کو ظاہر۔

۴ : خوش طبعی

جب کہ آپ دل لگی و خوش طبعی کے ذریعہ سے اپنی اوقات لہو لعب میں صرف کرتے ہوں اور دوسروں کے افعال و احوال کو بغیر قصد اہانت و خواری بیان کریں۔

5 : آپ ذریعہ مسخرگی استہزا کسی کی اہانت کریں۔ خواہ وہ اس کی حضوری میں ہو یا غیبت میں۔

۶ : فخر و مباہات

یعنی جب کہ ارادہ ہو کہ اپنا فضل و کمال کسی کو ذلیل کرنے کی غرض سے ظاہر کیا جائے۔

جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کچھ نہیں جانتا یا وہ راستی پر نہیں یا حاضرین کو یہ باور کرانا منظور ہو کہ آپ اس سے بہتر اور بلند درجہ پر ہیں۔ ان چھ طریقوں کا مُعالجہ اُن چھ صفاتِ خبیثہ کے علاج سے کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ سابق میں مذکور ہُوا۔

۷ : یہ کہ کسی سے فعل بد صادر ہو اور وہ آپ کے ساتھ منسوب کرے تو آپ چاہتے ہوں کہ اس کو اپنے سے دفع کریں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ مَیں نے نہیں کیا فلاں نے کیا ہے۔

اس کا علاج یہ ہے کہ اس کی غیبت سے غضبِ الٰہی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ آپ کے قول کو قبول کرتا ہے تو بہتر یہ ہے کہ اُس عملِ بد سے

آپ خود نفی کر جائیں اور اپنے کو دوسرے کے ساتھ نسبت دینے سے کیا غرض۔ اگر وہ آپ کے قول کو قبول نہیں کرتا ہے تو دوسرے کو بھی اپنے سے نسبت نہ دینی چاہیئے۔

۸ : یہ کہ جب آپ اپنے کو کسی فعل بد کرنے والے سے نسبت دے کر یہ کہتے ہوں کہ وہ فعل بد آپ سے دور ہو جائے اور اس وجہ سے آپ کہتے ہوں کہ فلاں شخص بھی اس امر کا مرتکب ہوا ہے یا فلاں عالم نے بھی حرام کھایا یا مالِ حرام حاصل کیا ہے اور وہ مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے۔

چنانچہ اکثر کہا جاتا ہے کہ اگر مَیں نے سُود لیا تو فلاں شخص نے بھی لیا ہے۔ اگر مَیں نے شراب پی ہے تو فلاں شخص نے بھی پی۔ کوئی شک نہیں کہ ایسا عُذر آپ کے گناہ سے بدتر ہے۔ کیونکہ علاوہ اس کے کہ گناہِ اوّل کی خرابی اس سے دفع نہیں ہوسکتی۔ دوسرا گناہ جو غیبت ہے آپ اُس کے مرتکب ہوتے ہیں اور اپنی جہالت وحماقت آدمیوں پر ظاہر کرتے ہیں۔ کیونکہ جب کوئی شخص آگ میں گرتا ہے تو آپ کو بھی گرنا ضروری نہیں۔ آپ ضرور اس میں موافقت نہ کریں گے اگر موافقت کی جائے گی تو سخت حماقت و نادانی ہوگی۔ وہ گروہ اشقیا عوام جن کے دل شیطان کے آشیانے بنے ہیں اور جن کی عمر معصیت پروردگار میں گزری ہے اور اس قدر آدمیوں کا مظلمہ ان کی گردن پر ہے کہ امید خلاصی نہیں۔ اسی وجہ سے ان کا نفس خبیث معاد وحساب وحشر ونشر کا طالب نہیں ہے۔ جب شیطانِ لعین نے ایسی خواہش اُن کے دل میں پائی تو قابو پاکر اُن کو وسوسہ میں ڈالا اور طرح طرح کے شک وشُبہ اُن کے دل میں پیدا کیے۔ اُن کے اعتقاد کو سُست وضعیف کیا۔ اسی وجہ سے گناہوں میں پروردگار کے بیباک ہوگئے ہیں۔ اُن سے جو معصیت صادر ہوتی ہے۔ اس کے عدم اعتقاد کے

باعث ان کو شیطان نے اس پر آمادہ کر رکھا ہے کہ اس کا اس طرح عذر کریں کہ جو ہم نے کیا ہے۔ فلاں شخص نے بھی اس کو کیا ہے۔ ہم جس امر قبیح کے مرتکب ہوئے ہیں فلاں شخص بھی اس کا مرتکب ہوا ہے۔ اس امر سے وہ غافل ہیں کہ یہ عذر نہیں جہل و حماقت ہے اگر ان کے اس عمل نے معاد و حساب روز جزا کے اعتقاد کو کھو دیا تو ضرور کافر ہو گئے پھر کیا عذر پیش کر سکتے ہیں۔ اگر نہیں کھویا تو اس شخص کا عمل اس کے واسطے کیا فائدہ دیتا ہے۔ علاوہ اس کے اگر بعض اُن علماء کا عمل ہو جنھوں نے اپنا نام عالم رکھا ہے۔ کیوں وہ اس عالم کی جو ان کے مانند شقاوت و خباثت میں گرفتار ہے پیروی کرتے ہیں کس لیے علمائے آخرت کی پیروی نہیں کرتے کیونکہ وہ اعلم و اکمل ہیں اور سرچشمۂ علم و معرفت۔

۹ : غیبت کا سبب ان رفیقوں کے ساتھ موافقت و ہمزبانی ہوتی ہے جو آپ کے ہم صحبت ہوں اور کسی کی غیبت میں مشغول۔ اگر آپ ان کو منع کریں یا ان کے ساتھ غیبت میں موافقت نہ کریں تو آپ کو خیال ہوتا ہے کہ وہ آپ سے نفرت کریں گے اور آپ کو برا جانیں گے اس صورت میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ آپ عجب احمق ہیں کیونکہ جس امر کو پروردگار نے منع کیا ہے آپ اس کو بجا لاتے ہیں اور اس کی رضا و خوشنودی کا لحاظ نہیں کرتے اور اس کے برگزیدگان درگاہ و ملائکہ و انبیاء و اولیاء کی نظر میں خفیف ہوتے ہیں۔ صرف اس گمان سے کہ رذیل اور اوباش آپ سے راضی رہیں۔ بلکہ یہ امر آپ کا دلالت کرتا ہے کہ آپ خدا و رسول سے زیادہ انھیں بزرگ سمجھتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ آپ مستحق لعن بیشمار ہیں اور عذاب روز شمار کے سزاوار۔

۱۰ : جبکہ آپ یہ گمان کریں کہ کوئی شخص کسی بزرگ کے نزدیک آپ کی مذمت کرے گا یا کوئی شہادت جو آپ کے مضر ہے دے گا۔ اس لیے آپ اپنی بہتری اس میں دیکھیں اور سبقت کریں اور اس کو اُس بزرگ کے نزدیک معیوب بنائیں یا اپنا دشمن قرار دیں کہ اس کی بات آپ کے حق میں بے اثر اور اس کا کلام درجۂ اعتبار سے ساقط ہو جائے تو آپ اپنے کو

پروردگار کے نزدیک ضائع و بے اعتبار کرتے ہیں اور خدا کو اپنا دشمن صرف اس گمان پر کہ دوسرا بندہ آپ کا دشمن ہوگا۔ پس عجب کمینہ پن اور بیوقوفی ہے کہ صرف توہم اور خیال پر کہ مخلوق کے غضب سے دنیا میں نجات حاصل ہو کہ جس کا یقین نہ ہو مگر اپنے کو آخرت کی ہلاکت میں جس کا یقین ہے ڈالتے ہیں اور اپنے حسنات کو ہاتھ سے کھوتے ہیں اس اُمید پر کہ مخلوق کی مذمت دفع ہو۔

۱۱ : کسی پر ترحم کرنا ہے۔ اُس کی مثال یہ ہے کہ جب کسی شخص کو کسی نقص یا عیب میں مبتلا یا حقیر و بے اعتبار دیکھتے ہیں اور آپ کا دل اُس پر محزون ہوتا ہے تو آپ اپنے رنج و الم کا سچا اظہار کرتے ہیں۔

۱۲ : جب آپ کو کسی کی معصیت کے ارتکاب کی اطلاع ہو اور محض رضائے خدا کے باعث آپ اس پر غضبناک ہوں اور اُس شخص کا نام اور اس کی معصیت کو بیان کریں۔ بہت سے لوگ اس قسم کی خرابی سے غافل ہیں اور ایسا سمجھتے ہیں کہ رحم و غضب کرنا جو از برائے خدا ہو تو اس کا نام بتانا کوئی ضرر نہیں۔ یہ خطا و غلط ہے۔ چونکہ رحم و غضب از برائے خدا خوب اور آدمیوں کی غیبت حرام و بد ہے اور صرف ترحم و غضب کسی شئے کی حرمت کو دفع نہیں کر سکتے اور بسا اوقات کہ غیبت کے اسباب اور بھی ہوتے ہیں جو انھیں اسباب مذکورہ کے نزدیک ہوتے ہیں اور ان کی خرابیاں بھی جو مذکور ہوئیں وہی معلوم ہوتی ہیں۔

فصل (۴)

کن مقامات میں غیبت جائز ہے

اور اس کا کیا کفّارہ ہے

واضح ہو کہ مقاماتِ مندرجہ ذیل میں غیبت جائز ہے :-

۱ : مظلوم کا ظالم کے ظلم کو اُس شخص سے جو اس کے سننے کا حقدار ہو بیان اور استغاثہ کرنا اس غرض سے کہ اس سے انتقامِ ظلم لیا جائے یا اس کی اعانت کی جائے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ جس قدر اس پر ظلم ہوا اسی قدر بیان کریں اور ظالم کے دوسرے عیوب نہ بیان کیے جائیں۔

۲ : کسی شخص کے عیوب شرعیہ کا بقصد امر معروف و نہی منکر خدا کی رضا کے لیے بیان کرنا۔ یہ بیان اس کی رُسوائی و ہوا و ہوس کی بناء پر نہ ہو اور اس پر فائدہ دفع منکر مترتب ہو اور موافق شریعت بھی ہو اور ایسے ظالم بیباک کے سامنے بیان نہ کیا جائے جو حد شرع سے تجاوز کر جائے یا اس حد تک بیان کیا جائے کہ اس پر فائدہ نہی عن المنکر مترتب نہ ہو۔

۳ : جب کوئی شخص آپ سے کسی شخص کے ساتھ کسی معاملہ میں یاداد وستد میں مشورت کرے تو ایسی صورت میں اس شخص کا ذکرِ عیب جو اس بارے میں

دخل رکھتا ہو جائز ہے بشرطیکہ اس کے ذکر کی ضرورت ہو۔ لیکن اگر اس کی احتیاج نہ ہو تو یہی کہنا کافی ہے کہ میں اس امر میں آپ کی بہتری نہیں جانتا اور اس شخص کے عیب کی صراحت نہ کی جائے۔

۴ : کسی مومن کو حکم و نصیحت کرنا جب کہ وہ فاسق و بداخلاق کا مصاحب ہو اور اس سے اختلاط رکھتا ہو اور اس کی حالت سے مطلع نہ ہو اور یہ گمان پیدا ہو کہ اس کے اعمال بد اس مومن میں صحبت کے باعث اثر کر جائیں گے۔ ایسی صورت میں بھی اس کے کسی عیب کا اظہار کہ اسی مطلب پر دخل رکھتا ہو جائز ہے۔

۵ : کسی حکیم کا حالت پوشیدہ مریض کو بغرض معالجہ بیان کرنا۔

۶ : کسی گواہ یا راوی حدیث کے عیوب کا اظہار کرنا جس کے باعث اس کی شہادت میں جرح ہو سکے یا اس کی حدیث رد۔ لیکن اس خصوص میں بقدر اس کے جرح کے اکتفا کیا جائے اور یہ اس شخص کو ضروری ہے جو اس کی شہادت یا اس کی حدیث پر عمل کرنا چاہتا ہو۔

۷ : کسی عالم یا حاکم شرع کے عیب کا اظہار جو قابلیت فتویٰ اور حکم نہ رکھتا ہو تو جب کہ کوئی اس کا حال پوچھے یا کوئی فتویٰ و حکم مخالفِ حق اس سے صادر ہوا ہو۔

۸ : جب کہ کوئی شخص کسی لقب سے مشہور ہو اور وہ لقب اس کے عیب پر دلالت کرتا ہو مثلاً لنگڑا ترچھا وغیرہ کہ اس کے لقب سے اس کا معلوم کرانا کوئی ضرر نہیں رکھتا۔ بشرطیکہ اور کسی طریقہ سے ممکن نہ ہو اور وہ جس کے سننے سے ناخوش نہ ہوتا ہو جبکہ وہ کراہت رکھتا ہو یا اس کا معلوم کرانا دوسرے الفاظ سے ممکن ہو تو جائز نہیں ہے۔

۹ : جب کہ کوئی شخص علانیہ فسق کا مرتکب ہوتا ہو اور اس کے اظہار سے وہ مضائقہ نہ رکھتا ہو بلکہ وہ خود اس کا اظہار کرے یا علانیہ اس کا مرتکب ہو اس فاسق کی غیبت کوئی ضرر نہیں رکھتی۔ اگرچہ کہ اس کو بُرا معلوم ہو۔ بلکہ ظاہر یہ ہے کہ ایسے شخص کی غیبت جائز ہے۔ اگرچہ وہ فسق میں مبتلا ہو۔ اس کو ظاہر نہ کرتا ہو اور اس کے اظہار میں مضائقہ کرتا ہو۔

۱۰ : ادائے شہادت حقوق الناس یا حقوق اللہ جب کہ اس کی ضرورت پائی جائے۔

۱۱ : اقوالِ اہلِ بدعت وضلالت میں۔

۱۲ : غیبت کفار اور جو لوگ مخالفین مذہب میں سے ہوں۔

۱۳ : جو شخص اپنے کو کسی دوسرے کے ساتھ منسوب کرے حالانکہ وہ منسوب نہ ہو اس کی نسبت کو رَدکر دینا جائز ہے۔

۱۴ : غیبت جو معین نہ ہو اور کوئی شخص نہ سمجھے کہ اس سے کون مراد ہے مثلاً کہا جائے کہ :

آج کسی احمق یا نادان کے پالے پڑ گیا یا
کسی فاسق نے ایسا کہا اور ایسا کیا۔ وغیرہ

بشرطیکہ وہ شخص نہ پہچانا جائے اور جب کہ بعض ایسی نشانی وعلامت ہو کہ جس کے اظہار سے اس کا عیب معلوم ہوتا ہو تو وہ حرام ہے۔

اور

چند مقامات حسبِ ذیل ہیں جن میں بعض علماء نے غیبت جائز قرار دی ہے :-

(۱) جب دو شخص کسی کے عیب پر مطلع ہوں تو ان میں سے ہر شخص اس دوسرے کے سامنے کسی تقریب سے ذکر کر سکتا ہے۔

(۲) ایسی جماعت کی غیبت جو محصور نہ ہو سکے مثلاً کہے کہ فلاں طائفہ یا ساکنانِ قریہ یا شہر کوئی عیب رکھتے ہیں۔

(۳) جو شخص کسی معصیت کا پے در پے مرتکب ہوتا ہو تو اس معصیت کا ذکر اُس سے جائز ہے۔

(۴) کسی شخص کے کسی عیب کا ذکر کرنا کہ اگر وہ اُسے سُنے تو مضائقہ نہ کرے۔ اگرچہ وہ عیب شرعی نہ ہو یا عیب شرعی ہو لیکن وہ علانیہ کرنے والا نہ ہو۔ لیکن حق یہ ہے کہ ان تمام چاروں صورت میں بھی غیبت حرام ہے اور کوئی دلیل ان کے استثناء پر نہیں ہے۔

واضح ہو کہ جو شخص کسی کی غیبت کرے تو اُس کا کفارہ یہ ہے کہ شروع میں توبہ کرے اور پشیمان رہے۔ اس کے بعد اُس شخص سے جس کی غیبت کی ہے اگر وہ زندہ ہو اور ممکن ہو اور اس نے سُن بھی لیا ہو اور اگر نہ سُنا ہو اور اس کے اظہار میں کسی فساد یا عداوت کا گمان نہ ہو تو اس سے معاف کرالے اور اگر کسی عداوت کا گمان ہو یا اس سے معاف کرانا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں اس کے لیے استغفار اور طلب آمرزش کرے اور اس کے لیے اعمالِ نیک بجالائے کہ قیامت میں اس کی غیبت کا عوض ہو سکے۔

فصل (۵)

مسلمانوں کی تعریف کرنے کی شرافت

غیبت کی ضد مدح و ستائشِ مسلمین ہے۔ یہ صفت خوب ہے اور عمل مرغوب اور یہ صفت حصولِ محبت اور دوستی کا باعث ہوتی ہے۔ خصوصاً جب کہ کسی برادر مومن کی غیبت میں مدح کی جائے تو اس کے دل میں فرحت اور سرور داخل ہوتا ہے۔ جس کا ثواب حسبِ بیان مذکورہ بیحد ہے اور احادیث و ثواب خصوص صفت مدح میں آئے ہیں۔

چنانچہ مروی ہے کہ ایک جماعت نے بعض مرے ہوؤں کی تعریف کی تو حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ :

"تمھارے لیے بہشت واجب ہوا۔"

وارد ہوا ہے کہ :

ہر فرزند آدم کے لیے چند ملائکہ ہمنشین ہیں۔ اگر وہ اپنے برادر مسلم کو نیکی سے یاد کرے تو ملائکہ کہتے ہیں کہ اس کے مانند تیرے لیے بھی ہوں۔

واضح ہو کہ جو مدح وستائش کی جائے وہ راست ہو اور جھوٹ پر مشتمل نہ ہو از روئے ریا و نفاق نہ کی جائے۔ اگر بطور نفاق کی جائے تو وہ مدح بد ہے۔ اگرچہ راست ہو ظالموں اور فاسقوں کی سچی مدح بھی نہ کرے۔ کیونکہ وہ مدح اس ظالم و فاسق کے سرور و فرح کا باعث ہوتی ہے۔ ان کا شاد کرنا مذموم ہے اور بعض حرام جانتے ہیں۔

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ :

جو شخص کسی فاسق کی مدح کرے تو خدا خشمناک و غضبناک ہوتا ہے۔ چونکہ بعض شخص کو اس کی مدح عجب و تکبر کا باعث ہوتی ہے اور بعض خوش ہوتے ہیں اور مغرور۔ اس لیے ایسے اشخاص کی بھی مدح کرنا جائز نہیں اور وہ مدح ان کی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے۔

جو اخبار مدح کی مذمت میں آئے ہیں۔ ان میں کوئی نہ کوئی برائی پائی جاتی ہے۔ بہر حال کسی کی ایسی مدح وثنا کرنا نہایت مذموم اور صفات رذیلہ میں داخل ہے جس کی نسبت آئندہ حوالۂ قلم کیا جائے گا

اٹھارہویں صفت

جھوٹ کہنے کی مذمّت

واضح ہو کہ جھوٹ کہنا گناہِ کبیرہ ہے۔ بلکہ بدترین گناہ وخبیث ترین صفت ہے۔ کیونکہ یہ صفت آدمی کو دوسروں کی نظروں میں خوار کرتی ہے اور نگاہوں میں بے وقعت و بے اعتبار۔ یہ سرمایہ خجالت و انفعال ہے اور باعثِ دل شکستگی و ملال۔ خلق میں آبرو جاتی ہے اور دنیا و عقبیٰ میں باعثِ روسیاہی اس صفت کی مذمت میں بہت سے اخبار آئے ہیں، اور اس کی خرابی میں آیات بے شمار۔

خداوندکریم فرماتا ہے:

اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ یعنی: "جو لوگ جھوٹ سے افترا باندھتے ہیں وہ خدا پر ایمان نہیں رکھتے۔"

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ:

جس وقت کسی مومن پر بغیر عذرِ شرعی کے جھوٹ بات کہی جائے تو ۷۰ ہزار

فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں اور اس کے دل سے ایسی بدبو نکلتی ہے جو عرش تک پہنچتی ہے اور خدا تعالیٰ بسبب اس جھوٹ کے ستر زنا کا گناہ اس کے نام پر لکھتا ہے۔ ان میں سے کم درجہ کا وہ زنا ہے جو اپنی ماں کے ساتھ مرتکب ہوا ہو۔

ان سرورؐ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ :

"مومن بزدل اور بخیل ہوتا ہے مگر جھوٹا نہیں ہوتا۔"

نیز فرمایا کہ :

"جھوٹ آدمی کی روزی کم کرتا ہے۔"

اور فرمایا کہ :

"تم کو بزرگ ترین گناہِ کبیرہ کی خبر دوں۔ وہ خدا سے شرک اور عقوقِ والدین اور جھوٹ ہے۔"

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ :

"بندہ لطفِ ایمان نہیں پاتا، جب تک کہ جھوٹ کو ترک نہ کر دے۔ خواہ وہ ازراہ شوخی و دل لگی ہو۔"

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ :

"خدا تعالےٰ نے بدی کے لیے قفل مقرر کیے ہیں۔ اُن قفلوں کی کنجی شراب ہے، اور جھوٹ شراب سے بدتر۔"

اور فرمایا کہ :

"ایمان کی بنیاد کو جھوٹ خراب کرتا ہے۔"

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے کہ :

"تمام اعمالِ خبیثہ گھر کے دروازے کے مانند ہیں اور اُس گھر کی کنجی جھوٹ ہے۔"

واضح ہو کہ خدا و رسولؐ و آئمہ علیہم السلام پر جھوٹ کہنا نہایت بد ہے۔ مثلاً کوئی جھوٹ مسئلہ کہنا یا جھوٹی حدیث نقل کرنا اسی قدر جھوٹ کی مذمت کافی ہے کہ وہ روزہ کو باطل کرتا ہے۔ اور وجوب قضا و کفارہ کا باعث ہوتا ہے جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔

حسب ذیل مقامات پر جھوٹ کہنا جائز ہے :-

(۱) یہ کہ اگر جھوٹ بات نہ کہی جائے تو فساد برپا ہونے کا اندیشہ ہو یا کوئی ضرر اس کو پہنچتا ہو یا کسی مسلمان کے قتل کا باعث یا اس کی ناموس یا مال محترم یا اس کی آبرو برباد جاتی ہو تو ایسی صورت میں جھوٹ کہنا جائز بلکہ واجب ہے اگر کوئی ظالم یا جابر کسی کو اس کے مال یا اس کے اس عمل بد کے متعلق جو اس کے اور خدا کے درمیان صادر ہوا ہو استفسار کرے تو جائز ہے کہ انکار کرے۔ ایسا ہی کسی معصیت کو ظاہر نہ کرنا چاہیئے جو اس سے صادر ہوئی ہو۔ کیونکہ گناہ کا اظہار دوسرا گناہ ہے۔ کسی مسلمان کے عیب یا مال کی نسبت بھی یہی حکم ہے۔ بلکہ ان تمام صورتوں میں انکار واجب۔

(۲) جب کہ دو آدمیوں میں کوئی رنج و ملال ہو گیا ہو تو ان کی اصلاح کے لیے جھوٹ کہنا جائز ہے کہ رفع ملال ہو۔ ایسا ہی جب کسی نے کوئی بات کہی یا یا کوئی عمل کیا۔ اگر وہ سچ سچ کہتا ہے تو فتنہ یا کسی مومن کی عداوت کا باعث یا کوئی فساد واقع ہوتا ہے تو اس سے انکار کیا جائے۔ اگر کوئی شخص رنجیدہ ہو اور اس کا رفع کرنا اس بات پر جو کہی گئی ہے یا اس عمل پر جو کیا گیا ہے منحصر ہو تو اس سے انکار جائز ہے۔

(۳) جب کہ کوئی عورت اپنے شوہر سے کسی چیز کی خواستگار ہو اور وہ اس کے لینے کی قدرت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ لیکن اس پر واجب نہ ہو تو کہ اس سے

وعدہ کرلے حالانکہ اس کے لینے کا قصد نہ رکھتا ہو اور نہ لے ایسا ہی جب کسی کی کئی عورتیں منکوحہ ہوں تو جائز ہے کہ ہر ایک سے کہے کہ میں تجھ کو دوست رکھتا ہوں اور حقیقتاً وہ دوست نہ رکھتا ہو۔

(۴) جب کہ کسی لڑکے کو کسی کام میں مشغول کرنا چاہتے ہوں اور وہ اس پر رغبت نہ رکھتا ہو مثلاً مدرسہ جانا وغیرہ تو جائز ہے کہ اس کو وعدہ دیا جائے یا ڈرایا جائے۔ حالانکہ آپ کو اس طرح کرنا منظور نہ ہو۔

(۵) دشمنانِ دین کے مقابل جہاد بطور مکر جس سے حریف پر فتحیاب ہوں۔ حاصل کلام ہر مقام پر جب کہ بہت بڑا فائدہ شرعی حاصل ہوتا ہو اور اس کا حصول جھوٹ پر ہی موقوف ہو تو جھوٹ جائز رکھا گیا ہے اور اگر سچ کہنے میں شرعاً فساد پایا جاتا ہو تو جھوٹ کہنا واجب ہو جاتا ہے۔ بہر حال ضرورت و احتیاج کی حد سے تجاوز نہ کرنا چاہیئے اور حصولِ زیادتی مال و منصب وغیرہ اور اُن چیزوں میں جن سے آدمی مضطر نہیں ہوتا ہے جھوٹ کہنا حرام ہے اور اس کے ارتکاب میں آثم و گناہگار۔

واضح ہو کہ جس مقام میں حسب شرع جھوٹ کہنا جائز ہے اُس میں جہاں تک ہو سکے صاف طور پر جھوٹ نہ کہا جائے۔ بلکہ اس طرح کہنا چاہیئے کہ جس کا ظاہر معنی سچ ہو اگرچہ اس کا وہ مفہوم جو سُننے والا سمجھتا ہے جھوٹ ہو تاکہ نفس کو جھوٹ کہنے کی عادت نہ ہو جائے۔ مثلاً یہ کہ کوئی ظالم کسی کی سکونت کی نسبت سوال کرے تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ خدا بہتر جانتا ہے کہ وہ کہاں ہے یا غیب کا جاننے والا خدا ہے۔ اگر کوئی گناہ آپ سے صادر ہوا ہو اور استفسار کیا جائے تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ خدا نہیں چاہتا ہے کہ میں ایسا عمل کروں یا استغفراللہ خدا سے پناہ مانگتا ہوں۔ اگر میں نے ایسا کام کیا ہے۔ اگر کوئی بات کسی کے حق میں کہی جائے

اور آپ چاہتے ہوں کہ بذریعۂ انکار اس کا رفع ملال کریں تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی شان اس سے بلند ہے کہ ایسی بات آپ کے حق میں کہی جائے۔ یہ جو عرفاً کہا جاتا ہے کہ سو مرتبہ فلاں بات کہی گئی یا ہزار مرتبہ فلاں عمل آپ سے صادر ہوتے دیکھا گیا یا پچاس مرتبہ آپ کے گھر میں آیا۔ حالانکہ یہ تعداد تحقیق نہ کی گئی ہو۔ یہ جھوٹ نہیں اور ایسا کہنا کوئی گناہ نہیں۔ یہ بطور مبالغہ و تاکید ہے اور اس تعداد کا خاص طور پر قصد نہیں بشرطیکہ وہ امر مکرر واقع ہوا ہو۔ ایسا ہی اقسام مجاز و استعارہ و تشبیہ جائز ہے کہ ان سے مراد اُن کی حقیقت نہیں ہوتی وہ جھوٹ جس کو آدمی آسان جانتے ہیں۔ حالانکہ اس کا وقوع حرام ہے۔ وہ یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے پاس جائے جب کہ وہ کھانے میں مشغول ہو اور اس کو کھانے کے لیے کہا جائے اور وہ بھوکا ہو بغیر عذر صحیح شرعی کے کہے کہ مجھے بھوک نہیں ہے۔

عذر شرعی صحیح یہ ہے کہ اس کھانے کو حرام جانتا ہو۔ تمام جھوٹ جو مشہور ہیں اور ان کا گناہ سخت اور ان کی بُرائی بڑی ہے۔ وہ یہ ہیں جیسا کہا جاتا ہے کہ خدا جانتا ہے کہ اس طرح ہے حالانکہ خدا اس کے خلاف جانتا ہے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ :

جب بندہ امر خلاف واقع پر خدا کو گواہ کرتا ہے تو خداوند عالم کہتا ہے کہ تُو نے کسی کو مجھ سے زیادہ ضعیف یعنی کم درجہ کا نہیں پایا کہ اس جھوٹ بات پر گواہ قرار دیا۔ تمام جھوٹ کی قسموں سے بلکہ شدید ترین و بدترین جھوٹی شہادت ہے۔

حضرت رسولِ خدا نے جھوٹی شہادت دینے والے کو بُت پرست کے مساوی قرار دیا ہے اور اسی طرح قسم کھانا بہت بُرا ہے۔

حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ :

جو شخص اپنے مال کو جھوٹی قسم کے ساتھ بیچتا ہے تو خدا قیامت میں اس کی طرف متوجہ نہ ہوگا اور اس پر نظر رحمت نہ ڈالے گا اور اس کے عمل کو قبول نہ کرے گا۔ بلکہ زیادہ قسم کھانا اگرچہ وہ سچی کیوں نہ ہو مذموم ہے۔

احادیث سے پایا جاتا ہے کہ :

زیادہ قسم کھانا باعث تنگی و فقر ہے اور منجملہ دروغ ایک وعدہ خلافی بھی ہے یہ حرام ہے اور وعدہ کا ایفا واجب و لازم۔

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ :

جو شخص خدا اور روزِ جزا پر ایمان رکھتا ہو، اس کو چاہیئے کہ جب وعدہ کیا جائے تو اس کو وفا کرے اور جو شخص کسی سے وعدہ کرکے وفا نہ کرے اور اس کا قصد بھی نہ رکھتا ہو تو اس سرورؐ نے اس کو منافقین میں شمار فرمایا ہے۔

وہ جھوٹ جن میں اکثر آدمی مبتلا ہیں۔ ان تمام قسموں میں سے بدتر ہے جو خدا سے حالتِ نماز میں بولا جاتا ہے۔

مثلاً جب نماز شروع کی جاتے تو کہتے ہیں :

وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔

بخلاصہ معنی یہ کہ :

"میں نے اپنے دل کو اس خداوند عالم کی طرف متوجہ کر دیا جس نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے۔"

اگر اس وقت آپ کا دل اس سے بے خبر ہو اور کوچہ و بازار وغیرہ

اور سو ہزار طرح کی فکرِ بے ہُودہ میں مشغول ہو تو وہ تمام آپ کا معروضہ جھُوٹ ہُوا اور آپ نے خدمتِ پروردگار و حضوری ملائکہ میں اس طرح جھُوٹ کہا۔ ایسا ہی جب کہا جاتا ہے کہ :

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ

یعنی : "تیری پرستش کرتا ہوں اور تجھ سے یاری اور مددگاری چاہتا ہوں اور بس۔"

یہ بیان آپ کا اس وقت سچ ہوگا۔ جب کہ آپ کی نظر میں دنیا بے اعتبار ہوگی اور اپنے دین کے مقابل تمام دنیا کو ہیچ سمجھیں گے۔ جب آپ اس طرح نہ ہوں گے تو دنیا پرست کہلائیں گے۔

پس چاہیئے کہ یاری و مددگاری کی امید بجز ذاتِ باری کسی سے نہ رکھی جائے ورنہ آپ اس مطلب میں جھوٹے ہوں گے اور وہ بندہ کس قدر بد اور قبیح ہے، کہ پروردگار کی حضوری میں کھڑا ہو کر جھوٹ کہہ رہا ہو باوجود اس کے اس کو معلوم ہے کہ وہ اس کے جھوٹ کو جانتا ہے۔ عجب طرح کی بے شرمی اور بیحیائی ہے۔

فصل (۱)

جھوٹ کہنے کا معالجہ

واضح ہو کہ آپ نے جھوٹ کی حرمت کو معلوم کر لیا۔ اگر آپ خدا اور رسول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر اعتقاد اور روزِ جزا پر ایمان رکھتے ہیں تو اس سے اجتناب کیجئے۔

طریقِ خلاصی اس صورت میں ہے کہ:

ہمیشہ آیات و اخبار جو اس کی مذمت میں آئے ہیں۔ ان کو پیشِ نظر رکھے اور جانے کہ جھوٹ کہنا باعثِ ہلاکت ابدی و عذاب اخروی ہے اور جھوٹ کہنے والا نظروں سے گر جاتا ہے۔ نگاہوں میں خوار اور بے اعتبار رہتا ہے۔ کوئی شخص اس کی بات کی اعتناد نہیں کرتا۔

اکثر اوقات جھوٹ کہنا رسوائی و فضیحت کا باعث ہوتا ہے۔ مطلب و مقصد سے باز رکھتا ہے اور اس میں آدمی کی عزت باقی نہیں رہتی۔

کتاب حبیب السیر میں لکھا ہے کہ:

بادشاہِ خراسان نے امیر حسین کو ایلچی مقرر کیا اور بادشاہ آذر بائیجان کی خدمت میں منجملہ سوغات و ہدیہ اور چند کتب جس میں کلیاتِ جامی جو اُس زمانے

میں نادر اور کمیاب تھی ہمراہ لے جانے کا حکم دیا لیکن داروغۂ کتب خانہ نے سہواً فتوحاتِ مکی جو حجم و جلد وغیرہ میں بالکل اس کے مشابہ تھی اس کے حوالے کر دی اور اُس نے اس کتاب کو لیتے وقت نہ دیکھا۔ جب اُس بادشاہ کی حضوری میں گیا تو بادشاہ نے اس سے نہایت لطف و مہربانی سے پیش آ کر کہا کہ :

"سفرِ دُور دراز نے بہت خستہ کیا ہو گا۔"

چونکہ امیر حسین کو علم تھا کہ کلیاتِ جامی کے دیکھنے کا بادشاہ کو بے حد اشتیاق ہے۔ اس لیے جواب میں عرض کیا کہ :

"راستہ میں ایک مصاحب تھا جو مَیں ہر منزل میں اس کے ساتھ مشغول رہا۔ اسی وجہ سے مجھ کو کوئی سختی و تکلیف اس سفر کی معلوم نہ ہوئی۔"

بادشاہ نے دریافت کیا :

"وہ کون تھا؟"

امیر حسین نے جواب دیا کہ :

"کلیاتِ جامی، جو میرے ہمراہ ہے جس کو بادشاہ نے منجملہ سوغات کے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ جب مَیں اس سفر میں دل تنگ ہوتا تو اس کا راستہ میں مطالعہ کرتا جس کے باعث میرا دل بہل جاتا تھا۔"

بادشاہ نے زیادتیٔ اشتیاق کے باعث فرمایا کہ :

"کسی کو بھیج کر وہ کلیات طلب کریں۔"

امیر حسین نے کسی کو اپنے ٹھکانے پر بھیج کر وہ جلد طلب کی۔ جب کھولی گئی تو معلوم ہُوا کہ فتوحاتِ مکی ہے۔ کلیاتِ جامی نہیں۔ چونکہ راستہ میں اس کو مطلقاً اس جلد کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہُوا تھا اور نہ اس نے کلیاتِ جامی کا مطالعہ کیا تھا۔ اس لیے امیر حسین ایلچی بے حد منفعل و شرمسار ہُوا اور بادشاہ کے

درجۂ اعتبار اور آنکھوں سے گر گیا۔

حاصل کلام رسوائی کے سوا جھوٹ کہنے والے پر فراموشی غالب ہوتی ہے اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ :

جھوٹ کہنے والا بھول جاتا ہے اور اس کے خلاف کہہ کر رسوا ہوتا ہے ان تمام خرابیوں کو جن کا ذکر کیا گیا پیشِ نظر رکھ کر جھوٹ کی ضد جو سچائی ہے اس کے فوائد پر غور کیجئے۔

اگر آپ اپنے دشمن نہ ہوں اور جو بات کہنا چاہتے ہوں تو ابتداً غور و فکر کریں کہ اس میں کسی قسم کا جھوٹ تو شامل نہیں اور فاسقوں، جھوٹوں کی ہمنشینی سے اجتناب کیجئے تاکہ سچائی کا ملکہ حاصل ہو۔

فصل (۲)

سچائی اور راستگوئی کی فضیلت

واضح ہو کہ جھوٹ کی ضد سچائی ہے۔ یہ اشرف صفات نفسانیہ ہے اور رئیس اخلاق ملکیہ۔

خداوند عالم فرماتا ہے :

اِتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ

یعنی : "خدا سے خوف کرو اور سچ کہنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ۔"

حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ یہ چھ خصلتیں جس میں ہوں گی مَیں اُس کے لیے بہشت کا ضامن ہوں :

۱ : جو شخص ہرگز جھوٹ نہ کہے۔

۲ : جب وعدہ کیا جائے تو اس کے خلاف نہ کرے۔

۳ : امانت قبول کی جائے تو اس میں خیانت نہ کرے۔

۴ : اپنی آنکھیں نامحرموں سے پوشیدہ کرے۔

۵ : اپنے ہاتھوں کو اُن چیزوں کی طرف جو سزاوار نہیں ہیں دراز نہ کرے۔

۶ : اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے۔

امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہما السلام سے مروی ہے کہ مرد راستگوئی سے صدیقوں کے مرتبہ پر پہنچتا ہے۔

حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جس کی زبان سچ کہنے والی ہے اس کا عمل پاکیزہ ہے اور جس کی نیّت نیک ہے اس کی روزی زیادہ۔ جو شخص اپنے اہلِ خانہ سے نیکی کرتا ہے۔ اس کی عمر دراز ہوتی ہے۔

اور فرمایا کہ :

کسی کے رکوع و سجُود کے طول پر نظر اور اس پر غرّہ نہ کرو اس لیے کہ جب کسی کو اس کی عادت ہو جاتی ہے تو اس کو ترک نہیں کر سکتا لیکن اس کے کلام کی سچائی اور امانت داری کو دریافت کرنا چاہیئے۔

واضح ہو کہ جس طرح کلام میں جھوٹ اور سچ پایا جاتا ہے۔ اسی طرح افعال و اخلاق و مقامات دین میں بھی اعمال و افعال میں جھوٹ یہ ہے کہ کسی شخص سے ظاہر اعمالِ نیک سرزد ہوتے ہیں لیکن اس کا باطن ظاہر کے مطابق نہیں ہوتا اور ان میں سچائی یہ ہے کہ ظاہر و باطن یکساں ہو یا باطن ظاہر سے آراستہ تر اور یہ مرتبہ کلام کی سچائی سے افضل و اشرف ہے۔

اخبار میں وارد ہے کہ جب کسی بندۂ مومن کا ظاہر و باطن یکساں ہو تو خداوندِ عالم ملائکہ پر مباہات کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ :

"میرا حقیقی بندہ یہی ہے۔"

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ کون ہے مجھ کو اس شخص کا نشان دے جس کی آنکھیں اندھیری راتوں میں روتی ہوں اور دن کے وقت اس کے ہونٹ مخفلوں

میں خنداں اور جس کا ظاہر باطن کے مخالف ہو اور ظاہر اعمالِ نیک سے آراستہ ہو تو کوئی اجر اور مزدوری اس کے عمل کے لیے نہیں۔ لیکن اس نے بیکار تکلیف و رنج اٹھایا ہے۔

کوئی شک نہیں کہ جس چیز پر ملمع کیا گیا ہو اور جس کا ظاہر آراستہ اور جس کا باطن ظاہر کے مطابق نہ ہو تو اس کے اعمال قبول نہیں کیے جاتے ہیں۔ اخلاق و مقاماتِ دین میں جھوٹ یہ ہے کہ حسبِ ذیل چند صفتوں کا دعویٰ کرتا ہو۔

مثلاً :-

- خوفِ خدا و رجا۔
- صبر و شکر۔
- تسلیم و رضا۔
- معرفت و زہد وغیرہ

لیکن ان صفات سے حقیقتاً متصف نہ ہو اور اس میں ان کے لوازمات نہ پائے جائیں تو ایسا شخص بھی جھوٹا ہے۔

چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ جب کسی بادشاہ قہار یا امیر صاحبِ اقتدار کی کوئی خیانت کسی سے صادر ہو جاتی ہے یا کسی تقصیر کا مرتکب ہوتا ہے تو مارے خوف کے اس کا چہرہ زرد ہوتا ہے اور اس کا نفس سرد اور خواب و خور اس پر دشوار ہوتی ہے اور عیش و عشرت ناگوار۔ اور اس کا دل پریشان ہوتا ہے۔ اور اس کے اعضاء و جوارح مضطرب و لرزاں۔ بلکہ اکثر ہوتا ہے کہ اہل و عیال اور مال و منال کو ترک کر کے دوسرے شہر میں غربت و تنہائی اور مشقت میں بسر کرتا ہے۔

پس اگر اس طرح کا تمام خوف و بیم اس شخص پر طاری ہوتا ہو تو ایسا

خوف سچا ہے اور اس کے صاحب کو خائف کہتے ہیں۔ لیکن جس کو پروردگار اور نیز جہنّم کے سانپ اور بچھو کے خوف کا دعویٰ ہو اور اس کے احوال میں کوئی اثر ظاہر نہ ہو بلکہ رات دن کھانے پینے اور سونے میں مشغول ہو اور اس کی عمر عیش و عشرت میں مصروف اور ہر گھڑی کوئی نہ کوئی قصور اس سے صادر اور ہر روز کسی نہ کسی معصیت کا مرتکب ہوتا ہو تو ایسا شخص جھوٹا ہے۔ حالانکہ خوف کا دعوےٰ کرتا ہو۔

بالجملہ مقاماتِ دین میں بندۂ صادق کی علامت یہ ہے کہ تمام سختیوں اور تکلیفوں کو برداشت کرے ان کے اظہار میں زبان نہ کھولے اور اپنی عمر کو طاعت و عبادت میں صرف کرے اور اسے خلق اللہ کی آنکھوں سے پوشیدہ رکھے۔

مروی ہے کہ:

مُوسٰی بن عمرانؑ کو وحی ہوئی کہ مَیں اپنے بندوں میں سے جس بندے کو دوست رکھتا ہوں اس کو ایسی بلا میں مبتلا کرتا ہوں کہ پہاڑ بھی جس کی برداشت کے متحمل نہیں ہو سکتے تاکہ اس کو دیکھوں کہ بندگی و محبت کے دعوے میں وہ سچّا ہے یا نہیں۔ اگر اس کو سچّا اور صبر کرنے والا پاتا ہوں تو اس کو اپنا ولی و حبیب بناتا ہوں۔ اگر اس کو بے صبر اور ہر مقام پر شکوہ کرنے والا پاتا ہوں تو اس کو ذلیل و خوار کرتا ہوں اور مجھ کو کچھ پرواہ نہیں۔

فائدہ

زبان کی خرابیوں اور خاموشی کے فوائد

واضح ہو کہ غیبت، بہتان، شماتت، مسخرگی، لڑائی جھگڑا، مذاق، اور دل لگی، فضول بکواس، جھوٹ وغیرہ زبان کے ہی باعث پیدا ہوتی ہیں اور انسان پر اس عضو کا ضرر تمام اعضاء کے فساد سے بیشتر ہے اور اس کی خرابی تمام جوارح سے افزوں تر۔ اگرچہ اس عضو کے فساد معاصی ظاہرہ میں سے ہیں جن سے علمِ اخلاق میں گفتگو نہیں ہوتی لیکن ان میں سے ہر ایک گناہ اخلاقِ رذیلہ و ملکاتِ فاسدہ کی طرف رجوع ہوتا ہے اور ملکات و اخلاق کا رسوخ و قیام نفس میں تکرار اعمال و افعال کے ذریعہ سے ہو جاتا ہے۔

پس طالبِ اخلاق کو لازم ہے کہ نفس و اعضاء دونوں کی مخالفت کرے۔

پس جیسا کہ بیان کیا گیا وہ عضو جو سب سے بڑھ کر افعالِ ذمیمہ و اخلاقِ رذیلہ کا مرکز ہے۔ وہ زبان ہے اور بنی نوع انسان کے گمراہ کرنے کے لیے شیطان کا یہ عمدہ ہتھیار ہے۔ یہ عضو میدان کشادہ اور وسیع ہے جس کی انتہا و حد نہیں تمام اعضاء سے اس کی سرکشی زیادہ ہے۔

پس جس شخص نے اس کو مطلق العنان کر دیا تو اس کو شیطان نے صحرائے ہلاکت میں پہنچایا۔ اس لیے اس کی حفاظت اور نگہبانی واجب و لازم ہے۔ کوئی شخص زبان کے شر سے نجات نہیں پاتا۔ جب تک کہ اس کو قیدِ شریعت

میں مقید نہ کرے۔ اسی وجہ سے بہت سے اخبار اس عضو کی حفاظت اور نگرانی میں وارد ہوئے ہیں۔

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ :

• زبان دو جبڑوں کے درمیان ہے اور شرم گاہ دو پاؤں کے بیچ میں ہے اگر کوئی شخص ان کی حفاظت کرے تو میں اس کے لیے بہشت کا عہد کرتا ہوں۔"

فرمایا کہ :

• جو شخص اپنے شکم و فرج اور زبان کے شر کی حفاظت کرے تو وہ تمام شر سے محفوظ رہتا ہے۔"

ایک شخص نے عرض کیا کہ :

"یارسول اللہ! کس چیز میں نجات ہے؟"

فرمایا کہ :

• اپنی زبان کو نگاہ رکھو۔"

دوسرے نے عرض کیا کہ :

• کس چیز سے مجھ کو زیادہ ڈرنا چاہیئے؟"

اس کی زبان پکڑ کر فرمایا کہ : "اس سے۔"

اور فرمایا کہ :

• جس چیز کے باعث زیادہ تر آدمی داخلِ جہنم کیے جاتے ہیں وہ زبان اور شرمگاہ ہے۔"

نیز فرمایا کہ :

• جب صبح ہوتی ہے تو آدمی کے تمام اعضاء و جوارح زبان کی طرف متوجہ ہو کر کہتے ہیں کہ ہمارے حق میں خدا سے ڈر۔ اگر تو راست رہے گی تو ہم

تمام راستی پر رہیں گے۔ اگر تُو خلاف کرے گی تو ہم تمام خلاف ہو جائیں گے۔"

مروی ہے کہ ہر صبح زبان اعضاء سے کہتی ہے کہ تم نے کس طرح صبح کی اور تمہارا کیا حال ہے؟ جواب دیتے ہیں کہ اگر تو ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دے گی تو ہمارا کام نیک و بہتر ہو گا۔

نیز آں حضرتؐ سے مروی ہے کہ خدا زبان کو ایسا عذاب دیتا ہے۔ جو کسی اعضاء و جوارح پر نہیں کیا جاتا۔

زبان کہے گی کہ:

اے پروردگار!

تُو نے مجھ پر وہ عذاب کیا جو کسی اعضاء و جوارح پر نہیں کیا۔

اس وقت خطاب ہو گا کہ:

تجھ سے ایسا کلمہ سرزد ہوا جو مشرق سے مغرب تک پہنچا اور اس کے ذریعہ سے بہت سے خونِ محترم بہہ گئے اور اموال و ناموس غارت اور برباد۔ میری عزت کی قسم ہے تجھ پر وہ عذاب کیا جائے گا جو کسی اعضاء و جوارح پر نہ ہو گا۔

حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ:

کوئی ایسا روز نہیں جو ہر عضو زبان سے خطاب نہ کرتا ہو کہ تجھ کو خدا کی قسم ہے مجھ کو عذاب میں گرفتار نہ کر۔

سچ ہے کہ:

اکثر تکالیفِ دنیویہ و مفاسدِ دینیہ کا منشا یہی زبان ہے۔

بہت سے راز زبان کے ذریعے سے ظاہر ہوتے ہیں اور متعدد عزتیں ایک سخنِ بیجا سے برباد جاتی ہیں اور بہت سے اشخاص کی قائم شدہ وقعت ایک کلامِ بد کے باعث درجۂ اعتبار سے ساقط ہوتی ہے۔

زباں بریدہ بکنجے نشستہ صُمّ و بکم
بہ از کسے کہ نباشد زبانش اندر حکم

واضح ہو کہ زبان کی تمام خرابیوں اور اس کے فساد کی ضد سکوت اور خاموشی ہے۔ جو شخص اپنی زبان کی آفات سے خلاصی پاتا ہے وہ نیک خصلت اور اس کا صاحب عزیز و محترم ہوتا ہے اور یہی شے باعث خاطر جمعی، موجب ہیبت و وقار ہے۔ اسی سے ذکر و عبادت کی فراغت حاصل ہوتی ہے اور دنیا و آخرت کی سلامتی۔

اسی وجہ سے سیدِ رسلؐ نے فرمایا کہ:

"جس شخص نے خاموشی کو اپنا شعار قرار دیا اس کو نجات حاصل ہوئی۔"

اور فرمایا کہ:

"جو شخص خدا اور رسول پر ایمان رکھتا ہو اس کو ہر ایک بات نیک کہنا، اور خاموش رہنا چاہیئے۔"

ایک اعرابی آں حضرتؐ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ:

"مجھ کو کوئی ایسا عمل بتلائیے کہ داخلِ بہشت ہوں۔"

فرمایا کہ:

"بھوکے کو سیر کر، اور پیاسوں کو پانی پلا۔ اگر ان پر قدرت نہیں رکھتا ہے تو اپنی زبان سے نیک بات کے سوا کوئی بات نہ کر۔ تو اس سبب سے شیطان پر غالب ہو گا۔"

اور فرمایا کہ:

"جب کسی مومن کو خاموش و صاحبِ وقار دیکھو تو اس کی ہمنشینی اختیار کرو کیوں کہ اس کے دل پر حکمت القا ہوتی ہے۔"

نیز فرمایا کہ :

آدمی کی تین قسمیں ہیں :-

۱ : غانم

۲ : سالم

۳ : ہالک

∴ غانم وہ شخص ہے جو خدا کا ذکر کرتا ہے۔

∴ سالم وہ ہے کہ سکوت کو اپنا شعار بناتا ہے۔

∴ ہالک وہ ہے جو زیادہ باتیں کرتا ہے۔

ایک روز اس سرورؐ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ :

"یارسولؐ اللہ! مجھ کو کوئی نصیحت کیجئے۔"

فرمایا کہ :

"اپنی زبان کی حفاظت کر۔"

پھر عرض کیا تو یہی ارشاد ہُوا۔

حضرت عیسٰیؑ بن مریمؑ سے مروی ہے کہ عبادت کے دس جزو ہیں۔ اس کے نو جزو خاموشی ہیں اور ایک جزو آدمیوں سے دُوری اختیار کرنا۔

اور فرمایا کہ :

"سوائے ذکرِ خدا کے زیادہ بات نہ کرو۔"

لقمان نے اپنے فرزند سے کہا کہ :

"اے فرزند! اگر بات کرنے کو نقرہ جانتا ہے تو سکوت کو طلا سمجھ لے۔"

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ :

"ہمارے دوستوں کی زبان گنگ ہوتی ہے۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ :

آلِ داؤدؑ کے حکیمانہ اقوال میں سے یہ قول تھا کہ عاقل پر لازم ہے کہ اپنے اہلِ زمانہ کو پہچانے۔ اپنے کام میں متوجہ ہو اور اپنی زبان کا نگہبان۔

کتاب مصباح الشریعۃ میں اسی جنابؑ سے منقول ہے۔

فرمایا کہ :

دنیا و آخرت کے ہر ایک دروازۂ راحت کی کلید خاموشی اور باعثِ خوشنودئ پروردگار ہے۔ اور آسانئ حساب روز شمار۔ لغزش و خطا سے حفاظت ہوتی ہے اور عالم کی زینت ہے اور پردۂ جاہل۔ اس سے ریاضتِ نفس اور شیرینئ عبادت ہے۔ اس کے سبب سے قساوتِ دل برطرف اور مروت و پرہیز گاری حاصل ہوتی ہے۔

پس اپنی زبان کے مقابل ہونٹوں کا دروازہ بند کیجئے۔

کہتے ہیں کہ :

ربیع خثیم ایک کاغذ اپنے پاس رکھتا تھا۔ جو کہنا چاہتا اس پر لکھتا تھا جب رات ہوتی تو اپنا حساب دیکھتا۔

اور کہتا :

آہ! آہ!! یقیناً خاموش رہنے والوں نے نجات پائی اور میں ویسا ہی باقی رہ گیا۔

بعض اصحابِ رسول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے منہ میں پتھر رکھتے تھے تاکہ کوئی بات بے اختیاری سے نہ نکل جائے۔ جب بات کرنے کا ارادہ کرتے اور خدا کے لیے ہی وہ بات ہوتی تو اپنے منہ سے پتھر کو باہر نکالتے۔ اور بات کرتے۔

آں جنابؑ کے بہت سے اصحاب نے خاموش رہنے کی عادت ڈالی تھی۔ اس لیے اُن کی آواز اس قدر کمزور ہو گئی تھی کہ وہ بیماروں کے مانند آہستہ آہستہ بات کرتے تھے۔

ہماری زیادہ گوئی و خاموشی سبب ہلاکت و نجات ہے۔

پس خوش نصیب وہ شخص ہے کہ جو کلام کے عیب کو پہچانے اور خاموشی کے فوائد کو جانے۔

بہ تحقیق کہ:

خاموشی انبیاء کی خصلت ہے اور اصفیاء کا شعار۔

آں حضرتؐ سے مروی ہے کہ:

"حکمت کے دروازوں کا ایک دروازہ خاموشی ہے۔ جس نے اپنے منہ کو بند کیا اس پر حکمت کا دروازہ کھُل گیا۔"

بیان مذکور الصدر سے معلوم ہُوا کہ:

سکوت اور خاموشی باوجودیکہ سہل و آسان ہے مگر پھر بھی تمام چیزوں سے بڑھ کر انسان کے لیے فائدہ مند ہے۔

بعض باتیں اگرچہ کہ ان میں بعض فوائد ہیں لیکن ان میں بہتری اور برائی کا امتیاز کرنا نہایت مشکل ہے۔ علاوہ اس کے جب زبان کھول دی گئی تو کلام بے عیب کی جانچ دشوار ہے۔ لہٰذا حتیٰ الامکان خاموشی کو اپنا شعار بنانا بہتر ہے اور بقدر ضرورت بات کرنا اولےٰ و انسب۔

منقول ہے کہ یہ چاروں بادشاہ:

(۱) رائے ہند

(۲) خاقانِ چین

(۳) کسرائے عجم

(۴) قیصرِ روم

نے ایک دوسرے سے ملاقات کی اور انھوں نے بات کرنے کی مذمت میں اور خاموشی کی مدح میں اتفاق کیا۔

ان میں سے ایک نے کہا کہ :

" مَیں خاموشی سے ہرگز پشیمان نہ ہُوا۔ جب مَیں نے بہت سی باتیں کیں، تو پشیمانی حاصل ہوئی۔"

دوسرے نے کہا کہ :

" جب مَیں کوئی بات کرتا ہوں تو میری مالک ہو جاتی ہے پھر مجھ کو اس پر اختیار باقی نہیں رہتا اور جب تک کہ نہیں کہتا تو مَیں اس کا مالک و صاحبِ اختیار ہوں۔"

تیسرے نے کہا کہ :

" بات کرنے والے پر تعجب کرتا ہوں۔ جب وہ بات اس کے منہ سے نکلتی ہے تو اس کو ضرر پہنچاتی ہے اور اس کو کوئی نفع حاصل نہیں ہوتا۔"

چوتھے نے کہا کہ :

" مَیں اس پر اختیار رکھتا ہوں جو نہیں کہا ہے اور جو کہہ دیا ہے اس کے رَد کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔"

انیسویں صفت

محبّتِ جاہ وشہرت و

بزرگی وریاست

جس میں چار فصلیں ہیں

واضح ہو کہ حقیقت جاہ یہ ہے کہ آدمیوں کے قلوب کو تسخیر کیا جائے اور ان کے دلوں پر قابو پائے جیسا کہ مالداری میں درہم ودینار، ملک، املاک، متاع، اسباب غلام، کنیز پر قابو حاصل ہوتا ہے۔ پس جب قلوب کسی کے مسخر ہوتے ہیں تو اس کی نسبت صفت کمال کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ خواہ وہ صفت واقعی کمال رکھتی ہو۔ مثلاً علم، عبادت تقویٰ، زہد، شجاعت، سخاوت وغیرہ یا یہ کہ آدمیوں کے اعتقاد اور ان کے خیال میں کمال ہو مثلاً سلطنت، ولایت، منصب، ریاست، مالداری، حسن وجمال وغیرہ۔ پس وہ شخص

جس کو آدمی کسی صفت سے متصف جانتے ہیں تو جس قدر وہ صفت ان کے خیال میں کامل ہوگی اسی قدر موصوف کی عظمت ان کے دل میں جاگزیں رہے گی، اور ان کے دل اس کے مسخر ہو جائیں گے اور اسی قدر اس کی اطاعت و متابعت کریں گے۔ کیونکہ آدمی ہمیشہ اپنے اعتقاد و گمان کے تابع ہوتے ہیں۔

پس اسی لیے جس طرح صاحب مال باندی اور غلام کا مالک ہوتا ہے۔ اسی طرح صاحب جاہ آزاد آدمیوں کا مالک ہوجاتا ہے اور مردم آزاد اس کے مطیع و زیر فرمان رہتے ہیں۔ بلکہ آزاد لوگوں کی اطاعت بہتر ہے کیونکہ غلاموں کی اطاعت قہر و غلبہ سے اور آزاد لوگوں کی اطاعت خود ان کی تسلیم و رضا سے حاصل ہوتی ہے۔

اسی وجہ سے محبتِ جاہ محبتِ مال سے زیادہ ہے اور اس کے علاوہ جاہ کے لیے دوسرے بھی فوائد ہیں جو مال کے واسطے نہیں۔ اسی وجہ سے جب کسی شخص کی جاہ بڑھتی ہے اور اس کے کمالات کی شہرت ترقی پکڑتی ہے تو اس کی مدح و ثنا کی جاتی ہے۔ مال کی قدر اس کی نظر میں بالکل حقیر ہوتی ہے وہ مال کو اپنے جاہ و مرتبہ پر فدا کرتا ہے اس شخص کے سوا جو بہت ہی بخیل و خسیس ہو۔

فصل (۱)

حُبّ جاہ و شہرت و بزرگی کی بُرائی

واضح ہو کہ حُبّ جاہ و شہرت مہلکہ عظیمہ ہے اور اس کا طالب آفات دنیویہ و اخرویہ میں مبتلا۔ جس شخص کا نام مشہور ہوتا ہے اور جس کی شہرت ترقی کرتی ہے تو بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے کہ اس کی دنیا و آخرت دونوں باقی رہ سکیں مگر اُس شخص کے سوا جس کو خداوند عالم نے اپنی حکمتِ کاملہ سے احکامِ دین کے جاری کرنے کے لیے پسند فرمایا ہو۔ اسی وجہ سے آیات و اخبار اس کی مذمت میں بے حد وارد ہوئے ہیں۔

خداوند عالم جل شانہٗ فرماتا ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا۔

خلاصہ معنی یہ کہ :

" اس خانۂ آخرت کو جس کی تعریف تم سن رہے ہو۔ اُن اشخاص کے لیے قرار دئیے ہیں جو دنیا میں بزرگی و برتری اور زمین پر فساد کرنا نہیں چاہتے۔"

اور دوسرے مقام پر فرماتا ہے :

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ۔

خلاصہ مضمون یہ ہے کہ :

" جو اشخاص زندگیٔ دنیا کے طالب ہوتے ہیں اور اس کی آرائش و زینت کی خواہش کرتے ہیں کہ منجملہ اس کے جاہ و منصب ہے تو ان کی کوشش کا عوض ہم ان کو دنیا میں پہنچاتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ ہے۔"

نیز آفتاب فلک سروری و والیٔ ولایت پیغمبری سے مروی ہے کہ جاہ و مال کی دوستی سے دل میں نفاق اُگتا ہے جیسا کہ پانی سے گھاس۔

انھی سرورؐ سے منقول ہے کہ :

اگر دو گرگ درندہ بکروں کے منڈوں میں چھوڑ دئیے جائیں تو وہ اس قدر

بکروں کو تباہ نہیں کرتے جیسا کہ جاہ و مال کی دوستی مسلمان کے دین کو تباہ کرتی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ :

ان رئیسوں کی ریاست سے پرہیز کرو جن کے عقب میں گھوڑوں کی آواز بلند نہیں ہوتی۔ مگر یہ کہ وہ خود ہلاک ہوتے ہیں اور دوسروں کو ہلاک کرتے ہیں۔

اور فرمایا کہ :

آیا تم لوگ ایسا خیال کرتے ہو کہ میں بُروں اور نیکوں کو نہیں پہچانتا ہوں۔ خدا کی قسم ہے ضرور پہچانتا ہوں۔ بہ تحقیق کہ بُرے لوگ وہ ہیں جو اپنے عقب میں کسی کا راستہ چلنا پسند کرتے ہیں۔ اس بارے میں بہت سے اخبار و آثار مجملاً وارد ہوئے ہیں۔ علاوہ اس کے جس شخص کو تھوڑی سی عقل و شعور حاصل ہو تو اُس پر ظاہر ہے کہ منصب و ریاست دنیا و آخرت کی بہت سی خرابیوں اور برائیوں کو پیدا کرتی ہے اور منصب جاہ کا طالب بنی دنیا و آخرت کی برائیوں کا طلب کرنے والا ہے۔ زمانہ حضرت آدمؑ سے اس وقت تک اکثر عداوتیں اور مخالفتیں جو انبیاء و اوصیاء کے ساتھ کی گئی ہیں وہ حُبِ جاہ و منصب کی وجہ سے واقع ہوئیں۔ نمرود مردود نے اسی وجہ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے واسطے آگ روشن کی۔ فرعون ملعون نے اسی سبب سے اپنے خاندان اور قبطیوں کو جلایا۔ حُبِ جاہ و منصب کے باعث ہی شداد بد نہاد نے ارم بنایا اور وہ لعن و عذاب کا مستحق ہوا۔ اسی وجہ سے خانۂ دین سیدِ آخر الزماںؑ خراب و ویران اور اہلِ بیتؑ رسالت ہمیشہ مضطرب و حیران رہے۔ خاندان خلافتِ الٰہیہ اسی باعث سے غارت کیا گیا۔ ؎

یثرب بہ باد رفت بہ تعمیر خاک شام
بطحا خراب شد بہ تمنائے ملک رے

اس کی تمام خرابیوں کا نتیجہ یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں حب جاہ و برتری پیدا

ہوتی ہے تو وہ خلق کا طرفدار ہو جاتا ہے۔ اور خالق کی رضا و خوشنودی سے دُور اپنے اعمال و افعال کو ریا سے دوسروں کی نظر میں ہمیشہ جلوہ دیتا ہے۔ اپنی دوستی کو منافقانہ طریقہ سے ہمیشہ ان پر ظاہر کرتا ہے اور رات دن اسی خیال میں رہتا ہے کہ کونسا کام کیا جائے کہ اس کی قدر و منزلت کو ترقی ہو۔ صبح شام اس فکر میں ہے کہ کونسی بات کی جائے کہ اس کا مرتبہ بعض ارباب کے نزدیک زیادہ ہو وہ شیوہ نفاق کو اختیار کرتا ہے اور طرح طرح کے معاصی و محرمات اس سے صادر ہوتے ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ بزرگان علماء و متقین جاہ و ریاست سے اس طرح بھاگتے تھے جیسا کہ آدمی شیر درندہ و مار گزندہ سے بھاگتا ہے۔ ان میں سے بعض کی یہ نوبت پہنچی تھی کہ وہ تین آدمیوں سے زیادہ کے مجمع میں نہیں بیٹھتے تھے اور بعض اس پر روتے تھے کہ ہمارا نام مسجد جامع میں کیوں پہنچ گیا۔

ان میں بعض ایسے بھی گزرے ہیں کہ جب کوئی جماعت ان کے عقب میں راستہ چلتی تو کہتے کہ اے بے چارو! کیوں میرے عقب میں آ رہے ہو۔ خدا کی قسم کہ اگر میرا کوئی عمل جو خلوت میں مجھ سے صادر ہوتا ہے اس کو معلوم کرو گے تو پھر کوئی شخص تم میں سے میری طرف نہ آئے گا۔

فصل (۲)

حُبِّ جاہ و شہرت کے اقسام

جو شرعاً نیک ہیں

واضح ہو کہ حسبِ بیانِ مذکورہ اگرچہ حُبِّ جاہ و شہرت مہلکہ عظیمہ ہے۔ لیکن اس کے تمام اقسام اسی طرح پر نہیں ہیں اور اس کے اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ دنیا مزرعۂ آخرت ہے۔ جس طرح مال و منالِ دنیویہ سے توشۂ آخرت حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی طرح کسی قدر جاہ سے بھی کمالِ آخرت کی تحصیل ہو سکتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ آدمی خانۂ آخرت کی تعمیر میں حسبِ ضرورت اکل و شرب، ملبوس، مسکن کا محتاج ہے۔ اسی طرح وہ مجبور و ناچار ہے کہ کوئی خادم اس کی خدمت اور کوئی رفیق اس کی اعانت کرے اور حاکمِ متسلط کی بھی اسے احتیاج ہے تاکہ ظالموں کے شر سے اسے محفوظ رکھے۔

پس اگر کوئی شخص خادم اور رفیق یا سلطان کے سامنے اپنی قدر و منزلت کو عزیز رکھتا ہو تاکہ وہ حصولِ سعادتِ جاودانی میں اس کے معین و مددگار ہوں اور خرابیٔ جاہ مثلاً:

✽ کبر

- عجب
- ظلم
- تفاخر

وغیرہ سے اجتناب کرے تو ایسی حالت میں جاہ کی محبت موجب ہلاکت نہیں ہوتی، بلکہ شرعاً نیک ہے اور اسبابِ آخرت سے ہے۔

اس قدر جاہ کو دوست رکھنے والے کی مثال یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے مکان میں بیت الخلاء ہو کہ قضاءِ حاجت ہو سکے۔ اگر کوئی اس کی احتیاج نہ رکھتا ہو تو ایسے مکان سے متنفر ہوتا ہے، جس میں بیت الخلاء ہو اگر کوئی شخص جاہ و شہرت کی محبت آخرت کی تحصیل کی وجہ سے نہ رکھتا ہو لیکن لذاتِ دنیویہ کا توسّل اور شہواتِ نفسانیہ کا فائدہ اٹھانا بھی مقصود نہ ہو اور خلافِ شرع کوئی امر اس سے سرزد نہ ہوتا ہو، بلکہ جاہ و برتری و شہرت و سرور کو بذاتہ دوست رکھتا ہو اور اپنی قدر و منزلت کا دوسروں سے متوقع ہو تو اگرچہ ایسی صفت کچھ بہتری کا پہلو نہیں رکھتی ہے۔ لیکن اگر حبِ جاہ کے باعث اُس سے کوئی معصیت واقع نہ ہوتی ہو تو وہ فاسق و عاصی نہ ہوگا۔

ایسا ہی کوئی شخص اگر کسی صفتِ کمالیہ کو ظاہر کرنے کے لیے جو اس میں موجود ہے یا اپنے عیب کو چھپانے کی غرض سے یا کسی معصیت کا انکار کرنے کے لیے جو اس سے سرزد ہوئی ہے جاہ و شہرت و قدر و منزلت کو دوست رکھے تو جائز ہے بلکہ اپنا پردہ فاش کرنا شرعاً مذموم ہے۔

ہاں ہاں یہ بھی گمان نہ کیجئے کہ جاہ و بلندی و سرفرازی کی محبت لذات و شہواتِ دنیویہ کے حصول کے لیے ہی ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ ایسا گمان کرنا حقیقت

انسان کی ناواقفیت پر دال ہے۔ چونکہ جزوِ اعظم انسان، بلکہ اس کی تمام حقیقت رُوحِ ربانی ہے جس نے عالمِ امر سے بحکم پروردگار نزول اجلال کیا اور اس بدنِ خاکی کے ساتھ مصاحبت اختیار کی ہے۔

اس وجہ سے انسان صفاتِ ربوبیّۃ و کبریائی کا بالطبع مائل اور تمام کمالات میں یکتائی کا طالب اور قہر و غلبہ کا خواہاں و غالب ہے اور علم و قدرت اور غرور و عزت پر راغب۔

پس حتی المقدور جاہ و برتری کی محبت کا ہونا مقتضائے حقیقتِ انسان ہے اور اس کی فطرت میں داخل۔ اگرچہ دوسرے مطلب کے حصول کا اُسے ذریعہ نہ بنائے۔ لیکن ابلیس پُر تلبیس سرکشی کے باعث آدمؑ کو سجدہ نہ کرنے سے راندۂ درگاہ ہوگیا۔ اس لیے اس نے اُن کے فرزندوں کے ساتھ عداوت اور دشمنی اختیار کی اور اس کا حسد اس کو اس امر پر مجبور کرتا ہے کہ انسان کو کمال حقیقی و بزرگی و جاہ واقعی سے محروم رکھے۔

پس انتہا درجہ کی کوشش و اہتمام مکر و حیلہ میں کرتا ہے۔ تاکہ ہر ایک امر ان بے چاروں پر مشتبہ رہے اور ان کے ذرائع عالیہ کو بند کرکے چند کمالاتِ موہومہ کو اُن کی نظر میں جلوہ دے دیا اور چند روزہ جاہ و منصب فانیہ کو جو عین خرابی و بدبختی ہیں ان کے دل میں محبوب بنایا تاکہ ان کو بھی شل اپنے صحرائے ضلالت و ہلاکت میں ڈالے۔ مرتبہ ارجمند و منازل بلند و شرکت ملاءِ اعلیٰ و سلطنتِ کبریائی کے حصول سے محروم کر دیا۔

کوئی شک نہیں اس عاریت سرائے فانی کے اموال پر جو چند پیسی کے ٹکڑوں کے مانند ہیں کسی قدر متصرّف ہونا یا چند ابنائے زمانہ کی تسخیر قلوب یا ان پر برتری و غلبہ کا حاصل کرنا۔ یہ چیزیں ایسی نہیں کہ جنھیں کمال کہہ سکیں لیکن

شیطان لعین نے ان کی نظر میں انھیں کمال و جلال بنایا ہے. یہاں تک کہ انسان ایک لخت بادۂ غفلت سے بیہوش ہو گیا اور مناصب رفیع و مراتب بلند کو فراموش کر دیا اور دنیا کے کھیل میں مشغول ہو کر اس آیہ میں داخل ہو گیا:

اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ۔

یعنی: "جن لوگوں نے آخرت کے عوض زندگانی دنیا بخوشی خرید لی پس نہ ان کے عذاب میں کوئی تخفیف کی جائے گی اور نہ انھیں کوئی مدد دی جائے گی۔"

فصل (۳)

معالجہ مرضِ حُبِّ جاہ وریاست

واضح ہو کہ آوازۂ شہرت، حکومت، سلطنت، سروری و رتبۂ بلند مالک الملوک کی ذاتِ پاک کے لیے مختص ہے اور اس کے جلال و کبریائی کا میدان لازوال ہے۔ کسی بادشاہ ذوی الاقتدار کو اس کی نافرمانی کی مجال نہیں۔ کوئی بندہ اس صفت میں کوئی حق نہیں رکھتا اور نہ کسی کو سوائے ذلّت و فروتنی کے دوسرا امر سزاوار و لائق ہے۔ بے شک جس کی ابتداء نطفۂ نجس اور جس کا آخر مردار گندیدہ ہو اس کو جاہ و ریاست سے کیا کام اور اس کو سروری و برتری سے کیا غرض۔

جاہ و ریاست کا انتہائی فائدہ اور اقتدار و شہرت کا نتیجہ اس صورت میں ہے کہ وہ تمام آفات سے بری اور وہ زیادہ سے زیادہ موت کے وقت تک ہے اور بس، موت کی وجہ سے ریاست زائل اور حکومت منقطع ہو جاتی ہے۔ نیز ظاہر ہے کہ خود جاہ و ریاست تھوڑے زمانہ میں فنا ہونے والی ہے۔ اس لیے عقلمند اس پر ہرگز خوش نہیں ہوتا۔ اگر آپ حقیقتاً اسکندر ذوالقرنین کے مانند بادشاہ بھی ہو جائیں۔ مشرق سے مغرب تک آپ کا حکم نافذ ہو، آپ کی شان و شوکت تمام دنیا پر احاطہ کرے، آپ کا کلس خیمہ مہر و ماہ کے ساتھ برابری کرے

آپ کا ستارۂ عزت دیدۂ کواکبِ افلاک کو خیرہ کر دے اور آپ کا دبدبۂ حشمت و جلال آسمانوں کو گھیر لے تاہم جب آپ کا آفتابِ حیات مغربِ ممات میں غروب ہو گا تو آپ کا نُورِ ہستی ظلمتِ نیستی سے مبدل ہو جائے گا۔ منادیٔ پروردگار کوچ کی ندا دے گا۔ آپ کی عزیز مسافرِ رُوح سامانِ سفرِ آخرت باندھے گی۔ آپ کے دلِ پُر درد سے نالۂ حسرت نکلے گا۔ آپ کے اور فرزندوں کے درمیان جو رشتۂ الفت ہے وہ ضرور ٹوٹ جائے گا۔ آپ کا تختِ دولت تختۂ تابوت سے اور آپ کا بسترِ مخمل فرشِ خاک سے بدل جائے گا۔ اور آپ کو اُس محل سے جس میں آپ نے ہر طرح کا سامانِ آرام و آسائش جمع کر رکھا ہے قبرِ تنگ و تاریک میں لا کر سلائیں گے اور بجائے تکیۂ زریں کے آپ کے سر کے نیچے اینٹ دی جائے گی۔ پھر وہ تمام عظمت و جاہ آپ کو کیا فائدہ دے گی۔

مشہور ہے کہ اسکندر ذوالقرنین نے نزع کے وقت وصیت کی کہ اس کے دونوں ہاتھ تابوت سے نکالے جائیں تاکہ تمام عالم معائنہ کرے کہ باوجود اس قدر ملک و مال رکھنے کے مقامِ دنیا سے خالی ہاتھ منزلِ آخرت کو گیا۔

ایک روز ہارون الرشید نے بہلول دانا کو راستہ میں دیکھا کہ لکڑی کا گھوڑا بنا کر لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ ہارون الرشید نے آگے جا کر سلام کیا اور ملتمسِ نصیحت ہُوا۔

بہلول نے کہا کہ :

بادشاہانِ گزشتہ کی عمارتوں اور ان کی قبروں کا ملاحظہ تیری نصیحت کے لیے کافی ہے۔ ان کو دیکھ، اور عبرت حاصل کر کہ وہ لوگ بھی تیرے برابر والے تھے۔ جنھوں نے ایک زمانے تک اُن عمارتوں میں عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اب وہ ان قبروں میں جہاں مور و مار جمع ہیں حسرت و ندامت کی

خاک سر پر ڈالے ہوئے سو رہے ہیں۔ کل تیری بھی یہی حالت ہوگی۔

پس اے صاحبو!

ایک ساعت اپنے زمانۂ آئندہ پر غور کیجئے اور تھوڑی دیر حالتِ گزشتگان پر نظر ڈالیے اور استخوانِ بوسیدہ کی عینک دُوربین سے اپنی حالتِ آئندہ کو دیکھئے، اور فرض کیجئے کہ تمام عالم آپ کے زیرِ فرمان ہے لیکن چند سال کے بعد خود آپکا کوئی اثر نہ رہے گا اور نہ اُن کی کوئی خبر۔ اور آپ کا حال مثل اُن لوگوں کے ہوگا جو پچاس سال کے قبل تھے۔ جن کے اطراف امیر و وزیر اطاعت گزار اور رعایا ماتحتین جمع تھے اور اس وقت ان کا کوئی نشان نہیں۔ آپ سوائے ان کی حکایت کے کچھ نہیں سنتے ہیں۔

پس آپ اس طرح تصوّر کیجئے کہ آپ کے پچاس سال آئندہ گزر گئے اور آپ کا حال بھی ان لوگوں کے حال کے مانند ہو گیا ہے اور جو لوگ آنے والے ہیں۔ وہ آپ کی حکایت کہیں گے اور سنیں گے اور آپ کا نام و نشان صفحۂ روزگار سے محو ہوگا۔ جب آپ نے صاحبانِ جاہ و منصب کے احوالِ آئندہ پر فکر کی تو اب ذرا ان کی حالت ریاست و حکومت پر تامّل کیجئے اور دیکھئے کہ صاحبانِ جاہ و اقتدار کی اکثر زندگی غم و غصہ میں بسر ہوتی ہے۔ ہمیشہ دشمنوں کے تیر آزار سے اور اپنی ذلّت و خرابی کے اندیشہ میں ہراساں رہتے ہیں۔ ہر لحظہ ان کا دامنِ خاطرہ ہاتھ میں فکر باطل کے رہتا ہے اور ہر ساعت ان کا گریبانِ حواس پنجہ میں ہر امر مشکل کے گرفتار۔ ہر دم دشمن کے ساتھ مقابلہ ہے اور ہر وقت کسی نہ کسی کی گفتگو سے غمگین۔ کبھی خیالاتِ خام ان کو گھیرے ہوئے ہیں۔ بہر حال ان کی زندگی تملق و خوشامدی میں بسر ہوتی ہے اور ان کی عمر نفاق میں، نہ ان کو رات میں نیند آتی ہے نہ دن کو عیش و آرام۔ یہ ظاہر و روشن ہے کہ جب کسی کی زندگی اس طرح گزرتی ہو

تو پھر کیونکر وہ اپنی شاخ زندگانی سے خوشی کا پھول توڑ سکتا ہے اور پھر کیا نخل جاہ ومنصب سے عیش وطرب کا میوہ چکھ سکتا ہے۔ ہم ضرور جانتے ہیں کہ اس کی عشرت کا ہر نفس کدورت مذکورہ کے ساتھ اور اس کا قہقہہ گریہ کے ہائے ہائے سے ملا ہوا ہے۔

اے صاحبو!

انصاف کیجئے کہ جاہ و دولت میسر ہونے کے بعد کیونکر قرار وآرام حاصل ہو سکتا ہے جن لوگوں نے کسی قدر بھی مرتبہ بزرگی وجاہ حاصل کیا تو ان پر دوسرے رشک لے جاتے ہیں۔

مَیں نے سُنا ہے کہ کسی نے ایک روٹی کا ٹکڑا، پُرانا لباس، فقیرانہ جھونپڑا عیش درویشانہ کے لیے حسرت کی ہے۔ ان کی تمنا میں دلِ پُر درد سے آہ کھینچی۔

حاصل کلام جب تک کہ منصب برقرار رہے وہ تمام محنت و بلا میں گرفتار اور جب اس کے ایام روزگار پلٹ جائیں اور حادثاتِ زمانہ اس کے تختِ دولت کو اُلٹ دیں تو کیا کیا رنج والم ابنائے زمانہ سے حاصل نہیں ہوتے اور اپنے مکافات کے باغِ اعمال سے کیا کیا پھُول نہیں چُنتا۔ کبھی اُن دو دینار حرام کے لیے جو بوقت منصب وجاہ قرض دیے گئے تھے۔ کسی کمینہ کے گریبان میں ہاتھ ڈالتا ہے اور بعض وقت اُن اراذل واوباش کے دشنام سے اس کا دل مجروح ہوتا ہے جن کو کسی زمانہ میں رنج پہنچایا گیا تھا۔ سالہا سال سے جو نقد وجنس جمع کیا گیا وہ حادثوں کی وجہ سے دو تین روز میں تاراج ہو جاتا ہے اور جائداد واملاک جو مال حرام سے حاصل کی گئی۔ وہ تھوڑے زمانہ میں دوسرے کے ہاتھ منتقل ہو جاتی ہے۔ بہر حال طالب جاہ وجلال وشیفتۂ منصب سریع الزوال کو کسی حال میں کسی طرح کا آرام حاصل نہیں ہوتا حصُولِ منصب وجاہ

میں کس قدر جان لڑانی پڑتی ہے اور کیا کیا تکلیفیں اس کی جستجو میں اٹھائی جاتی ہیں۔ جب وہ مقصد حاصل ہو گیا اور جاہ و منصب سے سرفراز، تو رات دن اس کی اصلاح میں زحمت و جانکاہی کی جاتی ہے اور صبح و شام اس کا دل شغلِ لاحاصل میں مضطرب و حیران رہتا ہے۔ ہر دم غلاموں کی صدا ہوش کو گم کرتی ہے اور چوبدار کے پاؤں کی آواز دل کو پہلو میں تڑپاتی ہے۔ اس خیال سے کہ کیا حادثہ وقوع پذیر ہو اور جب تحریر معزولی اس کے منصب حکومت پر لکھی گئی تو اس کی عزت و جلال میں فرق آتا ہے اور صدائے نالہ و آہ بلند ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی موت پر راضی ہوتا ہے اور مُلّا وقت امنی کی ملازمت پسند کرتا ہے۔ بہرحال تمام عمر وہ اس جان کندنی میں ہے جب اس کو اجل کا سامنا ہو گیا تو پہلے حساب اور سوال و جواب کی ابتداء کی جاتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس بے چارے کو غم و محنت سے کس وقت آرام ملے گا اور اس کا سرِ پریشان کب تکیۂ استراحت پر رہے گا۔

یہ تمام خرابیاں جاہ و منصب کی محبت سے حاصل ہوتی ہیں، اور اسی منصب و جاہ چند روزہ کے باعث سعادتِ ابدی و بادشاہی سرمدی، اور ان نعمتوں سے جن کو کسی نے نہ سُنا اور نہ دیکھا اور کسی کے دل میں نہ گزرا ہو محروم ہو جاتے ہیں۔

حضرت سلیمان ابنِ داؤدؑ پیغمبر ہر گناہ و معصیت سے معصوم تھے جنھوں نے حکمِ الٰہی سے ذرا بھی تجاوز نہیں کیا۔ باوجود ایسی سلطنتِ عظیم الشان رکھنے پر بھی اُنھوں نے اپنی دستکاری کی معاش پر زندگی بسر کی اور لذّاتِ دنیویہ سے اپنی زبان کو آشنا نہ کیا۔

باوجود اس کے اخبار میں آیا ہے کہ اس عالم کے پانچ سو سال کے بعد

جس کا ہر روز دنیا کے ہزار سال کے برابر ہے تمام پیغمبروں کے آخر میں داخل بہشت ہوں گے۔

پس ان لوگوں کا کیا حال ہوگا کہ جن کے جاہ و منصب کا نتیجہ معصیت پروردگار اور جن کی ریاست کا ثمرہ تکالیف خلق اللہ ہے۔

پس وہ شخص عجب احمق و نادان ہے جو بسبب ریاست دوروزہ دنیائے ناپائیدار اور دولت سرائے ناہنجار کے اس سلطنتِ عظمیٰ و دولتِ کبریٰ سے ہاتھ اٹھا کر اپنے نفسِ پاک کو جو زادۂ عالم قدس اور پروردۂ دایۂ عزیز مصر عزت اور یوسف کنعان سعادت ہے۔ ہوا و ہوس کے چاہِ تاریک میں ڈالے اور اس کو قید خانۂ الم جس میں سو ہزار طرح کے رنج و غم ہوں مقید کرے۔

افسوس صد افسوس اگر آپ کا دیدۂ ہوش بینا ہوتا اور غفلت کا پردہ اُٹھ جاتا تو اپنی حقیقت سے آگاہ ہوتے اور اپنے مرغ رُوح کو پہچانتے۔ اس کی گرفتاری میں کیا کیا آہ و نالے کھینچتے اور اس کے ماتم میں کس قدر اشکِ حسرت برساتے اور کون و مکاں کو ترک کرتے۔ میرے ہاتھ میں ہاتھ ملاتے۔ آپ اور ہم کنجِ حسرت میں بیٹھتے۔ اور ان اشعارِ دردناک کو پڑھتے۔

مثنوی مولانا رومؒ

کائے دریغا مرغ خوش آوازِ من

اے دریغا ہمدم و ہمرازِ من

اے دریغا مرغِ خوش الحانِ من!

راحِ رُوح و روضۂ رضوانِ من

اے دریغا مرغِ خوش پروازِ من

زانتہا پرّ ند تا آغازِ من!

طوطیِ من مرغِ زیرک سازِ من!

ترجمانِ فکرت و اسرارِ من

طوطیٔ کاید زوحی آوازِ او

پیش از آغازِ وجود آغازِ او

اے دریغا اے دریغا اے دریغ

کاین چنین ماہی نہاں شد زیرِ میغ

آپ لوگوں کا حال کس قدر اُس شہزادے کے مشابہ ہے جس کے باپ نے اس کو نوشاہ بنا کر بڑے خاندان سے کسی عروس خوبصورت کو اس کے نکاح میں دینا چاہا۔ جب تمام سامانِ شادی مہیا ہوگیا۔ خاص و عام اس کے دربار میں حاضر ہوئے انعام و اکرام سب کو تقسیم کیا گیا۔ چھوٹے اور بڑے وضیع و شریف عیش و عشرت میں شریک ہوئے۔ کوچہ و بازار آراستہ اور تمام شہر میں روشنی کی گئی۔ عروسِ ماہ سیما کو بڑی شان و شوکت سے اس کے حجرے میں بٹھایا اور اس شہزادے کو شاہانہ جلوس سے لے چلے۔ اتفاقاً اس رات نوشاہ نے بہت شراب پی تھی۔ جس کے باعث اس کے عقل و ہوش کا چراغ گُل ہو گیا تھا حالتِ نشہ میں وہ اپنے جلوس سے باہر ہو کر مجوس کے قبرستان میں جا پہنچا چونکہ مجوس اپنے مُردوں کو تہ خانہ میں رکھ کر اُن کے نزدیک چراغ روشن کرتے تھے۔ وہ شہزادہ شاہی لباس پہنے ہوئے اُس تہ خانہ پر پہنچا اور چراغ روشن دیکھا تو حالتِ نشہ میں اُس تہ خانہ کو اپنی دُلہن کا حجرہ تصوّر کر کے اندر گیا۔ اتفاقاً ایک بُوڑھی مجوس اس روز مر گئی تھی ابھی اُس کا جسم نہ گلا تھا۔ اس کو اس تہ خانہ میں

رکھے تھے۔

شہزادے نے اپنی عروس خیال کر کے بغیر سوچے سمجھے اس کو بغل میں لے لیا اور بڑی خواہش کے ساتھ اس کے مُنہ پر مُنہ رکھا۔ اس وقت اس کے جسم میں جو غلاظت پوشیدہ تھی۔ جس وحرکت کے باعث ظاہر ہوئی۔ شہزادہ اس کو عطر وگلاب تصوّر کر کے اپنی صورت پر ملتا اور کبھی اپنے منہ کو اس بُوڑھی کے مُنہ پر رکھتا۔ تمام رات اسی عیش میں بسر ہوئی۔

امرا، وزرا، نوکر چاکر ہر طرف اس کو تلاش کرتے تھے۔ جب صُبح ہوگئی اور صبح کی ٹھنڈی ہوا کے باعث اس کا نشہ کافور ہو گیا۔ اور ہوش میں آیا تو اپنے کو اس نے ایسے مقام میں بوڑھیا کے ساتھ ہم آغوش پایا اور اپنے لباسِ فاخرہ کو غلاظت و خون میں آلودہ دیکھا تو اس درجہ نفرت ہُوئی کہ اس کو مرجانا اور شرم و خجالت کے مارے زمین میں گڑجانا پسند تھا اور یہ اندیشہ تھا کہ کہیں کوئی اس کو نہ دیکھ لے۔ اتنے میں اس کا باپ امیروں اور وزیروں کے ساتھ اس جگہ پہنچ گیا اور اُس نے اِس حالتِ خراب میں اس کو دیکھا۔

واضح ہو کہ محبتِ جاہ کا معالجہ یہ ہے کہ جس جگہ آپ کو کوئی نہ پہچانتا ہو وہاں کنارہ کشی وگوشہ نشینی اختیار کریں۔ اپنے وطن کی گوشہ نشینی کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ بلکہ گمان اغلب یہ ہے کہ اُس سے عوام میں قبولیت وحصولِ جاہ زیادہ ہو۔ چنانچہ بعض اشخاص اپنے شہر میں اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھے ہیں اور آدمیوں سے انھوں نے کنارہ کشی اختیار کی ہے۔ لیکن اہلِ دنیا اس طریقہ سے ان کی خواہش و عزّت زیادہ کرتی ہے اور انھوں نے اس عمل کو تحصیل جاہ کا وسیلہ قرار دیا ہے اور یہ جانتے ہیں کہ ہم نے دنیا کو ترک کیا ہے۔

افسوس! افسوس!! انھوں نے شیطان کا فریب کھایا ہے۔ اپنے

صفحۂ دل پر نظر ڈالے کہ اگر آدمیوں کا اعتقاد اُن سے زائل ہو۔ وہ اُن کو اذیت پہنچائیں اور ان کی بدگوئی کریں تو کیونکر اُن کا دل غمگین و ملول ہوتا ہے اور ان کا نفس مضطرب اور اس کی کس طرح چارہ جوئی کی جاتی ہے۔

اس کا عمدہ علاج یہ ہے کہ کسی چیز کی طمع نہ رکھے۔ یہ صفت قناعت کے باعث حاصل ہوتی ہے جس نے قناعت اختیار کی۔ جب مستغنی ہو گیا تو اس کا دل کسی چیز کے ملنے اور نہ ملنے کی پرواہ نہیں کرتا اور ہر حالت اس کی نظر میں یکساں ہوتی ہے۔ بلکہ جو شخص صاحبِ معرفت ہوگا اس کو کسی کی طمع نہ ہوگی۔ آدمی اس کی نظر میں مثل چارپایوں کے ہوں گے۔

تمام معالجاتِ عملیہ حُبِّ جاہ سے یہ ہے کہ جس چیز کے باعث حُبِّ جاہ کی زیادتی اور اس کی حُرمت ہوتی ہو اس سے اجتناب کریں اور جن امور سے آپ کی وقعت ساقط ہوتی ہے، ہمیشہ ان کے مرتکب ہوں۔ لیکن وہ خلافِ شرع نہ ہوں۔

اخبار و آثار جو مذمت میں جاہ کے آئے ہیں ان کو ملاحظہ کیجئے اور اس کی ضد جو گمنامی ہے اس کو دیکھئے۔

فصل (۴)

محبتِ گمنامی و بے اعتباری کی شرافت اور اُس کا فائدہ

واضح ہو کہ حُبّ جاہ و شہرت کی ضد اپنی گمنامی اور بے اعتباری کی محبت ہے یہ زہد کا ایک شعبہ ہے جو تمام صفاتِ حسنہ مومنین سے ہے، اور خصائل پسندیدہ مقربین۔

حضرت رسولؐ سے مروی ہے فرمایا:

"بہ تحقیق کہ خدا پرہیزگارانِ پوشیدہ کی گمنامی کو دوست رکھتا ہے کہ جب وہ غائب ہوں تو ان کو کوئی تلاش نہ کرتا ہو اور جب وہ حاضر ہوں تو کوئی نہ پہچانتا ہو۔ ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں جو دوسروں کی نجات کے باعث ہیں۔"

نیز اُس سرورؐ سے مروی ہے کہ:

اہلِ بہشت وہ لوگ ہیں جن کے بال پریشان، غبار آلودہ، بجز دو جامۂ کہنہ کے کچھ نہ رکھتے ہوں اور کوئی شخص ان کی طرف اعتنا نہ کرے۔ اگر وہ کسی امیر کے گھر جانا چاہیں تو ان کو اندر آنے کی اجازت نہ دی جائے۔ جب وہ اپنے واسطے کسی عورت کی خواستگاری کریں تو کوئی قبول نہ کرے جب وہ کوئی بات کہیے

تو ان کی بات نہ سُنے اور ان کی کوئی خواہش و حاجت پوری نہ ہو۔ اگر ان کا نُور اہلِ محشر پر قسمت کیا جائے تو تمام پر احاطہ کرے۔

نیز فرمایا کہ :

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا دوست وہ بندۂ مومن ہے جو اپنی نماز سے لذت پائے۔ اپنے پروردگار کی ظاہر اور پوشیدہ عبادت کرے۔ اس کا نام آدمیوں میں مشہور اور انگشت نما نہ ہو، وہ صابر ہو۔ اس کی موت اس حالت میں آئے۔ جب کہ اس کی میراث اور اس پر رونے والے کم ہوں۔

اسی وجہ سے زمانۂ سابق کے نیکوں نے کنجِ تنہائی اختیار کر کے خلق اللہ کی آمد و رفت کا دروازہ بند کیا اور ملک قناعت کی بادشاہی کے طالب رہے۔ اس لیے صاحبانِ منصب و جاہ کی بزرگی ان کی نظر میں ہیچ تھی اور بادشاہوں کا تخت و تاج اُن کے نزدیک فضول و بیکار۔

نقل کرتے ہیں کہ ہارون الرشید جو بادشاہ روئے زمین تھا۔ اس کا ایک فرزند بہت زاہد و پرہیزگار جس نے مال و متاع دنیا کو ترک کر کے تخت و تاج شاہی پر لات ماری تھی دو جامۂ سفید پُرانے پہنتا اور جَو کی روٹی سے روزہ کھولتا۔ ایک روز اس کا باپ اپنے مقام پر بیٹھا تھا اور وزیر و امیر اس کی خدمت میں کمربستہ حاضر تھے کہ وہ لڑکا وہی اپنا پرانا لباس پہنے ہوئے اُسی وضع و قطع میں اس مقام سے گزرا تو چند حاضرین کہنے لگے کہ یہ لڑکا بادشاہ کی عزت و آبرو کھوتا ہے پس بادشاہ کو ضروری ہے کہ اس وضع میں رہنے سے اس کو منع کرے۔

اتفاقاً ہارون الرشید نے یہ بات سُن لی اس فرزند کو بلایا اور اس کو مہربانی کے ساتھ نصیحت کی۔

اُس جوان نے کہا کہ :

اے باپ !

مَیں نے دنیا کی عزّت دیکھی اور لطف ریاست اٹھایا۔ مَیں آپ سے امیدوار ہوں کہ مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیجئے کہ اپنے کام میں مشغول رہوں اور آخرت کا توشہ تیار کروں۔ مجھ کو دنیائے فانی سے کیا کام اور دولت بادشاہی سے مجھ کو کیا غرض۔

ہارون الرشید نے قبول نہ کیا اور اپنے وزیر کو اشارہ کیا کہ حکومت مصر اس کے نام سے تحریر کی جائے۔

فرزند نے کہا کہ :

اے باپ مجھ کو چھوڑ دے ورنہ ترکِ وطن کروں گا۔

ہارون الرشید نے کہا :

اے فرزند ! مجھ کو تیری جدائی کی طاقت نہیں۔ اگر تُو ترکِ وطن کرے گا تو میری زندگی کس طرح گزرے گی۔

اُس نے کہا کہ :

اے باپ ! دوسرے بیٹے ہیں۔ اپنے دل کو اُن سے خوش کیجئے۔ اگر مَیں قضا کر جاؤں۔ تو آپ مجھ کو کہاں سے لائیں گے اور اس کا کیوں کر بدل ہو گا۔

جب اُس نے دیکھا کہ باپ اس کو کسی طرح نہیں چھوڑتا ہے تو آخر کار آدھی رات کو پوشیدہ طور پر اس کی حکومت سے فرار ہو گیا، سوائے قرآن کے مالِ دنیا سے اس نے کچھ نہیں لیا۔ بصرہ میں مزدوری کرتا اور سات روز میں سوائے ہفتہ کے کام نہ کرتا۔ ایک درہم اجرت لیتا۔ اسی اجرت پر اپنی زندگی

بسر کرتا۔

ابو عامر بصری کہتا ہے کہ میرے باغ کی دیوار گر گئی تھی۔ مَیں ایک مزدور کی خواہش میں گھر سے باہر نکلا تو ایک جوان خوبصورت کو دیکھا۔ جس سے بزرگی کی علامت ظاہر ہو رہی ہے اور اپنے آگے آلۂ معماری رکھ کر قرآن شریف کی تلاوت کرتا ہے۔

مَیں نے کہا :

"اے نوجوان! کیا مزدوری کرنا چاہتا ہے؟"

تو اس نے جواب دیا کہ :

"کیوں نہ کروں۔ کام کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہوں۔ کہیئے کونسا کام ہے؟"

مَیں نے کہا :

"گلکاری۔"

تو اس نے جواب دیا کہ :

"اس شرط پر کہ ایک درہم اجرت لوں گا۔ اور نماز کے وقت مجھ کو چھوڑ دینا۔"

یہ سُن کر مَیں نے قبول کیا اور اس کو ہمراہ لا کر کام بتلایا۔ جب شام ہوئی تو دیکھا کہ اس نے دس آدمیوں کا کام کیا ہے۔ مَیں نے دو درہم کیسہ سے نکال کر دینا چاہا تو اس نے قبول نہ کیا۔ وہی ایک درہم لے کر چلا گیا۔

دوسرے روز اُسی کی طلب میں بازار گیا اور دریافت کیا تو معلوم ہُوا کہ وہ سوائے ہفتہ کے کسی روز کام نہیں کرتا۔ اس لیے مَیں نے اپنا کام ملتوی رکھا یہاں تک کہ وہ روز آیا۔ جب مَیں ہفتہ کو بازار میں گیا تو اس کو سابق کی طرح قرآن شریف پڑھنے میں مشغول دیکھا۔

مَیں نے سلام کیا اور اس سے مزدوری کرنے کی خواہش ظاہر کی اور

اس کو کام پر لا کر لگایا۔ مَیں خود دُور سے معائنہ کرتا تھا کہ گویا اس کے کام میں عالمِ غیب سے مدد کی جا رہی ہے۔ جب شام ہُوئی مَیں نے اس کو تین درہم دینا چاہے تو اس نے قبول نہ کیا۔ وہی ایک درہم لے کر چلا گیا۔

پھر تیسرے ہفتہ کو اس کی خواہش میں بازار گیا تو اس کو نہ پایا۔ مَیں نے اس کی کیفیت دریافت کی تو معلوم ہُوا کہ تین روز سے کسی خرابہ میں وہ بیمار ہے یہ سُن کر مَیں کسی شخص کے ذریعہ سے اس کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ ایک خرابہ میں وہ بیہوش پڑا ہے اور اس کے سر کے نیچے ایک اینٹ رکھی ہے۔ مَیں نے سلام کیا چونکہ اس کی حالت نزع کی تھی اس نے التفات نہ کی دوسری بار سلام کیا تو اس نے پہچانا، مَیں نے اس کے سر کو اپنے زانو پر رکھا تو اس نے منع کیا اور کہا کہ اس سر کو چھوڑ دیجئے کہ یہ سر خاک کے سزاوار ہے۔ اُس کے سر کو مَیں نے زمین پر رکھ دیا اور دیکھا کہ چند اشعار عربی پڑھ رہا ہے۔

مَیں نے کہا کہ تم کوئی وصیّت کرتے ہو۔

اُس نے کہا۔ میری وصیّت یہ ہے کہ جب مَیں مر جاؤں تو میرا منہ خاک پر رکھنا اور کہنا کہ اے پروردگار یہ تیرا بندہ ذلیل ہے جو دنیا کے مال و متاع سے بھاگ کر تیری درگاہ کی طرف آیا ہے کہ شاید تُو اس کو قبول کرے اور اپنی فضل و رحمت سے اس کے گناہوں کو معاف کر دے۔ میرا لباس اور زنبیل قبر کھودنے والے کو دینا۔ یہ قرآن، انگوٹھی، ہارون الرشید کے پاس پہنچانا اور اس کو کہنا کہ یہ امانت ایک جوان غریب کی ہے اور یہ اس کا پیغام ہے کہ کہیں حالتِ غفلت میں نہ مر جانا۔ یہ کہا اور اُس کا مُرغ رُوح قفسِ جسم سے پرواز کر گیا۔

حاصلِ کلام اے صاحبو! امارت و ذلت روزگار مثلِ برق گذر رہی ہے اور دولت و نکبت زمانۂ غدار تھوڑے عرصہ میں یکساں ہے۔ کوئی آفتابِ دولت اُفقِ مشرق

سے طلوع نہیں ہوتا جو تھوڑی دیر میں گریبانِ مغرب میں جا کر فنا نہ ہو جائے۔ کوئی اندھیری رات کسی بیچارے پر نہیں آتی کہ تھوڑے وقت میں روشنی صبح سے مبدل نہ ہو۔

پس نہ اس سے خوش ہونا چاہیئے اور نہ غمگین۔

اے صاحبو!

یہ زندگانی پنج روزہ دنیا جس طریقہ سے گزرے گزارئیے اور ناموافقت زمانہ سے جس طرح ہو سکے موافقت کیجیئے اور ایک پیٹ کے واسطے جو روٹی کے دو نوالوں سے سیر ہو سکتا ہو لازم نہیں ہے کہ اپنے کو ہزار طرح کی بلائیں ڈالیں اور ایک بدن جو پانچ گز کپڑے سے پوشیدہ ہو سکتا ہو اس کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اپنے کو ہزاروں تکالیف میں مبتلا کریں۔ حالانکہ جس کا مرتبہ دنیا میں بڑا اور جس کا منصب بلند ہے۔ اس سے راحت و عیش دور ہے اور وہ بے نصیب۔ سلطنت میں ہزار طرح کی آفتیں ہیں۔ فقیر کے گوشۂ ویران میں کوئی آفت نہیں۔ فقیر بینوا کے واسطے جو عیش ہے ہرگز وہ صاحب جاہ و منصب کو میسر نہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ ان لوگوں کی زندگی جاہ و منصب کے باعث راحت و آرام میں بسر ہوتی ہے اگر آپ کو ان کی حقیقت سے آگاہی ہو گی تو جانیں گے کہ وہ اپنی زندگی سے کس طرح دلگیر ہیں۔ اور کیونکر اپنی اوضاع سے ناگزیر۔

بیسویں صفت

اپنی مدح و ثنا کی محبّت اور

اپنی مذمّت کی کراہت

واضح ہو کہ جب انسان اس امر کا متمنی ہو کہ اس کی مدح و ثنا اور خوشامد کی جائے اور بدگوئی سے متنفر ہو تو یہ صفت نتیجہ حُبّ جاہ اور مہلکات عظیمہ میں سے ہے۔ چونکہ ہر شخص اپنی مدح کو دوست رکھتا ہے اور اپنی مذمت سے نفرت کرتا ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ آدمیوں کی خوشنودی کا طالب رہتا ہے اور اپنا قول و فعل ان کی خواہش کے مطابق بجالاتا ہے۔ اس امید پر کہ اس کی تعریف کریں اور مذمت نہ کریں۔ خوشنودیٔ خالق کا اس کو ذرا بھی خیال نہیں ہوتا۔ اس لیے اکثر واجبات کو ترک کر دیتا ہے اور محرمات کا مرتکب ہوتا ہے اور امر معروف و نہی منکر سے بے پرواہ۔ اور حق و انصاف کے حد سے تجاوز کر جاتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ یہ تمام امور باعثِ ہلاکت ہیں۔ اسی وجہ سے

بہت سے اخبار اس کی مذمت میں آئے ہیں۔

سیّدِ عالمؐ نے فرمایا ہے کہ :

" متابعت ہوا و ہوس اور دوستی مدح و ثنا کے باعث بہت سے اشخاص ہلاک ہوئے۔"

آں حضرتؐ کی خدمت میں ایک روز ایک شخص نے کسی کی تعریف کی تو حضرتؐ نے فرمایا کہ :

" اگر وہ شخص جس کی تُو نے مدح کی ہے موجود ہوتا اور تیری مدح پر خوشنود اور راضی ہوتا اور اُسی حالت میں مر جاتا تو داخلِ جہنم ہوتا۔"

اور فرمایا کہ :

" جب تم دیکھو کہ لوگ تمہاری حضوری میں تمہاری مدح کرتے ہیں۔ تو اُن سے بیزاری اختیار کرو۔"

اس صفت والے کے چند مراتب ہیں :-

(۱) جو شخص اپنی مدح و شہرت میں حتی المقدور کوشش کرے یہاں تک کہ عبادت میں بھی مدح کا متمنی ہو اور تالیف القلوب کے لیے محرمات کا مرتکب ہو۔ ایسا شخص اہلِ شقاوت ہے اور غرقِ دریائے ہلاکت۔

(۲) جو شخص مدح و ثنا کا طالب ہو اور خوشامد پسند کرتا ہو لیکن بذریعہ محرمات اسے حاصل نہ کرے بلکہ امور مباح کے ذریعہ سے جس قدر حاصل ہو اُس پر اکتفا کرے تو ایسے شخص کی ابھی ہلاکت واقع نہیں ہوئی لیکن ہلاکت کی حد میں داخل ہو گیا۔ چونکہ ایسا شخص آدمیوں کے دل کو اختیار میں لینے کی خواہش کرتا ہے اور تمام افعال و اقوال میں اپنی ہوشیاری کو کہ کوئی معصیت صادر نہ ہو نہایت مشکل میں پھنسا دیتا ہے۔

(۳) جو شخص مدح کا طالب نہ ہو اور اس کے حصول میں کوشش بھی نہ کرے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس کی مدح کرے تو خوش ہو اور اس کو اچھا معلوم ہو اگرچہ یہ مرتبہ نقصان کا ہے، لیکن وہ گناہگار نہیں ہوتا۔

جیسا کہ مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا:

"کوئی شخص عمل نیک کرتا ہے اور اگر دوسرا شخص اُسے اس عمل کا مرتکب ہوتے ہوئے دیکھ لے تو وہ خوش ہوتا ہو۔"

حضرتؑ نے فرمایا کہ:

"کوئی اندیشہ نہیں۔ کیونکہ ہر شخص چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے عملِ نیک کو ظاہر کرے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اُس عمل کو اُس کے دکھانے کے لیے نہ کیا ہو۔"

(۴) جو شخص حصولِ مدح میں کوشش نہ کرے۔ مگر کوئی شخص اس کی مدح کرے تو خوش ہو۔ لیکن یہ خوشی اس کو دل گیر کرتی ہو اور اپنے کو مدح و ثنا سے شاد نہ ہونے کے مرتبے پر پہنچنے کی خواہش رکھتا ہو تو یہ شخص مقامِ مجاہدہ میں ہے۔

واضح ہو کہ مدح و خوشامد کو دوست رکھنے کے لیے چند اسباب ہوتے ہیں:۔

۱: اپنے کمال سے فائدہ اٹھانا۔ کیونکہ مرتبہ کمال ہر کسی کے نزدیک محبوب ہے اور فی نفسہٖ کمال ہر شخص کا مطلوب۔ کیوں کہ جب کوئی شخص اپنے کمال سے فائدہ اٹھاتا ہے تو لذت پاتا ہے

اور خوشی ہوتا ہے۔ اور آدمیوں کی مدح وثنا اس کا سبب ہوتی ہے کہ وہ شخص اپنے کمال سے فائدہ اٹھائے۔

اسی لیے اگر کسی مبصر اور جاننے والے نے مدح کی ہو تو اس کی لذت اور خوشی زیادہ ہوتی ہے۔ بخلاف اس احمق و نادان کی مدح کے جو کچھ بھی نہ جانتا ہو۔

۲ : یہ کہ مدح وثنا سے ثابت ہوتا ہے کہ مدح کرنے والے کا دل ممدوح کا مسخر ہے اور وہ اس کا مرید و معتقد ہے۔ چونکہ تسخیرِ دل لذت وسرور کا موجب ہے۔

اسی وجہ سے جس وقت کوئی شخص بزرگ صاحب اقتدار جس کے دل کی تسخیر حصولِ فوائد کا باعث ہوتی ہے۔ کسی کی مدح کرے تو اس سے بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ بخلاف اس شخص کے جو بے اختیار اور حقیر ہو۔

۳ : یہ کہ کسی کے اوصافِ نیک کا ذکر اور مدح کرنا دوسروں کے دلوں کے بھی صید کا باعث ہوتا ہے۔ خصوصاً جبکہ کسی ایسے شخص کی ثنا کی جائے جس کے قول پر آدمی اعتماد رکھتے ہوں۔

۴ : یہ کہ کسی کا آپ کی مدح کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے نزدیک آپ کی کوئی عزت و حشمت ہے اور اس کے دل میں آپ کی وقعت۔ اس لیے بے اختیار اس کی زبان پر آپ کی مدح جاری ہے اور خوشامد سے لذت حاصل ہونے کی یہی وجہ ہے۔

جو لوگ جانتے ہیں کہ یہ جو کہتا ہے بے اعتقادی سے کہتا ہے تو اس پر ملتفت نہیں ہوتے ہیں۔

اسباب مذکور الصدر مذمت کی کراہیت سے بھی متعلق ہیں اور مدح و ثنا ہر ایک سبب سے جو خوشامد میں داخل ہو سکتی ہے۔ وہ مرض نفسِ انسان ہے اور علامتِ نقصان۔

مگر یہ سببِ اوّل مدح و ثنا سے جو نشاط و سرور حاصل ہوتا ہو اور دوسرے کی مدح و ثنا سے اپنے اُن اوصاف کو معلوم کر رہا ہو جو اس کے نزدیک مشکوک تھے تو اپنے کو کمال سے متصف ہونے اور اس نعمت و عطیۂ الٰہی پر سرفراز ہونے سے خوش ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسی لذّت اور سرور مذموم نہیں ہے اور حقیقتاً یہ لذّت مدح و ثنا سے نہیں بلکہ یہ لذّت اپنے کمال سے حاصل ہوتی ہے۔

اسی وجہ سے اکثر علمائے اخلاق نے محبت مدح و ثنا کے تمام اقسام کو صفاتِ رذیلہ سے قرار دیا ہے۔ اور کسی قسم کو مستثنیٰ نہیں کیا۔ علاوہ اس کے اس کمال پر خوش ہونا جس کا انجام کار معلوم نہیں کہ آیا وہ ذریعۂ نجات ہو گا، یا سببِ ہلاکت ہاں بالضرور وہ باعثِ جہل و نادانی ہے۔

فصل (۱)

مرضِ حُبِّ مدح اور

کراہتِ مذمّت کا مُعالجہ

واضح ہو کہ آپ کو معلوم ہو چکا کہ حُبِّ مدح اور مذمت کی کراہیت صفات رذیلہ میں سے ہے۔

پس دامنِ ہمّت باندھ کر قبل اس کے کہ آپ کے ہاتھ سے موقع نکل جائے اس کے معالجہ میں کوشش کیجئے۔

مدح و ثنا کی محبت کا معالجہ یہ ہے کہ :

ابتداءً اُن اسباب کو دیکھئے جن کے سبب سے نشاط و لذّت حاصل ہوتی ہے۔ اگر سبب اوّل میں داخل ہو، یعنی آپ اپنے کمال پر ملتفت ہو کر خوش ہوں پس اگر وہ کمال، کمالِ حقیقی نہ ہو مثلاً : مال، جاہ، شہرت، منصب وغیرہ امورِ دنیویہ میں سے ہو تو اُس پر خوشی کرنا حماقت ہے اور نادانی و جہالت۔ عاقل ان چیزوں سے غمگین و محزون ہوتا ہے اور جو کمالِ حقیقی ہوں مثلاً : علم، ورع، تقویٰ وغیرہ۔

پس اگر حقیقت میں وہ شخص جس کی مدح کی جاتی ہے۔ اس صفت سے متصف نہ ہو تو پھر کس امر پر خوشی و نشاط ہوتی ہے۔ بلکہ رنج و غم کا مقام ہے، اور اگر اُن اوصافِ مذکورہ سے متصف ہو۔ مگر جب تک اس کا خاتمہ بخیر نہ ہو اُن کمالات سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

پس کسی کا اُس کمال پر خوشی کرنا جس سے اپنے انجام کی واقفیت نہ ہو جہل و غفلت ہے۔ جب مدح و ثنا کی محبت کسی دوسرے سبب سے ہو تو وہ حُبِّ جاہ کا ایک شعبہ ہے جس کا علاج بیان کیا گیا۔ اس کے بعد تامل کیجئے۔

اکثر ہوتا ہے کہ :

جو شخص آپ کی مدح خصوصاً آپ کے سامنے کرتا ہے تو اُس کو کوئی نہ کوئی غرض ہوتی ہے اور یہ اس کی خوشامد ایک دام ہے جو آپ کے دین اور دُنیا کو صید کرنے کے لیے بچھایا گیا ہے اور آپ اُس سے خوش ہوتے ہیں علاوہ اس کے اکثر خوشامدیں ایسی ہوتی ہیں کہ خوشامد کرنے والا حقیقتاً اس کو نہیں جانتا اور اس پر مطلقاً اعتقاد نہیں رکھتا۔ اس کا جھوٹ واضح ہے اور اس کا نفاق ظاہر۔

اور جب آپ کی تعریف کی جاتی ہے تو آپ خود اور نیز دوسرے اشخاص سُننے والے جانتے ہیں کہ وہ احمق اور منافق ہے جو آپ کے سامنے جھوٹی باتیں کر رہا ہے باوجود اس کے آپ کو اس کی تعریف سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ مذمت کراہیت کا علاج بھی بیان مذکور الصدر سے معلوم ہو سکتا ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ :

جو شخص مذمت کرتا ہے۔ اگر وہ مذمت میں سچا ہے اور اس کی غرض

نصیحت و پند ہے تو پھر آپ کس وجہ سے اُس سے کراہیت و دشمنی کرتے ہیں۔
بلکہ سزاوار یہ ہے کہ اس کی مذمت سے خوش ہوں اور اس کو اپنا دوست سمجھیں اور اس صفتِ خراب کے دُور کرنے میں کوشش کریں۔ وہ شخص کس قدر بُرا ہے جو ہدایت اور نصیحت کرنے والے کے ساتھ دشمنی کرے اور اگر اس کا قصد آپ کی ایذا و ملامت کا ہے تو تاہم آپ کو سزاوار نہیں کہ آپ اس کو بُرا جانیں اور اس کے ساتھ بُغض کریں۔ کیوں کہ اگر آپ اُس عیب سے ناواقف تھے تو اس نے آپ کو معلوم کرایا۔ اگر آپ غافل تھے تو اُس نے آپ کو اطلاع دی۔ اگر آپ کو اس کی آگاہی تھی تو اُس نے آپ سے اس کی بُرائی بیان کی۔ ہر صورت میں اس کا نفع آپ ہی کو ملتا ہے اور اگر وہ مذمت جھوٹ ہو تو اس کی مذمت و افترا آپ کے گناہوں کا کفّارہ ہے۔

اس مذمّت کے عوض میں اس کے ثواب اس کے نامۂ اعمال سے آپ کے دفترِ اعمال میں نقل ہو جاتے ہیں اور اس کا ثواب آپ کو ملتا ہے جو شخص مذمت کرتا ہے موردِ غضبِ الٰہی ہوتا ہے۔

علاوہ اس کے تجربے سے ثابت اور اس پر اخبار و آثار شاہد ہیں کہ جو شخص اپنے اور خدا کے درمیان کوئی عیب نہ رکھتا ہو تو دوسروں کی عیب گوئی سے اس کا مرتبہ ساقط و پست نہیں ہوتا اور کسی کی مذمت اس کو کوئی ضرر نہیں پہنچاتی۔

بلکہ اکثر ہوتا ہے کہ :

عیب کا ظاہر کرنے والا نظروں میں بے رقعت اور رُسوا ہو جاتا ہے۔

ہاں جس شخص کو خداوند عالم نے پاک کیا ہو اُس پر کسی ناپاک کے عیب رکھنے سے وہ معیوب نہیں ہوتا اور نہ دوسروں کی مذمت سے پست و مذموم۔

بلکہ بدی و پستی مذمت کرنے والے کی طرف ہی رجوع ہوتی ہے۔

بیان مذکور الصدر معالجۂ علمی تھا۔ لیکن معالجۂ عملی یہ ہے کہ جب کوئی شخص آپ کی مدح کرے تو اس پر توجہ نہ کیجئے اور اس کی بات کو قطع کیجئے بلکہ اس کے ساتھ سختی و ملامت سے پیش آئیے جو کچھ اس کا مقصد ہو اس کو پورا نہ کیجئے خصوص مذمت کرنے والوں کے ساتھ اقوال مذکور الصدر کے خلاف عمل کیجئے تاکہ رفتہ رفتہ یہ صفتِ نقص آپ سے زائل ہو جائے۔ اس طریقہ پر کہ بلحاظ قوتِ نفس و بصیرت دین مدح و ذم کا اثر آپ کے نفس پر نہ پڑے یعنی مدح و ذم آپ کی نظر میں مساوی ہو جائے۔ ایسا وجود بیشک عنقا صفت ہے بسا اوقات انسان اس حالت کا دعویٰ کرتا ہے اور بلحاظ ریا و مکر عوام الناس کو فریب دیتا ہے اور اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ مدح و ذم اس کی نظر میں یکساں ہے اور حقیقتاً وہ ایسا نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کی یہ علامت ہے کہ جس طرح وہ مدح کرنے والے سے ملتا ہے اسی طرح مذمت کرنے والے سے ملے اور جس طرح وہ مدح کرنے والے کے ساتھ سلوک کرتا ہے اسی طرح مذمت کرنے والے کے ساتھ برتاؤ کرے۔ اکثر اوقات آدمی اس مرتبے پر ترقی کرتا ہے کہ مدح و ثنا کو مکروہ اور اپنی مذمت کو دوست رکھتا ہے یہ صفت اگرچہ نادر الوجود ہے، اور ایسا شخص عنقا لیکن اس کا حاصل کرنا ممکن ہے۔ کیونکہ جو شخص عاقل ہو اور اپنے نفس پر مہربان ہو اور جانتا ہو کہ مدح گوئی اس کے دین کو تباہ کرتی ہے۔ اس کی کمر کو توڑتی ہے تو وہ ضرور اس کو برا جانے گا اور مدح گو کو دشمن سمجھے گا۔ حاصل کلام جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ آپ کی مذمت آپ کو اپنے عیوب سے آگاہ کرتی ہے اور آپ کے درجات کو بلند اور آپ کے گناہوں کو محو۔ بالضرور آپ اپنی مذمت پر راغب ہوں گے اور بد کہنے والے کو دوست رکھیں گے۔

اکیسویں صفت

مذمّتِ ریا

جس میں پانچ فصلیں ہیں

واضح ہو کہ افعالِ نیک و پسندیدہ یا ایسے علامات کے ذریعے سے جو صفاتِ نیک پر دلالت کرتے ہوں۔ دوسروں کے نزدیک منزلت اور اعتبار کی خواہش ظاہر کرنے کو ریا کہتے ہیں۔

اور جو علامتیں افعالِ نیک پر دلالت کرتی ہیں۔ ان سے مراد یہ ہے کہ وہ خود نیک نہ ہوں لیکن ان کے ذریعے سے افعالِ نیک کا اظہار ہو سکے۔

مثلاً :

ضعف و بے حالی کا اظہار کرنا جس سے اپنی کم خوراکی اور روزہ رکھنے یا شب بیداری کا ثبوت ہو۔

یا مثلاً :

بے اختیار آہ کھینچنا کہ فکرِ خدا یا احوالِ روزِ جزا کا اظہار ہو سکے

اور انھیں صورتوں کے مانند۔

پس ریا کی تمام قسمیں شرعاً مذموم ہیں۔ بلکہ تمام مہلکاتِ عظیمہ اور گناہانِ کبیرہ۔ اس کی حرمت پر تمام متفق ہیں اور آیات و اخبار ایک دوسرے کے باہم موافق۔

پروردگارِ عظیم کتابِ کریم میں فرماتا ہے :

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۙ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ۔

خلاصۂ معنی یہ کہ :

"اُن نماز پڑھنے والوں پر وائے ہو جو اپنی نماز میں بے پروائی و سستی کرتے ہیں اور وہ لوگ جو ریا کرتے ہیں، اور اپنی اطاعت کو دوسروں کی تعریف یا فائدۂ دُنیا کے خیال سے بجالاتے ہیں۔"

اور تمام کی مذمت میں فرماتا ہے :

يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا۔

یعنی : "اپنے اعمال لوگوں کو دکھاتے ہیں اور خُدا کا ذکر بہت ہی کم کرتے ہیں۔"

حضرت رسولؐ سے مروی ہے کہ فرمایا :

"بہ تحقیق مَیں تمھارے لیے اُس صفتِ بدتر سے ڈرتا ہوں جو شرکِ اصغر ہے۔"

عرض کیا گیا کہ :

"وہ کیا ہے ؟"

فرمایا کہ :

"ریا ، خدائے عزوجل قیامت میں جب کہ بندوں کے اعمال کی جزا دے گا تو فرمائے گا کہ تم اُن اشخاص کے سامنے جاؤ جن کے واسطے ریا کی گئی۔ تمھاری جزا ان لوگوں کے پاس ہے۔"

نیز آں حضرت صلعم سے منقول ہے کہ :-

خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ :

"اگر کوئی شخص عملِ نیک بجالائے جس میں میرے سوا دوسرے کو شریک کیا ہو تو وہ تمام عمل غیر کا ہے اور مَیں اس کو قبول نہیں کرتا۔"

نیز آں حضرتؐ نے فرمایا کہ :

"خدا اس عمل کو جس میں کسی قدر بھی ریا ہو قبول نہیں فرماتا۔"

نیز فرمایا کہ :

قیامت میں ریا کرنے والے چار ناموں سے پکارے جائیں گے۔ وہ یہ ہیں :-

- اے کافر
- اے فاجر
- اے غادر

اے خاسر

تیرا عمل فاسد ہوا اور تیرا اجر باطل۔ آج کے روز تجھ کو میرے پاس کوئی حق نہیں چلا جا۔ جس کے لیے تو نے یہ عمل کیا ہے اس سے اپنی مزدوری لے۔

ایک روز آن سروؐ نے بہت گریہ فرمایا۔

اس کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا کہ :

"اپنی اُمت کے شرک سے ڈرتا ہوں۔ آگاہ ہو کہ یہ کسی بُت، آفتاب و ماہتاب، پتھر کو نہیں پُوجیں گے۔ لیکن اپنے اعمال میں ریا کریں گے۔"

اور فرمایا کہ :

"میری اُمت پر وہ زمانہ جلد آنے والا ہے کہ لوگوں کے باطن طمعِ دنیا کے لیے خبیث ہوں گے اور ظاہر نیک۔ وہ پروردگار کے ثواب کو نہیں چاہیں گے۔ ان کا دین ریا ہو گا اور ان کو خوفِ خدا نہ ہو گا۔ جب خدا تعالیٰ کا عذاب ان کو گھیرے گا تو وہ خدا کو اس شخص کے مانند پکاریں گے۔ جو دریا میں غرق ہو رہا ہو اُن کی دعا مقبول نہ ہو گی۔"

عدۃ الداعی میں جناب نبویؐ سے مروی ہے کہ :

خدائے تبارک و تعالےٰ نے آسمانوں کو خلق کرنے سے قبل سات فرشتوں کو پیدا کیا جن کی عظمت نے آسمانوں کو گھیر لیا اور ہر ایک آسمان کے دروازے پر ایک ایک فرشتہ کو دربان بنایا۔

پس جو فرشتے اعمال کے محافظ ہیں اور بندوں کے اعمال کو صبح سے شام تک لکھتے ہیں اور اس کے بعد جب وہ اعمال مثلاً :

روزہ ❖ نماز ❖ فقہ ❖ اجتہاد ❖ زہد ❖ تقویٰ وغیرہ کو اوپر لے جانا چاہتے ہیں تو ان کی آواز مثلِ رعد، ان کی روشنی

اور چمک آفتاب کے مانند ہوتی ہے۔ اس کام پر تین ہزار فرشتے ہیں، جو محافظت کے لیے اُن کے ہمراہ جاتے ہیں اور آسمانوں سے گزرتے ہیں یہاں تک کہ اس فرشتے کے نزدیک جو ساتویں آسمان پر مؤکل ہے جاتے ہیں، تو وہ فرشتہ کہتا ہے کہ :

"ٹھہر جاؤ اور اس عمل کو اس کے صاحب کے منہ اور اس کے اعضاء اور جوارح پر مارو اور اس کے دل کو قفل کر دو۔ مَیں فرشتۂ حجاب ہوں۔ جو عمل خدا کے واسطے نہ ہو اس کو منع کرتا ہوں۔ کیونکہ اس عمل کنندہ کی خدا سے مراد نہ تھی۔ اس کو اُمرا میں حصولِ مرتبۂ بلندی اور مجلسوں میں اس کے ذکر کی اور شہروں میں اپنی شہرت کی غرض تھی۔ میرے پروردگار نے حکم فرمایا ہے کہ اس کے عمل کو اس حد سے آگے نہ جانے دوں۔"

دوسرے مقام پر فرمایا کہ :

بندے کے اعمال :- نماز ، روزہ، زکوٰۃ ، حج ، عمرہ، خُلقِ نیک، خاموشی وغیرہ کو جب وہ فرشتے حاملین اعمال خوشی خوشی کے ساتھ اُوپر لے جاتے ہیں تو آسمانوں کے ملائکہ اور وہ سات مَلَک جو سات آسمانوں پر مؤکل ہیں یہ تمام اس کی مشایعت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ تمام حجابوں سے گزر کر خداوند عالم کے مقابل ٹھہرتے ہیں اور اس بندے کی جس نے اس طرح عمل کیا ہے اُس کی گواہی دیتے ہیں۔

تو حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ :

"تم اس کے اعمال کے محافظ رہو اور مَیں اس کے باطن کا جاننے والا ہوں کہ اس بندے کو اس عمل کے بجالانے میں میری خوشی منظور نہ تھی، اور دوسروں کی خوشی کا خیال تھا۔ اس لیے اس پر میری لعنت ہو۔"

پس تمام فرشتے اور تمام آسمانوں کے ساکن اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ :

"کسی عمل نیک کے بجالانے سے اس کی نگاہداری مشکل ہے۔"

عرض کیا گیا کہ :

"کیوں کر؟"

فرمایا کہ :

"کوئی شخص صلۂ رحم بجا لاتا ہے اور خدا کے لیے بخشش کرتا ہے، اور اس کو سوائے خدا کے کسی کی خوشنودی منظور نہیں ہوتی۔ اس لیے اس عمل پنہاں کا ثواب اس کے واسطے لکھا گیا تھا محو ہوتا ہے اور عمل آشکار کا ثواب جو عمل پنہاں سے کم ہے اس کے لیے لکھا جاتا ہے اور دوسرے وقت جب اس عمل کا ذکر کرتا ہے تو اس کا ثواب بھی محو ہو جاتا ہے اور اس کے نامۂ اعمال میں ریا لکھی جاتی ہے۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بیان قول خدا میں مروی ہے کہ :

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا

صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا

فرمایا کہ :

"جو شخص عمل نیک کرتا ہو اور وہ خدا کے واسطے نہ ہو بلکہ اس کی غرض آدمیوں کی تعریف ہو اور یہ خواہش ہو کہ آدمی اس کو سنیں۔ پس ایسے شخص نے اپنے پروردگار کی بندگی میں شرک اختیار کیا ہے۔"

فرمایا کہ:

"جو بندہ عمل خیر پوشیدہ بجا لائے اور اسی طرح ایک زمانہ گزارے تو خدا اس کو ظاہر کر دیتا ہے اور جو بندہ عمل بد پنہاں کرے تو خدا تعالے اس کو ظاہر کر دیتا ہے۔"

اور فرمایا کہ:

"جو شخص تھوڑا عمل خدا کے لیے کرے تو خدا اس کو اس کے اظہار کرنے سے قبل ظاہر کر دیتا ہے۔ جس شخص نے ریا اور آدمیوں کے واسطے عمل کیا ہو اور اس کے لیے اپنے اوپر تکلیف اٹھائی ہو اور راتوں کو شب بیداری کی ہو تو ہر شخص کی نظر میں خدا اُس عمل کو کم کر دیتا ہے۔"

مذمت میں ریا کی اسی قدر کافی ہے کہ اُس شخص نے حضرت آفریدگار جل جلالہٗ کو ان ضعیف بندوں کے مقابلہ میں جن سے کوئی نفع و ضرر نہیں پہنچتا، پست و حقیر سمجھا ہے۔

کوئی شک نہیں کہ جس شخص کو عبادتِ پروردگار میں بندوں کی تعریف و پسندیدگی کا قصد ہو تو گویا وہ ایسا گمان کرتا ہے کہ اس کے حصولِ مطالب میں ان بندوں کی قدرت زیادہ ہے اور ان کی خوشنودی، خوشنودیٔ خدا سے بہتر۔ اس سے زیادہ پروردگار عالم کی مخالفت کیا ہو سکتی ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔

فصل ۱

اقسامِ ریا

واضح ہو کہ ریا کی چند قسمیں ہیں۔ کیونکہ یا تو وہ اصل ایمان میں ہوگی یا عبادت میں یا سوائے اِن کے۔

اوّل یہ ہے کہ:

زبان سے شہادتین کا اظہار اور دل سے اس کا انکار کرنا۔ یہ قسم کفرِ نفاق ہے جو ابتدائے اسلام میں جاری تھا۔ لیکن اِس زمانہ میں کم پایا جاتا ہے کہ کوئی شخص بعض ضروریاتِ دین مثلاً بہشت، دوزخ، ثواب، معادِ جسمانی کا دل میں معتقد نہ ہو اور شمشیرِ شریعت کے خوف سے اُس کا اظہار نہ کرے اور اگر ایسا کرے تو یہ بھی کفرِ نفاق ہے اور ایسا شخص دائرۂ اسلام سے خارج اور اس کے لیے آتشِ جہنم موجود ہے۔

صاحب کفرِ نفاق خواہ بصورتِ اوّل ہو یا ثانی کافرِ آشکارا سے بدتر ہے کیونکہ اس نے نفاق و کفر کو یکجا جمع کیا ہے لیکن دوسری قسم ریا کی جو عبادت میں ہوتی ہے وہ چند قسموں پر ہے:-

۱: یہ کہ خدا و پیغمبرؐ پر اعتقاد رکھتا ہو اور اپنی عباداتِ واجبہ میں

ریا کرتا ہو۔ **مثلاً** :

٭ خلوت میں تارکِ صوم وصلوٰۃ وزکوٰۃ ہو اور لوگوں کی حضوری میں نماز پڑھے۔
٭ اگر ماہِ رمضان میں کسی جماعت میں رہنے کا اتفاق ہو تو روزہ رکھے۔
٭ کسی کے خوفِ مذمت سے زکوٰۃ ادا کرے۔
٭ لوگوں کے سامنے اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ رکھے اور غیبت میں ان کے ساتھ بدسلوکی اور بے ادبی سے پیش آئے۔

اگرچہ ایسا شخص زمرۂ کفّار میں محسوب نہیں ہوتا لیکن بدترین اہلِ اسلام ہے اور کفر سے نزدیک تر۔

۲ : یہ کہ اپنے عبادات واجبہ میں ریا کا مرتکب نہ ہوتا ہو لیکن عباداتِ مستحبہ میں ریا کرتا ہو۔

مثلاً :

خلوت میں رات یا دن کے نوافل نماز اور سُنّتی روزوں کو بجا نہ لائے۔ لیکن لوگوں کی حضوری میں ان امور پر رغبت رکھتا ہو، اور مجلسوں میں تسبیح و تہلیل با آواز بلند کہے اور ایسا ہی بقصدِ ریا بیماروں کی عیادت اور جنازوں کی مشایعت کرے۔

ایسا شخص اگرچہ شخصِ اوّل الذکر سے بہتر ہے۔ مگر پھر بھی ہالک اور اس کے ساتھ شرک میں شریک ہے۔

۳ : یہ کہ عبادت کے وصف میں ریا کرے اور اس کے اصل میں نہ کرے، **مثلاً** :

رکوع وسجود اور باقی افعال نماز آدمیوں کی حضوری میں بقصد

حصولِ اعتبار بہ نسبت خلوت کے اچھی طرح بجالائے۔

اگر تعزیت یا کسی مجلس میں ذکرِ حدیث سے گریہ کرے تو اپنے آنسو آدمیوں کے دکھانے کی غرض سے پاک نہ کرے۔ اس مرتبہ والا بھی ہالک اور ایک قسم کی شرک میں مبتلا ہے۔ لیکن تیسری قسم ریا کی جو سوائے عبادات کے ہو یا تو وہ مباحات میں ہے۔

مثلاً :

پاکیزگیٔ لباس اس غرض سے کہ آدمی اس کو پاکیزہ جانیں یا اپنے بدن کے کسی عیب کو چھپانا منظور ہو تاکہ دوسرا اس کو اس عیب سے متصف نہ جانے یا اس کے مانند اور مباحات یا محرمات میں ہوتی ہے۔

وہ یہ ہے کہ :

اپنے عیوب اور گناہوں کو اس غرض سے پوشیدہ رکھے کہ آدمی اس کو فاسق نہ جانیں۔

فصل (۲)

وُہ اقسامِ ریا جن سے عبادتیں باطل ہوتی ہیں

واضح ہو کہ پہلی قسم ریا کی جو ایمان میں ہوتی ہے وہ حسبِ متذکرۂ صدر بدترین اقسامِ ریا اور افرادِ کفر سے ہے، بلکہ کفر سے بدتر، اور اس سے شدید تر۔

اور دوسری قسم ریا کی جو عبادات میں ہوتی ہے اس کی تمام قسمیں حرام اور گناہانِ عظیم ہیں اور اس کا صاحب پروردگار کا مغضوب ہے اور حصُولِ سعادت سے محروم۔

علاوہ اس کے عبادت باطل ہو جاتی ہے اور اس کا فساد خواہ اصل عبادت میں ہو یا اس کے وصف میں لازم ہو جاتا ہے۔ خواہ عبادت میں ریائے محض ہو یا نیت قربت کے ساتھ مشترک ہو دونوں حالتوں میں عبادت باطل ہے بلکہ اگر نیت قربت راجح بھی ہو اور تھوڑی سی ریا اس میں شریک ہو تو پھر بھی عبادت فاسد ہو جاتی ہے۔ بلکہ ایسے شخص کا حال اس شخص سے بدتر ہے،

جس نے عبادت بالکل ترک کی ہو کیونکہ یہ سوائے گناہ ترک عبادت کے ریا کے گناہ کو بھی حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح ابتدائے عبادت میں قصد ریا ہو یا اوّل قصد قربت ہو اور اثنائے عبادت میں ریا شامل ہو جائے تو بھی تمام عبادت باطل ہو جاتی ہے اور اس کا اعادہ لازم۔ اور یہ ریائے محض خواہ تتمۂ فعل عبادت ہو یعنی اگر لوگوں کی اطلاع مدنظر نہ ہوتی تو اسے نہ بجا لاتا۔ اسی طرح قربت و ریا باہم مخلوط ہوں اور ریا یہ کہ عبادت کا قصدِ قربت ہو۔ مگر اس میں ریا کا شائبہ ہو مثلاً کوئی شخص نمازِ شب میں صرف رضائے خدا کے باعث متوجہ ہو یعنی اگر کوئی شخص اس کو نہ دیکھتا تو بھی وہ اس کو بجا لاتا۔ لیکن اثنائے عبادت میں اگر کوئی شخص اُس پر مطلع ہو تو اس کے دل میں خوشی و سرور پیدا ہو جائے کہ اس شخص کی نظر میں میری منزلت زیادہ ہو گئی۔

پس ایسی تمام صُورتوں میں عبادت باطل ہے لیکن یہ ان عبادتوں کا ذکر ہے جن کے بعض اجزاء کی صحت بعض دوسرے اجزاء کی صحت پر موقوف ہو اور اگر ایسی عبادت نہ ہو، مثلاً قرأتِ قرآن وغیرہ ہو۔ اگر اثنائے قرأت میں ریا حاصل ہو تو بعد ریا کے جو عمل واقع ہُوا باطل ہو جاتا ہے اور عمل سابق باطل نہیں ہوتا۔ جب کہ کوئی شخص کوئی عبادت قصد اخلاص و قربت کے ساتھ بجا لائے اور اس کے اثناء میں بھی کسی قسم کی ریا عارض نہ ہو لیکن جب وہ اس سے فارغ ہو اور کوئی شخص اس کے عمل پر مطلع ہو بشرطیکہ اس نے خود ظاہر نہ کیا ہو حصولِ مرتبہ کی امید پر شاد و مسرور ہو تو اس کا عمل فاسد نہیں ہوتا اور نہ اس کے ثواب میں کمی واقع ہوتی ہے۔ لیکن یہ خوشی و نشاط بھی امراضِ نفسانیہ سے ہے اور اس کو ریائے خفی کہتے ہیں۔ ایسا شخص اُن لوگوں سے جن کو اطلاع ہوا اپنی تعظیم و احترام کی توقع رکھتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے احترام میں کمی کرے

تو اُس سے دُوری اختیار کرتا ہے۔ اگر اس شخص کے نفس میں یہ مرض نہ ہوتا تو اس طرح کی خوشی اس کو حاصل نہ ہوتی اور کسی شخص کی اطلاع و عدم اطلاع اُس کی نظر میں یکساں ہوتی اور آمیزش ریا سے قطعی طور پر وہ دل پاک ہے جس کے نزدیک کوئی تفاوت نہ ہو کہ کوئی شخص اس کی عبادت پر مطلع ہو یا کوئی چارپایہ۔ جب کہ ان دونوں میں فرق سمجھے گا تو تعظیم و احترام کی توقع رکھے گا۔ اور ایسی توقع اگرچہ موجب فسادِ عمل یا کمی ثواب نہیں ہوتی لیکن نفس کو ہلاک کرتی ہے۔ اگر وہ تعظیم بھی عمل میں آئے تو اکثر وہ موجب فسادِ اجر ہو جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ قیامت میں قرآن پڑھنے والوں سے فرمائے گا کہ:

- آیا دنیا میں تم کو بہت سے امُور عطا نہیں کیے۔
- آیا تم پر کسی نے سلام کی ابتداء نہ کی۔
- آیا تمھاری ضرورتیں پوری نہیں ہوئیں۔
- لہٰذا آج تم کسی ثواب کے مستحق نہیں ہو۔ کیونکہ تم نے دنیا میں اپنا اجر حاصل کر لیا ہے۔

یہ بھی اُس صُورت میں ہے کہ اس عبادت کا اظہار خود نہ کیا ہو۔ جب کہ خود اُس نے بغیر قصد صحیح کے اس کا اظہار کیا ہو تو بعض علماء کہتے ہیں کہ اُس عبادت کے ثواب میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ اگرچہ اس اظہار سے جو بقصد ریا کیا گیا ہے معصیت حاصل ہوتی ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ:

علاوہ معصیت کے اس کی عبادت کے ثواب کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ اور بعض اخبار کا مقتضا بھی یہی ہے لیکن اگر اس کے اظہار میں قصد صحیح رکھتا ہو

شلاً عملِ خیر پر ترغیب کرنا وغیرہ تو اس کے اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ اکثر اس کا اظہار افضل ہوتا ہے۔ بشرطیکہ قطعاً ریا اس میں شامل نہ ہو اور دوسرا کوئی فساد اس میں نہ پایا جاتا ہو۔ مثلاً اظہار تصدق میں فقیر کی آبرو لینا۔ اگر اس طرح نہ ہو اور ریا کا احتمال ہو تو ہرگز اس کا اظہار نہ کرے۔ یہ مقام خطر و محل لغزش ہے۔ کیونکہ اُس عمل کے اظہار میں آمیزش ریا سے خلوصِ نیت میسر نہیں ہوتا۔ مگر وہ صاحبین جن کے نفوس پاک اور دل قوی ہیں اور بہت سے صاحبان علم و عمل ہیں کہ اپنے کو ریا سے مبرّا جانتے ہیں اور اپنے اعمال کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر حقیقت میں ان کو شیطان نے فریفتہ کیا ہے اور ہلاکت میں ڈالا ہے۔

واضح ہو کہ جس طرح عمل کا اظہار بقصد صحیح ضرر نہیں رکھتا اور اس کے ثواب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اُسی طرح خوشی و سرور و شگفتگی و انبساط بروز عمل اور نیز آدمیوں کی اطلاع کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔ بعد اس کے کہ وہ خود اس کو پنہاں بجالایا ہو خصوصاً جبکہ قصد صحیح کے سبب سے ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

ممکن ہے کہ جب کسی سے کوئی عمل نیک پوشیدہ صادر ہو، اور پروردگار اس کو ظاہر کرے تو وہ شاد ہوتا ہے اور لطف خدا کو اپنے ساتھ پاتا ہے کہ اس نے اس کے گناہوں کو پوشیدہ اور اس کی طاعتوں کو ظاہر کیا۔ کیونکہ مدح و حصول اعتبار کی وجہ سے نہیں بجالایا اور پردہ پوشی و لطفِ خدا کے باعث دنیا میں اس طرح تصوّر کرتا ہے کہ آخرت میں بھی اس کے ساتھ اسی طرح سلوک کرے گا۔ اسی وجہ سے شاد و فرحناک ہوتا ہے کبھی ہوتا ہے کہ اس کی خوشی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ گمان کرتا ہے کہ جب کسی کو

اس کی عبادت پر آگاہی ہوگی تو وہ بھی اس عبادت میں اسی طرح رغبت اور اس کی متابعت کرے گا۔ اسی سبب سے وہ دوسرا اجر بھی حاصل کرتا ہے، اور ممکن ہے کہ اس کی خوشی اس بناء پر ہو کہ جنھوں نے عبادت کی اطلاع پائی ہے ان کو رغبت حاصل ہو یعنی اس پر شاد ہوں کہ دوسرے بھی اجر و ثواب حاصل کریں۔

مخفی نہ رہے کہ عملِ پوشیدہ پر کسی کی اطلاع پانے سے سرور و نشاط جس طرح بوجہ صحیح ممکن ہے۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ حضوری جماعت سے ہی کسی کو شوق و خواہش عبادت حاصل ہو جو خلوت میں میسر نہیں کیونکہ جب آدمی ایک جماعت اہلِ ایمان کو مشاہدہ کرتا ہے کہ پوری رغبت و خضوع و خشوع سے عبادتِ خدا میں مشغول ہیں تو وہ حالت اس کے نفس میں تاثیر کرتی ہے۔ اور اس کو عبادت کا شوق ہوتا ہے۔ مثلاً کسی کو نمازِ شب کی عادت نہ ہو اور وہ ایک رات ایسی جماعت کا ساتھ دے جو نمازِ شب پڑھتے ہوں اور وہ لوگ رات کی نماز کے واسطے اُٹھیں۔ اس وجہ سے اس کے دل میں بھی ایک رغبت و شوق پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ دیکھتا ہے کہ ایک جماعت درگاہِ خدا کی طرف متوجہ ہے۔ وہ بھی درگاہِ الٰہی کی خواہش کرتا ہے۔ ایسی صورتوں میں یہ ریا نہ ہوگی بلکہ دوسروں کے عمل کو دیکھنے سے رغبت کا ہیجان اور غفلت کا زوال متصوّر ہوگا۔ اس لیے کہ اکثر بعض کو اپنے مکان میں کوئی امر مانع ہوتا ہے۔ جو مجمع میں نہیں ہوتا۔ اس سبب سے وہ مجمع میں عبادت کی طرف میل کرتا ہے۔

پس شیطان ایسے مقامات میں وسوسہ پیدا کرتا ہے اور آدمی کے دل میں ڈالتا ہے کہ یہ آپ کی عبادت ریائی ہے۔ لہٰذا اس کا ترک کرنا بہتر ہے اور شیطان کے مکروں میں سے یہ ایک مکر ہے کہ اس سے غافل نہ ہونا چاہیئے۔ لیکن اس رغبت و شوق میں فرق پیدا کرنے کی شناخت کہ یہ خدا کے لیے ہے

یا ریا سے نہایت ہی مشکل ہے اور اس کا اس طرح امتحان کر سکتے ہیں کہ :

فرض کیجئے کہ کسی مقام پر کوئی جماعت عبادت میں اس طرح مشغول ہے کہ وہ لوگ آپ کو نہیں دیکھتے ۔ پس اگر اس حالت میں آپ کا ذوق و شوق بہ نسبت اس حالت کے کہ یہ آپ کو دیکھتے کم ہے تو معلوم کیجئے کہ یہ شوق از روئے ریا ہے ۔ ورنہ بسبب تقرب خدا ۔

لیکن تیسری قسم ریا کی اُن امور میں جو عبادت کے سوا ہوں ۔ اُن کو آپ معلوم کر چکے کہ وہ دو قسم پر ہے ۔

ایک مباحات میں یعنی کوئی شخص کسی عمل مباح کا بہ سبب تحصیل جاہ و اعتبار یا دفع مذمت و ناخوشی آدمیوں کے مرتکب ہو یا ترک کرے ۔ مثلاً یہ کہ اپنے جامہ کو کسی غلاظت سے نہ بچائے لیکن اس سبب سے کہ آدمی اس کو پاک و پاکیزہ جانیں ۔ اپنے جامہ کو پاک و صاف کرے ۔ پاک رکھنا لباس کا لوگوں کی حضوری میں اسی صورت سے متعلق ہے اور یہ قسم ریا کی مباح و جائز ہے بلکہ کبھی ممدوح ہوتی ہے ۔

مروی ہے کہ

ایک روز حضرت رسول صلعم مجمع اصحاب میں تشریف لانے سے قبل آئینہ ملاحظہ فرماتے تھے اپنے بال اور عمامۂ مبارک درست فرماتے تھے ۔

کسی نے عرض کیا کہ :

" آپ بھی اس طرح عمل فرماتے ہیں ۔"

فرمایا :

" ہاں ، بہ تحقیق کہ خدا اُس بندہ کو دوست رکھتا ہے جو اپنے برادروں کے واسطے زینت کرے جبکہ وہ اُن کی طرف جائے ۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک شخص اہلِ مدینہ کو دیکھا کہ اپنے عیال کے واسطے کوئی چیز خرید کر کے اٹھائے ہوئے گھر لے جاتا ہے جب حضرت کو دیکھا تو شرمندہ ہوا۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ :

" کیا اس کو اپنے عیال کے واسطے خرید کیا ہے۔ خدا کی قسم ہے، کہ اگر اہلِ مدینہ کی مذمت کا خوف نہ ہوتا تو میں بھی اپنے عیال کے واسطے کوئی چیز خرید کرتا اور خود اٹھاتا اور ان کے واسطے لے جاتا۔"

دوسری قسم ریا کی غیرِ عبادات میں یہ ہے کہ انسان اپنے گناہوں کا پوشیدہ رہنا بہتر اور ان کی اطلاع کو مکروہ جانتا ہو۔ یہ قسم ریا جائز ہے بلکہ اظہار گناہ داخلِ عصیاں و حرام اور یہ جو قول ہے کہ مقتضائے اخلاص ظاہر و باطن یکساں ہونا ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا باطن اس طرح ہو کہ اس کے اظہار میں کسی طرح کی بُرائی نہ ہو اور یہ معنی ہیں اس قول کے کہ تم کو علانیہ عمل کرنا چاہیئے یعنی ایسا عمل کہ اگر ظاہر ہو تو اس میں ذرا بھی شرم و خجالت نہ ہو۔

جیسا کہ ایک بزرگ نے کہا کہ :

مَیں نے کوئی عمل ایسا نہیں کیا جس کی دوسروں کو اطلاع کرنے سے مضائقہ کروں سوائے اپنی زوجہ سے ہم بستری اور دفع بول و براز کے۔

لیکن سوائے صاحبانِ عصمت و طہارت اور چند برگزیدگانِ حضرت رب العزت کے کوئی شخص اس مرتبہ عظیم پر فائز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تمام اشخاص گناہانِ ظاہری و باطنی سے خالی نہیں ہوتے خصوصاً افکارِ باطلہ، وساوسِ شیطانیہ، آرزوئے کاذبہ میں مبتلا ہوتے ہیں جن سے پروردگار واقف ہے اور وہ

آدمیوں سے پوشیدہ ہیں۔ ان کے چھپانے کی کوشش کرنا اور اُن کے اظہار کا بُرا جاننا جائز ہے بلکہ بہتر اور واجب۔ لیکن ان کی پوشیدگی سے آپ کی یہ غرض نہ ہو کہ دوسرے آپ کے تقویٰ و پرہیزگاری و بہتری پر اعتقاد رکھیں۔ بلکہ یہ غرض ہونی چاہیئے کہ حق سُبحانہٗ تعالےٰ نے گناہوں کی پوشیدگی کا حکم اور اور ان کے اظہار کی ممانعت فرمائی ہے۔

چنانچہ حضرت پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ :

جو شخص کسی عمل ناشائستہ کا مرتکب ہو اور اس کو آدمیوں سے چھپائے تاکہ خدا بھی اُس کو پوشیدہ کرے یا اس کی غرض یہ ہو کہ اگر دوسروں پر معصیت ظاہر ہو تو آپ کی مذمت و بدی کریں گے اور اس مذمت کی اطلاع سے آپ بدحواس و پریشان ہوں گے اور اطمینان خاطر نہ رہے گا اور مراتب علم و عمل سے باز رہیں گے یا آپ کی غرض یہ ہو کہ کہیں گناہوں کا اظہار اور فاش ہو جانے سے آدمیوں کی نظر میں گناہوں کی وقعت باقی نہ رہے گی اور دوسرے آدمی گناہوں پر بے باک ہوں گے یا آپ کی متابعت و پیروی کریں گے۔

اسی وجہ سے اپنے گناہوں کو اپنے اہل و عیال سے پوشیدہ کرنا چاہیئے تاکہ وہ بے باک و دلیر نہ ہوں یا معصیت کے اظہار کو بُرا جاننے کا باعث محض حیا و شرمندگی ہوتی ہے۔ کیونکہ حیا بھی اخلاقِ فاضلہ و صفاتِ نیک سے ہے اور ایمان کا ایک شعبہ۔

جب کسی شخص سے کوئی گناہ صادر ہوا اور اس کے اظہار میں کوئی خوف نہ رکھتا ہو تو گویا اس نے گناہگاری و بیحیائی کو جمع کیا ہے اور اس کا حال اس گناہگار سے جو صاحب حیا ہو بدتر ہے۔

اکثر ہوتا ہے کہ ریا حیا سے مشتبہ ہوتی ہے اور آدمی بوجہ ریا گناہوں

اور اپنی برائیوں کا اظہار نہیں کرتا اور ایسا جانتا ہے کہ اس کا سبب حیا ہے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے کہ ضعفِ نفس اور اس کی کمی بھی حیا سے مشتبہ ہوتی ہے۔ کیونکہ جو افعال شرعاً یا عقلاً یا عرفاً قبیح ہوں۔ ان میں حیا ہوا کرتی ہے اور آدمی پر ان کا ارتکاب گراں ہوتا ہے۔ اگر اس طرح نہ ہو تو اس کا سبب ضعفِ نفس ہے اور حیا و شرم نہیں۔

مثلاً :

وعظ کرنا ، اور اس شخص کا امامت کرنا جو اس کا قابل ہو اور امر معروف اور نہی منکر کا اظہار کرنا اس مقام میں کہ جہاں عذر صحیح ہو یہ موجبِ حیا ہے۔

فائدہ

حسبِ بیان مذکور جو عبادت بقصد ریا کی جائے وہ فاسد اور موجبِ عصیاں ہے اور باعثِ غضبِ خداوندِ منان۔

جو شخص اپنے پر اطمینان نہ رکھتا ہو اور یک لخت اپنے دل کو ریا سے دور نہ کرے اس کو لازم ہے کہ اپنی عبادت خلوت میں بجا لائے۔ اگر اس اثناء میں کوئی شخص مطلع ہو اور شیطان اس کو ریا میں ڈال دے اور اس کا دفع ممکن نہ ہو تو اس عبادت کا پھر اعادہ کرے۔ یہ اس عبادت میں ممکن ہے جو اپنے اور خدا کے درمیان ہوتی ہے اور دوسرے کے ساتھ اس سے ربط نہیں ہوتا لیکن

جن سے آدمیوں کا بالضرور مطلع ہونا اور سماعت کرنا ضروری ہے۔

مثلاً :

- امانت ❖ فتویٰ
- حکم ❖ قضاء
- تدریس ❖ وعظ
- ارشاد ❖ امر معروف
- نہی منکر ❖ قضائے حوائج برادران وغیرہ

پس ان میں خوف بے حساب ہے اور اسی طرح ان کا ثواب بھی بے شمار۔ پس جو شخص بوجہ علم و دانش ان مناصب کی اہلیت و قابلیت رکھتا ہو۔ اگر وہ صاحب نفس قدسی ہو اور اس کا دل قوی کہ ذرا بھی آدمیوں کی خوشنودی پر اعتنا نہ کرے اور شیطانِ لعین کا وسوسہ اُس کو فریب نہ دے اور انوارِ عظمت و جلال خداوند متعال کا پرتو اس درجہ اس کے دل پر چمکے کہ اس کو خلق کے التفات بیجا سے باز رکھے۔ رضا جوئی اہلِ دنیا و ریا مطلقاً اُس کے دل کے اطراف میں نہ گزرتی ہو تو اس کو سزاوار یہ ہے کہ دامن ہمت کمر پر باندھے اور اس خدمت کو انجام دے۔ اگر اس کا نفس ضعیف ہو اور حقیقتاً اس کو ایمان نہ ہو اور اس کا دل اُس رتی کے مانند ہو جو ہوا میں لٹکی ہو اور ہر طرف ہلتی ہو تو ہرگز ہرگز اس مقام پر قدم نہ رکھے۔ اپنے دامن کو اس خدمت سے بچائے اور خود اپنے کو اور خلق کو ہلاک نہ کرے۔

یہی وجہ تھی کہ بہت سے علمائے سابقین حتی الامکان ان خدمتوں سے بھاگے ہیں اور ان کے نزدیک نہیں آئے۔

اسی سبب سے بہت سے اخبار ان مناصب کے خوف اور ان کے

کثرت آفات میں وارد ہوئے ہیں اور علمائے بے عمل کی تخویف و تہدید اور وعدہ وعید میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ ان کی علم کی خرابی اور ان کی بُرائی کے لیے کافی ہے۔

حضرت عیسٰی ابنِ مریمؑ سے مروی ہے کہ :-

فرمایا کہ :

اے علمائے بد تم روزہ رکھتے ہو، نماز پڑھتے ہو۔ مگر دوسروں کو جن امور کا حکم دیتے ہو ان کو خود نہیں بجا لاتے اور ایسی چیزوں کا حکم کرتے ہو، جن پر خود عمل نہیں کرتے۔ یہ حکم کس قدر بُرا ہے۔ تمھاری توبہ محض ایک قول اور آرزو ہے اور تمھارا فعل محض ہوا و ہوس۔ تم اپنے جسم کو پاک و صاف رکھتے ہو اور تمھارا دل حقیقت میں مَیلا کچیلا ہے۔

مَیں سچ کہتا ہُوں کہ تم غربال کے مانند ہو جس سے پاکیزہ آٹا باہر نکلتا ہے اور بھوسا اس میں رہ جاتا ہے۔ اسی طرح حکمت و نصیحت تمھارے مُنہ سے نکل جاتی ہے۔ یعنی بیان کرتے ہو اور اُس کی بُرائی اور خرابی تمھارے سینوں میں رہ جاتی ہے۔

اے بندگانِ دنیا کیونکر وہ شخص آخرت کو حاصل کرے گا جو دنیا کی خواہشات میں مُبتلا ہو اور جس کی رغبت دنیا سے منقطع نہ ہوئی ہو۔

مَیں تم سے سچ کہتا ہُوں کہ بہ تحقیق تمھارے دل اپنے اعمال سے گریہ کرتے ہیں۔ تم دنیا کو اپنی زبان کے نیچے رکھتے ہو اور عبادت کو قدم کے نیچے اور حق کہتا ہوں کہ تم نے اپنی دنیا کی بہتری کے لیے اپنی آخرت خراب کی ہے۔ تم بہتریٔ دنیا کو بہتریٔ آخرت سے زیادہ پسند کرتے ہو۔

پس تم سے پست و خسیس تر کون شخص ہوگا۔ اگر معلوم کرو گے، تو

افسوس کرو گے کہ تم بہت سے آدمیوں کو راستہ بتلاتے ہو۔ مگر خود حیران کھڑے ہو۔ گویا تم اہلِ دنیا کو حکم کرتے ہو کہ دنیا کو چھوڑ دو تاکہ تم خود فوراً اٹھا لو۔

اور تم سے افسوس ہے کہ :

اندھیرے مکان کی سطح پر چراغ روشن کرتے ہو اور اس کے اندر اندھیرا رکھتے ہو۔ ایسا ہی تم کو کیا فائدہ دیتا ہے کہ نورِ علم تمہارے ذہن میں ہو اور تمہارا باطن اُس سے خالی۔

اے بندگانِ خدا !

قریب ہے کہ دنیا تم کو جڑ سے اکھاڑ ڈالے اور ناک زمین پر رگڑوائے تمہارے گناہ تمہارا گریبان پکڑیں اور تم کو تن تنہا اس بادشاہِ جزا دہندہ کے سپرد کر دیں کہ وہ تم کو مقامِ فضیحت و رسوائی میں کھڑا کرے اور تمہارے اعمالِ بد کی جزا تم کو دے۔

جو شخص کسی امر کو خود نہ کرکے دُوسرے کو عمل کرنے کا حکم دیتا ہے ان نصائح پر غور کرے تو وہ نہایت مغموم و محزون ہو گا، اور اس کا غم و الم افزوں۔

پس اے عالم !

جب تک آپ اپنی اصلاح نہ کریں اس وقت تک دوسروں کو پند و نصیحت نہ کیجئے اور اپنا قدم خدمتِ شرعی کے مسند پہ نہ رکھیے۔ کیونکہ عدمِ اصلاح کی حالت خود اپنے کو اور دوسروں کو خراب کرتی ہے۔ علاوہ اس کے اُس کی بات دوسروں پہ اثر نہیں کرتی۔

نیز قطع نظر اس کے علماء کی تھوڑی سی لغزش عوام الناس کے بڑے

گناہوں سے بدتر ہے۔ باوجود اپنی خباثت باطن کے دوسروں کو آداب و امور سنتی کی تعلیم دینا کس قدر بد ہے۔

مخلص صادق کی علامت جو اس خدمت کی بہتری پر دلالت کرتی ہے یہ ہے کہ جب کسی دوسرے میں بہتری پائی جائے اور وہ دوسرا اس سے زیادہ نیک ہو اور اس کی نسبت دوسروں کی طرف رجحان زیادہ پاتا ہو تو شاد و فرحناک ہوتا ہے۔ اگر اعظم مملکت وارکان ولایت اور بزرگان ذوی الاقتدار اس کے مجمع میں حاضر ہوں یا نماز میں پیچھے کھڑے رہیں یا اس کے وعظ میں زیر منبر بیٹھیں تو ہرگز اس کے کلام میں فرق واقع نہ ہوتا ہو اور اس کی حالت ان کی موجودگی و عدم موجودگی میں یکساں ہو بلکہ تمام بندگان خدا کو ایک نظر سے دیکھتا ہو۔

فصل (۳)

معالجۂ مرضِ ریا

واضح ہو کہ مرضِ ریا کا اصل مادہ طمع مال اور امید منافع ہے یا اپنی مدح و ستائش کی محبت یا اُس سے لطف اٹھانا یا اپنی مذمت و ملامت کا بُرا جاننا ہے اور آدمیوں کے ساتھ اس غرض سے سلوک کرنا کہ اس کے افعالِ حسنہ و اوصافِ جمیلہ کی تعریف اور اس کو نیکوں میں شمار کریں۔ اس طریقہ سے اپنے مرتبہ و عزت کو وضیع و شریف میں مکرم و معزز بناتا ہے۔ عام و خاص کے دلوں کو تسخیر کر کے اس وسیلہ سے نفسِ شوم کی خواہشوں اور لذتوں کو حاصل اور اپنی آرزو اور مقاصد کو پورا کرتا ہے۔ جو شخص اس مرضِ مہلک کا معالجہ کرنا چاہتا ہو تو اسے اصل مادہ کے قطع میں کوشش کرنی چاہیئے۔ طمع و مدح و ستائش کی محبت اور ذم و ملامت کی برائی کا علاج کرے، مدح و کراہتِ مذمت کا طریقۂ معالجہ بیان کیا گیا اور کسی قدر علاجِ طمع بھی مذکور ہوا۔

اب توکل کی صفت اور اس کی تفصیل بھی حوالۂ قلم کی جائے گی، لیکن اس مقام میں بھی کسی قدر ان کا علاج اس وجہ سے کہ خصوص عبادت میں ریا واقع ہوتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کیونکہ معمولی عقل والا بھی انسان

جس امر سے کسی وقت میں کوئی نفع حاصل نہ ہوتا ہو تو اس پر رغبت نہیں رکھتا۔ جس چیز سے نقصان جانتا ہے تو بالضرور اس کے نزدیک نہیں جاتا۔ جس امر سے فی الحال کسی قدر کوئی نفع یا لذت حاصل ہوتی ہو۔ لیکن اس سے آئندہ بڑا نقصان اور تکلیف سخت کا سامنا ہوتا ہو تو اس کو ترک کر دیتا ہے۔

پس جو شخص ریا کی صفت میں مبتلا ہو اس کو لازم ہے کہ اس کے ضرر اور فساد کا خیال رکھے اور اپنے نفس سے خطاب کرے کہ اے احمق! دعویٰ ایمان رکھتا ہے اور شرم نہیں کرتا کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی طاعت و عبادت جو سعادتِ ابدیہ و درجات رفیعہ کے باعث ہے اس کو ضعیف بندوں کی مدح و ثنا کے عوض میں بیع کرتا ہے یا اُمید فضول پر آدمیوں کے ہاتھ سودا اور اپنی عبادت کو باطل کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے عذاب الٰہی کا مستحق ہوگا اور حیا نہیں آتی کہ حضرتِ حق جلّ شانہٗ سے مسخرگی کرتا ہے۔ آدمیوں کی حصولِ خوشنودی کا وسیلہ طاعتِ ربانی قرار دیا ہے۔ غیظ و غضب و دشمنی خدا اور فسادِ عمل سے خوف نہیں کرتا۔ آدمیوں سے امید نفع و مدح رکھتا ہے اور آخرت کے عذاب کا اندیشہ نہیں ہے۔ جناب مقدس الٰہی کو بندوں کے مقابل تو بے وقعت و بے اعتبار سمجھتا ہے حالانکہ تمام امور کا اختیار اُس کے قبضۂ قدرت میں ہے اور دونوں جہان کے مقاصد ابواب کی کنجی اس کے دستِ مشیت میں اور تمام بندوں کے دل اس کے حکم میں مسخر ہیں۔ اگر بالفرض تمام بادشاہانِ روزگار اور سلاطین ذو الاقتدار تمام لشکر و حشم کے ساتھ بلکہ تمام عالم باہم اتفاق کر کے بغیر قضا و قدر و مشیت الٰہی ایک جو برابر نفع یا ایک سر مو ضرر کسی کو پہنچانا چاہیں تو ممکن نہیں ہے۔ جس کو دیکھئے محتاج و درویش ہے اور اپنے کام میں عاجز، علاوہ اس کے ریا کے سبب سے عبادت فاسد ہے اور موجب

عتاب رب صمد جو یقینی و معلوم ہے اور جن مقصدوں کے آدمیوں سے حصول کی توقع رکھتا ہے وہ احتمال و موہوم۔

اکثر ہوتا ہے کہ حق تعالےٰ آپ کی ریا ان پر ظاہر کرتا ہے۔ اگر وہ کسی طرح ظاہر بھی نہ ہو اور آپ کے دام مکر میں پھنسیں تو یقین نہیں کہ وہ آپ کی مدح و ثنا کریں یا اُن سے آپ کو کوئی نفع پہنچے اور اگر کسی صورت آپ کو کوئی نفع دنیوی حاصل ہو جائے تو اس میں ہزار طرح کی خرابیاں اور ذلتیں شریک ہیں۔ باوجود ان کے جو کوئی ریا میں مبتلا ہے وہ ہمیشہ دنیا میں پریشان خاطر ہے۔ کیوں کہ اس کا مقصد آدمیوں کی رضامندی و خوشنودی ہوتی ہے چونکہ ہر کسی کی خواہش و آرزو اور ہر کسی کے دل کی تمنا و خوشنودی ایک طرح پر نہیں ہوتی اور آدمی کا دل ذراسی بات پر متغیر ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہمیشہ متوجہ رہ کر اُن کی خوشنودی کا لحاظ رکھتا ہے۔ جب ایک جماعت کو رضامند کرتا ہے تو دوسری اس سے ناراض ہو جاتی ہے۔ جب ایک شخص کے دل کو خوش کرتا ہے تو دوسرا اس سے دل شکستہ ہو جاتا ہے۔

ان تمام خرابیوں پر نظر کرتے ہوئے جیسا کہ اخبار و آثار اس پر شاہد ہیں، اور تجربے سے ثابت ہے جو شخص حق کی رضامندی سے ہاتھ اٹھا کر آدمیوں کی خوشنودی کا طالب ہو تو خدا و خلق اس کو دشمن جانتے ہیں اور کوئی شخص اس سے راضی نہیں ہوتا جو شخص رضائے خدا کو آدمیوں کی رضا پر مقدم رکھتا ہے تو تمام اُس کو دوست رکھتے ہیں تمام امور دنیا سے متعلق ہیں اس شخص زیاں کار کو درجات و منازل بلند آخرت کے حاصل نہیں ہوتے۔ اس کو عذاب و عقاب اخروی بیحد حاصل ہوتا ہے۔

جب عاقل ان امور کا خیال کرے اور اپنے نفس کا دشمن نہ ہو۔ خدا اور

روزِ جزا پر ایمان رکھتا ہو تو ضروری ہے کہ اس کی غفلت زائل ہو جائے اور اس کی طبیعت سے ریا دُور ہو۔

بیان مذکور الصدر معالجہ علمی تھا۔ لیکن علاج عملی یہ ہے کہ اپنی عبادتوں کو چھپانے کی عادت ڈالے اور بوقتِ عبادت اپنے گھر میں کسی کو اندر آنے نہ دے اسی طرح اپنے گناہوں کو آدمیوں سے پوشیدہ رکھیے کہ صرف خدا آپ کی عبادتوں سے واقف ہو اور آپ کا نفس اپنے اعمال پر آدمیوں کے آگاہ ہونے کی خواہش نہ کرے۔ آدمیوں کی طمع کے باعث عبادت بجا نہ لائے اس کی نظر میں مطلقاً ریا نہ ہو مگر حکمِ الٰہی کے باعث عبادات میں مشغول ہو اور اکثر پھر بھی شیطان مردود اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ خصوصاً اثنائے عبادت میں اس کا حائل ہو جاتا ہے۔

پس بہت سے امور اُس کے دل میں پیدا کرتا ہے اور توہمات و افکار اس کے دل میں ڈالتا ہے تاکہ تھوڑی سی ہی خواہشِ ریا اس کو حاصل ہو اور اس کے دل کو مضطرب کرے۔ اگر اس وقت وہ شخص خود اس حالت سے کراہت رکھے اپنے نفس سے مجادلہ کرے اور اس پر متغیّر ہو تو کوئی گناہ نہیں اور اس کی عبادت فاسد نہیں ہوتی۔ اگر اس طرح وسوسۂ شیطانی حاصل ہونے پر بھی اس پر التفات نہ کرکے دل کو مشغولِ عبادت کیا اور حضورِ قلب ترک نہ کیا اور شیطان کے مجادلہ و معاوضہ کی پروا نہ کی تو شیطان ریا سے مایوس ہو کر اس کے دل میں ریا کا وہم ڈالتا ہے کہ وہ اس معاوضہ و مجادلہ کے ذریعہ سے وہم دفع کرنے کے لیے درپے ہو اور حضورِ قلب سے باز رہے۔ اگر آدمی اس وہم کے دفع کے لیے شیطان کے جواب میں مشغول ہُوا تو شیطان کا مطلب پورا ہو جاتا ہے اور اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ لیکن جب اُس پر ملتفت نہ ہو اور قوتِ قلب سے عبادت

میں متوجہ ہو تو شیطان اس سے مایوس ہو جاتا ہے اور پھر اس کے نزدیک نہیں آتا۔

پس مومن کو سزاوار یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے دل میں ریا کو مکروہ جانے۔ قربت کا قصد رکھے اور یہ قرار داد کرلے کہ یہ توہم اور خطرے شیطان لعین کے وساوس ہیں اور اُن پر ملتفت نہ ہو اور اپنے دل نے جو قرار دیا ہے اس پر بھروسہ کرے بلکہ عبادت و اخلاص کو ترقی دے تاکہ شیطان ناامید ہو جائے۔ جب شیطان بندہ کو اس قسم کا پاتا ہے تو دوسرے وقت متعرض نہیں ہوتا۔

بیان صدر ریا سے مخصوص نہیں بلکہ تمام عقائد وصفات وملکات میں چاہیئے یہی طریقہ رکھا جائے۔ مثلاً آدمی کو خدا اور اس کے صفات کمالیہ اور اس کے پیغمبر و اوصیاء و امر معاد میں یقین کامل حاصل ہو اور اپنا دل ان پر قائم رکھے، اور خاطر جمع رہے اور شک و وہم سے کراہت رکھتا ہو تو شیطان لعین بعض اوقات بعض وسوسہ اس کے دل میں ڈالتا ہے اور اس کا دل پریشان کرتا ہے اور شیطان کے دور کرنے اور اس کے اعتراض و جواب میں مشغول نہ ہونا چاہیئے بلکہ اپنے اسی یقین پر قائم رہ کر توہمات اور وساوس شیطانی کا اعتقاد رکھے، اور جانے کہ کوئی اصلیت نہیں ہے؛ ورنہ ان پر کوئی اعتبار اس لیے ان کو ترک کرے۔ اگر شیطان کے ساتھ مجاہدہ میں مشغول ہو تو شیطان کو رغبت ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ اس کے عقائد فاسد کرتا ہے۔ جب کئی بار ایسا کیا جائے تو شیطان اس کا پیچھا چھوڑ دیتا ہے اور ایسا ہی حسد، کینہ، رضا، توکل وغیرہ میں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ شیطان بندوں کے کاموں کو خراب کرنے کے لیے بعض اوقات ان کی نیت یا قرأت یا طہارت وغیرہ میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ اگر کوئی شخص چند بار اعتنا نہ کرے اور بموجب شرع عمل کرے تو اس کا پیچھا چھوڑ

دیتا ہے۔ اگر وہ اسی کے خیالات میں رہے تو ہر روز اس کے وسوسوں کو زیادہ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ عبادت سے باز رہتا ہے۔ اور کسی عمل پر اطمینان نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی مجلس علمی یا وعظ یا نماز جماعت میں جانا چاہتا ہو لیکن کوئی فاسق چاہے کہ اس کو روکے اور اس مجلس میں جانے نہ دے۔ اس لیے راستے میں اس سے دوچار ہو کر اس کو فریب دیتا ہے کہ اس عقیدہ سے اس کو پلٹائے۔ اگر وہ شخص اس فاسق سے راستہ میں کھڑا ہو کر جواب و سوال میں اپنا وقت صرف کرے تو اس فاسق کا مطلب پورا ہوتا ہے، اور اس سے محروم ہر روز وہ فاسق اسی طمع میں سرِ راہ ٹھہرتا ہے۔ لیکن اگر اس کے ساتھ مطلقاً اعتنا نہ کی جائے اور اس کی بات نہ سنے اور فوراً اپنے کام کے لیے چلا جائے۔ چند وقت اسی طرح عمل کرے تو وہ فاسق مایوس ہوتا ہے اور اس کا پیچھا چھوڑ دیتا ہے۔

فصل (۴)

حقیقتِ اخلاص

واضح ہو کہ ریا کی ضد اخلاص ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ خدا کا ہی ارادہ خالص ہو اور ماسوے اللہ کی نیّت نہ رکھی جائے جس عبادت کا قصد اس حد تک نہ ہو اس میں اخلاص نہیں ہے۔ جو شخص بقصدِ ریا یعنی آدمیوں کو دکھلانے اور ان کے نزدیک قدرو منزلت حاصل کرنے کے لیے عبادت کرتا ہے وہ مرائیٔ مطلق یعنی ریا کرنے والا ہے۔ اگر قصدِ قربت رکھتا ہو۔ لیکن اس میں دوسری غرض دنیوی سوائے ریا کے بھی ملی ہوئی۔ مثلاً پرہیز کے باعث روزہ رکھے یا بندہ کو آزاد کرنے میں جب کہ اس کا کوئی خریدار نہ ہو اور زیادتی اخراجات یا شرارت و بدخلقی سے نجات کا قصد ہو یا حج میں بعض تکالیف وطن یا دشمنوں کے شر سے نیتِ خلاصی یا تحصیلِ علم میں قصدِ برتری و عزت یا وضو اور غسل میں نیتِ خنکی یا پاکیزگی یا سائل کو صدقہ دینے میں اس سے چھٹکارے کی نیّت ہو یا ایسی ہی صورتیں۔ اگرچہ ایسے اشخاص صاحب ریا نہیں ہوتے لیکن ان کا عمل اخلاص سے دور ہے۔

اخلاص وہ ہے کہ جس کا عمل ان تمام صورتوں اور اغراض سے بری ہو اور اس کا سبب تقربِ خدا ہو۔ اخلاص کا وہ مرتبہ بہت بلند ہے جو کسی عمل میں دنیاوی

آخرت کی کسی عوض کا ہرگز قصد نہ رکھتا ہو اور اس کو دونوں عالم کا اجر منظور نہ ہو۔ صرف رضائے حق سبحانہٗ تعالیٰ پر اس کی نظر ہو۔ بجز اس کے کوئی مقصود و مطلوب نہ ہو یہ صدیقوں کا مرتبۂ اخلاص ہے اور کوئی اس مرتبہ پر نہیں پہنچتا۔ مگر وہ شخص جو دریائے حبّ الٰہی میں مستغرق ہو اور اس کی محبت میں دیوانہ و حیران اور نہ اس کو دنیا پر کوئی التفات ہو اور نہ آخرت پر اس مرتبہ کا حاصل ہونا میسّر نہیں۔ مگر اس صورت میں جب کہ تمام خواہشاتِ نفسانی سے دست برداری اختیار کی جائے اور ہوا و ہوس کو ترک۔ اپنا دل پروردگار کے ذکر صفات و افعال میں مشغول کریں اور اپنا وقت اس کی مناجات میں صرف۔ تاکہ اس کے جلال و عظمت کے انوار اس کے میدانِ دل پر پَرتو ڈالیں اور اس کی محبت اس کے دل میں جاگزیں ہو۔

پست ترین مرتبۂ اخلاص کو اخلاص اضافی کہتے ہیں۔ جو اپنے عمل میں وصول ثواب اور عتاب کا قصد رکھتا ہو۔ بہت سی طاعتیں اور عبادتیں جن کے بجالانے میں اپنے پر تکلیف و رنج کھینچتے ہیں اور ان کو خدا کے لیے خالص جانتے ہیں لیکن حقیقتاً یہ غلطی ہے۔

جیسا کہ ایک شخص کی حکایت بیان کی جاتی ہے۔

کسی نے کہا کہ :

مَیں نے تیس سال مسجد کی صفِ اوّل میں نماز پڑھی۔ اتفاقاً ایک روز مسجد میں کسی وجہ سے دیر کو پہنچا۔ پہلی صف میں جگہ نہ ہونے سے دوسری صف میں کھڑا رہا۔ جب کہ آدمیوں نے مجھ کو دوسری صف میں دیکھا تو مجھ کو خجالت ہوئی۔ مَیں نے جانا کہ چند سال آدمیوں کی مجھ کو صفِ اوّل میں دیکھنے کے باعث میرے دل کو اطمینان تھا اور مَیں اس پر خوش تھا اور اس حالت سے

واقف نہ تھا۔ اگر اعمال سے پردے اٹھا دئیے جائیں اور ان کی باریکیوں پر ہر شخص پہنچے تو ایسا بہت کم عمل باقی رہ جاتا ہے جو تمام آفات سے بری ہو۔ جب قیامت کا دن ہوگا اور آنکھیں بینا ہوں گی تو اکثر آدمی اپنے اعمالِ مسدد کو دیکھیں گے کہ وہ معصیت ہی معصیت ہے۔

جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا

یعنی: "ان لوگوں کے لیے برائیاں ظاہر ہوں گی۔ جو انھوں نے کیا ہے۔"

وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ

"اور اُن کے لیے منجانب خدا پیدا ہوں گے جن کا انھوں نے گمان نہیں کیا ہے۔"

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا۔

"کہو جو بلحاظ حیثیت اعمال بدکار ہیں ان کی تم کو خبر دُوں وہ لوگ جن کی کوشش زندگانیٔ دنیا میں ضائع ہوتی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اعمال نیک کرتے ہیں۔ جب قیامت ہوگی

اور اعمال کی خرابی ظاہر کی جائے گی تو بجز روسیاہی و ندامت کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔"

جن امور سے سرچشمہ اخلاص خراب ہوتا ہے اور نیّت خالص نہیں رہتی ان کے درجات مختلف ہیں۔ ان میں سے بعض ظاہر اور روشن ہیں جن میں کوئی شبہ نہیں ہوتا۔ مثلاً ظاہر ریا یعنی وہ عمل جو بقصد خودنمائی کیا جائے۔ بعض کسی قدر مخفی ہیں مثلاً آدمیوں کی حضوری میں خلوت سے بہتر عبادت بجا لائی جائے اور خضوع و خشوع میں زیادہ تر کوشش کی جائے اس ارادہ سے کہ آپ کی طرف تمام لوگ رجوع ہوں اور جو کچھ آپ سے مشاہدہ کریں اس کو حاصل کریں اور اس عمل میں آپ کی پیروی۔ اگر آپ کا یہ عمل خدا کے لیے خالص ہوتا تو خلوت میں بھی اسی طرح بجا لاتے۔ اگر آپ ایسی قدر عبادت میں خضوع بہتر جانتے اور دوسروں کے لیے اس کا ترک کرنا پسند نہیں کرتے پھر کیونکر آپ خلوت میں ترک کرتے ہیں اور اپنے لیے اس کا ترک کرنا پسند کرتے ہیں۔ نیز جس شخص سے بہت سی عبادتیں ترک ہوتی ہیں اس سے بہت سے معاصی بھی سرزد ہو جاتے ہیں۔ آپ ہرگز ان کی فکر نہیں کرتے اور نہ ان کی اصلاح کی کوشش اور اس صورت سے زیادہ مشکل وہ ہے کہ جب آپ نے اس مکر سے شیطان کے فائدہ اٹھایا تو وہ لعین ایک اور بہت عمدہ مکر شروع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جب آپ آدمیوں کی پیروی کے واسطے ان کی حضوری میں نہایت خشوع سے عبادت بجا لاتے ہیں تو خلوت میں بھی اسی طرح بجا لائیں کہ خلوت و حضوری کی ایک حالت ہو جائے اگر آپ غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ بھی شیطان لعین کا فریب ہے کیونکہ مجمع و خلوت ہر دو مقام میں آپ کی نیّت کو خالص رکھنا نہیں چاہتا ہے۔ کیونکہ ابھی آپ کو خلق کا پاس و لحاظ ہے اور آپ کی خلوت کا خشوع مجمع کے خضوع کی بناء پر ٹھہرایا جاتا ہے اور مجمع کے خضوع میں قربت نہیں ہے۔ ہاں اُس وقت آپ کی نیّت خالص ہوتی جبکہ خلق سے آپ کی

التفات نہ رکھتے اور بحالتِ عبادت تمام مخلوق کا وجود وعدم آپ کے نزدیک یکساں ہوتا اور آپ کی عبادت کی اطلاع جانوروں یا آدمیوں کو ہونے سے کوئی فرق نہ ہوتا لہٰذا اگر بندے کے حالات واعمال میں اگر ان حالتوں میں کوئی فرق پیدا ہوتا ہو تو وہ اخلاص خالص نہیں ہے اور اس کا باطن خرابیوں میں آلودہ۔

واضح ہو کہ حسب مندرجہ صدر قربت کے ساتھ جو قصد ملا ہوا ہو اور اخلاص سے جو غرض مخلوط ہو۔ اگر وہ ریا یعنی اغراضِ دنیوی حبّ جاہ یا طمعٔ مال ہو تو وہ عبادت کو فاسد کرتی ہے خواہ وہ قصد قریب پر غالب ہو یا اس کے مساوی یا اس سے بہت کم۔ عمل باطل ہونے کے علاوہ ریا کے سبب سے دوسرا عذاب اس پر مترتب ہو جاتا ہے۔ اگر وہ عبادت واجبات سے ہو تو دوسرا عذاب اُس ترکِ عبادت کی وجہ سے ثابت ہے۔ مگر یہ کہ اس کی قضا کرے۔ اگر مقاصد صحیحہ شرعیہ سے ہو اور موافق شریعت اس کا رجحان پایا جائے۔

مثلاً :

تعلیم غیر یا اقتدائے غیر وغیرہ یہ عبادت کو فاسد نہیں کرتی اور اس کے اجر وثواب میں کمی واقع نہیں ہوتی۔

فصل (۵)

اخلاص کا بلند مرتبہ

اور اُس کی شرافت

واضح ہو کہ اخلاص مقاماتِ مقربین سے ایک مقام بلند ہے اور منازلِ راہِ دین سے ایک منزلِ مضبوط۔ بلکہ کبریتِ احمر و اکسیر اعظم ہے۔ جس نے اس کے وصول کی توفیق پائی وہ مرتبہ عظیم پر ممتاز ہُوا۔ جس نے اس کی تحصیل میں کوشش کی وہ درجۂ بلند پر سرفراز، کیونکہ حقیقت میں بنی نوع انسان اسی لیے پیدا کیا گیا۔

چنانچہ حق سبحانہٗ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ
مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ۔

"حالانکہ اُن کو کچھ اور حکم نہیں دیا گیا۔ مگر یہ کہ خدا کی

عبادت کریں اس حالت میں کہ اس کے لیے دین کو خالص کیے ہوں۔"

اور ملاقاتِ پروردگار جو مقصود و انتہائی مطلوب ہے۔ اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔

ایسا ہی فرماتا ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا۔

یعنی: "جو شخص ملاقاتِ پروردگار کی آرزو رکھتا ہو پس اس کو عملِ نیک بجالانا چاہیئے۔ پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرنا چاہیئے۔"

بعض اخبارِ قدسی میں وارد ہوا ہے کہ: اخلاص میرے اسرار سے ایک سِر ہے۔ جس کو میں نے ہر ایک بندے کے دل میں امانت رکھا ہے کہ اس کو دوست رکھوں۔

حضرت پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ:

"اگر کوئی بندہ کوئی عمل چالیس روز اخلاص کے ساتھ بجالائے تو حکمت کے چشمے دل سے اس کی زبان پر جاری ہوتے ہیں۔"

فرمایا کہ:

"عمل خدا کے لیے خالص کرو کہ وہ تھوڑا ہی عمل تم کو کافی ہے۔"

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ زیلوتی عمل کی پابندی نہ کرو اور اس طرح بجا لاؤ کہ وہ درجۂ قبول کو پہنچے۔ ؎

طاعت آن نیست کہ بر خاک نہی پیشانی

صدق پیش آر کہ اخلاص بہ پیشانی نیست

فرمایا کہ خوشا بحال اس شخص کا جو عبادت و دعا کو خدا کے لیے خالص کرتا ہے دنیا کی چیزیں آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ ان میں دل مشغول اور خدا کی یاد کو فراموش نہیں کرتا اور جو چیزیں خدا نے دوسروں کو عطا کی ہیں ان کے گننے سے محزون نہیں ہوتا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ کسی بندے نے اپنا ایمان چالیس روز تک خدا کے لیے خالص نہیں کیا۔ مگر یہ کہ خدا نے اس کو دنیا میں زہد کرامت فرمایا اور اس کو دنیا کے دردوں اور دواؤں سے بینا کیا اپنی حکمت اس کے دل میں قرار دی اور اس کی زبان کو اس پر گویا کیا۔

حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اخلاص تمام اعمالِ فاضلہ کو جمع کرتی ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے قبول کی کنجی اور اس کی چک (قبالہ) رضا ہے۔ پس جس کے عمل کو خدا قبول کرتا ہے۔ جس سے راضی رہتا ہے وہ مخلصوں سے ہے حالانکہ وہ تھوڑا عمل کرنے والا ہو۔ جس شخص کے عمل کو خدا قبول نہیں کرتا وہ مخلص نہیں ہے۔ گو اس کا عمل زیادہ ہو۔

بعد اس کے فرمایا کہ ادنیٰ مرتبۂ اخلاص وہ ہے کہ بندہ اپنی طاقت کی حد تک بجا لائے اور اپنے عمل کے لیے کوئی قدر و مرتبہ خدا کے مقابل قرار نہ دے۔ جس کے ذریعہ سے اس کی مکافات و اجرت خدا سے طلب کر سکے۔ کیونکہ آپ سے اگر خدا حق بندگی طلب کرے تو آپ اس کی ادائیگی سے عاجز ہیں۔ بندۂ مخلص کا دنیا میں

مقامِ پست یہ ہے کہ تمام گناہوں سے مبرا ہے۔ آخرت میں وہ ہے کہ جہنم سے خلاصی ہو اور بہشت پر فائز۔ حاصلِ کلام صفتِ اخلاص تمام اخلاقِ فاضلہ اور تمام ملکاتِ حسنہ سے کامل ہوتی ہے۔ قبولِ عمل اس سے متعلق ہے اور عبادت کی صحت اس پر موقوف۔ جس عمل میں اخلاص نہ ہو پروردگار کے نزدیک وہ قابلِ اعتبار نہیں اور محاسبانِ روزِ جزا کے نزدیک بے فائدہ ہے۔ بلکہ جب تک مرتبۂ اخلاص حاصل نہ ہو شیطان کے شر سے خلاصی میسر نہیں ہوتی۔ کیونکہ اُس لعین نے ربّ العالمین کی عزت کی قسم کھائی کہ سوائے صاحبانِ اخلاص کے تمام بندوں کو گمراہ کروں گا جس کی نسبت قرآن مجید میں آیا ہے:

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۔

نیز یہ حکایت جس کی شاہد ہے۔ بنی اسرائیل سے وارد ہے کہ ایک درخت تھا جس کی ایک جماعت پرستش کرتی تھی۔ بنی اسرائیل کے ایک عابد کو اس کی اطلاع ہوئی اور وہ غیرتِ ایمان کے باعث تیشہ اٹھا کر اُس درخت کو کاٹنے چلا۔ راستہ میں شیطان نے بصورتِ انسان دوچار ہو کر پوچھا کہ تو کہاں جاتا ہے؟

عابد نے جواب دیا کہ میں اُس درخت کو کاٹنے جاتا ہوں جس کو کفار کی ایک جماعت بجائے پروردگار کے پرستش کرتی ہے۔

شیطان نے کہا کہ تجھ کو اس سے کیا غرض؟

حاصلِ کلام ان دونوں میں گفتگو طویل ہوئی۔ آخرکار ہر ایک نے دوسرے کے گریبان میں ہاتھ ڈالا۔ عابد نے شیطان کو زمین پر دے پٹکا جب شیطان عاجز ہو گیا تو اس نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تو یہ کام ثواب کی غرض سے کرنا چاہتا ہے۔ میں تجھ کو ایک

ترکیب بتاتا ہوں۔ جس کا ثواب اس سے زیادہ ہے وہ یہ کہ اب ہر روز تیری جانماز کے نیچے سے اس قدر تعداد میں مبلغ نکلیں گے تو اُن کو لے اور فقراء میں خیرات کر۔ عابد نے شیطان کا فریب کھا کر اُس درخت کے کاٹنے کا ارادہ ترک کر دیا اور گھر کو واپس ہو گیا۔ ہر روز اس کی جانماز کے نیچے اُسی قدر مبلغ نکلتے، جس قدر شیطان نے کہا تھا۔ وہ اُن کو لے کر فقراء پر بخشش کرتا۔ جب اسی طرح چند روز گذر گئے تو شیطان نے اس کا وظیفہ بند کر دیا۔ جب عابد نے اپنی جانماز کے نیچے مبلغ نہ پایا تو تیشہ اٹھا کر اُس درخت کے قطع کرنے کو چلا۔ پھر شیطان راستہ میں ملا اور اُس سے لڑائی پر آمادہ ہُوا۔ اس وقت شیطان نے غالب ہو کر عابد کو زمین پر گرا دیا۔

عابد نے حیران ہو کر شیطان سے پُوچھا کہ :

"کس طرح تُو اس دفعہ مجھ پر غالب ہُوا۔"

اس نے کہا :

" اس وجہ سے کہ ابتداء میں تیری نیّت خالص تھی اور خدا کی خوشنودی کے خیال سے تُو نے درخت کے کاٹنے کا قصد کیا تھا۔ اور اس وقت تُو طمع کے باعث درخت قطع کرنا چاہتا ہے اور تیری نیّت خالص نہیں۔ اس وجہ سے مَیں تجھ پر غالب ہُوا۔

بائیسویں صفت

منافقانہ برتاؤ کی مذمت

واضح ہو کہ منافقانہ برتاؤ دوروئی اور دوزبانی ہے۔ اس طریقہ پر کہ کسی کے سامنے اس کی مدح و ثناء کی جائے اور اظہارِ دوستی و خیرخواہی، اور اس کے غیب میں اس کے برخلاف اس کی مذمت کی جائے، اور اس کی ایذا میں کوشش۔

یا یہ کہ دو آدمیوں کے نزدیک جو ایک دوسرے کے دشمن ہوں۔ آمدورفت رکھی جائے۔ ہر ایک کے ساتھ دوسرے کی دشمنی میں موافقت کی جائے اور اپنے کو اس کا دشمن بتلائیں۔ اس کو دوسرے کی عداوت پر تعریف کریں اور اس کی دشمنی کو اس کی نظر میں جلوہ دیں اور یہ باور کرائیں کہ آپ بھی اس کی یاری کرتے ہیں۔ یہ صفت مہلکاتِ عظیمہ سے ہے۔

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ :

" دنیا میں جس کے دو منہ ہوں۔ اس کو قیامت میں آگ کی دو زبانیں دی جائیں گی۔"

نیز فرمایا کہ :

" جو شخص دو زبان رکھتا ہو قیامت میں اس طرح آئے گا۔ جس کی ایک زبان اس کی گدی سے باہر لٹکتی ہو گی اور دوسری زبان اس کے منہ کے آگے۔ ان دونوں سے اس طرح شعلے نکلیں گے کہ اس کے رُخسار جلیں گے اور ندا ہو گی کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو دُنیا میں منافقانہ برتاؤ رکھتا تھا۔"

واضح ہو کہ یہ اس صورت سے متعلق ہے۔ جب کسی شخص کی دو دشمنوں میں آمد و رفت اور ان کے ساتھ موافقت رکھنے کی غرض یہ ہو کہ اُن میں پوری طرح دشمنی ڈالی جائے یا اور کوئی صورت اسی طرح ہو۔ لیکن کسی کی آمد و رفت ان دو شخصوں کے درمیان ہو جو آپس میں دشمنی رکھتے ہوں اور وہ اپنی دوستی کا ہر ایک سے اظہار کرے اور حقیقت میں ان دونوں کا دوست ہو تو یہ نفاق نہیں ہے۔ گو اس کی دوستی ہر ایک کے ساتھ سچّی اور حقیقی نہ ہو۔ کیونکہ جب کسی کا کوئی سچّا دوست ہوتا ہے تو اس کے دشمن کے ساتھ دوستی نہیں رکھتا ہے۔ ایسا ہی اگر کوئی شخص کسی کے شر سے ڈرتا ہے تو اس کا شر دفع ہونے کی غرض سے اس کے ساتھ دوستی کا اظہار اور اس کی تعریف کرتا ہے جس کو وہ جھوٹی جانتا ہے۔ اگرچہ یہ بھی نفاق ہے لیکن اُس حد تک جس کی ضرورت لاحق ہو تو مذموم نہیں اور شرعاً جائز ہے۔

جیسا کہ مروی ہے کہ :

حضرت پیغمبر صلعم کے دولت خانہ میں ایک شخص نے حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ حضرت نے فرمایا :

" اس کو بلا لیا جائے کہ وہ شخص تمام قبیلہ سے بد ہے۔"

جب وہ شخص حاضر ہُوا تو حضرتؐ نے اس کے ساتھ نرمی سے تکلّم فرمایا۔

حاضرین نے گمان کیا کہ حضرت کے نزدیک اُس شخص کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے جب وہ باہر چلا گیا تو عرض کیا گیا کہ :

" اوّل آپؐ نے اس طرح ارشاد فرمایا اور جب وہ حاضر ہُوا تو آپؐ نے اس کے ساتھ نیک طریقہ سے سلوک فرمایا۔"

ارشاد ہُوا کہ بدترین خلق خدا قیامت میں وہ شخص ہے کہ آدمی جس کا احترام و اکرام اس غرض سے کریں کہ اُس کے شر سے حفاظت ہو۔

تمام احادیثِ خصوص تقیہ و مدارا میں جس قدر وارد ہوئی ہیں اسی مطلب پر دلالت کرتی ہیں۔

بعض اصحاب سے منقول ہے کہ ہم اُن اشخاص کے سامنے خوشی و خرّمی ظاہر کرتے تھے جن پر ہمارے دل لعنت کرتے تھے۔

جیسا کہ اشارہ کیا گیا اور اس قسم کا برتاؤ اُس وقت جائز ہے جبکہ اس کے شر سے ناچار ہوں اور اس کی آمد و رفت کی ممانعت اور اس کے ساتھ ترکِ مدارا میں گمانِ ضرر پیدا ہو۔

قطعۂ تاریخِ طبع

مِن تصنیف مترجم

زہی مضمونِ معراج السعادت — ہمہ شیدا و والہ از دل و جان!
نمودہ جمع از بہر ہدایت — روایاتِ نبیؐ احکامِ قرآن
بحمد اللہ اکنون ترجمہ شد — پے تفہیمِ ہر کس باشد آسان
عجب این نسخہ در علمِ اخلاق — شدہ مطبوع از توفیقِ یزدان
بود مقبول دلہا بار الٰہا — شود مرغوبِ طبعِ اہلِ عرفان
نمودم فکرِ سالِ ہجری طبع — نہادم سر چو فرق چون اندر گریبان

صدا این ہاتفِ غیبی بمن داد
بگو لائقؔ۔ چراغِ اہلِ ایمان
۱۳۴۲ھ

ولہ ایضاً

کتابیست این نادر اندر آفاق — بہر طبع باشد نہ چون این مطبوع

چنین مصرع سال لائقؔ برگفت
عروج السعادت شدہ این مطبوع
۱۳۴۲ھ

ولہ ایضاً

ہے جو معراج السعادت علم میں اخلاق کے
مَیں نے اُردو میں کیا اُس کا برابر ترجمہ
شکر خلاقِ دو عالم ہے ہُوا دہ طبع آج
صاحبِ ایمان ہر اک سے ہے شادمُن کر ترجمہ
نہی منکر امر بالمعروف کا ہے اندراج
کیوں نہ ہو مرغوبِ خاطر یہ مقرر ترجمہ

طبع کے جب سالِ ہجری کی ہُوئی لائق کو فکر
کہہ دیا ہاتف نے۔ ہے واللہ بہتر ترجمہ
۱۳۴۲ھ

اعتذار

فہرست میں چند صفحے غلط درج ہو گئے ہیں۔ ہم اس کے لیے معذرت خواہ ہیں۔

نمبر شمار	مضمون	غلط صفحہ نمبر	درست صفحہ نمبر
۱۶۸	مذمتِ فساد اور اصلاح کی شرافت	۷۷۳	۷۷۱
۱۶۹	مذمتِ شماتت	۷۷۵	۷۷۳
۱۷۰	لڑائی اور جھگڑے کی مذمت	۷۷۷	۷۷۴
۱۷۱	مسخرگی اور استہزاء کی مذمت	۷۸۴	۷۸۱
۱۷۲	ظرافت و شوخی اور ہنسی کس قدر	۷۸۷	۷۸۳

ناشر
مکتبہ ولی العصر
ایچ بلاک — ماڈل ٹاؤن — لاہور